پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے شاگرد رشید

حضرت العلامہ مولانا الحاج محمد عثمان غنی صاحب

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

مصنف

حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب امروہوی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

جلد ہفتم | حدیث | ۱۵۵۶-۱۷۶۳

کتاب الزکاۃ • کتاب اللُّقَطَۃِ • کتاب المناسک

زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور ۲۴۷۵۵۴

مصنف

حضرت مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب امروہوی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

جلد ہفتم: حدیث: ۱۵۵۶-۱۷۶۳

• کِتَاب الزَّکَاۃِ • کِتَاب اللُّقَطَۃِ
• کِتَاب الْمَنَاسِکِ

۲۴۷۵۵۴

زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور یوپی

مصنف: حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب القاسمی

تصحیح کنندہ: مولانا رضی آزاد قاسمی شیرازی

سن اشاعت: ۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۷ھ

باہتمام

ذوالفقار علی

ناشر

زکریا بکڈپو دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴ (انڈیا)

کمپیوٹر کتابت: افضل کمپیوٹرس دیوبند 98 47 51 57 96

ضروری گزارش

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے السمح المحمود فی حل سنن ابی داؤد کا آٹھ جلدوں میں عظیم علمی وتحقیقی کام مکمل ہوچکا ہے، مزید جلدوں پر کام جاری ہے، انسانی استطاعت کے مطابق ہرممکن کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔

تاہم انسان سے غلطی اور سہو کا صادر ہونا عین ممکن ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا اعتراف بھی ہے اس لیے اگر قارئین کرام کو ایسی غلطی نظر آجائے جو قابل اصلاح ہو تو اس کی نشاندہی فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

ذوالفقار علی

مالک زکریا بکڈپو دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الزَّكَاةِ

زکوۃ کا بیان

یہاں سے حضرت ابوداؤدؒ زکوۃ کے مسائل شروع فرما رہے ہیں، باب کی احادیث کی تشریح سے پہلے ہم زکوۃ کے تعلق سے چند ضروری مباحث کو نقل کرتے ہیں، تاکہ کتاب الزکاۃ کی احادیث کی تفہیم علی وجہ البصیرت ہو سکے۔

ماقبل سے مناسبت:

ماقبل میں نماز کا بیان تھا، اس کے معا بعد زکوۃ کے بیان کو قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں لا رہے ہیں، کیوں کہ قرآن کریم میں بتیس مقامات پر صلاۃ کے ساتھ زکوۃ کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح مشہور حدیث ''بني الإسلام علی خمس'' میں بھی نماز کے بعد زکوۃ ہی کا ذکر ہے، محدثین اور فقہاء میں اکثر کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے، حضرت امام بخاری، حضرت امام مسلم، اور امام ترمذیؒ نے بھی پہلے صلاۃ کو نقل کیا ہے، پھر زکوۃ کو لائے ہیں، البتہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں کتاب الصلاۃ کے بعد کتاب الصوم ہے جو قیاس کے مطابق ہے اس لیے کہ نماز اور صوم دونوں عبادت بدنیہ ہیں، واللہ اعلم بالصواب

زکاۃ کا معنی ومفہوم:

زکاۃ کے لغوی معنی پاکی کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں "مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار" کو زکاۃ کہتے ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد غریبوں کی مدد، معاشرتی فلاح و بہبود میں صاحب ثروت لوگوں کا حصہ ملانا اور مستحق لوگوں تک زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچانا ہے۔ (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الزكوة: ١/ ٩٩، دار الكتب العلميه)

الزكاةفي اصطلاح علماءالفقه هي. حصةمن المال يجب دفعه للمستحقين ، أو الجزء المخصص للفقير والمحتاج من أموال الغني ،أو هي: تمليك المال من

فقيرمسلم غيرهاشمي، ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى ؛لقوله تعالى﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾والإيتاء هوالتمليك ومراده تمليك جزء من ماله، وهوربع العشرأومايقوم مقامه (البحر الرائق شرح كنز الدقائق لزين الدين بن إبراهيم بن نجيم)

یادرہے کہ" زکاۃ" کے لیے قرآن وسنت میں" صدقہ" کا لفظ بھی استعمال کیا گیاہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:" خُذ مِن أَمَوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم بِهَا "[التوبۃ:۱۰۳] یعنی" (اے پیغمبر) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے" اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ انسان کے اخلاق وکردار کی پاکیزگی کا بڑاذریعہ ہے۔

وجہ تسمیہ: زکوۃ کوزکوۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مال کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تواس کادل مال کی طرف مائل ہوجاتا ہے، دل کے اس میلان کی وجہ سے مال کومال کہا جاتا ہے، اور مال کے ساتھ اس مشغولیت کی وجہ سے انسان کئی روحانی واخلاقی بیماریوں اور گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، مثلا: مال کی بے جامحبت، حرص اور بخل وغیرہ۔ان گناہوں سے حفاظت اورنفس ومال کی پاکی کے لیے زکوۃ وصدقات کومقرر کیا گیاہے، اس کے علاوہ زکوۃ سے مال میں ظاہری یامعنوی بڑھوتری اور برکت بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے بھی زکوۃ کانام زکوۃ رکھا گیا۔

وسميت الزكاة: زكاة؛ لأنها تزكي المال، أي: تطهره، وتعود على المزكي بالزيادة في الخير، والبركة في المال، ونمائه، ومضاعفة الأجر، كما أنها تزكية لنفس المزكي، قال الله تعالى: ﴿تطهرهم وتزكيهم بها﴾. وقيل سميت زكاة؛ لأن المال يزكو بها أي: ينمو ويكثر، زكاء المال زيادته ونماؤه. قال ابن منظور: وقيل لما يخرج من المال للمساكين من حقوقهم زكاة؛ لأنه تطهير للمال وتثمير وإصلاح ونماء . قال في المبدع: فسمي المال المخرج زكاة؛ لأنه يزيد في المخرج منه، ويقيه الآفات . فهي تزيد في المال الذي أخرجت منه، وتقيه الآفات، قال الله تعالى: ﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها﴾، وفي الحديث: قال رسول الله : إن الله ليربي لأحدكم صدقته كما يربي أحدكم فلوه . فنفس المتصدق تزكو، وماله يزكو، يَطْهُر ويزيد ويبارك فيه، وينمو بالخلف في الدنيا والثواب في الآخرةلسان العرب لابن منظور. كلمة: (زكا) ج: ،٧ ص:٤٦)

زکاۃ کی فرضیت:

زکاۃ اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اس کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جن کا انکار کرنا کفر ہے، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہوجاتا ہے، جیسے نماز کا انکار کرنے والا شخص اسلام سے نکل جاتا ہے۔ زکاۃ کی فرضیت ہجرتِ مدینہ سے پہلے ہوئی جبکہ دوسری طرف بہت سی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی؛ چنانچہ اس بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نفسِ فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہوگئی تھی؛ لیکن اس کے تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد سن (2 ہجری) میں نازل ہوئے۔

الزكاة في الإسلام هي الركن الثالث من أركان الإسلام الخمسة، وهي مفروضة بإجماع المسلمين، بأدلة من الكتاب كقول الله تعالى: ﴿وآتوا الزكاة﴾ ﴿وَأَقِيمُواْ الصَّلَاةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ والأحاديث المستفيضة. واقترنت الزكاة بالصلاة في القرآن في اثنين وثمانين آية، وهذا يدل على أن التعاقب بينهما في غاية الوكادة والنهاية كما في المناقب البزازية. وفرضت الزكاة في السنة الثانية للهجرة، ودلت على فرضها آيات، فعلى القول بأنها مكية؛ اعتبر أنها فرضت بمكة، لكن يمكن حمل هذا القول على أنها فرضت قبل الهجرة على سبيل الإجمال، قال في شرح المقنع: واختلف العلماء هل فرضت بمكة أم في المدينة وفي ذلك آيات، وذكر صاحب المغني والمحرر وحفيده أنها مدنية، قال في الفروع: ولعل المراد طلبها، وبعث السعاة لقبضها، فهذا بالمدينة

(المبدع شرح المقنع، لأبي إسحاق برهان الدين بن محمد بن عبد الله الحنبلي–كتاب الزكاة–)

زکوۃ کی فرضیت کی شرائط

زکوۃ فرض ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں:

مسلمان ہونا، کافر پر زکوۃ واجب نہیں۔

بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

عاقل ہونا، بوہرے (مجنون) پر زکوٰۃ فرض نہیں جبکہ اسی حال میں سال گذر جائے اور کبھی کبھی اسے افاقہ ہوجاتا ہے تو فرض ہے۔

آزاد ہونا، غلام پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ اس کے مالک نے تجارت کی اجازت دے دی ہو۔

مال بقدر نصاب اس کی ملک میں ہونا، اگر نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ نہیں۔

پورے طور پر اس کا مالک ہونا، یعنی اس پر قبضہ بھی ہو۔

نصاب کا دین (قرض) سے فارغ (بچا ہوا) ہونا۔

نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

مال کا نامی ہونا یعنی بڑھنے والا، خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔

نصاب پر ایک سال کامل کا گذر جانا۔ (عامۂ کتب)

زکاۃ کی اہمیت:

زکاۃ اللہ رب العزت کی جانب سے جاری کردہ وجوبی حکم ہے، جس کا پورا کرنا ہر صاحب نصاب مسلم پر ضروری ہے، اس فریضہ کے سرانجام دینے پر انعامات کا ملنا سو فیصد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے؛ کیونکہ اس فریضے کی ادائیگی تو ہم پر لازم تھی، اس کے پورا کرنے پر شاباش ملنا اور پھر اس پر بھی مستزاد، انعام کا ملنا (اور پھر انعام، دنیوی بھی اور اُخروی بھی) تو ایک زائد چیز ہے، دوسرے لفظوں میں سمجھیے کہ مسلمان ہونے کے ناطے اس حکم کا پورا کرنا ہر حال میں لازم تھا، چاہے کوئی حوصلہ افزائی کرے یا نہ کرے، کوئی انعام دے یا نہ دے؛ لیکن اس کے باوجود کوئی اس پر انعام بھی دے تو پھر کیا کہنے! اور انعام بھی ایسے کہ جن کے ہم بہر صورت محتاج ہیں، ہماری دنیوی و اُخروی بہت بڑی ضرورت ان انعامات سے وابستہ ہے، ذیل میں چند انعامات کا صرف اشارہ نقل کیا جا رہا ہے،

(۱) زکاۃ دین اسلام کے ان پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے جن پر دین اسلام قائم ہے، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا" [متفق علیہ]

(۲) زکاۃ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے، فرمان الٰہی ہے: ترجمہ "اور میری رحمت تو ہر چیز کو

گھیرے ہوئے ہے، پس میں اپنی رحمت ان لوگوں کے نام لکھ دوں گا جو (گناہ اور شرک سے) بچے رہتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں" [الاعراف:۱۶۵]

(۳) زکاۃ دینی بھائی چارے کی شروط میں سے ایک شرط ہے، فرمان الٰہی ہے: ترجمہ "پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں" [التوبۃ:۱۱]

(۴) مسلم معاشرے میں جن عادات کو عام ہونا چاہیے ان میں سے ایک زکاۃ ہے، فرمان الٰہی ہے: ترجمہ "مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں" [التوبۃ:۷۱]

(۵) جنت الفردوس کے وارث بننے والے مومنوں کی جو صفات اللہ نے بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک زکاۃ ادا کرنا بھی ہے، فرمان الٰہی ہے: "وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ" [المؤمنون:۴] یعنی "اور جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں"۔

(۶) حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسا عمل بتایئے جسے کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ، اور فرض نماز پابندی سے ادا کرتے رہو، اور زکاۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو" [متفق علیہ]

(۷) زکاۃ کی ادائیگی سے مال بڑھتا اور بابرکت ہوجاتا ہے اور آفتوں سے محفوظ ہوجاتا ہے، فرمان الٰہی ہے: ترجمہ "اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہوتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور جو تم زکاۃ دوگے اللہ کی خوشنودی پانے کی خاطر، تو ایسے لوگ ہی کئی گنا زیادہ پانے والے ہیں" [الروم:۳۹]

زکاۃ کے فوائد:

(۱) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے تھوڑا دے، لیکن مالدار کو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ دینے، صدقہ کرنے اور خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ جسے اللہ نے تھوڑا دیا ہے اسے بغیر سوال کے ملتا رہے اور اس کی ضرریات پوری ہوتی رہیں، اور فقیر کو اللہ تعالیٰ نے سوال نہ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے اندر صبر وشکر جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوں، اس طرح معاشرے کے یہ دونوں فرد اللہ کے اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں، مالدار خرچ کرکے اور فقیر صبر وشکر کرکے۔

(۲) اسلام کے مالیاتی نظام کی ایک خوبی یہ ہے کہ اگر پورے اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے تو دولت چند

لوگوں کے ہاتھوں میں منحصر ہونے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد میں گردش کرتی رہتی ہے، اور اس کے برعکس دیگر مالیاتی نظاموں میں یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے چند افراد تو عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور انھیں کے قرب وجوار میں رہنے والے دوسرے لوگ غربت کی چکی میں پستے رہتے ہیں، اور یہ بہت بڑا ظلم ہے، چنانچہ معاشرے میں مالیاتی توازن برقرار رکھنے کے لیے اور اس معاشرتی ظلم کا سد باب کرنے کے لیے اللہ تعالی نے زکاۃ کو فرض کیا اور صدقات اور انفاق کی طرف ترغیب دلائی تاکہ معاشرے کے تمام افراد مال ودولت سے مستفید ہوتے رہیں۔

(۳) زکاۃ کی ادائیگی سے مالدار اور فقیر کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے، اور یوں معاشرہ بغض، نفرت اور خود غرضی جیسی بیماریوں سے پاک ہوجاتا ہے، زکاۃ دینے والے میں سخاوت، شفقت اور ہمدردی اور زکاۃ لینے والے میں احسان مندی، تواضع اور انکساری جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوجاتی ہیں، گویا نظامِ زکاۃ معاشرے میں اخلاقی قدروں کو پروان چڑھاتا ہے۔

(۴) تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جب زکاۃ کو حکومتی سطح پر جمع اور پھر اسے فقراء میں تقسیم کیا جاتا تھا تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب تلاش کرنے کے باد جود بھی معاشرے میں فقراء نہیں ملتے تھے، چنانچہ زکاۃ کو بیت المال میں جمع کرادیا جاتا تھا اور پھر اسے مسلمانوں کے مفادات عامہ میں خرچ کردیا جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ زکاۃ سے معاشرے میں غربت ختم ہوتی ہے بشرطیکہ اسے پورے اخلاص اور مکمل دیانتداری کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

(۵) مالدار لوگ اگر زکاۃ ادا نہ کریں تو معاشرے میں موجود فقراء احساسِ کمتری کا شکار ہوجائیں، اور ان کے دلوں میں مالداروں کے خلاف شدید عداوت پیدا ہوجائے، اور پھر وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے چوری اور ڈاکہ زنی جیسے جرائم کا ارتکاب شروع کردیں، اور یوں معاشرہ بدامنی اور لاقانونیت کی بھیانک تصویر بن جائے، گویا اسلامی نظامِ زکاۃ ان اخلاقی جرائم کا سد باب کرتا اور معاشرے کو امن وسکون کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

(۶) مال اللہ تعالی کی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، اور اس کی واحد شکل یہی ہے کہ اس کی زکاۃ ادا کی جائے، اور یہ بات معلوم ہے کہ جب اللہ کی نعمتوں پر شکریہ ادا کیا جائے تو اللہ کی عنایات میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، فرمان الٰہی ہے: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)، یعنی "اگر تم شکر ادا کروگے تو میں ضرور بالضرور تمھیں اور زیادہ دوں گا"۔

زکاۃ ادا نہ کرنے کے نقصانات اور وعیدیں:

فریضہ زکاۃ کی ادائیگی پر جہاں من جانب اللہ انعامات وفوائد ہیں، وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے والے کے لیے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، اور دنیا وآخرت میں ایسے شخص کے اوپر

آنے والے وبال کا ذکر بکثرت کیا گیا ہے، چنانچہ جو شخص اس کی فرضیت سے انکار کرتا ہو وہ یقینا کافر اور واجب القتل ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ بننے کے بعد جن لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، آپ نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "وَاللہِ لو منعوني عقالا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها [البخاری] یعنی "اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ مجھ سے ایک رسی بھی روک لیں گے جسے وہ آں حضرت ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے جنگ کروں گا" اور جو شخص زکاۃ کی فرضیت کا قائل تو ہو لیکن اسے ادا نہ کرتا ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اور حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

ارشادِ باری تعالی ہے: ترجمہ: "جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے، جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو" [التوبۃ:۳۵]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ترجمہ "اللہ نے جس کو مال سے نوازا اور پھر اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہونگے، یہ سانپ اس کے گلے کا طوق ہوگا اور اس کے جبڑے کو پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ" [صحیح البخاری]

(۱) جو لوگ زکاۃ ادا نہیں کرتے اُن کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اِس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (سورۃ توبہ: ۳۴،۳۵)

(۲) ایسے شخص کے مال کو طوق بنا کے اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

(۳) ایسا مال آخرت میں اُس کے کسی کام نہ آ سکے گا۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۴)

(۴) زکاۃ کا ادا نہ کرنا جہنم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔ (سورۃ اللیل: ۵ تا ۱۱)

(۵) ایسے شخص کا مال قیامت کے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہوں گے، اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔ (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، رقم الحديث: ۱۴۰۳، ۲/۱۱۰، دار طوق النجاة)

(۶) مرتے وقت ایسا شخص زکاۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا؛ لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

(سورة المنافقون: ۱۰، صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب فضل صدقة الشحيح الصحيح، رقم الحديث: ۱۴۱۹، ۲/۱۱۰،

دار طوق النجاة)

(۷) ایسے شخص کے لیے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، اور اُن سے ایسے شخص کے پہلو، پیشانی اور سینہ کو داغا جائے گا۔ (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة)

(۸) ایسے افراد کو جہنم میں ضریع، زقوم، گرم پتھر، اور کانٹے دار و بدبودار درخت کھانے پڑیں گے۔ (دلائل النبوة للبيهقي، باب الإسراء، رقم الحديث: ٦٧٩)

(۹) ایسے افراد سے قیامت کے دن حساب کتاب لینے میں بہت زیادہ سختی کی جائے گی۔ (مجمع الزوائد، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة: ٣/٦٢)

(۱۰) جب لوگ زکاۃ روک لیتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان سے بارشیں روک لیتے ہیں۔ (المستدرك للحاكم، رقم الحديث: ٢٥٧٧)

(۱۱) جب کوئی قوم زکاۃ روک لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (المعجم الأوسط للطبراني، تحت من اسمه عبدان، رقم الحديث: ٤٥٧٧)

زکاۃ ادا کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ میں تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں اور تمہیں ایک اہم بات بتاتا ہوں، تم اسے یاد رکھنا۔ ارشاد فرمایا: کہ کسی بندے کا مال زکاۃ (وصدقہ) سے کم نہیں ہوتا، جس بندے پر بھی ظلم کیا جاتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ اور جو بندہ بھی سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتے ہیں"، یا نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا۔ اور میں (ﷺ) تمہیں ایک اور خاص بات بتاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، ارشاد فرمایا: "دنیا تو چار قسم کے افراد کے لیے ہے:

ایک اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور دین کا علم، دونوں نعمتیں عطا فرمائیں، تو وہ اس معاملہ میں اپنے رب سے ڈرتا ہے (اس طرح کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا اور علمِ دین سے فائدہ اٹھاتا ہے) اور اس علمِ دین اور مال کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس (مال) میں اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتا ہے۔ (مثلاً: مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتا ہے، اور دینی علم سے دوسروں کو تبلیغ، تدریس اور افتاء وغیرہ کے ذریعے سے فائدہ پہنچاتا ہے) تو یہ شخص درجات کے اعتبار سے چاروں سے افضل ہے۔

دوسرے اس بندے کے لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت تو عطا فرمائی لیکن مال عطا نہیں فرمایا، لیکن وہ نیت کا سچا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں آدمی کی طرح عمل کرتا (جو کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھ کر عمل کرتا ہے) تو یہ شخص اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے اور اس شخص کا اور اس سے پہلے شخص کا ثواب برابر ہے۔

تیسرے اس بندے کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی، لیکن علم کی نعمت عطا نہیں فرمائی، تو وہ علم کے بغیر اپنے مال کو خرچ کرنے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا، اور نہ ہی اس مال سے صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی اس مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے، تو درجات میں یہ سب سے بدتر بندہ ہے۔

چوتھے اس بندے کے لیے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ تو مال کی نعمت عطا فرمائی اور نہ علم کی، تو وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اس مال کے سلسلے میں فلاں بندے کی طرح عمل کرتا (جو اپنے مال کے خرچ کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے) سو یہ بندہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے؛ پس اس کا گناہ اور وبال اس پہلے شخص کے گناہ اور وبال کے مطابق ہی ہوتا ہے"۔ (ترمذی شریف کتاب الزہد رقم الحدیث: ۲۳۲۵، ۴/ ۵۶۲)

زکاۃ کن افراد پر اور کن افراد کے لیے ہے؟

دنیا میں بسنے والے افراد کا جائزہ لیا جائے تو ان تمام افراد کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) مال دار افراد، جن پر مخصوص شرائط کے بعد زکاۃ فرض ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے غریب افراد، جن پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی اور ان کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے۔

(۳) تیسرے وہ متوسط درجے کے افراد، جن پر زکاۃ تو فرض نہیں ہوتی؛ لیکن ان کے لیے زکاۃ لینا بھی جائز نہیں۔

اب ان تینوں قسم کے افراد کو پہچاننے کے لیے کیا معیار اور کسوٹی ہے کہ اس کے مطابق ہر طبقے والا اپنی حالت اور کیفیت کو پہچان کر اس کے مطابق اپنے اوپر عائد احکاماتِ الٰہیہ کو پہچان کر پورا کر سکے، اس کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے: ایک تو وہ کون سی اشیاء یا اموال ہیں جن کے ہوتے ہوئے زکاۃ فرض ہوتی ہے؟ اور دوسرا وہ اشیاء یا اموال کتنی مقدار میں ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص زکاۃ دینے والا یا زکاۃ لینے والا ٹھہرتا ہے؟ ان میں سے پہلی چیز کو "اموالِ زکاۃ" اور دوسری چیز کو "نصابِ زکاۃ" سے پہچانا جاتا ہے۔ ذیل میں اموالِ زکاۃ اور نصابِ زکاۃ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

اموالِ زکاۃ:

اموالِ زکاۃ سے مراد وہ اشیاء یا اموال ہیں، جن کا (مخصوص مقدار میں) مالک ہونے پر (جس کو نصاب سے پہچانا جاتا ہے اور اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) زکاۃ فرض ہوتی ہے۔ وہ کل چار قسم (کی اشیاء یا اموال) ہیں:

(۱) **سونا:** عام ہے کہ وہ زیور کی شکل میں ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (سونا) مالِ زکاۃ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے، آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں ان دونوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟ تو اس نے انھیں زمین پر پھینک دیا اور کہا: یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔ [ابوداؤد والنسائی بسند صحیح]

(۲) **چاندی:** عام ہے کہ وہ زیور کی شکل میں ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (چاندی) مالِ زکاۃ ہے۔

(۳) **نقدی:** کاغذی کرنسی چاہے ریال ہو یا دینار، روپیہ ہو یا ڈالر یعنی اپنے ملک کی کرنسی ہو یا کسی اور ملک کی، اپنے پاس ہو یا بینک میں، چیک ہو یا ڈرافٹ، نوٹ ہو یا سکے، کسی کو قرض دی ہوئی ہو (بشرطیکہ ملنے کی امید ہو) یا اس کی سرمایہ کاری کر رکھی ہو، ان تمام صورتوں میں یہ (نقدی) مالِ زکاۃ ہے۔ وہ بھی سونا/ چاندی کے حکم میں آتی ہے، لہٰذا جس شخص کے پاس سونا/ چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ کرنسی موجود ہو اور اس پر سال گزر چکا ہو تو اس میں زکاۃ فرض ہوگی۔

مسئلہ: ایک شخص کے پاس سال کے شروع میں تو کاغذی کرنسی سونے/ چاندی کے نصاب کے برابر تھی، لیکن دورانِ سال اس میں اور اضافہ ہوتا رہا، تو سال کے اختتام پر جتنی کرنسی موجود ہو سب کی سب شمار کر کے ٹوٹل مبلغ کا اڑھائی فیصد بطورِ زکاۃ ادا کر دیں، جو رقوم دورانِ سال آئی تھیں ان کی زکاۃ پیشگی ادا ہو جائے گی

مسئلہ: تنخواہ دار انسان اپنی ماہانہ بچت کی زکاۃ کس طرح ادا کرے؟ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ہر ماہ اتنی بچت ہوتی ہے کہ وہ سونے/ چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر ہے تو اس صورت میں ہر ماہ کی بچی ہوئی تنخواہ پر جیسے جیسے سال پورا ہوتا جائے اس کی زکاۃ نکالتا جائے، اور اگر پہلے ماہ کی زکاۃ ادا کرتے وقت باقی گیارہ ماہ کی زکاۃ بھی پیشگی ادا کرنا

چاہے تو بھی درست ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہر ماہ کی بچت تو نصاب کے برابر نہیں البتہ دو تین ماہ کی بچت کو ملا لیا جائے تو وہ نصابِ زکاۃ کے برابر ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں سال کے اختتام پر اس کے پاس جتنی بچت موجود ہو اس کا اڑھائی فیصد بطور زکاۃ ادا کر دے۔

مسئلہ: ہیروں اور جواہرات پر زکاۃ فرض نہیں ہے، الا یہ کہ ان سے تجارت کی جا رہی ہو تو اس صورت میں دیگر تجارتی سامان کے ساتھ ان کی زکاۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ: قرض کی زکاۃ، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مقروض قرضہ تسلیم کرتا ہے اور اسے جلد یا بہ دیر واپس کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے، یا مقروض تو قرضے سے انکاری ہو لیکن عدالت میں کیس کر کے اس سے قرضہ واپس لینے کا یقین ہو تو اس صورت میں قرض کی رقم کی زکاۃ قرض خواہ کو ادا کرنی ہوگی، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سال کے اختتام پر جب موجودہ مال کا حساب کیا جا رہا ہو اس کے ساتھ قرض کی رقم کو بھی ملا لیا جائے اور ٹوٹل مبلغ کا اڑھائی فیصد بطور زکاۃ ادا کر دیا جائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض قرضے سے انکاری ہو اور عدالت کے ذریعے اسے واپس لینے کا امکان بھی نہ ہو، یا وہ قرضے کو تسلیم تو کرتا ہو لیکن ہر آئے دن واپسی کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتا ہو، یا اس کے حالات ہی ایسے ہوں کہ وہ قرضہ واپس کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تو ایسی صورت میں قرض کی رقم پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، ہاں جب مقروض قرضہ واپس کر دے تو گذشتہ ایک سال کی زکاۃ ادا کر دی جائے

مسئلہ: ایک شخص کے پاس زکاۃ کا نصاب تو موجود ہے، چاہے سونا/ چاندی کی شکل میں یا نقدی کرنسی کی شکل میں یا کسی اور شکل میں، لیکن وہ خود دوسروں کا مقروض ہے، اور اگر زکاۃ ادا کرتا ہے تو مزید بوجھ تلے دب جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی اس کے پاس زکاۃ کے نصاب کے برابر مال موجود ہے اور اس پر سال گذر چکا ہے تو اس کا اڑھائی فیصد زکاۃ کی نیت سے ادا کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ: کمپنی کے حصص (شیئرز) اگر تجارتی مقصد سے خریدے گئے ہیں اور ان پر سال گذر چکا ہے تو ان کی زکاۃ ادا کرنا لازمی ہوگا، اگر خود کمپنی تمام پارٹنرز کے حصص کی زکاۃ ادا کر دیتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہر پارٹنر اپنے اپنے حصص کی زکاۃ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

مسئلہ: زکاۃ خالص سونے/ چاندی پر فرض ہوتی ہے، لہذا ملاوٹ کو وزن میں شمار نہیں کیا جائے گا، اس طرح اگر ملاوٹ کا وزن نکال کر خالص سونے/ چاندی کا وزن مقررہ نصاب سے کم ہو جاتا ہے تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۴) **مالِ تجارت:** یعنی تاجر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تا حال اس کے بیچنے کی نیت

باقی ہو،تو یہ(مال تجارت) مال زکاۃ ہے۔(بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ:۲/۱۰۰،دار إحیاء التراث العربي)

اس طرح وہ تمام چیزیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں جنھیں کسی نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے خریدا ہو، مثلاً گھر، گاڑی اور زمین وغیرہ، تو ایسی اشیاء پر زکاۃ فرض نہیں، اور اسی طرح صنعتی مشینری، آلات، سٹورز اور ان میں پڑی الماریاں، دفاتر اور ان کے لوازمات پر بھی زکاۃ فرض نہیں کیونکہ ایسی تمام اشیاء ایک جگہ برقرار رہتی ہیں اور انھیں بیچ کر تجارت کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

تجارتی سامان کی زکاۃ نکالنے کا طریقہ: سال کے اختتام پر تاجر (چاہے فرد ہو یا کمپنی) کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام تجارتی سامان کی مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق قیمت لگائے، پھر اس کے پاس سال بھر جو نقدی کرنسی رہی ہو اسے اس میں شامل کر لے، اسی طرح اس کا جو قرضہ قابل واپسی ہو اسے بھی حساب میں شامل کر لیا جائے، اور اگر وہ خود مقروض ہو تو قرضے کی رقم نکال کر باقی تمام رقم کا اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ بطور زکاۃ ادا کر دے، مثلاً:

تجارتی سامان کی قیمت ہے:۱۰۰۰۰۰روپیہ

بنک بیلینس یا نقدی رقم جو سال بھر رہی:۵۰۰۰۰روپیہ

قرضہ جو قابل واپسی ہے:۷۰۰۰۰روپیہ

ٹوٹل:۲۲۰۰۰۰روپیہ

قرضہ جو قرض خواہوں کو واپس کرنا ہے:۶۰۰۰۰روپیہ

باقی:۱۶۰۰۰۰روپیہ

اب باقی رقم کا اڑھائی فیصد جو کہ ۴۰۰۰ روپے ہے، بطور زکاۃ ادا کر دے۔

مسئلہ: صنعتی آلات اور مشینری کی اصل قیمت پر تو زکاۃ فرض نہیں، البتہ ان کی آمدنی اگر زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس سے زکاۃ نکالنا ضروری ہوگا، اور یہی حکم کرائے پر دیے ہوئے مکانوں، دوکانوں اور گاڑیوں وغیرہ کا ہوگا کہ ان کی اصل قیمت پر زکاۃ نہیں، کرائے پر ہوگی بشرطیکہ کرایہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس کا اڑہائی فیصد ادا کرنا ہوگا، البتہ ان اشیاء پر ادا کیا جانے والا ٹیکس اور ان کی دیکھ بھال پر آنے والے دیگر اخراجات ان چیزوں کی آمدنی سے نکال لیے جائیں، اور اس طرح اگر مالک کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تو وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے جائز اخراجات بھی آمدنی سے نکال لے، پھر جو رقم باقی ہو اس سے زکاۃ ادا کر دے۔

(۵) **حیوانات:** جن مویشیوں پر زکاۃ فرض ہے، وہ یہ ہیں: اونٹ، گائے/بھینس، اور بھیڑ بکریاں، ارشاد نبوی ہے:

ترجمہ:"جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہیں اور اس نے ان کی زکاۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن انھیں بہت بڑا اور

بہت موٹا کر کے لایا جائے گا، پھر وہ اسے اپنے ٹاپوں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب سب اس کے اوپر سے گذر جائیں گے تو پہلے کو پھر لوٹایا جائے گا، اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا" [البخاری]

مویشیوں میں زکاۃ کی فرضیت کے لیے چار شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے مقررہ نصاب کو پہنچ جائیں، یاد رہے کہ اونٹوں کا کم از کم نصاب پانچ، گائے/بھینس کا تیس اور بھیڑ بکریوں کا چالیس ہے، دوسری شرط یہ کہ ان کی ملکیت پر سال گذر جائے، تیسری یہ کہ سال کا اکثر حصہ یہ مویشی چرتے رہے ہوں اور مالک کو سال بھر یا سال کا بیشتر حصہ ان کی خوراک خریدنا نہ پڑی ہو، اور چوتھی شرط یہ کہ یہ جانور کھیتی باڑی یا بوجھ برداری کے لیے نہ ہوں اور یہاں یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ مویشیوں کو اگر تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو تو ان کی زکاۃ دوسرے سامانِ تجارت کی زکاۃ کی طرح نکالی جائے گی؛ چنانچہ ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا نہ کہ تعداد کا۔

(۶) زرعی پیداوار:

فرمانِ الٰہی ہے: ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے، اور ہم نے تمھارے لیے زمین سے جن چیزوں کو نکالا ہے، ان میں سے خرچ کرو" [البقرة:۲۶۷] اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمینی پیداوار مثلاً گیہوں، جَو، چاول، کھجور، انگور اور زیتون وغیرہ، پر زکاۃ فرض ہے اور اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے۔ البتہ زرعی پیداوار کے نصاب میں اختلاف ہے جس کا بیان اگلے باب میں آرہا ہے۔

زرعی پیداوار کا کتنا حصہ زکاۃ میں دیا جائے؟ فرمانِ رسول ﷺ ہے: ترجمہ: "جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سیراب کیا ہو یا وہ خود بخود زمینی پانی سے سیراب ہوا ہو، اس میں دسواں حصہ ہے، اور جس کو آلات کے ذریعے یا محنت کر کے سیراب کیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے" [البخاری] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو پیداوار بارشی پانی یا نہری پانی یا چشموں کے پانی سے حاصل ہوئی ہو اس کا دسواں حصہ اور جسے مشینوں کے ذریعے سیراب کر کے حاصل کیا گیا ہو اس کا بیسواں حصہ بطورِ زکاۃ ادا کرنا ہوگا۔

مسئلہ (۱): زرعی پیداوار پر سال گذرنا ضروری نہیں بلکہ وہ جیسے ہی حاصل ہوگی اس کی زکاۃ فوراً ادا کرنی ہوگی، فرمانِ الٰہی ہے: "وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" [الانعام:۱۴۱] ترجمہ: "اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کردو"۔

مسئلہ (۲): تازہ استعمال ہونے والے پھلوں اور سبزیوں پر زکاۃ نہیں ہے: اِلّا یہ کہ ان کی تجارت [illegible] جائے، تجارت کی صورت میں ان کی قیمت اگر نصابِ زکاۃ کو پہنچ جائے اور وہ سال بھر اس کے پاس رہے تو اس کا اڑ[illegible] کرنا ہوگا۔

یہ کل چند قسم کے اموال ہیں جن پر مخصوص مقدار تک پہنچنے پر زکاۃ فرض ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی مقروض ہو تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد بچنے والے اموال کی زکاۃ دی جائے گی۔

نصابِ زکاۃ:

سطورِ بالا میں معاشرے کے تین طبقات کو بیان کیا گیا تھا، جن کی تمیز "نصاب" کے مالک ہونے پر موقوف ہے، اس تمیز کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نصاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک نصاب کا تعلق "زکاۃ دینے والے" سے ہے اور دوسرے نصاب کا تعلق "زکاۃ لینے والے" سے ہے، دونوں قسم کے نصابوں میں کچھ فرق ہے، جو ذیل میں لکھا جارہا ہے:

پہلی قسم کا نصاب (زکاۃ دینے والے کے لیے)

اللہ رب العزت نے اپنے غریب بندوں کے لیے امراء پر ان کے اموال کی ایک مخصوص مقدار پر زکاۃ فرض کی ہے، جس کو نصاب کہا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس نصاب کا مالک ہو تو اس پر زکاۃ فرض ہے اور اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کم ہو تو اس شخص پر زکاۃ فرض نہیں ہے۔

(۱) اگر کسی کے پاس صرف "سونا" ہو اور کوئی مال (مثلاً: چاندی، نقدی یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک سونا ساڑھے سات تولے (۸۷،۴۷۹ گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر سونا اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفة الزکاة: ۲/ ۱۰۵، دار إحیاء التراث العربي)

(۲) اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک چاندی ساڑھے باون تولے (۶۱۲،۳۵ گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر چاندی اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاة: ۲/ ۱۰۰، دار إحیاء التراث العربي)

(۳) اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک نقدی اتنی نہ ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲،۳۵ گرام) چاندی خریدی جاسکے، اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی اور اگر نقدی اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲،۳۵ گرام) چاندی خریدی جاسکے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاة: ۲/ ۱۰۳، دار إحیاء التراث العربي)

(۴) اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی ہو (چاہے جتنی بھی ہو) یا سونا اور نقدی ہو یا سونا اور مالِ تجارت ہو یا چاندی

اور نقدی ہو یا چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (تینوں مال) سونا، چاندی اور نقدی ہو یا سونا، چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (چاروں مال) سونا، چاندی، نقدی اور مالِ تجارت ہو تو ان تمام صورتوں میں ان اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکاۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفۃ الزکاۃ: ۲/ ۱۰۵، ۱۰۶، دار إحیاء التراث العربي)

دوسری قسم کا نصاب (زکاۃ لینے والے کے لیے)

اس نصاب میں مذکورہ نصاب (یعنی پہلی قسم کے نصاب کی تمام صورتوں) کے ساتھ ضرورت سے زائد سامان کو بھی شامل کیا جائے گا، اور یہاں بھی وہ تمام صورتیں بنیں گی جو پہلی قسم کے نصاب میں بنتی تھیں، مثلاً:

(۱) اگر کسی کے پاس صرف "سونا" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی خریدی جا سکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔

(۲) اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مالِ تجارت) نہ ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی خریدی جا سکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔

(۳) اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی خریدی جا سکے، تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔ اور اگر ان دونوں کی قیمت اتنی نہ ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی خریدی جا سکے تو ایسے شخص کا زکاۃ لینا جائز ہے۔

(۴) اگر کسی کے پاس سونا، چاندی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو (چاہے جتنا بھی ہو)۔

(۵) اگر کسی کے پاس سونا، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

(۶) اگر کسی کے پاس سونا، مالِ تجارت اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

(۷) اگر کسی کے پاس چاندی، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

(۸) اگر کسی کے پاس چاندی، مالِ تجارت اور ضرورت سے زائد سامان ہو۔
(۹) اگر کسی کے پاس (چاروں مال) سونا، چاندی، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔
(۱۰) اگر کسی کے پاس سونا، چاندی، مالِ تجارت ہو اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔
(۱۱) اگر کسی کے پاس (پانچوں مال) سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان تمام صورتوں میں ان تمام اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر انکی قیمت ساڑھے باون تولے (۶۱۲ء۳۵ گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کا زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں صاحبِ نصاب نہیں کہلاتا، یعنی اس شخص کا زکاۃ اور ہر قسم کے صدقاتِ واجبہ لینا جائز ہوگا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکاۃ: ۲/ ۱۵۸، دار إحیاء التراث العربي)

ضرورت سے زائد سامان:

وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں، جن کی سالہا سال ضرورت نہیں پڑتی، کبھی کبھار ہی استعمال میں آتی ہیں، مثلاً: بڑی بڑی دیگیں، بڑی بڑی دریاں، شامیانے یا برتن وغیرہ۔ (الفتاوی الهندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیه)

الف: وی سی آر۔ ڈش، ناجائز مضامین کی آڈیو ویڈیو کیسٹیں جیسی چیزیں ضروریات میں داخل نہیں: بلکہ لغویات ہیں۔ مذکورہ قسم کا سامان ضرورت سے زائد کہلاتا ہے، اس لیے ان سب کی قیمت حساب میں لگائی جائے گی۔

ب: رہائشی مکان، پہننے، اوڑھنے کے کپڑے، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان جو عام طور پر استعمال میں رہتا ہے، یہ سب ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اس کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں ہوتا، یعنی ان کی قیمت نصاب میں شامل نہیں کی جاتی۔ (الفتاوی الهندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیه)

ج: صنعتی آلات، مشینیں اور دوسرے وسائلِ رزق (جن سے انسان اپنی روزی کماتا ہے) بھی ضرورت میں داخل ہیں ان کی قیمت بھی نصاب میں شامل نہیں کی جاتی، مثلاً: درزی کی سلائی مشین، لوہار اور کاشت کار وغیرہ کے اوزار، سبزی یا پھل بیچنے والی کی ریڑھی یا سائیکل وغیرہ۔ (الفتاوی الهندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیه)

د: اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان ہے؛ لیکن اس نے کچھ سامان اپنی ضرورت سے زائد بھی اپنے پاس رکھا ہوا ہے، مثلاً: کسی کی ضرورت ایک گاڑی سے پوری ہو جاتی ہے لیکن اس کے پاس دو گاڑیاں ہیں، تو اس زائد گاڑی کی

قیمت کونصاب میں داخل کیا جائے گا۔(بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکاۃ:۲/ ۱۵۸،دار إحیاء التراث العربي)۔

زکاۃ واجب ہونے کے لیے تاریخ:

زندگی میں سب سے پہلی بار جب کسی کی ملکیت میں پہلی قسم کے نصاب کے مطابق مال آجائے، تو وہ دیکھے کہ اس دن قمری سال (چاند) کی کون سی تاریخ ہے؟ اس تاریخ کو نوٹ کرلے، یہ تاریخ اس شخص کے لیے زکاۃ کے حساب کی تاریخ کے طور پر متعین ہوگئی ہے۔ واضح رہے کہ زکاۃ کے وجوب اور ادائیگی کے لیے قمری سال ہونا ضروری ہے، اگر کسی کو قمری تاریخ یاد نہ ہو تو خوب غور وفکر کرکے کوئی قمری تاریخ متعین کرلینا چاہیے، آئندہ اسی کے مطابق حساب کیا جائے گا۔

زکاۃ کا حساب کرنے کا طریقہ:

جس چاند کی تاریخ کو کسی کے پاس بہ قدر نصاب مال آیا، اس سے اگلے سال ٹھیک اسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کیا جائے اگر بہ قدر (پہلی قسم کے) نصاب کے مال ہے تو اس کل مال کا اڑھائی فیصد (۲٫۵٪) زکاۃ دینا ہوگی۔ (العالمگیریہ، کتاب الزکاۃ:۱/ ۱۷۵، رشیدیہ)

سامان کی قیمت لگانے کا طریقہ:

"پہلی قسم کا نصاب" اور "دوسری قسم کا نصاب" پہچاننے کے طریقے میں جو یہ ذکر کیا گیا کہ "دوسری قسم کے نصاب میں ضرورت سے زائد سامان کی قیمت لگائی جائے" تو اس قیمت سے مراد اس سامان کی قیمت فروخت ہے نہ کہ قیمتِ خرید۔ یعنی حساب کرنے کی تاریخ میں اس سامان کی قیمت لگوائی جائے جو عام بازار میں اس کی قیمت کے برابر ہو اور عموماً اس قیمت پر وہ بک بھی جاتی ہو، اس کو نصاب میں شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح سونا، چاندی کی بھی قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً: کراچی میں کسی شخص نے یہ چیز دس ہزار میں خریدی، پھر فروخت کرنے کے وقت اس کی قیمت پندرہ ہزار یا کم ہو کے سات ہزار ہوگئی تو فروخت والی قیمت کو زکاۃ کے لیے شمار کیا جائے گا۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم:۲/ ۲۸۶، سعید)

مال پر سال گذرنے کا مطلب:

جس تاریخ میں زکاۃ واجب ہوئی تھی، اس کے ایک سال بعد زکاۃ دی جائے گی، اس ایک سال کے گذرنے کا

مطلب یہ ہے کہ اس پہلی تاریخ اور ایک سال کے بعد والی تاریخ میں مال نصاب کے بہ قدر اس شخص کی ملکیت میں رہے، ان دونوں تاریخوں کے درمیان میں مال میں جتنی بھی کمی بیشی ہوتی رہے، اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا، بس شرط یہ ہے کہ مال نصاب سے کم نہ ہو گیا ہو، یعنی مال کے ہر ہر جز پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ واجب ہونے کے بعد اگلے سال اسی تاریخ تک نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر نصاب باقی ہوا تو ادائیگی لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، اموال الزكاة: ۲/ ۹۶، دار إحياء التراث العربي)

مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام:

"مال تجارت سے مراد" پیچھے واضح کی جاچکی ہے کہ تاجر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تاحال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو، تو یہ (مال تجارت) مال زکاۃ ہے۔ (اور اگر مذکورہ مال (مال تجارت) کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، یا اس کے بارے میں کسی کو ہدیہ میں دینا طے کر لیا، یا پھر ویسے ہی اس مال کے بارے میں بیچنے کی نیت نہ رہی تو یہ مال، مالِ زکاۃ نہ رہا)۔ بعض افراد اس غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ تجارت کا مال صرف وہ ہے جس کی انسان باقاعدہ تجارت کرتا ہو، اور نفع کمانے کی نیت سے خرید و فروخت کرتا ہو؛ حالانکہ شرعاً کسی چیز کے مالِ تجارت بننے کے لیے اس میں مذکورہ قید ضروری نہیں؛ بلکہ جو چیز بھی انسان فروخت کرنے کی نیت سے خریدے وہ تجارت کے مال میں شمار ہوتی ہے، البتہ خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو بعد میں فروخت کر لینے کی نیت سے وہ چیز مالِ تجارت نہیں بنے گی۔ دوسری طرف وہ چیز جسے تجارت کی نیت سے خریدا تھا اگر بعد میں تجارت کی نیت بدل لی تو وہ چیز مالِ تجارت سے نکل جائے گی۔ سونا، چاندی اور نقد رقم اس تعریف سے خارج ہے، یعنی ان کے لیے کسی خاص نیت وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ہر حال میں مالِ زکاۃ ہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۲۶۷، سعید)

تجارتی اموال سے متعلق چند مسائل:

(۱) جن اشیاء کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو؛ بلکہ ان کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے ان سے کرایہ وغیرہ حاصل کرنا یا کسی اور شکل میں نفع کمانا مقصود ہو، تو وہ چیزیں مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً: کارخانوں کا منجمد اثاثہ، پرنٹنگ پریس، مشینری، پلانٹ، دوکان کا سامان، استعمال کی گاڑی، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کرائے پر چلانے کی نیت سے خریدی گئی گاڑی، رکشہ وغیرہ، کرائے پر دینے کی نیت سے بنایا گیا مکان یا دکان وغیرہ، گھر کے استعمال کے برتن، کرائے پر دینے کے لیے

رکھے ہوئے برتن، کراکری کا سامان، فریج، فرنیچر، سلائی یا دھلائی کی مشین، ڈرائی کلینرز کے پلانٹ وغیرہ۔اس قسم کی چیزیں چونکہ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدی گئیں؛ بلکہ ان کو باقی رکھ کران سے نفع اٹھانا مقصود ہے؛اس لیے یہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوں گی اوران پرزکاۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں اگران کوخریدا ہی فروخت کرنے کے لیے ہوتو یہ مالِ تجارت ہوں گی۔اسی طرح موجودہ دور میں بعض مکینک حضرات اپنے کام کاج کے اوزاروں کے ساتھ بعض اوزاروں کو اس لیے خریدتے ہیں کہ بہ وقتِ ضرورت گاہکوں کی مشینری وغیرہ میں فٹ کردیں گے،اوراس کی قیمت گاہکوں سے وصول کرلیں گے،تو یہ مال بھی مالِ تجارت میں داخل ہے۔(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ:۲/۲۶۷،سعید)

(۲) اگرکوئی جانور بیچنے کے لیے خریدے تو وہ بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں،ان کی زکاۃ بھی واجب ہوگی(احسن الفتاویٰ:۴/۲۸۶)

قصاب جو جانور ذبح کر کے گوشت بیچتے ہیں تو یہ جانور بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں۔جو جانور دودھ حاصل کرنے کے لیے خریدے تو وہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں؛البتہ ان کے دودھ سے حاصل ہونے والی کمائی نقد رقم میں داخل ہو کرنصاب کا حصہ بنے گی۔(احسن الفتاویٰ:۴/۲۸۷)

(۳) اگرکسی کا پولٹری فارم یا مچھلی فارم ہو،توان کی زکاۃ میں یہ تفصیل ہے کہ ان کی زمین، مکان اوران سے متعلقہ سامان پرتو زکاۃ فرض نہیں ہوتی، البتہ مرغیاں یا مچھلیاں اگرفروخت کرنے کے لیے رکھی ہیں تو یہ مالِ تجارت ہیں اوراگر فروخت کرنے کے لیے نہیں، بلکہ مرغیوں کے انڈے حاصل کرنے کے لیے وہ مرغیاں رکھی ہیں توان انڈوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکاۃ ہوگی۔(احسن الفتاویٰ:۴/۳۱۰) جو شخص انڈے فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے تو وہ انڈے مالِ تجارت ہیں،اوراگران انڈوں سے چوزوں کا حصول مقصود ہےتوان بچوں کی قیمت پرزکاۃ لازم ہوگی۔

سامانِ تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ:

"پہلی قسم کا نصاب" اور"دوسری قسم کا نصاب" پہچاننے کے طریقے میں جو یہ ذکر کیا گیا کہ"دوسری قسم کے نصاب میں ضرورت سے زائد سامان کی قیمت لگائی جائے" تواس قیمت سے مراداس سامان کی قیمت فروخت ہے نہ کہ قیمتِ خرید۔یعنی حساب کرنے کی تاریخ میں اس سامان کی قیمت لگوائی جائے جوعام بازار میں اس کی قیمت کے برابر ہواورعموماً اس قیمت پروہ بک بھی جاتی ہو،اس کونصاب میں شمار کیا جائے گا۔(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم:۲/۲۸۶،سعید)

قرض پر زکاۃ کا حکم:

جو رقم کسی کو بطور قرض دی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ قرض ہے، جس کے (کبھی نہ کبھی) واپس ملنے کی امید ہو۔ دوسرا وہ قرض ہے، جس کے واپس ملنے کی (کبھی بھی) امید نہ ہو۔

تو پہلی قسم والے قرض کی زکاۃ دی جائے گی اور دوسری قسم کے قرض کی زکاۃ نہیں دی جائے گی؛ البتہ اگر کبھی یہ قرض بھی وصول ہو گیا تو اس کی بھی زکاۃ ادا کی جائے گی۔ (ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول: ۱/ ۱۷۴، ۱۷۵، رشیدیہ)

قرض کی تین قسمیں:

پہلی قسم والے قرض کی تین قسمیں ہیں: (۱) دَین قوی (۲) دَین متوسط (۳) دَین ضعیف۔ ان تینوں قسم کے دُیون (قرضوں) کے وصول ہونے پر زکاۃ کی ادائیگی کا طریقہ اور حکم قدرے مختلف ہے، ذیل میں اجمالاً دَین کی تینوں قسموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

دَین قوی کا حکم:

اگر کسی شخص کو نقد روپیہ یا سونا یا چاندی بہ طورِ قرض دی، یا کسی شخص کے ہاتھ تجارت کا مال بیچا اور اس کی قیمت ابھی وصول نہیں ہوئی، پھر یہ مال ایک سال یا دو، تین سال کے بعد وصول ہوا تو ایسے قرض کو "دَینِ قوی" کہتے ہیں۔

ایسا قرض اگر چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہے تو وصول ہونے پر سابقہ تمام سالوں کی زکاۃ حساب کر کے دینا فرض ہے، لیکن اگر قرض یک مُشت وصول نہ ہو، بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہو، تو جب چاندی کے نصاب کا بیس فی صد (یعنی: ساڑھے دس تولے) وصول ہو جائے، تو صرف اس بیس فی صد کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہوگا، پھر جب مزید بیس فی صد وصول ہو جائے گا تو اس کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہوگی، اسی طرح ہر بیس فی صد وصول ہونے پر زکاۃ فرض ہوتی رہے گی اور زکاۃ سابقہ تمام سالوں کی نکالی جائے گی۔

اور اگر قرض کی رقم چاندی کے نصاب کے برابر نہیں؛ بلکہ اس سے کم ہے تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی؛ البتہ اگر اس آدمی کی ملکیت میں کچھ اور مال یا رقم ہے اور دونوں کو ملانے سے چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جاتے ہیں تو زکاۃ فرض ہوگی۔ (رد المحتار مع الدر المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال: ۲/ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، سعید)

دَینِ متوسط کا حکم:

اگر کسی کو قرض نقد روپے اور سونا چاندی کی صورت میں نہیں دیا اور تجارت کا مال بھی فروخت نہیں کیا، بلکہ کوئی چیز فروخت کی جو تجارت کی نہیں تھی، مثلاً: پہننے کے کپڑے یا گھر کا کوئی سامان یا کوئی زمین فروخت کی تھی، اس کی قیمت باقی ہے، تو ایسے قرض کو "دَینِ متوسط" کہتے ہیں۔

تو اگر یہ قیمت چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہے اور چند سالوں کے بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر سابقہ تمام سالوں کی زکاۃ اس پر فرض ہوگی اور اگر یک مُشت وصول نہ ہو تو جب تک یہ قرض چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد وصول نہ ہو جائے، تب تک زکاۃ ادا کرنا فرض نہ ہوگا، البتہ وصول ہونے کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔

اگر مذکورہ شخص صاحبِ نصاب ہو تو "دَینِ متوسط" سے جو بھی تھوڑی تھوڑی رقم ملتی رہے، اس کو اپنے پاس موجود نصاب میں ملاتا رہے اور زکاۃ دے۔ (العالمگیریہ، کتاب الزکاۃ، باب اقسام الدیون: ۱/ ۱۷۵، رشیدیہ)

دَینِ ضعیف کا حکم:

کسی شخص کو نہ نقد روپیہ قرض دیا، نہ سونا چاندی فروخت کی اور نہ ہی کوئی اور چیز فروخت کی، بلکہ کسی اور سبب سے یہ قرض دوسرے کے ذمے ہو گیا، مثلاً: شوہر کے ذمے اپنی بیوی کا حق مہر ادا کرنا باقی ہو، یا بیوی کے ذمے شوہر کا بدلِ خلع ادا کرنا باقی ہو، یا کسی کے ذمے دیت ادا کرنا باقی ہو یا کسی مالک کے ذمے اپنے ملازم کی تنخواہ دینا باقی ہو، تو ایسے قرضوں کو "دَینِ ضعیف" کہتے ہیں۔

ایسے قرضوں پر زکاۃ کی ادائیگی کا حکم یہ ہے کہ ان اموال کی زکاۃ کا حساب وصول ہونے کے دن سے ہوگا، اس شخص پر سابقہ سالوں کی زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ وصول ہونے کے بعد اگر یہ پہلے سے صاحبِ نصاب ہو تو اس نصاب کے ساتھ اس مال کو ملا کے زکاۃ ادا کرے گا، ورنہ وصول ہو جانے کے بعد اس مال پر سال گذر جانے کے بعد زکاۃ ادا کرے گا۔ (فتح القدیر، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۱۲۳، رشیدیہ)

اور جو ادھار خود لیا ہوا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ فوراً سارے کا سارا ادا کرنا لازم ہے، تو اس کو نصاب سے منہا کیا جائے گا، دوسری قسم یہ کہ یک مشت اس کل رقم کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ قسطوں میں ادا کرنا ہے تو صرف اس مہینے کی

قسط نصاب سے منہا کی جائے گی۔اس کے علاوہ قرض اگر تجارت کے لیے لیا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کسی عمارت، بلڈنگ یا مشینری وغیرہ کے لیے لیا ہے تو اسے نصاب سے منہا نہیں کیا جائے گا اور اگر محض تجارت کے لیے لیا ہے تو اسے نصاب سے منہا کیا جائے گا۔(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۲۶۳، سعید)

بینکوں سے زکاۃ کاٹنے کا حکم:

حکومت کے آرڈیننس کے تحت حکومت بینکوں سے لوگوں کی رقمیں زکاۃ کی مد میں کاٹتی ہے۔شرعاً اس طریقے سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، حکومتِ وقت کے اس طرح زکاۃ کاٹنے میں شرعاً دس خرابیاں ہیں، جنہیں فتاوی بینات جلد دوم، ص:۶۳۵-۶۴۰ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، بہ وقتِ ضرورت وہاں مراجعت کرلی جائے۔(فتاویٰ بینات، کتاب الزکاۃ، حکومت کا مسلمانوں سے زکاۃ وصول کرنا:۶۳۵-۶۴۰، مکتبہ بینات)

کمیٹی کی رقم پر زکاۃ کا حکم:

کچھ افراد مل کے کمیٹی ڈالتے ہیں، کچھ ممبروں کی کمیٹی پہلے نکل آتی ہے، مثلاً: بیس افراد نے مل کر ایک ایک ہزار روپے جمع کر کے کمیٹی ڈالی، ان میں سے ایک کی کمیٹی پہلے نکل آئی، اب اس شخص کے پاس انیس ہزار روپے دوسروں کے ہیں اور ایک ہزار اپنا، تو یہ شخص اگر صاحب نصاب ہے تو یہ اپنے ایک ہزار روپے کو اس نصاب میں داخل کرے گا، انیس ہزار کو نہیں، اسی طرح ہر ممبر صرف اتنی رقم نصابِ زکاۃ میں جمع کرے گا، جتنی اس نے ابھی تک جمع کروائی تھی، البتہ آخری شخص پورے بیس ہزار کو اپنے نصاب میں شامل کرے گا، اور اگر یہ مذکورہ افراد صاحبِ نصاب نہ ہوں تو اس نکلنے والی کمیٹی کی رقم پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔(الفتاوی الهندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۳، رشیدیہ)

خلاصہ کلام:

آخر میں بطورِ خلاصہ ان تمام اثاثوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے اور جن پر واجب نہیں ہوتی:

وہ اثاثے جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے:

(۱) سونے کی مارکیٹ ویلیو (خواہ سونا زیور کی صورت میں ہو، یا کسی بھی شکل میں ہو)۔(۲) چاندی کی مارکیٹ ویلیو (خواہ چاندی زیور کی صورت میں ہو یا کسی بھی شکل میں ہو)۔(۳) نقد رقم۔(۴) کسی کے پاس رکھی گئی امانت (خواہ رقم

ہو یا سونا، چاندی)۔(۵) بینک بیلنس۔(۶) غیر ملکی کرنسی کی مارکیٹ ویلیو۔(۷) کسی بھی مقصد (مثلاً: حج، بچوں کی شادی یا مکان وغیرہ کی خریدنے) کے لیے رکھی ہوئی رقم۔(۸) حج کے لیے جمع کروائی ہوئی وہ رقم، جو معلم کی فیس اور کرایہ جات وغیرہ کاٹ کر واپس کردی جاتی ہے۔(۹) بچت سرٹیفکیٹ مثلاً: FEBC، NDFC،NIT، کی اصل رقم (اگر چہ ان کا خریدنا ناجائز ہے)۔(۱۰) پرائز بانڈز کی اصل قیمت (اگر چہ ان کی خرید وفروخت اور ان پر ملنے والا انعام جائز نہیں ہے)۔(۱۱) انشورنس پالیسی میں جمع کردہ اصل رقم (اگر چہ مروجہ انشورنس کی تمام صورتیں ناجائز ہیں)۔(۱۲) قرض دی ہوئی رقم (بشرطیکہ واپس ملنے کی امید ہو)۔(۱۳) کسی بھی مقصد کے لیے دی ہوئی ایڈوانس رقم، جس کا اصل یا بدل اسے واپس ملے گا۔(۱۴) سیکورٹی ڈیپازٹ کے طور پر جمع کردہ رقم۔(۱۵) بی سی (کمیٹی) میں جمع کروائی ہوئی رقم (بشرطیکہ ابھی تک کمیٹی نکلی نہ ہو)۔(۱۶) تجارتی یا تجارت کی نیت سے خریدے گئے حصص۔(۱۷) شرکت والے معاملے میں اپنے حصے کے قابلِ زکاۃ اثاثوں کی رقم مع نفع۔(۱۸) بیچنے کے لیے خریدا ہوا سامان، جائیداد، حصص اور خام مال۔(۱۹) تجارت کے لیے خریدی ہوئی پراپرٹی۔(۲۰) ہر قسم کے تجارتی مال کی مارکیٹ ویلیو (یعنی: قیمتِ فروخت)۔(۲۱) فروخت شدہ چیزوں کی قابلِ وصول رقم۔(۲۲) تیار مال کا اسٹاک۔(۲۳) خام مال۔

جو رقم مالِ زکاۃ سے منہا کی جائے گی:

(۱) ادھار لی ہوئی رقم۔(۲) خریدی ہوئی چیز کی واجب الاداء قیمت۔(۳) کمیٹی حاصل کرنے کے بعد بقیہ اقساط کی رقم۔(۴) ملازمین کی تنخواہ، جس کی ادائیگی اس تاریخ تک لازم ہو چکی ہے۔(۵) یوٹیلیٹی بلز، کرایہ وغیرہ جن کی ادائیگی اس تاریخ تک لازم ہو چکی ہو۔(۶) گزشتہ سالوں کی زکاۃ اگر ابھی تک ادا نہ کی گئی ہو۔(۷) قسطوں پر خریدی ہوئی چیز کی واجب الاداء قسطیں۔

اب ماقبل میں ذکر کیے گئے "وہ اثاثے جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے" کی تمام صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کل قیمت جمع کرلیں، پھر "جو رقم مالِ زکاۃ سے منہا کی جائے گی" میں ذکر کی گئی صورتوں کے ہونے کی صورت میں تمام چیزوں کی قیمت جمع کر کے پہلی رقم میں سے گھٹالیں، اب جو رقم باقی بچے، اس کا چالیسواں حصہ (یعنی: ڈھائی فی صد) بطورِ زکاۃ نکال کر مستحقین تک پہنچائیں۔

وجوبِ زکوۃ سے مستثنیٰ چیزیں:

جس چیز کی طرف زندگی بسر کرنے میں آدمی کو ضرورت ہے، اسے حاجتِ اصلیہ کہتے ہیں، اس میں زکوۃ واجب

نہیں جیسے (۱) رہائشی مکان، ایک ہو یا زیادہ۔ (۲) دوکان؛ البتہ دوکان کا مال مالِ زکاۃ ہوتا ہے۔ (۳) فیکٹری کی زمین، بشرطیکہ فروخت کی نیت سے نہ لی گئی ہو۔ (۴) دوکان، گھر، فیکٹری کا فرنیچر۔ (۵) زرعی زمین، بشرطیکہ فروخت کی نیت نہ ہو۔ (۶) کرایہ پر دیا ہوا مکان، دوکان یا فلیٹ۔ (۷) مکان، دوکان، اسکول یا فیکٹری بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ۔ (۸) کرایہ پر چلانے کے لیے ٹرانسپورٹ گاڑی، مثلاً: ٹیکسی، رکشہ یا بس وغیرہ

مصارفِ زکاۃ:

یعنی کون لوگ زکاۃ لینے کے مستحق ہیں؟ فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ [التوبة:۶۰]

ترجمہ: "صدقے صرف فقیروں، مسکینوں اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے ہیں، اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، اور گردنیں چھڑانے میں، اور قرض داروں کے لیے، اور اللہ کی راہ میں، اور مسافر کے لیے، یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ لینے کے مستحق یہی آٹھ ہیں، ان کو چھوڑ کر کسی اور مصرف پر زکاۃ خرچ نہیں کی جا سکتی، البتہ یہ ضروری نہیں کہ زکاۃ کی رقم ان آٹھوں پر خرچ کی جائے بلکہ ان میں سے جو زیادہ مناسب اور زیادہ ضرورتمند ہو اس پر اسے خرچ کر دیا جائے۔

(۱) و (۲): فقراء اور مساکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورتمند ہوں اور جن کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کر سکیں، انھیں زکاۃ کی رقم سے اتنا پیسہ دیا جائے جو زیادہ سے زیادہ ایک سال تک ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

(۳): "العاملین علیہا" سے مراد زکاۃ اکٹھی کرنے والے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے والے لوگ ہیں، انھیں زکاۃ کی رقم سے ان کے کام کے بقدر تنخواہ یا وظیفہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

(۴) "المؤلفة قلوبهم" سے مراد کمزور ایمان والے نو مسلم لوگ ہیں، یا ایسے لوگ جن کے مسلمان ہونے کی امید ہو، یا ایسے کفار جن کو مال دینے سے توقع ہو کہ وہ اپنے قبیلے یا علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے۔

(۵) "وفی الرقاب" سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کو ان کے آقاؤں سے چھڑا کر آزاد کر دینا

(٦) مقروض جو قرض واپس کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے زکاۃ کی رقم دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس نے قرضہ جائز مقصد کے لیے لیا ہو، اسی طرح وہ لوگ جن پر چٹی پڑ جائے، یا ان کا کاروبار شدید خسارے کا شکار ہو گیا ہو تو انھیں بھی زکاۃ دی جا سکتی ہے۔

(٧) "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد اور دیگر تمام دینی مقاصد ہیں جو اللہ کی رضا کے موجب بنتے ہیں، مثلاً دینی مدارس کی تعمیر، ان میں زیرِ تعلیم طلبہ اور ہسپتال وغیرہ میں زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

(٨) وہ مسافر جس کا سفر جائز مقصد کے لیے ہو اور اس کا زادِ راہ دورانِ سفر ختم ہو جائے اور وہ سفری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیسے کا محتاج ہو اسے بھی بقدرِ ضرورت زکاۃ دی جا سکتی ہے

اس ضروری تفصیل کے بعد ہم باب کی احادیث کی تشریح نقل کرتے ہیں، یاد رہے کہ: باب کی پہلی حدیث کے ذریعہ مصنفؒ یہ بات فرما رہے ہیں کہ زکوۃ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں بھی فرض تھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی فرض ہی ہے، جن گمراہ فرقوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد زکوۃ کی فرضیت کا انکار کیا تھا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے جہاد فرمایا؛ اور یہ ثابت کیا کہ اب بھی زکوۃ فرض ہی ہے۔

٩- كِتَابُ الزَّكَاةِ

زکوۃ کا بیان

١٥٥٦- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهِ، لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ،

١٥٥٦- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: بَابُ وُجُوبِ الزَّكَاةِ (١٣٩٩)، مسلم: كتاب الإيمان، باب: الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله (٢٠)، الترمذي: كتاب الإيمان، باب: ماجاء أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله (٢٦٠٧)، النسائي: كتاب الجهاد، باب: وجوب الجهاد (٦/٥).

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللَّهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللَّهَ عَزَّ وجَلَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، قَالَ: فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ رَبَاحُ بْنُ زَيْدٍ وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِهِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ عِقَالًا. وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، قَالَ: عَنَاقًا، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ، وَمَعْمَرٌ، وَالزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، فِي هَذَا الْحَدِيثِ: لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا، وَرَوَى عَنْبَسَةُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: عَنَاقًا.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے اور عرب کے کچھ لوگوں نے اسلام سے روگردانی کی تو (حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اس پر) حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے کیونکر جنگ کرتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ یہ شہادت نہ دیدیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس نے یہ شہادت دیدی اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کو بچالیا سوائے اس کے کہ اسلام کا حق اس کا خون چاہتا ہو اور اس کا حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہوگا (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوۃ کے درمیان تفریق کردی، حالانکہ زکوۃ مال کا حق ہے واللہ اگر ان لوگوں نے مجھ سے اونٹ کی ایک رسی بھی جسے وہ نبی ﷺ کو دیا کرتے تھے روکی تو میں ان سے جنگ کروں گا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ اللہ نے جنگ کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ وہ (اپنے فیصلہ میں) حق بجانب ہیں ابوداؤدؒ کہ ابوعبیدہ معمر المثنی نے کہا ہے کہ عقال ایک سال کا صدقہ ہے اور عقالان دو سال کا صدقہ۔ ابوداؤدؒ کہ اس کو رباح بن زید نے بطریق معمر، زہری سے اس کی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں عقالاً ہے اور اس کو ابن وہب نے یونس سے روایت کرتے ہوئے عناقاً کہا ہے۔ ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ شعیب بن ابی حمزہ، معمر اور زبیدی نے زہری سے اس حدیث میں کہا ہے کہ اگر بکری کا ایک بچہ بھی نہ دیں گے (تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا) اور عنبہ نے بواسطہ یونس زہری سے اس حدیث میں لفظ عناقاً ذکر کیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سنن ابوداؤد کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے، جیسا کہ تخریج سے واضح کردیا گیا ہے اور مصنفؒ اس حدیث کو کتاب الزکوۃ کے شروع میں لاکر زکوۃ کی فرضیت کو ثابت فرمارہے ہیں، شراح حدیث نے اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے، ہم کوشش کریں گے کہ تمام شروح حدیث کو سامنے رکھ کر اختصار کے ساتھ اس کی

تشریح آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

قولہ: استخلف أبوبکر: ۱۲ / ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز پیر حضور اکرم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے، اور آپ ﷺ کی جگہ منصب خلافت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کے اتفاق سے امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین منتخب ہوگئے تو اس وقت سرزمین عرب میں ایک سنگین فتنہ رونما ہوا جس کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

فتنۂ ارتداد:

فتنۂ ارتداد کی آگ کو بھڑکانے میں جو لوگ ملوث تھے، وہ چار قسم کے تھے۔

(۱) بعض قبائل جن کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت یا صحبت میں رہنے کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا ان میں سے کچھ لوگ جن کی تعداد بہت ہی کم تھی دین اسلام سے پھر گئے اور اسلام کو چھوڑ کر دین جاہلیت کی طرف چلے گئے۔

(۲) ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو جھوٹے نبیوں یعنی اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاح نامی عورت کے گرد جمع ہوگئے اور ان کے تابع دار بن گئے۔

ان دونوں گروہوں میں شامل ہونے والے قبائل یہ تھے: یمامہ میں قبیلۂ اسد، قبیلہ غطفان، قبیلۂ بنوحنیفہ، اور عمان میں قبیلہ ازد، قبیلہ قضاعہ اور قبیلہ بنوتمیم تھے۔

(۳) تیسرے وہ لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ اسلام برحق ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی رسول برحق ہیں، اور ہم بھی مسلمان ہیں مگر زکوۃ نہیں دیں گے؛ کیوں کہ زکوۃ وصول کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد باقی نہیں رہا۔

(۴) چوتھے وہ لوگ تھے جو زکوۃ کی فرضیت کا تو انکار نہیں کرتے تھے مگر یہ کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ نہیں دیں گے، بلکہ ہم خود ہی خرچ کریں گے۔

اب ان چار قسموں میں سے پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کا ارتداد تو بالکل واضح تھا، مگر تیسری اور چوتھی قسم کے لوگ چوں کہ اپنی اپنی بات پر قرآن کریم کی اس آیت: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ...'' سے اپنے فہم ناقص کے تحت استدلال کرتے تھے اس لیے وہ تاویل کرنے والے ہوئے، مگر باغیوں میں ان کا شمار یقینی تھا اور یہ چاروں قسم کے لوگ امیر المؤمنین کی مخالفت میں برابر کے شریک تھے اور فتنوں کی آگ کو بھڑکا رہے تھے، جس سے امت میں انتشار کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ نے فیصلہ اور اقدام کی وہ قوت عطا فرمائی تھی جو درجہ نبوت

کے قریب تھی اور انھوں نے اسی قوت اور عزیمت کا مظاہرہ کر کے ان سب سے جنگ کی اور کفر وارتداد، انکار زکوۃ اور منع زکوۃ کے فتنوں سے امتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائی۔

حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ کو حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ قتال پر جو تامل یا اعتراض تھا وہ صرف اس فریق کے متعلق تھا جو زکوۃ کی فرضیت کا تو قائل تھا مگر بیت المال میں جمع کرنے یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالہ کرنے کا منکر تھا یعنی چوتھی قسم کے لوگوں سے قتال کرنے کے تعلق سے حضرت عمرؓ کو اعتراض تھا، اس بات کی تائید حدیث کے اس جملے سے بھی ہورہی ہے: ''وَاللّٰهِ، لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ''

فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہنے والے لوگ:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بڑے طبقے کی اس سنگین فتنہ سے حفاظت فرمائی، چناں چہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی برکت سے اہل مدینہ کو اسلام پر جمائے رکھا، اسی طرح اہل مکہ حضرت سہیل بن عمروؓ کی بدولت اسلام پر باقی رہے، اس لیے کہ انھوں نے بھی مکہ میں ایسا ہی زبردست خطبہ دیا تھا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل مدینہ کے سامنے خطبہ دیا تھا، اور طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی برکت سے ثقیف بھی اسلام پر قائم رہا، انھوں نے بھی طائف میں قبیلۂ ثقیف کے سامنے اسی طرح خطبہ دیا تھا جیسا کہ حضرت سہیل بن عمروؓ نے اہل مکہ کے سامنے دیا تھا، اسی طرح قبیلۂ اسلم، قبیلۂ غفار، قبیلۂ جہینہ و مزینہ، قبیلہ اشجع، قبیلہ ہوازن، قبیلہ جعثم اور اہل صنعاء بھی ارتداد کے فتنہ کی اس آگ سے محفوظ رہے اور اپنے اسلام پر جمے رہے۔

قوله: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ: یہ حضرت عمرؓ کی جانب سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ارادۂ قتال پر تامل ہے کہ مانعین زکوۃ اگرچہ منع زکوۃ کی وجہ سے گنہ گار ہیں لیکن کلمہ گو ہیں مسلمان ہیں، اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ شہادتین کا اقرار کرلیں، یعنی آپ ﷺ نے شہادتین کے اقرار کو قتال کی غایت قرار دیا ہے کہ اقرار شہادتین کے بعد آدمی معصوم الدم والمال ہوجاتا ہے اور اس کی جان مال سے تعرض جائز نہیں رہتا، قتال تو صرف ان لوگوں سے کیا جاسکتا ہے جو ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار نہ کریں، پھر آپ ان سے قتال کا ارادہ کیوں کر فرما رہے ہیں؟

یہ تھا حضرت عمرؓ کا اشکال اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب یہ دیا۔

''وَاللّٰه لأقاتلن مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاة حَقُّ المال'' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اے عمر! یہی حدیث جس کو آپ مانعین زکوٰۃ سے عدم قتال کی دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص باوجود کلمہ گو ہونے کے حقوق اسلام میں سے کسی ایک حق کو ترک کر دے تو اس سے قتال کیا جائے گا، چناں چہ اگر اس سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو گیا جس کی جانی یا مالی سزا مقرر ہے تو کلمہ کا اقرار اس کے جاری کرنے سے مانع نہیں ہوگا، مثلاً کسی کو ناحق قتل کر دیا تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یہ اسلام کا حق ہے، اسی طرح جو شخص نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے اس سے بھی قتال کیا جائے گا اور اس فرق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ فرضیت زکوٰۃ ہی سے انکار ہو اور دوسری یہ کہ اداء الی الامام سے انکار ہو، اوّل صورت تو کفر کی ہی ہے اگر چہ شرک کی طرح کفر صریح نہیں ہے، اور قتال جس طرح کفر صریح کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح کفر غیر صریح کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، اور صورت ثانیہ اداء الی الامام کی وجہ سے انکار یہ کفر نہیں ہے بلکہ بغاوت ہے اور باغیوں سے بھی قتال کرنا مشروع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس جواب سے حضرت عمر ؓ مطمئن ہو گئے اور جہاد کے لیے تیار ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی تیار کیا جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس ارادۂ قتال پر تردد کا اظہار کیا تھا، اور پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے یا تو یہ سمجھا کہ ''إلا بحقه'' میں زکوٰۃ شامل نہیں ہے، اس کا جواب حضرت ابوبکر ؓ نے یہ دیا کہ ''فإن الزكوة حق المال'' یعنی اس میں زکوٰۃ بھی شامل ہے۔ یا پھر حضرت عمر ؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ صدیق اکبر ؓ یہ قتال ان لوگوں کے کفر کی وجہ سے قتال کر رہے ہیں، اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے اسی حدیث سے استشہاد کر لیا کہ ان سے قتال کی وجہ منع زکوٰۃ ہے۔

قوله: ''إلا بحقه'' اس میں ضمیر اسلام کی طرف راجع ہے جو قرینۂ مقام سے سمجھ میں آرہا ہے اور یہ استثناء ہے محذوف عام سے اور تقدیری عبارت یہ ہو سکتی ہے ''أي فلايجوز استباحة شيء من أموالهم ودمائهم بسبب من الأسباب إلا بحق الإسلام كقتل النفس المحرمة والزنا ومنع الزكوٰة'' یعنی ایمان لانے کے بعد جان و مال کو امان حاصل ہو جاتا ہے لیکن اسلام کے کسی حق کی پامالی (جس کی سزا مقرر ہے) کی وجہ سے یہ عصمت باقی نہیں رہتی، اب اداء زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک حق ہے لہٰذا اس کی پامالی کی وجہ سے بھی عصمت باقی نہ رہی۔

قوله: ''وحسابه علی الله'' یعنی جو کوئی زبان سے کلمۂ توحید ادا کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا تو ہم اس کو مسلمانوں ہی میں شامل کریں گے اور اس سے قتال ترک کر دیں گے، اس کے باطن کی تفتیش نہیں کریں گے کہ وہ اپنے اظہار اسلام میں مخلص ہے یا نہیں؟ اس کے باطن کا معاملہ علم الٰہی پر چھوڑ دیا جائے گا اگر وہ اسلام کا اظہار دل سے نہیں

کررہا ہے تو منافق ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے خود مواخذہ کرلے گا، ہم تو ظاہر ہی کے مکلف ہیں۔

قوله: ''مَنْ فَرَّقَ بَين الصلاة والزكوة'' یعنی نماز کو تو قائم کرے، فرض سمجھے اور زکوٰۃ کا انکار کرے یا ادائیگی سے منع کرے ان سے قتال کیا جائے گا۔

قوله: ''لَوْ مَنَعُوْنِي عِقَالاً'' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے زکوٰۃ کی ایک رسی بھی مجھے دینے سے انکار کیا تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔

یہاں روایت میں جو لفظ ''عِقَالاً'' آیا ہے اس کے نقل کرنے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ لفظ ''عِقَالٌ'' ہے یا ''عَنَاق'' ہے اور اس کے معنی میں بھی اختلاف ہے پہلے ہم ''عقال'' کے معنی کو مع مختلف اقوال نقل کرتے ہیں۔

(۱) یہ بکسر العین وفتح القاف ہے جس کے معنی ہیں، رسی کا ٹکڑا، پھر یہ کہ زکوٰۃ میں رسی تو لی نہیں جاتی پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کی توجیہ یہ کی گئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ ارشاد مبالغہ کے طور پر ہے، کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ سے قدر قلیل جو قیمت میں رسی کے برابر ہو ادا نہیں کرے گا تو اس سے بھی قتال ہوگا۔

(۲) عِقَالٌ کا اطلاق ''صَدقَة عَامٍ'' یعنی ایک سال کی زکوٰۃ پر ہوتا ہے اور دو سال کی زکوٰۃ کو عِقَالان کہتے ہیں، چناں چہ نضر بن شمیل لغوی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس پچیس اونٹ ہوجائیں تو اس پر ایک بنت مخاض ہوگا، اسی بنت مخاض کو عقال کہا جاتا ہے۔

(۳) اس عقال سے مراد وہ رسی ہے جس میں حیوان کو باندھ کر زکوٰۃ میں ساعی کو دیتے ہیں، اس لیے کہ حیوان کی زکوٰۃ میں تسلیم کا تحقق عادتاً بغیر اس کے نہیں ہوتا۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ عقال جوان اونٹنی کو کہتے ہیں، اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی نے زکوٰۃ میں ایک اونٹنی دینے سے بھی انکار کیا تو میں اس سے بھی قتال کروں گا۔

(۵) اس سے زکوٰۃ ہی کی رسی مراد ہے جیسا کہ کوئی شخص رسی ہی کی تجارت کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی زکوٰۃ میں رسی ہی کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

عقال اور عناق کے اختلاف کا ثمرہ:

بعض روایتوں میں یہ کلمہ ''عِنَاق'' بفتح العین والنون وآخرہا القاف کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہیں بکری کا بچہ، جو چار ماہ کا ہو، حضرات شوافع اسی عناق کے کلمہ کو ترجیح دیتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرات شوافع کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر

3 کسی کے پاس صرف صغار ہی صغار ہوں تو زکوۃ میں بکری کا بچہ ہی واجب ہوگا، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان صغار میں کوئی چیز فرض نہ ہوگی، بلکہ سائمہ کی زکوۃ میں یہ شرط ہے کہ یا تو وہ سب کے سب مسنہ ہوں یا کم از کم بعض ان میں سے مسنہ ہوں اور بعض صغار اور سب مل کر نصاب کے دائرہ میں آتے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، مگر زکوۃ میں دیا مسنہ ہی جائے گا، اس لیے عناق والی کے الفاظ سے شوافع نے فائدہ اٹھایا، لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ کے ثبوت ہی میں رواۃ کا اختلاف ہے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں کلمہ عقال ہو یا عناق ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت اپنا موقف پوری قوت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ کے سامنے اپنے عزم کو بالکل صاف اور واضح کر دینا چاہتے تھے تو کلام میں قوت لانے کے لیے بلاغت کے اصول کے مطابق قدرے مبالغہ کی تعبیر کو اختیار فرمایا کہ اگر زکوۃ کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی کمی کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عزم مصمم کی وجہ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاں فتنۂ ارتداد اور فتنۂ منع زکوۃ کی سنگینی اور اس خطرناک اثرات کو اپنی دوررس نگاہوں سے پہچان کر ان سے قتال کا ارادہ فرمایا تھا وہیں اس کی ایک وجہ وہ نص بھی تھی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے تھے جس کو حاکم نے ''الاکلیل'' میں نقل کیا ہے، عبدالرحمن ظفریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو قبیلہ اشجع کے ایک شخص کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، اس اشجعی شخص نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا، یہ صحابی واپس آئے اور حضور ﷺ کو اس کی خبر دی، آپ ﷺ ان صحابی کو دوبارہ بھیجا کہ اس اشجعی سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں اس لیے زکوۃ ادا کر دو، اس نے پھر منع کر دیا، یہ صحابی پھر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس گئے اور جا کر صورت حال بیان فرمائی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِذْهَبْ إِلَيْهِ الثَّالِثَةِ فَإِنْ لَم يُعْطِ صَدَقَته فَاضْرِبْ عُنُقَهُ''

اس حدیث کے راوی حکیم بن عباد بن حنیف کہتے ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ سے جو قتال کیا ہے وہ اسی حدیث کے پیش نظر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۶/۳۳۸ طبع زکریا)

قوله: ''قال ابوداؤد: رواه رباح بن زيد عن معمر عن الزهري باسناده قال بعضهم عقالا'' یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ زہری سے نقل کرنے والے رواۃ آپس میں اختلاف کرتے ہیں، بعض تو ''عقالاً'' نقل کرتے ہیں جیسا کہ قتیبہ نے نقل کیا ہے، اور بعض ''عَنَاقًا'' نقل کرتے ہیں، جیسا کہ رباح بن زید نے نقل کیا ہے۔

قوله: ''ورواه ابن وهب عن يونس قال: عناقاً'': اس میں زہری سے نقل کرنے والے ابن وہب ہیں، تو

انھوں نے بھی عناقاہی نقل کیا ہے۔

قوله: ”قال أبوداؤد:قال شعيب بن أبي حمزة ومعمروالزبيدي عن الزهري في هٰذا الحديث: لو منعوني“ اس میں زہری سے نقل کرنے والے تین حضرات اور ہیں اور یہ تینوں بھی عناقاًہی نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح یونس نے جب دوسری مرتبہ زہری سے نقل کیا ہے تو بھی عناقاہی کہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زہری سے نقل کرنے والے اکثر تلامذہ اس کو ”عناقا“ ہی نقل کرتے ہیں، امام بخاریؒ نے بھی اسی کو اصح قرار دیا ہے؛ لیکن ہم ماقبل میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اصل مقصد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اپنی بات کو قوت سے بیان کرنا ہے۔

فقه الحديث: حدیث باب سے حضرات علماء کرام نے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت اور حق کے لیے ان کے عزم واستقلال کی پختگی۔

(۲) قیاس کی مشروعیت اور اس پر عمل کی اجازت۔

(۳) ضرورت کے وقت اپنی بات کو قسم کے ساتھ پیش کرنا۔

(۴) اہل علم کے درمیان مناظرہ کا جواز۔

(۵) حق کی طرف رجوع جب کہ حق ظاہر ہو جائے۔

(۶) مانعین زکوۃ سے مقاتلہ اور جہاد۔

(۷) اعتبار اسلام میں ظاہر قول پر مدار۔ (المنہل:۹/۱۲۰)

۱۵۵۷-حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ حَقَّهُ أَدَاءُ الزَّكَاةِ، وَقَالَ: عِقَالًا.

ترجمه: یونس نے زہری سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اسلام کا حق زکوۃ ہے اور لفظ عقالاً استعمال کیا۔

تشریح حدیث: اس روایت میں زہری اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان واسطہ ساقط ہے، اس لیے کہ امام زہری نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہیں پایا ہے، پس یہ حدیث معضل ہوئی۔

روایات کا حاصل:

اس حدیث کا مدار محمد بن مسلم بن شہاب زہری پر ہے ان سے نقل کرنے والے پانچ لوگ ہیں: (۱) عقیل (۲) معمر

۱۵۵۷-انظر تخريج الحديث السابق.

(۳) شعیب (۴) زبیدی (۵) یونس۔ اب عقیل نے تو "عقالاً" ہی نقل کیا ہے جب کہ تین حضرات معمر، شعیب اور زبیدی نے "عناقاً" کہا ہے، اور یونس نے کبھی عناقاً کہا ہے اور کبھی عقالاً کہا ہے۔ صاحب منہل لکھتے ہیں: "وکل صحیح" اس لیے کہ حضرت ابوبکر نے ہی اپنے کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے کبھی عناقاً کہا اور کبھی عقالاً کہا۔

اگرچہ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ "عناقاً" زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَاتَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ

زکوۃ کے نصاب کا بیان

۱۵۵۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم (غلہ اور پھل) میں صدقہ نہیں ہے (صدقہ بمعنی زکوۃ ہے)

مقصد ترجمہ: ترجمۃ الباب کے مقصد میں دو احتمال ہیں، یا تو مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ کن کن چیزوں میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یا یہ بیان کرنا مقصد ہے کہ مال کی کس مقدار میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یعنی نصاب کیا ہے؛ اکثر شراح حدیث کا میلان دوسرے احتمال کی طرف ہے، ہم نے بھی ترجمہ کرنے میں دوسرے احتمال کو ہی ملحوظ رکھا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور بنیادی طور پر اس حدیث میں تین احکام مذکور ہیں۔

پہلا حکم: پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، یعنی اونٹوں کا اقل نصاب پانچ ہے، جب پانچ اونٹ ہوں گے تب ہی آدمی صاحب نصاب ہوگا، اب اس کے نصاب کے تعلق سے جو تفصیلات ہیں وہ آگے مستقل باب "باب في زكوة سالمة" کے تحت آ رہی ہیں۔

۱۵۵۸- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: ما أدى زكاته فليس بكنز (۱۴۰۵)، مسلم: كتاب الزكاة (۹۷۹)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في صدقة الزرع والتمر والحبوب (۶۲۶) و (۶۲۷)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة الإبل (۵/ ۱۷)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: ماتجب فيه الزكاة من الأموال (۱۷۹۳).

پھلوں اور غلوں کی پیداوار کی زکوۃ:

دوسرا حکم: پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں ہے ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہو گئے، جس کا وزن (۶۱۲ء۳۵) گرام ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو اس پر اس وقت تک زکوۃ فرض نہ ہو گی جب تک کہ (۶۱۲ء۳۵) گرام چاندی نہ ہو، یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

تیسرا حکم: یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، حدیث کے اس تیسرے جزء میں اختلاف ہے، پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ وسق کا وزن کتنا ہے؟ احناف کے یہاں ایک وسق ایک سو پچانوے کلو تین سو ساٹھ گرام ہے اور پانچ وسق نو سو چھہتر کلو آٹھ سو گرام ہے، کیوں کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے پس پانچ وسق تین سو صاع ہوئے اور ایک صاع چار مد کا اور مد دو رطل کا اور رطل چار سو سات گرام کا، لہٰذا پانچ وسق (۹۷۶۸۰۰) نو سو چھہتر کلو آٹھ سو گرام ہوئے۔

اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چوں کہ ایک مد ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے اس لحاظ سے ایک صاع دو کلو ایک سو تہتر گرام کا ہوا، اور پانچ وسق چھ سو کیاون کلو نوے گرام کا ہوا۔

یہ اختلاف تو تھا وزن میں کہ وسق کا وزن کتنا ہوتا ہے اور پانچ وسق کتنے کلو ہوں گے۔

دوسرا اختلاف یہاں یہ ہے کہ درختوں اور کھیتوں کی پیداوار میں حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نصاب متعین ہے، اور وہ نصاب پانچ وسق یعنی (۶۵۱۹۰) چھ سو کیاون کلو نوے گرام ہے، جب کہ احناف کے نزدیک پھلوں اور کھیتوں کی پیداوار میں کوئی نصاب متعین نہیں ہے؛ کم یا زیادہ جو بھی مقدار پیدا ہو اس پر عشر یا نصف العشر واجب ہے۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک گیہوں، جو، زیتون، تل سمیت کل بیس جنسوں میں عشر واجب ہوتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک عشر صرف اس پیداوار میں ہو گا جو قوت اور خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہو، قوت اس چیز کو کہتے ہیں جو عام طور پر جسم کو زندہ رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جیسے فصلوں میں گیہوں اور چاول اور پھلوں میں کھجور و انگور۔

حنابلہ کے نزدیک عشر ایسی چیزوں میں ہے جن میں دو صفتیں ہوں ایک یہ کہ وہ کیلی ہوں یعنی اس میں پیمانہ کے ذریعہ لین دین ہو دوسری یہ کہ ان میں مدت دراز تک باقی رہنے کی صلاحیت ہو۔

احناف کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں عشر واجب ہے جس کا مقصد نماء ہو یعنی جس کی کاشت عام طور پر نفع اندوزی کے لیے کی جاتی ہو چناں چہ گھاس وغیرہ اس میں شامل نہ ہوں گی واضح رہے کہ حنفیہ کی کتابوں میں جو بانس وغیرہ کا استثناء ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ ان کی کاشت نہ کی گئی ہو۔

مذکورہ بالا تفصیل میں جہاں تک پہلے اختلاف کا تعلق ہے کہ وسق کا وزن کیا ہے تو اس سلسلہ میں ہم کتاب الطہارۃ میں "باب مقدار الماء الذي يجزئ في الغسل" کے تحت مع ادلہ تفصیل نقل کر چکے ہیں۔

رہا دوسرے اور تیسرے اختلاف کا مسئلہ تو۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کا استدلال:

حدیث باب سے ہے کہ اس میں پانچ وسق سے کم میں زکوۃ کی نفی کی گئی ہے؛ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک تمام غلوں اور پھلوں میں عشر یا نصف العشر واجب ہونے کے لیے کم از کم پانچ وسق یعنی چھ سو کیاون کلو نوے گرام ہونا ضروری ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مستدلات:

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پہلی دلیل نص قرآن سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وآتوا حقه يوم حصاده" (سورۂ انعام آیت/۱۴۱) اس میں زرعی پیداوار پر جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ زکوۃ ہے اور مطلق ہے اس میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہے، بلکہ حکم ہے کہ جو کچھ باغ میں آئے اس میں سے اللہ کا حق دو، حضرت امام مالکؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس حق سے مراد زکوۃ ہے، نفلی صدقہ نہیں۔)

(۲) سورۂ بقرہ (آیت ۲۶۷) میں ہے: "يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو، کسی زمین کی پیداوار میں کسی خاص نصاب کا ذکر نہیں ہے، کہ جب اتنا ہو جائے تو خرچ کرو۔

(۳) تیسری دلیل صحیح بخاری (كتاب الزكوٰة، باب العشر فيما يسقي من ماء السماء والماء الجاري) کی مشہور حدیث ہے: "فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر" اس میں بھی ہر قسم کی زرعی پیداوار پر قلیل وکثیر کی تفریق کے بغیر عشر واجب کیا گیا ہے۔

(۴) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ (۱/ ۳۱۶) میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فيما سقت الأنهار والغيم العشور وفيما سقي بالسانية نصف العشر"۔ اس میں بھی زرعی پیداوار میں بلا قید نصاب کے ایک صورت میں جب اس میں آب پاشی کی مؤنۃ برداشت کی گئی ہو، نصف عشر واجب ہونے کا ذکر ہے اور اگر آب پاشی کی مشقت نہیں اٹھانی پڑی ہے تو عشر کے وجوب کا بیان ہے۔

(۵) امت کا تعامل، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے نقل کیا ہے کہ قلیل وکثیر سب میں عشر کے وجوب پر سلف کا تعامل رہا ہے، چناں چہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مسلک بھی یہی رہا ہے، انھوں نے تمام ممالک میں اپنی رعایا کو اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا تھا کہ ہر قلیل وکثیر میں عشر لیا جائے، ان کے اس فرمان پر کسی کی بھی نکیر منقول نہیں ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس فرمان کو امت نے قبول کیا پھر اسی پر عمل کیا مصنف عبدالرزاق میں یہ فرمان ان الفاظ میں منقول ہے: ''عبدالرزاق عن معمر عن سِماكٍ بن الفضل قال: كَتَبَ عُمر بنُ عبدالعزيز أنْ يُؤخذَ مِمَّا أنبتتِ الأرضُ من قليلٍ أو كثيرِ العُشرُ'' (مصنف عبدالرزاق: ۴/۱۲۱، رقم/۷۱۹۶)

اس کے علاوہ حضرت مجاہد، ابراہیم نخعی اور امام زہریؒ کے مسلک کو بھی مصنف عبدالرازق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مع سند کے نقل کیا گیا ہے۔

(۶) قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ہر قلیل وکثیر میں عشر واجب ہو؛ اس لیے کہ عشر ایک مالی عبادت ہے جس میں ایک مخصوص مقدار اللہ کے شکر کے طور پر دی جاتی ہے تو جس طرح پانچ وسق کی مقدار اللہ کا انعام ہے اسی طرح اس سے کم مال بھی اللہ کا انعام ہے، پھر اس کا شکر کیوں ضروری نہ ہوگا۔

نیز شریعت نے رأس المال کو باقی رکھ کر زکوۃ فرض کی ہے، کیوں کہ اگر رأس المال ہی باقی نہ رہے گا تو آدمی تنگ ہوجائے گا چناں چہ زکوۃ اموال نامیہ اور منافع میں واجب کی ہے، پس دیگر اموال میں تو نصاف اس لیے شرط ہے کہ رأس المال باقی رہے اور منافع میں سے زکوۃ ادا کی جائے اور کھیتوں اور باغوں میں رأس المال خود زمین ہے اور اس کی پیداوار نفع ہے پس اگر یوں سب پیداوار بھی خرچ کردے گا تو بھی رأس المال باقی رہے گا، اس لیے قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ زرعی پیداوار میں قلیل وکثیر کی تفریق کے بغیر عشر واجب ہو۔

ان ہی مذکورہ دلائل کی وجہ سے قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے یہ لکھا ہے کہ: ''أقوي المناهب في المسئلة مذهب أبي حنيفة دليلاً وأحوطها للمساكين، وأولاها قيامًا لشكرالنعمة، وعليه يدل عموم الأية والحديث''

احناف کے دلائل پر جمہور کی طرف سے نقد:

جمہور کی طرف سے احناف پر ایک اصولی اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث باب تو خاص ہے، اور حنیفہ کے پیش کردہ دلائل عام ہیں، اور اصول یہ ہے کہ خاص عام پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا حضرت ابوسعید خدریؓ کی

حدیث باب مقدم ہوگی؟

ہماری طرف سے اس اعتراض کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک عام اور خاص قوت میں برابر ہیں لہٰذا خاص کو عام پر تقدم نہ ہوگا۔

(۲) ہمارے پاس بھی ایک حدیث خاص موجود ہے، جس کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، وہ یہ: ”فِي كُلِّ عَشْرَةِ أَقْنَاءٍ قِنْوٌ يُوْضَعُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَسَاكِيْنِ“ (شرح معانی الآثار، حدیث/ ۵۶۰۴) کہ ہر دس خوشوں میں ایک خوشہ واجب ہے جو کہ مساجد میں مسکینوں کے لیے رکھا جائے گا۔

(۳) حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث اگر مفسر ہے اور خاص ہے پھر بھی یہ خاص کے تمام افراد کو شامل نہیں ہے، کیوں کہ اس کا تعلق صرف موسوق اور مکیل سے ہے، غیر موسوق کا حال اس میں بیان نہیں کیا گیا، جب کہ ہمارے ادلہ ہر قسم کی پیداوار کو شامل ہیں خواہ وہ مکیل ہوں یا موسوق ہوں، یا ان کے علاوہ جیسے زعفران وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ داؤد ظاہری نے اپنا مسلک یہ اختیار کیا ہے کہ پیداوار کی جو چیزیں کیلی ہیں ان کے لیے تو نصاب شرط ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، اور جو چیزیں غیر موسوق میں جیسے زعفران وغیرہ تو اس میں نصاب کی قید نہیں ہے۔

اب رہ جاتا ہے مسئلہ یہ کہ باب کی حدیث تو اپنے ظاہر کے اعتبار سے حنفیہ کی تائید نہیں کر رہی ہے، پھر احناف کے یہاں اس کی کیا توجیہ ہے؟ عام شراح حدیث نے اس کی تین توجیہات نقل کی ہیں، ہم ان کو تفصیل سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

حدیث باب کی پہلی توجیہ:

صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ حدیث پیداوار سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ مال تجارت سے متعلق ہے، اور اسمیں تجارتی کھجور کا حکم بیان کیا گیا ہے، نہ کہ کھجور کی فصل کا، اس زمانہ میں خرید و فروخت وسق کے ذریعہ ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت اس زمانہ میں چالیس درہم ہوتی تھی، تو اس طرح پانچ وسق کھجور کی قیمت دو سو درہم ہو گئی جو کہ مال تجارت کا نصاب ہے۔

لیکن یہ تاویل و توجیہ بہت مناسب معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ پیداوار تو مختلف چیزوں کی ہوتی ہے، اب تمام ہی اشیاء میں پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوا کرتی تھی، بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

دوسری توجیہ:

اس حدیث میں عریہ (عطیہ) کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ باغ یا کھیت کا مالک چند

درخت یا چند کیاریاں کسی غریب کو دے دیا کرتا تھا تا کہ وہ ان مخصوص درختوں کے پھلوں اور مخصوص کیاریوں کے غلہ کو اپنے استعمال میں لائے، شریعت نے پانچ وسق سے کم میں اجازت دے دی یعنی جب ساعی زکوۃ وصول کرنے کے لیے آئے گا اور مالک اسے یہ بتائے گا کہ میں نے یہ چند درخت یا کیاریاں بطور عریہ کے فلاں شخص کو خود ہی دے دی ہیں تو وہ ساعی پانچ وسق سے کم میں اس کی بات مان لے گا اور ان درختوں وکیاریوں کا عشر نہیں لے گا اور اگر عریہ پانچ وسق سے زیادہ ہو تو مالک کی بات قبول نہیں کی جائے گی، مصدق ان کا عشر وصول کرے گا۔ (تحفۃ الالمعی، بحوالہ معارف السنن: ۵/ ۲۰۸)

تیسری توجیہ:

پانچ وسق والی روایت میں عام زکوۃ کی نفی نہیں ہے، بلکہ صرف اس صدقہ کی نفی ہے جو بیت المال کو دیا جاتا ہے، تو حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی کے پانچ وسق سے کم ہو تو اس کے اوپر بیت المال کو دینا لازم نہیں ہے بلکہ وہ اس مال کا صدقہ اپنی صواب دید سے مستحقین میں خود ہی تقسیم کر دے، یہ توجیہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طرف منسوب ہے حضرت کی رائے یہ ہے کہ اس وقت کے عرف میں صدقہ اور زکوۃ اسی کو کہتے تھے جو بیت المال کو دیا جائے، تو اس حدیث میں نفی بیت المال کو دینے کی ہے نہ کہ اصل وجوب کی۔ (ایضاح البخاری: ۷/ ۲۰۳)

احناف کے مسلک کی وجہ ترجیح:

یہ تو تطبیق کی وجوہ تھیں، اگر دونوں قسم کے دلائل کو سامنے رکھ کر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو بھی احناف ہی کا مسلک راجح ہوگا، کیوں کہ باب زکوۃ میں تعارض کے وقت انھیں دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے جو انفع للفقراء ہوں اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

حضرت امام طحاوی اور امام جصاص کی رائے:

حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور امام ابوبکر جصاصؒ کی رائے بھی اس جگہ قابل ذکر ہے، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ دیکھئے اس پر تو اتفاق ہے کہ عشر میں حولانِ حول شرط نہیں ہے، جیسا کہ ''رکاز'' کے خمس اور ''مال غنیمت'' کے خمس میں حولان حول شرط نہیں ہے، پس عشر کے وجوب میں بھی کسی متعین مقدار کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، یعنی جس طرح حولان حول شرط نہیں اسی طرح نصاب بھی شرط نہیں ہے۔ (معارف السنن: ۲/ ۲۰۸)

نصف العشر کب واجب ہوتا ہے؟

اگر کھیت یا باغ کی آب پاشی پر خرچ نہ ہوا ہو تو پیداوار میں عشر واجب ہوگا، مثلاً آب پاشی بارش کے پانی سے ہوگئی یا قریب سے کوئی نہر گذر رہی ہو اس سے سیرابی ہوگئی اور اگر آب پاشی پر خرچ ہوا ہے، محنت کرنی پڑی ہے تو پھر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ ہوگا، مثلاً کنویں سے پانی کھینچ کر سینچائی کی گئی یا نئی ویل انجن وغیرہ سے آب پاشی ہوئی ہو۔

۱۵۵۹-حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا إِدْرِيسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَوْدِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ زَكَاةٌ، وَالْوَسْقُ: سِتُّونَ مَخْتُومًا ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو الْبَخْتَرِيِّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ علیہ نے کہا: کہ ابوالبختری نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے نہیں سنا۔

رجال حديث: إدريس بن يزيد الأودي: کوفہ کے ایک محلہ "أود" کی طرف نسبت کی وجہ سے اَوْدِيْ کہلاتے ہیں، ثقہ راوی ہیں، کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

أبوالبختري: بفتح الباء وسکون الخاء وفتح التاء، یہ سعید بن فیروز بن ابی عمران الکوفی ہیں، ثقہ ہیں ۸۳ھ میں وفات ہوئی ہے۔

تشريح حديث: قوله: "الوسق ستون مختومًا" مختوم صیغہ اسم مفعول ہے، بمعنی مہر لگا ہوا صاع، یہاں صاع کو مختوم سے موصوف کیا گیا ہے اس لیے کہ امراء اپنے زمانہ کے صاع پر مہر لگا دیا کرتے تھے، تاکہ اس میں کمی زیادتی نہ ہو سکے، اور آگے روایت میں آرہا ہے "مختوما بالحجاج" یعنی جس پر امیر کوفہ حجاج بن یوسف کی مہر لگی ہو، جس کو صاع حجاجی بھی کہتے ہیں، اور یہی صاع عراقی بھی کہلاتا ہے، اور شوافع کا صاع صاع حجازی سے مشہور ہے۔

۱۵۵۹-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: القدر الذي يجب فيه الصدقة(۵/ ۴۰)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: الوسق ستون صاعا(۱۸۳۲).

قوله: قال أبوداؤد: "أبوالبختري لم يسمع من أبي سعيد": اس قال ابوداؤد سے مصنفؒ اس طرف اشارہ فرمار ہے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔

۱۵۶۰-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْوَسْقُ: سِتُّونَ صَاعًا مَخْتُومًا بِالْحَجَّاجِيِّ .

ترجمه: ابراہیم نے کہا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے جس پر حجاجی مہر لگی ہوتی تھی۔

تشریح اثر: مصنفؒ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے صاع حجاجی کا اعتبار کیا ہے اور یہ مشہور ہے کہ صاع حجاجی چار مد کا ہوتا ہے، اور ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے، اس لیے ایک صاع آٹھ رطل کا ہوا، حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں موسیٰ بن طلحہ کے حوالہ سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا صاع بھی یہی تھا جو حجاج بن یوسف کا تھا۔ (المنہل: ۹/ ۱۳۰)

۱۵۶۱-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا صُرَدُ بْنُ أَبِي الْمَنَازِلِ، قَالَ: سَمِعْتُ حَبِيبًا الْمَالِكِيَّ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: يَا أَبَا نُجَيْدٍ، إِنَّكُمْ لَتُحَدِّثُونَنَا بِأَحَادِيثَ مَا نَجِدُ لَهَا أَصْلًا فِي الْقُرْآنِ، فَغَضِبَ عِمْرَانُ، وَقَالَ لِلرَّجُلِ: أَوَجَدْتُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَمِنْ كُلِّ كَذَا وَكَذَا شَاةً شَاةٌ، وَمِنْ كُلِّ كَذَا وَكَذَا بَعِيرًا كَذَا وَكَذَا، أَوَجَدْتُمْ هَذَا فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَعَنْ مَنْ أَخَذْتُمْ هَذَا؟ أَخَذْتُمُوهُ عَنَّا، وَأَخَذْنَاهُ عَنْ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَذَكَرَ أَشْيَاءَ نَحْوَ هَذَا.

ترجمه: حبیب المالکی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عمران بن حصینؓ سے کہا: اے ابونجید (یہ عمران کی کنیت ہے) تم ہم سے ایسی حدیث بیان کرتے ہو جس کی اصل ہم قرآن میں نہیں پاتے، یہ سن کر عمران بن حصین کو غصہ آ گیا اور کہا: کہ کیا تم قرآن میں یہ پاتے ہو کہ ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوۃ واجب ہے؟ یا اتنی بکریوں میں ایک بکری کا دینا لازم ہے؟ یا اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ ہے؟ کیا تو ان سب مسائل کی تفصیل قرآن میں پاتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اس پر عمران بن حصین نے کہا: تو تُو نے یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کرلیا کہ جو مسئلہ قرآن میں نہیں اس کی دین میں بھی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ تم نے

۱۵۶۰-تفرد به أبو داؤد

۱۵۶۱-اخرجه الطبراني في المعجم الكبير (۱۸/ ۲۱۹/ ۳۴۷).

ہم سے سنا اور ہم نے نبی ﷺ سے سنا۔ حضرت عمران بن حصین نے اس کے علاوہ بھی چند مثالیں اور بیان کیں۔

رجال حدیث: صُرَد بن أبي المنازل: **صُرَد** بروزن عمر یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں، ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو مقبول لکھا ہے؛ یعنی قلیل الروایہ ہیں۔

حبیب المالکی: بعض نسخوں میں ''المکی'' لکھا ہے لیکن یہ تصحیف ہے، اس لیے کہ تمام کتب رجال میں ''المالکی'' ہی ہے، یحییٰ بن معین نے لکھا ہے ''مشہور'' ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں ''مقبول'' لکھا ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: ''قال رجل'' اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہے، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ معترض خوارج میں سے تھا۔

قولہ: ''مانجد لها أصلاً في القران'' اس کہنے والے کا منشاء یہ تھا کہ جو چیز قرآن میں نہ ہو تو اس پر کسی طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس کے اس اعتراض پر حضرت عمران بن حصینؓ کو غصہ آنا یقینی تھا کیوں کہ اگر ہر چیز کا ثبوت قرآن میں صراحتاً ہونا ضروری ہو تو پھر تو ایسے بہت سے احکامات کا ترک کرنا لازم آئے گا جن کا ذکر قرآن پاک میں صراحتاً نہیں ہے، نیز قرآن پاک کی اس آیت کا اہمال بھی لازم آئے گا جس میں فرمایا گیا کہ رسول تم کو جو دیں اس کو لے لیا کرو ارشاد باری ہے:

''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ...''

اور فرمایا: کیا تم قرآن میں زکوۃ ہی کے احکامات کو مفصلاً مذکور پاتے ہو کہ ہر چالیس درہم چاندی میں ایک درہم چاندی، ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری اور اسی طرح ہر پانچ اونٹوں میں ایک بنت مخاض زکوۃ میں لازم ہوگا؟ یقیناً قرآن اس کی تفصیل سے خاموش ہے، تو حدیث ہی سے یہ تفصیلات ملیں گی۔

قولہ: ''في كل أربعين درهمًا درهم'': اس جملہ میں پہلا کلمہ ''دِرهمًا'' تو تمیز کی وجہ سے منصوب ہے، اور دوسرا ''دِرهم'' یا تو مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتداء مؤخر ہے، اور جملہ ''وجدتم'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، یا پھر دوسرا ''درهماً'' بھی منصوب ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے اور اس کا نصب ''وَجَدْتُمْ'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: ''كذا وكذا'' یہ کنایہ ہے اس عدد سے جس میں زکوۃ فرض ہوتی ہے اور ''بَعِيْرًا'' کے بعد جو ''كَذَا وَكَذَا'' ہے یہ کنایہ ہے مقدار مفروض سے جس کو زکوۃ میں لیا جائے گا۔

قولہ: ''أخذتموه عنّا'' یعنی بعض احکام قرآن پاک میں مذکور ہیں اور بعض صراحتاً نہیں ہیں بلکہ وہ سنت سے ثابت ہیں، اور رسول اللہ ﷺ بھی جو فرماتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، آپ ﷺ کے

ارشادات اور آپ ﷺ کی سنت درحقیقت اس اجمال ہی کی تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' جیسا کہ نماز اور زکوۃ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مجملاً ذکر فرمایا ہے لیکن اس کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے احادیث طیبہ میں بیان فرمادی ہیں۔

قوله: ''وذكر أشياء نحو هٰذا'': حضرت عمران بن حصین ؓ نے اس آدمی کو سمجھانے کے لیے بطور امثلہ اور بھی چیزوں کا ذکر فرمایا کہ دیکھو یہ چیزیں بھی قرآن پاک میں نہیں بیان کی گئی ہیں؛ مگر احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے؛ اس لیے احادیث وسنت کو اختیار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں؛ یہ حدیث اہل قرآن کے خلاف بہترین دلیل ہے، اس سے ان کے عقیدہ باطلہ کی تردید ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے حدیث رسول کا حجت ہونا واضح ہوتا ہے۔

اس حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت اس معنی کر ہورہا ہے کہ اس میں چاندی اور مویشیوں کی زکوۃ کا ذکر موجود ہے نیز اختصار کے ساتھ ان کا نصاب بھی مذکور ہے۔

بَابُ الْعُرُوضِ إِذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ، هَلْ فِيهَا مِنْ زَكَاةٍ

سامان تجارت پر زکوۃ ہے

۱۵۶۲-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ان چیزوں میں زکوۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جو ہم فروخت کے لیے رکھتے تھے۔

مقصد ترجمہ: مقصد سامان تجارت میں زکوۃ کی فرضیت کو ثابت کرنا ہے، عروض جمع ہے عرض کی جیسا کہ فلوس جمع فلس کی، نقدین کے علاوہ ہر سامان کو عروض کہا جاتا ہے المصباح میں لکھا ہے کہ دنانیر اور دراہم تو عین ہیں، اور ان کے

۱۵۶۲-أخرجه البيهقي (۱۴۶/۴) والدارقطني (ص/۲۱۴) وعبدالغني المقدسي في السنن (ق ۱۳۴/ ۲) عن جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب عن خبيب بن سليمان بن سمرة بن جندب عن ابيه عن سمرة بن جندب به بلفظ: كان يأمر برقيق الرجل والمرأة الذين هم تلاده، وهم في عمله، لا يريد بيعهم و كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي يعد للبيع. وقال المقدسي: وهو إسناد حسن غريب. و كذلك حسنه ابن عبد البر كما في الزيلعي (۳۷۶/۲).

علاوہ سب عروض ہیں۔

رجال حدیث: ''سفیان بن محمد'' ان سے صرف حضرت امام ابوداوؒد روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقبول لکھا ہے، جب کہ امام ذہبیؒ نے ان کو الکاشف میں ذکر ہی نہیں کیا۔

یحییٰ بن حسّان: یہ ابوزکریا بصری ہیں، اصلاً دمشق کے باشندے ہیں، اتباع تابعین میں سے ہیں، ثقہ راوی ہیں، ۱۴۴ھ میں ولادت اور ۲۰۸ھ میں وفات ہے۔

سلیمان بن موسیٰ: یہ سلیمان بن موسیٰ القرشی الزہری الکوفی ہیں، کنیت ابوداوٗد ہے؛ ابن حجرؒ نے ''فیہ لین'' اور ذہبیؒ نے ''صالح الحدیث'' لکھا ہے۔

جعفر بن سعد: یہ مروان بن جعفر کے والد ابومحمد السمری ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، ابن حزم نے مجہول کہا ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ''لیس بالقوی'' کہا ہے۔

خبیب بن سلیمان: یہ بھی مجہول درجہ کے راوی ہیں۔

سلیمان بن سمرۃ: مقبول درجہ کے راوی ہیں۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون بہت واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے زکوۃ دینے کا حکم رمایا کرتے تھے جس کو حضرات صحابہ بیچنے کے لیے تیار کر کے رکھا کرتے تھے۔

فقہ الحدیث: مالِ تجارت میں زکوۃ کے فرض ہونے پر حضرات ائمہ اربعہ کا اجماع ہے بشرطیکہ اس مال پر حولان حول ہوگیا ہو۔

نیز اس حدیث کا ظاہر اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ ہر قسم کے تجارتی مال میں زکوۃ فرض ہو، خواہ اس مال کے عین میں بھی زکوۃ ہو جیسا کہ ابل اور بقر یا اس کے عین میں زکوۃ نہ ہو بلکہ تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوۃ فرض ہو رہی ہے جیسا کہ عقار خیل وغیرہ؛ جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔

تجارتی سامان کی تفصیل:

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ تاجر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تا حال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو تو یہ مالِ تجارت مالِ زکوۃ ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ اموال الزکوۃ: ۱۰۰/ ۲، دار احیاء التراث العربی)

اس طرح وہ تمام چیزیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں جنھیں کسی نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے خریدا ہو، مثلاً گھر، گاڑی اور

زمین وغیرہ، تو ایسی اشیاء پر زکوٰۃ فرض نہیں اور اسی طرح صنعتی مشینری، آلات، سٹورز اور ان کی الماریاں، دفاتر اور ان کے لوازمات پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیوں کہ ایسی تمام اشیاء ایک جگہ برقرار رہتی ہیں، اور انھیں بیچ کر تجارت کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

تجارتی سامان کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ:

سال کے اختتام پر تاجر (چاہے فرد ہو یا کمپنی) کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام تجارتی سامان کی مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق قیمت لگائے، پھر اس کے پاس سال بھر جو نقدی کرنسی رہی ہو اسے اس میں شامل کر لے، اسی طرح اس کا جو قرضہ قابل واپسی ہو اسے بھی حساب میں شامل کر لیا جائے، اور اگر وہ خود مقروض ہو تو قرضے کی رقم نکال کر باقی تمام رقم کا اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ ادا کر دے۔

مسئلہ: صنعتی آلات اور مشینری کی اصل قیمت پر تو زکاۃ فرض نہیں، البتہ ان کی آمدنی اگر زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس سے زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا، اور یہی حکم کرائے پر دیے ہوئے مکانوں، دکانوں اور گاڑیوں وغیرہ کا ہوگا کہ ان کی اصل قیمت پر زکوٰۃ نہیں، کرائے پر ہوگی بشرطیکہ کرایہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس کا اڑھائی فیصد ادا کرنا ہوگا، البتہ ان اشیاء پر ادا کیا جانے والا ٹیکس اور ان کی دیکھ بھال پر آنے والے دیگر اخراجات ان چیزوں کی آمدنی سے نکال لیے جائیں اور اس طرح اگر مالک کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تو وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے جائز اخراجات بھی آمدنی سے نکال لے، پھر جو رقم باقی ہو اس سے زکوٰۃ ادا کر دے۔

بَابُ الْكَنْزِ مَا هُوَ؟ وَزَكَاةِ الْحُلِيِّ

کنز کی تعریف کہ وہ کیا ہے اور زیورات پر زکوٰۃ کا بیان

۱۵۶۳- حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، الْمَعْنَى، أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْحَارِثِ، حَدَّثَهُمْ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟ ، قَالَتْ: لَا، قَالَ: أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ ، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا، فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

۱۵۶۳- أخرجه النسائي، كتاب الزكاة، باب: زكاة الحلي (۵/ ۳۸).

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے ذریعہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اسکی بیٹی بھی اسکے ساتھ تھی اور اسکی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو بڑے بڑے کنگن تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو ان کنگنوں کی زکوۃ دیتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تجھ کو (زکوۃ نہ دینے کی پاداش میں) آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ سن کر اس نے فوراً وہ کنگن اتار ڈالے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔

مقصد ترجمہ: ہمارے عام نسخوں میں اس عنوان کے تحت دو ابواب آئے ہیں، ایک کنز کے تعلق سے اور دوسرا زیورات کی زکوٰۃ کے تعلق سے، جب کہ علامہ عینیؒ کے نسخہ میں یہ دونوں مسئلہ الگ الگ ابواب کے تحت آئے ہیں، کنز کا مسئلہ "باب الكنز ماهو" کے عنوان سے ہے۔ اور زیورات کی زکوۃ کا مسئلہ "باب في زكوة الحلي" کے عنوان سے بیان کیا ہے، ہمارے اس نسخے میں دونوں ہی عنوان ایک ساتھ جمع کرکے دونوں سے متعلق احادیث کو نقل کیا گیا ہے، پہلے مسئلہ سے متعلق حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کو اور دوسرے مسئلہ سے متعلق حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کو لائے ہیں۔

الكنز: جمع كُنُوز وهو "المالُ المدفونُ تحتَ الأرض" اسی طرح کنز کے معنی مطلقاً مال کو جمع کرنا، لیکن شریعت کی اصطلاح میں کنز وہ مال کہلاتا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

الحلي: بضم الحاء وكسر اللام وتشديد الياء یہ جمع ہے "حَلْيٌ" کی جیسا کہ "ثَدْيٌ" کی جمع "ثُدِيٌّ" آتی ہے، سونے، چاندی، پتھر اور موتی وغیرہ کا وہ زیور جس سے زینت حاصل کی جاتی ہو، اگرچہ مصنفؒ کی مراد اس سے صرف سونے اور چاندی کے زیورات ہی ہیں، چوں کہ موتی وغیرہ کے زیورات میں تو زکوٰۃ ہے ہی نہیں۔ (شرح ابوداؤد عینی: ۴/ ۲۰۶)

تشریح حدیث: قوله: "أنَّ امرأةً أتت" کہا گیا ہے کہ یہ عورت اسماء بنت یزید بن السکن تھیں۔

قوله: "في يدها مسكتان" یہ تثنیہ ہے "مَسَكَةٌ" کا اور "مَسَكَةٌ" بفتح الميم والسين والكاف، اس کے اصلی معنی ہیں سینگ یا ہاتھ کے دانت کے بنے ہوئے ہاتھوں کے کنگن یا پیروں کی پازیب وغیرہ؛ لیکن یہاں سونے کے کنگن مراد ہیں، صاحب منہل فرماتے ہیں: "والمراد بهما سواران من ذهب" کیوں کہ حدیث ہی میں آگے "من ذهب" کی قید لگی ہوئی ہے اور "مَسَكَتَان" کی صفت "غليظتان" میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ بھاری ہونے کی وجہ سے مقدار نصاب کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے وعید بھی بیان فرمائی ہے۔

قوله: ''أَيَسُرُّكِ أن يُسَوِّرَكِ الله'' اس میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور ''سَوَّرَ المرأةَ تَسْوِيْرًا'' کے معنی ہیں عورت کو کنگن پہنانا، مطلب آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ ہے کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ تمہارے اس عمل کی وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے، خطاب اور وعید آپ ﷺ نے اس بچی کی والدہ کو سنائی جس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر نابالغ اولاد کو کوئی ناجائز چیز استعمال کرائی جائے گی تو اس کا گناہ اس کے والدین پر ہی ہوگا، یا پھر چوں کہ یہ کنگن اس بچی کی والدہ ہی کے تھے اس لیے زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید بھی آپ ﷺ نے اسی کو سنائی۔

یہ روایت ترجمۃ الباب کے دوسرے جز کے متعلق ہے۔

عورتوں کے استعمال کے زیورات کی زکوٰۃ کا حکم:

عورتوں کے زیورات جن کو وہ استعمال کرتی ہیں، ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورتوں کے استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، یہی منقول ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عائشہؓ سے قاسم، شعبی، قتادہ اور ابوثور وغیرہ فقہاء سے بھی یہی منقول ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۳/۱۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیور پر زکوٰۃ فرض ہے، خواہ وہ استعمال میں آتا ہو یا گھر میں فضول رکھا ہوا ہو، حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) عن جابر عن النبي قال: ''لَيْسَ فِي الحُلِيِّ زَكوٰة'' (التحقیق لابن الجوزی بحوالہ نصب الرایہ: ۲/ ۳۸۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہے، اس میں عافیہ بن ایوب راوی مجہول ہیں، امام بیہقیؒ اگرچہ شافعی ہیں لیکن لکھتے ہیں: ''وما روي عن عافية بن أيوب عن الليث عن أبي الزبير عن جابر مرفوعاً: لَيْسَ فِي الحُلي زكوٰة'' فباطل لا أصل له'' یعنی یہ حدیث مرفوعاً باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، یہ تو صرف حضرت جابرؓ کا قول ہو سکتا ہے، جو اس کو مرفوع سمجھے وہ دھوکہ میں ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: رقم/ ۲۳۵۳)

(۲) عن نافع أن ابن عمر قال: ''لا زكوٰة في الحلي'' (مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۸۲/ ۷۰۴۷)

(۳) عن علي بن سليمان قال: سألت أنس بن مالك عن الحلي، فقال: ''ليس فيه زكوٰة''

(سنن دار قطنی: ۲/ ۱۰۹)

(۴)عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه أن عائشة كانت تَلِيْ بَنَاتُ أَخِيْهَا يَتَامٰى في حجرها لَهُنَّ الحَلْيُ فَلَا مِنهُ الزكٰوةَ" (موطا مالک: ۱/ ۲۵۶/ ۶۵۶)

ہمارا ان تمام مستدلات کا جواب یہ ہے کہ صریح مرفوع اور صحیح روایات کے مقابلہ میں مرجوح ہیں۔

احناف کے مستدلات:

احناف کے مستدلات دو طرح کے ہیں ایک عام ہیں اور دوسرے خاص ہیں ان سب سے ہی زکوۃ فی الحلی کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے ہم دونوں قسم کے مستدلات کو نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری ؓ کی حدیث ہے: "لَيْسَ فيما دون خمس أواقٍ صدقة" یہ روایت صحیحین اور سنن اربعہ میں ہے اس میں مطلقاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ میں ہے، اب یہ بات عام ہے کہ یہ پانچ اوقیہ یا اس سے زیادہ چاندی جس میں زکوۃ فرض ہے، زیور کی شکل میں ہو یا دوسری شکل میں، سب کو شامل ہے۔

(۲) حضرت علی ؓ کی حدیث ہے جس کو ہمارے مصنف ؒ بھی آگے نقل کریں گے: "هَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَّةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ" یہ روایت سنن اربعہ کی ہے، ابن قتیبہ ؒ فرماتے ہیں کہ "الرِّقَّة" کے معنی چاندی کے ہیں، خواہ یہ چاندی دراہم کی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ زیورات کی صورت میں۔

یہ دونوں حدیثیں مرفوع ہیں، عام ہیں، صحیح ہیں، جن سے یہ معلوم ہوا کہ زیورات میں بھی زکوۃ ہے۔

(۳) حضرت عمرو ابن العاص ؓ کی حدیث باب ہے، ابن قطان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، امام منذری ؒ فرماتے ہیں: "إسناده لا مقال فيه" حضرت امام ابوداؤد ؒ نے بھی اس پر سکوت فرمایا ہے اس کے سب رواۃ بھی ثقہ درجہ کے ہیں، یہ روایت استعمال کے زیورات میں زکوۃ فرض ہونے کے تعلق سے بڑی واضح اور مضبوط دلیل ہے اور ماقبل میں ذکر کی گئی عام روایتوں کے لیے بڑی مؤید ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ زیلعی: ۲/ ۳۸۰)

اس روایت کے اور بھی طرق ہیں جن کو امام ترمذی ؒ نے سنن ترمذی (کتاب الزکوۃ، باب ۱۲، حدیث/ ۶۳۷) میں نقل کیا ہے، ترمذی کے طریق میں ابن لہیعہ اور مثنی بن الصباح ہیں، جن کی وجہ سے ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے، لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ضعف صرف ترمذی کے طریق میں ہے، ابوداؤد کا طریق اس ضعیف سے بالکل خالی ہے۔

پھر ترمذی کی روایت کو بنیاد بنا کر ابوداؤدؒ کی روایت پر کلام کرنا بھی غلط ہے، کیوں کہ اگر چہ راوی دونوں کے حضرت عمرو بن العاص ؓ ہی ہیں لیکن واقعہ دونوں کا الگ الگ ہے؛ چناں چہ سنن ترمذی میں تو یہ ہے: ''أتت امرأتان رسول الله ﷺ وفي أيدي هما سواران من ذهب، فقال لهما: أتؤديان زكوٰة هٰذا؟ قالتا : لا، فقال: أتحبان أن يسوركما الله بسوار ين من نار؟ قالتا: لا ، قال: فأديا زكوته'' (سنن ترمذی: حدیث/ ۶۳۷)

اس میں یہ صراحت ہے کہ وہ کنگن دو عورتوں نے پہن رکھے تھے اور زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آں حضرت ﷺ کا خطاب اور عدم ادائیگی کی صورت میں عذاب کی وعید دونوں کے لیے تھی، جب کہ آپ نے سنن ابوداؤد کی روایت کو دیکھا کہ دونوں کنگن ایک بچی نے پہن رکھے تھے اور آپ ﷺ کا خطاب اس بچی کی والدہ کو تھا؛ اس لیے دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں دونوں کو ایک واقعہ قرار دینا بظاہر مشکل ہے۔

(۴) آگے سنن ابوداؤد ہی میں حضرت عبداللہ بن شداد بن الہادؓ کی روایت آرہی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدَيَّ فَتَخَاتٍ مِنْ وَرِقٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ؟، فَقُلْتُ: صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟، قُلْتُ: لَا، أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَ: هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ، (أخرجه أبوداؤد(رقم/ ۱۵٦٥) والدارقطني: ۲/ ۱۰۷، كتاب الزكاة: باب زكاة الحلي: والحاكم في المستدرك (۱/ ۵٤۷/ ۱٤۳۷)، وقال : إسناده علي شرط الصحيح، انظر تلخيص الحبير (۲/ ۳۹۰/ ۸۵۹)للحافظ ابن حجر)

یہ روایت بھی صریح ہے صحیح ہے اور حنفیہ کے مسلک کو ثابت کرتی ہے کہ استعمال کے زیورات میں زکوۃ فرض ہے۔

(۵)عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ، فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (أخرجه أبوداؤد (رقم:۱۵٦٤) البيهقي في السنن الكبري: (٤/ ۲۳٦/ ۷۵۵۰) والحاكم في المستدرك علي الصحيحين (۱/ ۵٤۷/ ۱٤۳۸)وقال: هذا حدبث صحيح علي شرط البخاري، ولم يخرجاه.

یہ روایت بھی حنفیہ کے مسلک کی صریح دلیل ہے۔

(٦)عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، قَالَتْ: دَخَلْتُ أَنَا وَخَالَتِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا أَسْوِرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَنَا: أَتُعْطِيَانِ زَكَاتَهُ؟ قَالَتْ: فَقُلْنَا: لَا، قَالَ: أَمَا تَخَافَانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ

أَسْوِرَةً مِنْ نَارٍ؟ أَدِّيَا زَكَاتَهُ (أخرجه احمد في مسنده(٦/٤٦١)

یہ روایت اگر چہ اپنی سند کے لحاظ سے کمزور ہے، لیکن دوسری صحیح روایات کے لیے مؤید ضرور ہے، اس کے علاوہ کچھ آثار بھی ہیں جو ہمارے مستدلات ہیں۔

(۷) حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُسَاوِرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَن مُرْمَنْ قِبَلَكَ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يُزَكِّيْنَ حُلِيَّهُنَّ، وَلَا يَجْعَلْنَ الزِّيَادَةَ وَالْهَدِيَّةَ بَيْنَهُنَّ تَقَارُضًا، اِنْتَهٰى. مُصَنَّفِهِ (ابن أبي شيبة:٣/٢٧)

(۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: فِي الْحُلِيِّ الزَّكَاةُ انتَهٰى. مِنْ طَرِيْقِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي مُعْجَمِهِ.

(۹) عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ إِلَى خَازِنِهِ سَالِمٍ: أَنْ يُخْرِجَ زَكَاةَ حُلِيِّ بَنَاتِهِ كُلَّ سَنَةٍ، أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

(۱۰) عَنْ عَطَاءٍ، وَإِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ، وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَطَاوُسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍأَنَّهُمْ قَالُوْا: أَنَّهُمْ قَالُوْا: السُّنَّةُ أَنَّ فِي الْحُلِيِّ الذَّهَبِ، وَالفِضَّةِ الزَّكَاةَ، اِنْتَهٰى. وَأَخْرَجَه ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ.

اب دیکھئے ایک طرف تو مرفوع صریح صحیح اور آثار کی یہ کثرت ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زیورات میں زکوۃ فرض ہے، دوسری طرف ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے جو زیورات کو زکوۃ سے مستثنٰی کرنے پر صراحتاً دلالت کرتی ہو، لہٰذا اس باب میں حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ مضبوط ہے، یہی وجہ ہے کہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں۔

''الظاهر من الكتاب يشهد لقول من أوجبها، والأثر يؤيده. ومن أسقطها ذهب إلي النظر ومعه طرف من الأثر ، والإحتياط أداؤها'' (معالم السنن:۲/۱۵)

۱۵۶۴-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا عَتَّابٌ يَعْنِي ابْنَ بَشِيرٍ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ، فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ .

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں سونے کے اوضاح (ایک قسم کا زیور) پہنا کرتی تھی، میں نے

۱۵۶۴-أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٤/٢٣٦/٧٥٥٠) والحاكم في المستدرك على الصحيحين (١/٥٤٧/١٤٣٨) وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاري، ولم يخرجاه والدارقطني في السنن (٢/٤٩٦/١٩٥٠).

پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ بھی کنز کی تعریف میں آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مال اتنی مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوۃ دینا لازم ہو جاتا ہے اور پھر اسکی زکوۃ دی جائے تو وہ کنز میں شمار نہیں ہوگا۔

رجال حدیث: ''عتّاب بن بشير'' یہ ابوالحسن حرانی ہیں، یحییٰ بن معین، دارقطنی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، ان کی جن روایتوں میں نکارت ہے وہ ان کے استاذ خصیف کی وجہ سے ہے، البتہ امام نسائی نے ان پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے، ''لَيس بالقوی'' حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ''صدوق يخطي'' لکھا ہے۔

ثابت بن عجلان: یہ ثقہ درجہ کے راوی ہیں، امام احمد، ابن معین، دحیم، نسائی اور ابو حاتم وغیرہ نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''البس أوضاحًا من ذهب'': أَوْضَاحٌ جمع ہے ''وَضَحٌ'' کی پاؤں کا زیور، پازیب، ویسے تو عامۃ چاندی کی پازیب ہی کو اوضاح کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں شدۃ بیاض ہوتی ہے۔ لیکن چوں کہ یہاں ''من ذهب'' کی صراحت موجود ہے اس لیے کہا جائے گا کہ یہ پازیب سونے کی تھی۔

قوله: أَكَنْزٌ هُوَ؟ یعنی زیور کا استعمال وہی کنز ہے جس پر قرآن کریم میں وعید آئی ہے: ''وَالذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقفونها في سبيل الله، فبشرهم بعذاب أليم'' کہ جو لوگ سونے چاندی کو اکٹھا کر کے رکھتے ہیں اس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کے لیے دردناک عذاب ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: کہ اگر یہ زیور بقدر نصاب ہے تو اس میں زکوۃ ہے اگر زکوۃ نہ دی گئی تو یہ کنز شمار ہوگا اور اس پر وہ عذاب ہے جو قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے۔

قوله: ''مابلغ أن تُوَدِّي'': تُوَدَّى بصیغہ مجہول ہے اور زَكُوتُهُ اس کا نائب فاعل ہے، اور ''فَزَكِّي'' صیغہ امر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ زیورات جو نصاب کو پہنچ جائیں جن کی زکوۃ دی جائے تو تم ان کی زکوۃ دو تو پھر وہ کنز کی شرعی تعریف میں داخل نہ ہوں گے، کنز کی شرعی تعریف، ہم شروع باب میں لکھ چکے ہیں کہ کنز وہ مال ہے جس میں زکوۃ فرض ہو اور ادا نہ کی جائے۔

یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ زیورات میں زکوۃ فرض ہے اور اس کی سند میں عتاب بن بشیر پر جو کلام ہے اس کی تلافی شواہد سے ہو جائے گی، کیوں کہ روایت کے دیگر شواہد تو موجود ہیں ہی، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے گزرا ہے۔

نوٹ: یہ حدیث ترجمۃ الباب کے دونوں جزء سے متعلق ہے۔

١٥٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، أَخْبَرَهُ،

١٥٦٥- أخرجه الدارقطني (٢/١٠٧)، كتاب الزكاة: باب زكاة الحلي. والحاكم في المستدرك (١/٥٤٧/١٤٣٧)، وقال: إسناده على شرط الصحيح، انظر تلخيص الحبير (٢/٣٩٠/٨٥٩) للحافظ ابن حجر.

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدَيَّ فَتَخَاتٍ مِنْ وَرِقٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ؟ ، فَقُلْتُ: صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟ ، قُلْتُ: لَا، أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَ: هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سے روایت ہے کہ ہم زوجہ رسول ﷺ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، آپ نے میرے ہاتھوں میں چاندی کی بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں اور دریافت فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ میں نے اسلئے بنوائی ہیں تاکہ آپ کی خاطر زیب وزینت اختیار کروں، آپ نے پوچھا: کیاتم اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں یا وہ کہا جو اللہ کو منظور ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہیں۔

تشریح حدیث: قولہ: ''فَتَخَاتٌ من وَرِقٍ'' چاندی کی انگوٹھیاں''فتخات'' جمع ہے،''فَتْخَةٌ'' بسکون التاء وفتحہا کی بمعنی بڑی انگوٹھی، یا چاندی کا وہ چھلہ جس کو عورتیں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں پہن لیتی ہیں، اور''ورق'' بفتح الواؤ وسکون الراء ہے بمعنی چاندی۔

قولہ: ''قلت: لا، أوماشاء الله'' یعنی میں نے جواب میں یا تو کلمہ''لا'' کہا یا جو کلمہ اللہ نے چاہا وہ کہا۔

قولہ: ''هوحَسْبُكِ مِنَ النَّارِ'' یعنی اگر تم جہنم میں نہ جاؤ کسی بھی گناہ کی وجہ سے سوائے اس کے تو بھی وہ تمہارے لیے کافی یعنی بہت ہے، یہ بڑی سخت وعید ہے اس کے لیے جو زیورات کی زکوٰۃ نہ نکالے۔

۱۵۶۶- حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُمَرَ بْنِ يَعْلَى، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَ حَدِيثِ الْخَاتَمِ، قِيلَ لِسُفْيَانَ : كَيْفَ تُزَكِّيهِ؟ قَالَ: تَضُمُّهُ إِلَى غَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن یعلی سے سفیان نے (سابق) حدیث خاتم کی طرح حدیث بیان کی ہے (البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ) سفیان ثوری سے کہا گیا کہ آپ (ایک انگوٹھی کی) زکوٰۃ کس طرح ادا کروگے؟ کہا کہ اس انگوٹھی کو اس کے علاوہ کے ساتھ ملالو۔

۱۵۶۶-انظر تخريج الحديث السابق.

تشریح حدیث: اصل میں حدیث سابق سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ زیورات میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے اس کا بقدر نصاب ہونا بھی ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر تم اس کی زکوٰۃ نہیں نکالوگی تو یہ تمہارے جہنم میں جانے کے لیے کافی ہے، اب بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انگوٹھی بقدر نصاب کہاں ہوتی ہے؟ اس لیے مصنفؒ سفیان ثوریؒ کا قول لا رہے ہیں کہ صرف انگوٹھی اگر نصاب کو نہ پہنچی ہو تو زکوٰۃ نہیں ہے لیکن اگر دوسرے اموال بھی موجود ہوں تو اس کو دوسرے اموال کے ساتھ ملا لیا جائے گا اور پھر سب کی زکوٰۃ ایک ساتھ دے دی جائے گی۔

دو مالوں کا باہم ملانا:

اگر ایک مال نصاب کو نہ پہنچ رہا ہو تو اس کو دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل ہو جائے تو زکوٰۃ دی جائے گی، لیکن اس ضم کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سامانِ تجارت نصاب سے کم ہیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس سونا یا چاندی ہے یا نہیں، اگر ہے تو سب کو ضم کر کے اقل قیمت کا لحاظ کر کے زکوٰۃ دی جائے گی، اور اگر سونا چاندی میں سے ہر ایک کا نصاب پورا نہ ہو یا ایک کا پورا ہو اور دوسرے کا ناقص تو اس صورت میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ضم نہ ہوگا جب کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضم ہوگا، اس کی مزید تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي زَكَاةِ السَّائِمَةِ

چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان

کتاب الزکوٰۃ کے ابتدائی مباحث میں ہم تفصیل سے یہ لکھ چکے ہیں کہ کن کن اموال میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ انھیں اموال میں سے ایک قسم مویشی بھی ہیں، یہاں سے مصنفؒ مویشی کی زکوٰۃ کی تفصیلات بیان کر رہے ہیں، اور اس کے لیے مصنفؒ باب میں کل انیس حدیثیں لائے ہیں، ہم شروع میں ان مویشی کی زکوٰۃ کے تعلق سے کچھ ضروری مباحث پیش کرتے ہیں تاکہ باب کی احادیث اچھی حل ہو سکیں، ان مباحث ضروریہ کے بعد احادیث کی تشریح اور احادیث کے ضمن میں آئے مسائل کی وضاحت کریں گے۔

حیوانات کی زکوٰۃ سے متعلقہ چند اہم شروط:

(۱) ایک سال کا دورانیہ: حیوانات پر زکاۃ کے لیے ضروری ہے کہ ان پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو، اس شرط کی

تفصیل گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

(۲) حیوانات سائمہ (چرنے والے) ہوں: حیوانات کے حوالے سے دوسری شرط یہ ہے کہ متعلقہ حیوانات پورا سال یا سال کا اکثر و بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں چرتے ہوں یا دوسرے لفظوں میں انہیں چارہ ڈالنے کا کوئی خرچہ نہ آتا ہو (ایسے جانوروں کو احادیث میں سائمہ سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ لیکن اگر پورے سال یا سال کے اکثر حصے کا چارہ قیمتاً حاصل کیا جاتا ہو تو پھر ان جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

(۱) في كل خمس من الإبل السائمة شاة (حاکم:۱/ ۳۹۶) ہر پانچ سائمہ (باہر جنگل میں چرنے والے) اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔

(۲) في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون (ابوداؤد:۱۵۷۵، احمد:۲/ ۴، نسائی:۲۴۴۹) ہر چالیس سائمہ (باہر چرنے والے) اونٹوں پر ایک بنتِ لبون (وہ اونٹنی جس کا تیسرا سال شروع ہو) زکوٰۃ پڑتی ہے۔

(۳) في صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة (بخاری:۱۴۵۴، ابوداود:۱۵۶۷) چالیس سے ۱۲۰ تک سائمہ بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے۔

واضح رہے کہ سائمہ کے الفاظ اونٹوں اور بکریوں کے بارے میں ہیں تاہم جمہور فقہا نے اس پر قیاس کرتے ہوئے گائیوں کے بارے میں بھی یہی شرط بیان کی ہے اور وہ احادیث جن میں سائمہ یا غیر سائمہ (معلوفہ) کا کوئی فرق مذکور نہیں، ایسی (مطلق) احادیث کو انہوں نے ان مقید احادیث پر محمول کیا ہے جن میں سائمہ کا ذکر ہے۔ البتہ امام مالک غیر سائمہ پر بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں اور سائمہ کی شرط کو قیدِ اتفاقی قرار دیتے ہیں۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ج۱/ ص۴۳۲، الفقة على المذاهب الأربعة: ۱/ ۵۹۶) لیکن ان کا یہ مسلک أقرب إلى السنة معلوم نہیں ہوتا۔

(۳) حیوانات غیر عاملہ ہوں: غیر عاملہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور افزائش نسل کے لیے ہوں، بار برداری، کھیتی باڑی اور ایسی ہی دیگر خدمات کے لیے نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے: 'ليس على العوامل شيء

(ابوداؤد:۱۵۷۲، دارقطنی ۲/ ۱۰۳، نصب الرایۃ ۲/ ۳۵۳)

کام کرنے والے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حراثۃ (یعنی ہل چلانے والے) جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (کتاب الاموال: ص۳۸۰ بحوالہ فقہ الزکوٰۃ:۱/ ۲۳۲)

مالکیوں اور ایک قول کے مطابق شافعی فقہا کے علاوہ دیگر تمام فقہا کا مذکورہ بالا شرط پر اتفاق ہے۔ (الموسوعة

الفقهية الكويتية بذيل مادة 'زکوٰۃ نیز دیکھئے الفقه على المذاهب الأربعة، ایضا) اور راجح موقف بھی یہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے فقہانے ہر طرح کے آلاتِ پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ کے تحت آئے گی۔

(۴) حیوانات نصاب کو پہنچ چکے ہوں: جانوروں کی زکوٰۃ کے حوالے سے چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب پر پورے اُتر چکے ہوں اور وہ نصاب درج ذیل ہے:

اونٹوں کی زکوٰۃ:

اونٹوں کی تعداد..........................زکوٰۃ

۱ تا ۴..........................کوئی زکوٰۃ نہیں

۵ تا ۹..........................ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی

۱۰ تا ۱۴..........................دو بکریاں

۱۵ تا ۱۹..........................تین بکریاں

۲۰ تا ۲۴..........................چار بکریاں

۲۵ تا ۳۵..........................بنتِ مخاض یعنی وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کر کے دوسرے میں لگ چکی ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر ایک مذکر ابن لبون اونٹ (جو دو سال پورے کر چکا ہو)

۳۶ تا ۴۵..........................ایک بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنی)

۴۶ تا ۶۰..........................ایک حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں داخل ہو چکی ہو)

۶۱ تا ۷۵..........................ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال پورے کر کے پانچویں میں لگ چکی ہو)

۷۶ تا ۹۰..........................دو بنت لبون اونٹنیاں

۹۱ تا ۱۲۰..........................دو حقہ اونٹنیاں (دیکھئے: بخاری: ۱۴۵۴)

واضح رہے کہ ۱۲۰ اونٹوں تک جو مقدارِ زکوٰۃ ہم نے ذکر کی ہے، اس پر فقہا کا اتفاق ہے البتہ اس سے آگے اختلاف ہے۔ تاہم ۱۲۰ کے بعد جو مسلک ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی جس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ

ہے کہ ۱۲۰ کے بعد جس قدر بھی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس کی زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہوگا کہ ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس اونٹوں پر ایک حقّہ دیا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس ۱۸۰ / اونٹ ہوں تو اسے دو حقّے اور دو بنت لبون بطور زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: فتح الباری: ج ۳/ص ۳۱۷، ۳۱۸ اور فقہ الزکوٰۃ: ج ۱/ص ۲۳۵ تا ۲۴۵

گائیوں کی زکوٰۃ

گائیوں کی تعداد.............................زکوٰۃ

۱ تا ۲۹......................کوئی زکوٰۃ نہیں

۳۰ تا ۳۹...................ایک تبیع (گائے کا وہ بچہ جو دوسرا سال شروع کر چکا ہو)

۴۰ تا ۵۹...................ایک مُسنہ (وہ گائے جو تیسرے سال میں لگ چکی ہو)

۶۰ اور اس سے آگے تعداد کے بارے میں زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہے کہ ہر ۳۰ پر ایک تبیع اور ہر ۴۰ پر ایک مسنہ دیا جائے گا مثلاً اگر ۶۰ گائیاں ہوتو دو تبیع اور ۷۰ گائیاں ہوں تو ایک تبیع اور ایک مسنہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ دیکھئے

ابوداؤد، حاکم: ۱/ ۳۹۸، سنن بیہقی: ۴/ ۸۹ اور مجمع الزوائد: ۳/ ۷۲

بکریوں کی زکوٰۃ

بکریوں کی تعداد.............................زکوٰۃ

۱ تا ۳۹......................کوئی زکوٰۃ نہیں

۴۰ تا ۱۲۰...................ایک بکری

۱۲۱ تا ۲۰۰...................دو بکریاں

۲۰۱ تا ۳۰۰...................تین بکریاں

اسی طرح ہر سو پر ایک بکری بڑھتی جائے گی۔ (دیکھئے فتح الباری: ۳/ ۳۱۷)

دیگر سائمہ جانوروں پر زکوٰۃ کا مسئلہ

واضح رہے کہ احادیث میں جن جانوروں کی زکوٰۃ کا تذکرہ موجود ہے وہ صرف تین قسم کے ہیں یعنی اونٹ، گائے

اور بکری اس کے علاوہ دیگر جانوروں کے بارے میں شریعت خاموش ہے، تاہم سواری کے گھوڑے کو خود نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ سے معاف قرار دیا ہے۔ چونکہ نزولِ وحی کے دور میں اہل عرب کے ہاں یہی تین قسم کے جانور پالے جاتے تھے، اس لیے بطورِ خاص ان کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر جانور مثلاً گدھے، خچر، پولٹری فارم کی مرغیوں اور مچھلی فارم کی مچھلیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ متقدمین میں سے ظواہر اور متاخرین میں سے امام شوکانیؒ کے علاوہ جمہور فقہائے اُمت نے اوّل الذکر نوع سے تعلق رکھنے والے جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے ثانی الذکر نوع کے حیوانات پر بھی دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض قرار دی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور عہدِ صحابہ ہی میں جو نیا مسئلہ سامنے آیا وہ گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ تھا۔ نزولِ وحی کے دور میں چونکہ گھوڑا اہل عرب کے ہاں ایک کمیاب جنس تھی اور اس کا استعمال بھی یا تو ذاتی سواری کے لیے ہوتا تھا یا پھر جنگ وحرب کے لئے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کی زکوٰۃ معاف فرما دی تا کہ اگر وہ ذاتی استعمال کے لیے ہے تو پھر مالک (صاحبِ گھوڑا) کو مشقت نہ ہو اور اگر وہ جہاد کے لیے ہے تو اس کی مزید حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

لیس علی المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه (بخاری: ۱۴۶۴) مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے

لہٰذا دورِ حاضر میں بھی جن صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں جہاد یا ذاتی سواری کے لیے گھوڑا رکھا جاتا ہے، ان کے مالکان پر اس کی زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی۔ اِلا یہ کہ وہ اسے تجارت کے لیے استعمال کرنے لگیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں آرہا ہے)

جب ایران کی فتوحات شروع ہوئیں اور کثیر تعداد میں گھوڑے حاصل ہونے لگے تو رفتہ رفتہ لوگوں نے اسے تجارت کا ذریعہ بنالیا حتیٰ کہ بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک ایک گھوڑا سو سو اونٹوں کے بدلے فروخت کیا جانے لگا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے ان تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ مقرر فرما دی۔ جبکہ کسی صحابی نے اس پر اختلاف نہ کیا بلکہ آپ کے بعد حضرت عثمانؓ وغیرہ بھی تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔ (فقہ الزکوٰۃ: ج ۱/ص ۳۰۵)

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے حوالہ سے یہ بات یاد رہے کہ اگر گھوڑے آلاتِ تجارت کے طور پر استعمال ہوں مثلاً ٹانگوں وغیرہ میں جوتے جائیں یا اُجرت پر بار برداری کے لیے استعمال ہوں تو ان گھوڑوں کی اصل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ ان کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر گھوڑے بذاتِ خود خرید وفروخت کے لیے رکھے ہوں تو ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل تجارتی اَموال پہ زکوٰۃ کے ضمن میں آئے گی۔ لیکن اگر یہ افزائش نسل کے لیے ہوں اور جہاد یا ذاتی

سواری کے استعمال کی بھی نیت نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہا نے انہیں اونٹوں پر قیاس کرتے ہوئے اونٹوں ہی کی شرح زکوٰۃ ان میں واجب قرار دی ہے اور ایسی صورت میں ہمیں بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ (دیکھیے ردالمحتار: ج ۲/ص ۲۵،۲۶)

اسی طرح دیگر جانوروں مثلاً پولٹری فارم کی مرغیوں، مچھلی فارم کی مچھلیوں اور ڈیری فارم کی بھینسوں کو بھی گھوڑوں پر قیاس کیا جائے گا یعنی اگر یہ جانور تجارت کے لیے ہیں تو ان کی کل مالیت پر سال گزرنے کے بعد چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جبکہ بھینسیں اگر افزائش نسل کے لیے ہوں اور ان میں دیگر شروط زکوٰۃ بھی پائی جائیں تو انہیں گائیوں پر قیاس کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اگر ہرن افزائش نسل کے لیے ہوں تو انہیں بکریوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر وہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر انہیں مالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا۔

اس مختصر سی تفصیل کے بعد اب احادیث کا ترجمہ اور مطلب پیش خدمت ہے:

۱۵۶۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: أَخَذْتُ مِنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ كِتَابًا، زَعَمَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَهُ لِأَنَسٍ، وَعَلَيْهِ خَاتِمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا، وَكَتَبَهُ لَهُ، فَإِذَا فِيهِ: هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا، وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِهِ، فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ خَمْسًا وَثَلَاثِينَ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ، فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ، فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ، فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ، فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ، فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْفَحْلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، فَإِذَا تَبَايَنَ أَسْنَانُ الْإِبِلِ فِي

۱۵۶۷- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: العرض في الزكاة (۱۴۴۸)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة الإبل (۵/ ۱۹، ۲۷)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: إذا أخذ المصدق سنا دون سن أو فوق سن (۱۸۰۰).

فَرَائِضِ الصَّدَقَاتِ، فَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ، وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَأَنْ يَجْعَلَ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ جَذَعَةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ ابْنَةُ لَبُونٍ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ – قَالَ أَبُو دَاوُدَ: مِنْ هَاهُنَا لَمْ أَضْبِطْهُ، عَنْ مُوسَى، كَمَا أُحِبُّ – وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ بِنْتِ لَبُونٍ وَلَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ – قَالَ أَبُو دَاوُدَ: إِلَى هَاهُنَا، ثُمَّ أَتْقَنْتُهُ – وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ ابْنَةِ لَبُونٍ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا بِنْتُ مَخَاضٍ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَشَاتَيْنِ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ ابْنَةِ مَخَاضٍ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا ابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ، فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ، وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ، فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا.

وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ، فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ مِائَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ، فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ ثَلَاثَ مِائَةٍ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ، وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ، فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ، فَإِنْ لَمْ تَبْلُغْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ أَرْبَعِينَ، فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا.

وَفِي الرِّقَةِ رُبْعُ الْعُشْرِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَالُ، إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً، فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا .

ترجمه: حضرت حماد ؓ سے روایت ہے کہ میں نے ثمامہ بن عبداللہ بن انس سے ایک کتاب لی جسکے متعلق ان کا بیان تھا کہ اس کتاب کو حضرت انس ؓ کے واسطے حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے لکھا تھا اور اس پر رسول ﷺ کی مہر کا نقش تھا، اور

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت انسؓ کو مصدّق (صدقہ یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والا) بنا کر بھیجا تو یہ کتاب انکو لکھ کر دی تھی، اس میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مذکور تھا، کہ یہ فرض زکوٰۃ کا بیان ہے جس کو حضور ﷺ نے بحکم خدا مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے، پس جس مسلمان سے (اس کتاب میں مذکور تفصیل کے ساتھ) زکوٰۃ طلب کی جائے وہ اسکو ادا کرے اور اگر اس سے زائد طلب کی جائے تو نہ دے، (تفصیل اس کی یہ ہے کہ) جب اونٹ پچیس سے کم ہوں تو اسکی زکوٰۃ بکریاں ہیں اس طرح پر کہ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے، اور جب اونٹوں کی تعداد پچیس تک پہنچ جائے تو پھر ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) ہے، یہ حساب پینتیس اونٹوں تک چلے گا؛ اگر اسکے پاس بنت مخاض نہ ہو تو اسکے بدلہ میں ابن لبون (دو سالہ اونٹ ہے) اور جب چھتیس اونٹ پورے ہو جائے تو ان میں ایک بنت لبون ہے (دو سالہ اونٹنی) اور یہ حساب پینتالیس اونٹوں تک چلے گا، اور جب چھیالیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی جو گابھن ہونے کے لائق ہو) واجب ہوگی اور یہ حساب ساٹھ اونٹوں تک چلے گا، اور جب اونٹوں کی تعداد اکسٹھ تک پہنچ جائے تو پھر ان میں ایک جذعہ (چار سالہ اونٹنی) واجب ہوگی اور یہ حساب پچھتر اونٹوں تک چلے گا، جب اونٹوں کی تعداد چھتر ہو جائے تب انمیں دو بنت لبون واجب ہوں گی نوے اونٹ تک، اور جب اکیانوے اونٹ ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہوں گے جو گابھن ہونے کے لائق ہوں ایک سو بیس اونٹ تک، اور جب اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ دینا ہوگا؛ اگر کسی کے پاس وہ اونٹ نہیں ہے جو مذکور ہو مثلاً کسی کے پاس اکسٹھ اونٹ ہوں جس پر ایک جذعہ واجب ہوتا ہے مگر اسکے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو وہی لے لیا جائے گا اور اگر مالک (جذعہ نہ ہونے کی صورت میں) حقہ کے ساتھ دو بکریاں یا (حقہ کے بدلہ) بیس درہم دینا چاہے تو لے لیا جائے اور جس شخص کے پاس اونٹوں کی اتنی تعداد ہو گئی جس پر حقہ واجب ہے مگر اسکے پاس حقہ موجود نہیں ہے بلکہ جذعہ ہے تو اس سے جذعہ لے لیا جائے گا، اور صدقہ وصول کرنے والا بیس درہم یا دو بکریاں دے کر اسکا نقصان پورا کر دے گا، اسی طرح اگر کسی پر حقہ واجب ہو مگر حقہ نہ ہو بلکہ بنت لبون ہو تو وہی لے لیا جائے گا، -ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہاں سے اس حدیث کو اپنے شیخ موسی سے حسب منشاء ضبط نہیں کر سکا یعنی یہ کہ اگر صاحب مال بنت لبون کے ساتھ ساتھ حقہ کے نقصان کی تلافی کے طور پر دو بکریاں یا بیس درہم دے دے (تو وہ بھی لے لے) اور اگر کسی کے پاس اونٹوں کی اتنی تعداد ہو جس پر ایک بنت لبون واجب ہوتی ہے مگر اسکے پاس صرف حقہ ہی ہے تو وہی لے لیا جائے گا ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہاں تک میں اس حدیث کو اچھی طرح ضبط نہ کر سکا - اور صدقہ لینے والا صاحب مال کو بیس درہم یا دو بکریاں لوٹائے گا اور جس کے پاس اونٹوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ اس پر بنت لبون واجب ہوتی ہے؛ مگر اس کے پاس صرف بنت مخاض ہے تو بنت مخاض ہی اس سے

وصول کر لی جائے گی اور اسکے ساتھ دو بکریاں بھی لے لی جائیں گی یا بیس درہم۔ اور جس پر بنت مخاض واجب ہے اور اسکے پاس صرف ابن لبون ہی ہے تو اس سے وہی لے لیا جائے گا اور مزید کوئی چیز نہیں دی جائیگی۔ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں اس پر کوئی زکوۃ نہیں ہے مگر جو اسکا مالک اپنی خوشی سے دینا چاہے۔

(بکریوں کا نصاب) اور اکثر باہر چرنے والی بکریاں جب چالیس ہوں تو ان میں ایک بکری واجب ہے ایک سو بیس تک اور اس سے زیادہ میں دو بکریاں ہیں دو سو تک اور اس سے زیادہ میں تین بکریاں ہیں تین سو تک اور اس سے زیادہ ہوں تو ایک بکری ہے ہر سینکڑہ میں۔ اور زکوۃ میں بوڑھی اور عیب دار بکری نہیں لی جائے گی اور نہ بکرا لیا جائے گا الا یہ کہ محصل بکرا ہی لینا چاہے اور نہ جمع کیا جائے متفرق مال اور نہ الگ الگ کیا جائے مشترک مال زکوۃ کے خوف سے اور جو نصاب دو آدمیوں میں مشترک ہو تو وہ برابر کا حصہ لگا کر ایک دوسرے پر رجوع کرلیں اگر جانور چالیس سے کم ہوں تو ان میں کچھ نہیں ہے الا یہ کہ مالک چاہے۔

اور چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے اگر ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ نہیں ہے الا یہ کہ مالک چاہے تو دیدے۔

لغات حدیث: وَجْهِهَا: وَجْهٌ یعنی طریقہ، کیفیت۔ بِنْتُ مَخَاضٍ: اونٹنی کا مونث بچہ جس کی ولادت پر پورا ایک سال گزر گیا ہو اور وہ دوسرے سال میں لگ گیا ہو، اگرچہ اس کی ماں حاملہ نہ ہوئی ہو، جب کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ جب اس کی ماں حاملہ ہو جائے تو وہ بچہ اگر مذکر ہے تو ابن مخاض اور اگر مؤنث ہے تو بنت مخاض ہے، جمع بَنَاتُ مَخَاضٍ ہے، معجم الوسیط میں ہے: ''يقال للفصيل إذا لقحت أمُّهُ: ابن مخاض والأنثي: بنت مخاض، وقيل: هو ما دخل في السنة الثانية وإن لم تكن أمه حاملاً، والجمع: بنات مخاض''

ابنُ لَبُونٍ: اونٹنی کا وہ مذکر بچہ جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں لگ گیا ہو، اس لیے کہ اس کی ماں نے جب دوسرا بچہ جن دیا تو اس کا دودھ آنے لگا گویا یہ دودھ والی اونٹنی کا بچہ ہو گیا، لبون کہتے ہیں اس اونٹنی کو جس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا ہو۔ مؤنث ''بنت لبون، کہلاتا ہے'' ''ابنُ اللبون: وَلَدُ الناقة إذا استكمل السَّنَةَ الثانيةَ ودخل في الثالثة، لأن أمَّهُ وَلَدَتْ غَيْرَهُ فصار لها لبن وهي ابنة لبونٍ والجمع: بنات لبون''

حِقَّةٌ: حِقٌّ کا مؤنث ہے، جمع حِقَاقٌ اور جمع الجمع حُقُقٌ آتی ہے۔ اونٹنی کا وہ بچہ جو تین سال کا پورا ہو کر چوتھے میں لگ گیا ہو اور اس لائق ہو گیا کہ اس پر سواری کی جا سکے۔

طَرُوقَةُ الفحل: یہ حِقَّةٌ کی صفت کاشفہ ہے، اور طروقة فعُولة کے وزن پر ہے، اور مطروقہ کے معنی میں ہے، لفظی ترجمہ ہے: مذکر اونٹ کی روندی ہوئی اونٹنی یعنی جو اونٹنی جفتی کے قابل ہو، اور جب اونٹنی پورے تین سال کی ہو کر چوتھے

میں لگ جاتی ہے تو جفتی کے قابل ہو جاتی ہے، ہر عورت اپنے شوہر کی طروقہ کہلاتی ہے، حدیث میں ہے: كان يصبح جنبا من غير طروقة اي زوجة، اسی طرح "كُلُّ نَاقَةٍ طَرُوقَةُ فَحْلِهَا" (النهاية في غريب الأثر / ٩٥٢٩)

جَذَعَة: بفتح الجیم والذال، جَذَع کا مؤنث ہے، وہ مؤنث اونٹنی جو چار سال کی مکمل ہو کر پانچویں میں لگ گئی ہو، جمع جِذَاعٌ آتی ہے، جَذَعَ کے معنی گرنے کے بھی آتے ہیں، پانچویں سال میں اونٹنی عامۃ اپنے دانتوں کو گرا دیتی ہے، اس لیے اس کو جذع کہتے ہیں، جب کہ گائے کا جذع دو سال کا اور بکری کا جذع نو مہینہ کا ہوتا ہے۔

سائمة: یہ سَوْم سے ہے بمعنی چرنا، کہا جاتا ہے: سَامَتِ الماشيةُ سَوْمًا: چوپایا چرا، گھاس وغیرہ کھائی، جو مویشی جنگل میں سال کے اکثر حصہ میں چرتے پھرتے ہیں اور ان کے گھاس دانے کی مشقت مالک کو برداشت نہیں کرنی پڑتی اس کو سائمہ کہتے ہیں۔

خَلِيطَيْن: تثنیہ ہے خَلِيط بمعنی شریک، جو آدمی اپنے مال کو اپنے ساتھی کے مال میں ملا لے اس کو خلیط کہا جاتا ہے، جمع "خُلَطَاء" اور "خُلُطٌ" آتی ہے۔

الرِّقَةِ: بکسر الراء و فتح القاف المخففہ بروزن "صِلَةٌ" بمعنی چاندی، اور چاندی کے بنے ہوئے دراہم، اس لفظ کی اصل "وَرِق" آتی ہے، واؤ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں آخر کلمہ میں "ة" کو بڑھا دیا گیا، "رِقَة" ہو گیا، اس کی جمع "رِقَاق" اور "رِقِين" آتی ہے۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث/ ٦٢٦٣)

تشریح حدیث: قوله: "أخذتُ مِنْ ثُمَامَة" حماد بن سلمہ کہہ رہے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت ثمامہ بن عبد اللہ سے یہ کتاب الصدقہ لی ہے، ثمامہ بن عبد اللہ قلیل الحدیث راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تقریب میں صدوق لکھا ہے۔

قوله: زعم أن أبا بكر كتبه لأنس الخ: حماد بن سلمہ کہہ رہے ہیں کہ ثمامہ نے کہا کہ یہ کتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس وقت لکھوا کر دی تھی جب وہ ان کو بحرین کا عامل بنا کر بھیج رہے تھے، تاکہ وہ علاقہ بحرین (قدیم بحرین پورے اس خطہ کا نام ہے جس کو آج کل سعودیہ عربیہ میں شرقیہ کہا جاتا ہے جس میں دمام، قطیف اور جواثی وغیرہ آتا ہے) کی زکوۃ کو اس کتاب الصدقہ کے مطابق وصول کریں؛ اس کتاب الصدقہ یعنی خط پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔

زکوۃ کے تعلق سے نوشتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

زکوۃ کے نصاب کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے اخیر میں وفات سے پہلے ایک تحریر لکھوائی

تھی، اس تحریر میں زکوٰۃ کے احکامات اور تفاصیل مذکور تھیں، خاص طور سے مویشیوں کی زکوٰۃ کے مسائل لکھے ہوئے تھے، اور اس میں عاملین زکوٰۃ کو حکم تھا کہ اسی کے مطابق زکوٰۃ وصول کریں، لیکن ابھی تک آپ ﷺ نے اس تحریر کو عمال کے حوالہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا۔

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے تمام عاملین زکوٰۃ کو اس نوشتہ کی نقول کرا کر اس پر عمل شروع کرایا، جیسا کہ اس حدیث کے شروع میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی حیات میں زکوٰۃ کے تعلق سے بڑا مضبوط و مستحکم نظام بنایا ہے، آپ کی وفات کے بعد دیگر خلفاء راشدین بھی اس نوشتہ کے مطابق زکوٰۃ کی وصولیابی کے پابند رہے۔

قوله: ''فإذا فيه: هٰذه فريضة الصدقة'' یہاں مضاف محذوف ہے ''أي هٰذه نسخة بيان فريضة الصدقة'' یعنی یہ فریضۂ زکوٰۃ کے بیان کی تحریر ہے، اس میں اس زکوٰۃ کی تفصیل ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے مسلمانوں پر مقرر فرمایا ہے۔

قوله: التي أمر الله بها: یہ جملہ اپنے ماقبل سے بدل واقع ہے، یعنی یہ وہی فریضہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دیا ہے کہ آپ اپنی امت کو یہ پہنچا دیجئے اور اس کے مطابق زکوٰۃ کا پابند بنائے۔

قوله: ''فمن سئلها من المسلمين'' جس مسلمان سے اس نوشتہ کے مطابق زکوٰۃ کا جو مطالبہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ اس مطالبہ کی ادائیگی کرے اور جس سے اس سے زائد کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس مقدار زائد کی ادائیگی نہ کرے، مثلاً کسی شخص کے ذمہ ایک بنت مخاض فرض ہوتا ہے اب زکوٰۃ وصول کرنے والا دو بنت مخاض کا مطالبہ کرے یا بنت مخاض کی جگہ حقہ یا جذعہ کا مطالبہ کرے تو رب المال کو اجازت ہے کہ مقدار مفروض سے زیادہ دینے سے انکار کر دے۔

رہا اس روایت کا تعلق جس میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''أرضوا مصدقيكم. وإن ظلمتم'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ظلم تمہارے زعم کے اعتبار سے ہو حقیقتاً ظلم نہ ہو، تم تو پوری زکوٰۃ ادا کر کے مصدق کو راضی کر دو اگرچہ اپنے مال کی محبت میں تم یہی کیوں نہ سمجھو کہ وہ واجب سے زیادہ وصول کر رہا ہے یا پھر اس صورت پر محمول ہے جب کہ مصدق کی طلب کے مطابق ادا نہ کرنے پر فتنہ کا اندیشہ ہو۔

قوله: ''فيما دون خمس وعشرين من الإبل الغنم'' اس میں جار مجرور سے مل کر خبر مقدم ہے اور ''اَلْغَنَم'' مبتدا مؤخر ہے، یعنی پچیس اونٹوں سے کم میں ایک بکری بطور زکوٰۃ کے فرض ہوگی، پھر اس اجمال کی تفصیل اگلے جملے میں ہے یعنی: ''فِي كُلِّ خَمْسٍ ذَوْدٍ شَاةٌ'' کہ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری، دس میں دو، پندرہ میں تین، بیس

میں چار چوبیس تک، پھر جب تعداد پچیس ہو جائے تو ایک بنت مخاض ہوگا، اس سے آگے کی تفصیل حدیث میں بھی مذکور ہے اور ہم ماقبل میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔

البتہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے تو پھر نصاب کی ترتیب کیا ہوگی؟ اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، جس کی وضاحت ضروری ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے:

اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک سو بیس تک اتفاق ہے کہ اسی حساب پر عمل ہوگا جو حدیث شریف میں آیا، لیکن ایک سو بیس کے بعد حضرات فقہاء کرام کا اختلاف حسبِ ذیل ہے:

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک:

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو بیس تک دو حقے واجب ہوتے ہیں، اور ایک سو بیس سے ایک بھی زائد ہو جائے تو طریقہ یہ ہوگا کہ ایک سو اکیس پر تین بنت لبون واجب ہوں گے، اور یہیں سے ان کے نزدیک حساب اربعینات اور خمیسنات پر دائر ہو جائے گا، یعنی عدد میں جتنی اربعینات ہوں اتنی بنت لبون اور جتنی خمیسنات ہوں اتنے حقہ واجب ہوں گے۔

مثلاً ایک سو بیس تک باتفاق دو حقے تھے اب ایک سو اکیس پر تین بنت لبون واجب ہو جائیں گی؛ کیوں کہ ایک سو اکیس میں تین اربعینات ہیں، پھر ایک سو تیس پر دو بنت لبون اور ایک حقہ واجب ہوگا، کیوں کہ یہ عدد دو اربعینات اور ایک خمیسنات پر مشتمل ہے، پھر ایک سو چالیس پر دو حقے اور ایک بنت لبون ہوں گی، کیوں کہ یہ عدد دو خمسین اور ایک اربعین پر مشتمل ہے اور ایک سو پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے اس لیے کہ یہ عدد تین خمسینات پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر دس پر فریضہ متغیر ہوتا رہے گا۔

حضرت امام مالک کا مسلک:

حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی شافعیہ کی طرح ہے، البتہ فرق اتنا ہے کہ اربعینات اور خمسینات کا یہ حساب امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایک سو اکیس ہی سے شروع ہو جاتا ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک سو تیس سے شروع ہوتا ہے، ان کے نزدیک ایک سو انتیس تک دو حقے ہی واجب رہیں گے اور ایک سو تیس سے مذکورہ حساب شروع ہوگا۔

(معارف السنن:٥/١٧٥)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے جو حضرت امام مالکؒ کا ہے؛ لیکن امام احمد بن حنبلؒ کی دوسری روایت امام شافعیؒ کی طرح ہے، بلکہ علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں اسی کو اصل مذہب کے طور پر ذکر کر کے دلائل سے مؤید کیا ہے۔
(المغنی لابن قدامہ:٢/٣٦٦)

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرات ائمہ ثلاثہ ایک سو بیس کے بعد اربعینات اور خمسینات کا لحاظ فرماتے ہیں، جیسا کہ حدیث باب کا ظاہر تقاضہ کرتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ایک سو بیس کے بعد استیناف ناقص ہوگا، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ ایک چالیس پر دو حقے اور چار بکریاں ہوں گی اور ایک سو پینتالیس پر دو حقے اور ایک بنت مخاض، اس کے بعد ایک سو پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے، اس کو استیناف ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بنت لبون نہیں ہے۔

پھر ایک سو پچاس کے بعد استیناف کامل ہوگا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ ایک سو ستر پر تین حقے اور چار بکریاں ہوں گی پھر ایک سو پچھتر پر تین حقے اور ایک بنت مخاض ہوگی، پھر ایک سو چھیاسی پر تین حقے اور ایک بنت لبون ہوگی، پھر دو سو پر چار حقے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہمیشہ استیناف کامل ہی ہوتا رہے گا، یعنی ہر پچاس کے بعد حساب از سر نو شروع کیا جائے گا اور بنت لبون واجب کر کے اس کو سابق سے ملائیں گے پھر پچاسہ پورا ہونے پر نیا حقہ واجب کریں گے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

حضرات ائمہ ثلاثہ کا استدلال حدیث باب کے ظاہر سے ہے، اس میں صراحت ہے کہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس میں حقہ اور ہر چالیس میں بنت لبون ہوگا۔

حدیث باب اعلیٰ درجہ کی صحیح اور صریح ہے، اور یہ روایت بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب:

ائمہ ثلاثہ کی مستدل حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارا اس پر عمل ہے اور وہ اس طرح کہ حدیث میں "فإذا زادت علی عشرین ومائة" کے اندر زیادتِ کبیرہ مراد ہے، جیسا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں زیادتی سے مراد مطلق زیادتی نہیں بلکہ دس کی زیادتی مراد ہے، چناں چہ اس حدیث کے مطابق ایک سو پچاس اونٹوں میں ہمارے نزدیک بھی تین حقے ہیں اور دو سو میں مالک کو اختیار ہے کہ خمسینات کا لحاظ کر کے چار حقے دے دے، چاہے تو اربعینات کا اعتبار کر کے پانچ بنت لبون دے دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک سو بیس میں بالاتفاق حقتین واجب ہیں، اور ایک سو بیس کے بعد آثار مختلف ہیں پس مختلف فیہ کی وجہ سے متفق علیہ کا ترک مناسب نہیں ہے لہٰذا ایک سو بیس کے بعد حنفیہ نے حقتین کو باقی رکھتے ہوئے استیناف والی روایت پر عمل کیا ہے جس کا بیان ابھی تفصیل سے آرہا ہے، تاکہ جمع بین الروایتین ہو جائے۔

احناف کا استدلال:

ہمارا استدلال حضرت عمرو بن حزمؓ کی حدیث سے ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ١٠ھ میں یمن کے علاقہ نجران کے فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزمؓ (متوفی ٥٠ھ) کو اس علاقہ کا امیر و حاکم بنا کر بھیجا، جب آپ ﷺ نے ان کو رخصت کیا تو حضرت ابی بن کعبؓ کے ذریعہ ایک تحریر لکھوائی اس میں زکوٰۃ اور دیات وغیرہ کی تفصیلات تھیں، اور یہ تحریر حضرت عمرو بن حزمؓ کے حوالہ کر دی، انھوں نے وہاں کی زکوٰۃ اسی کے مطابق وصول فرمائی تھی، حضرت عمرو بن جزم کی وفات کے بعد یہ تحریر ان کے پوتے ابوبکر بن محمد کے پاس رہی، ان سے مشہور امام حدیث محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ نے یہ کتاب پڑھ کر اس کی نقل کی، چناں چہ امام زہریؒ یہ کتاب درساً بھی پڑھایا کرتے تھے، اس میں نصاب ابل کے بارے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ایک سو بیس کے بعد فریضہ از سر نو شروع کیا جائے گا۔

اس تفصیلی تحریر کے اقتباسات مسند احمد، موطا امام مالکؒ، سنن نسائی، سنن دارمی اور مراسیل امام ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں، ہم یہاں پر مراسیل ابوداؤد اور شرح معانی الآثار للطحاوی کے حوالہ سے الفاظ روایت نقل کر رہے ہیں:

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: قَالَ: حَمَّادٌ قُلْتُ لِقَيْسِ بْنِ سَعْدٍ خُذْ لِي كِتَابَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَأَعْطَانِي كِتَابًا أَخْبَرَ أَنَّهُ، أَخَذَهُ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ لِجَدِّهِ، فَقَرَأْتُهُ فَكَانَ فِيهِ ذِكْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْ فَرَائِضِ الْإِبِلِ فَقَصَّ الْحَدِيثَ إِلَى: أَنْ يَبْلُغَ عِشْرِينَ وَمِئَةً فَإِذَا كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَعُدَّ فِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةً وَمَا فَضَلَ فَإِنَّهُ يُعَادُ إِلَى أَوَّلِ فَرِيضَةٍ مِنَ الْإِبِلِ، وَمَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ فَفِيهِ الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ لَيْسَ فِيهَا ذَكَرٌ وَلَا هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ [المراسيل لأبي داود ص: ۱۲۸]

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ قَالَ: ثنا الْخَصِيبُ بْنُ نَاصِحٍ قَالَ: ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لِقَيْسِ بْنِ سَعْدٍ: اكْتُبْ لِي كِتَابَ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَكَتَبَهُ لِي فِي وَرَقَةٍ ثُمَّ جَاءَ بِهَا وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ أَخَذَهُ مِنْ كِتَابِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَأَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَهُ لِجَدِّهِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي ذِكْرِ مَا يُخْرَجُ مِنْ فَرَائِضِ الْإِبِلِ فَكَانَ فِيهِ أَنَّهَا إِذَا بَلَغَتْ تِسْعِينَ , فَفِيهَا حِقَّتَانِ , إِلَى أَنْ تَبْلُغَ عِشْرِينَ وَمِائَةً. فَإِذَا كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ , فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ , فَمَا فَضَلَ فَإِنَّهُ يُعَادُ إِلَى أَوَّلِ فَرِيضَةِ الْإِبِلِ , فَمَا كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ , فَفِيهِ الْغَنَمُ , فِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ . [شرح معاني الآثار: ۳۷۵/٤]

ان دونوں روایتوں میں مسلکِ احناف کی بڑی صاف وضاحت ہے کہ ایک سوبیس کے بعد فریضہ لوٹ کر اسی حساب پر چلا جائے گا جس سے اس کی ابتداء ہوئی تھی اس میں "في كل أربعين بنت لبون" کا بھی ذکر نہیں ہے۔

اس روایت پر اعتراضات اور جوابات:

(۱) حضرت عمرو بن حزمؓ کی روایت پر پہلا اعتراض تو یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند میں خصیب بن ناصح راوی ضعیف ہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مطلقاً ضعیف نہیں ہیں، ان کے بارے میں ابوزرعہ فرماتے ہیں: "مابه بأس إن شاء الله" البتہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "ربما أخطأ" کہ کبھی ان سے غلطی ہوجاتی ہے، جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں "صدوق يخطئ" لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روایت حسن لذاتہ کے درجہ کی ہوتی ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "صدوق يخطئ" اس راوی کے لیے استعمال کرتے ہیں جس پر بعض ناقدین نے جرح کی ہوتی ہے اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے اور اس کی حدیث حسن لذاتہ ہوا کرتی ہے۔ چناں چہ

''منهج دراسة الاسانيد والحكم عليها'' میں اس پر مفصل کلام کرتے ہوئے امام منذریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:
''فاقول إذا كان رواة إسناد الحديث ثقات وفيهم من اختلف فيه: إسناده حسن، أو مستقيم أو لاباس به'' (الترغیب والترہیب: ۱/ ۴)
شیخ ولید بن حسن العانی نے متعدد امثلہ نقل کرنے کے بعد اخیر میں لکھا ہے: ومما تقدم يتبين بجلاء أن حديث المختلف فيه حكم عليه جماعة من الأئمة ومنهم ابن حجر بـ''الحسن الذاتي'' الذي لايفتقر إلي عاضد. والله اعلم (دراسة الأسانيد والحكم عليها: ص/ ٩٤)
اس اصولی گفتگو سے یہ ثابت ہوگیا کہ ان کی روایت قابل حجت اور قابل استدلال ہے۔
دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ امام طحاویؒ نے اس حدیث کو''أبوبكرة حدثنا أبوعمروالضرير حدثنا حماد بن سلمة'' کے طریق سے بھی نقل کیا ہے اس میں خصیب کا واسطہ بھی نہیں ہے۔
(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار حماد بن سلمہ پر ہے اور یہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے؟
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حماد بن سلمہ تو مسلم کے رواۃ میں سے ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں، اور جہاں تک آخری عمر میں مختلط ہونے کا تعلق ہے تو ایسے بہت سے حفاظ حدیث ہیں جن کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہوگیا تھا اور وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، لیکن محض اختلاط کی وجہ سے ان کی روایت کو مطلقاً رد نہیں کیا جاتا بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی روایت اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی، اگر پہلے کی ہے تو قبول ہوگی اور اگر صراحت کے ساتھ یہ مل جائے کہ بعد کی ہے تو پھر مردود ہوگی۔
تیسرا اعتراض اس پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو قیس بن سعد اپنی کتاب سے روایت کرتے ہیں، پھر یہ کتاب گم ہوگئی چناں چہ سنن بیہقی میں ہے:''ضاع كتاب حماد بن سلمة فكان يحدثهم عن حفظه'' (سنن بیہقی: ۴/ ۹۴)
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قیس بن سعد ثقہ راوی ہیں تو پھر ان کی حافظہ سے بیان کی گئی روایت بلاشبہ قابل استدلال ہوگی ورنہ ان کی ثقاہت کا کیا فائدہ، لہٰذا ان کی کتاب کا گم ہوجانا کوئی مضر نہیں۔

(۲) دوسری دلیل:

احناف کا دوسرا استدلال ان صحابہ کے آثار سے ہے جن کو شرح معانی الآثار اور مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا گیا ہے، چناں چہ شرح معانی الآثار للامام الطحاوی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اثر منقول ہے۔
حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ سَهْلٍ الْكُوفِيُّ قَالَ: ثنا أَبُو نُعَيْمٍ , قَالَ: ثنا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ

حَرْبٍ ، عَنْ خُصَيْفٍ ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ ، وَزِيَادُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي فَرَائِضِ الْإِبِلِ: إِذَا زَادَتْ عَلَى تِسْعِينَ ، فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ. فَإِذَا بَلَغَتِ الْعِشْرِينَ وَمِائَةً ، اسْتُقْبِلَتِ الْفَرِيضَةُ بِالْغَنَمِ ، فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ، فَفَرَائِضُ الْإِبِلِ. فَإِذَا كَثُرَتِ الْإِبِلُ ، فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ وَقَدْ رُوِيَ ذَلِكَ أَيْضًا ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ [شرح معاني الآثار: ٤/٣٧٧]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں پر دو حقے واجب ہوں گے، اس کے بعد ہر پانچ پر ایک بکری ہوگی، چناں چہ ایک سو پچیس پر دو حقے ایک بکری، ایک سو تیس پر دو حقے دو بکری، ایک سو پینتیس پر دو حقے تین بکری، ایک سو چالیس پر دو حقے چار بکری اور ایک سو پینتالیس پر دو حقے اور ایک بنت مخاض ہوگا، پھر مزید اضافہ ہونے پر خمسینات کا حساب ہوگا، لہٰذا ایک سو پچاس پر تین حقے ہو جائیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے اثر پر اعتراضات اور جوابات:

حضرت ابن مسعود سے اس اثر پر چند اعتراضات ہوئے ہیں، لیکن ان کے معقول جوابات موجود ہیں۔

پہلا اعتراض تو یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے؟ مروع کا مقابلہ نہیں کر سکتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اگر چہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے، کیوں کہ غیر مدرک بالقیاس امور میں روایت موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوا کرتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے، ایک ابوعبیدہ اور زیاد بن ابی مریم کے درمیان، اور دوسرے زیاد بن ابی مریم اور ابن مسعودؓ کے درمیان میں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعبیدہ سے نقل کرنے والے خصیف ہیں جو کہ ثقہ ہیں اور ابوعبیدہ کا سماع تو خود ان کے والد عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ثابت ہے، لہٰذا اس کی سند حسن درجہ کی ضرور ہوگی۔ (معارف السنن: ۵/ ۱۷۹)

پھر امام طحاویؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر نقل کر کے بھی اس کی تائید کر دی ہے۔

(۳) حضرت علیؓ سے مروی ہے: ''إذا زادت على عشرين ومأة يستقبل بها الفريضة'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۳۶۱) یہ بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے، اور یہ اثر بڑی اہمیت کا حامل بھی ہے کیوں کہ حضرت علیؓ کے پاس احادیث کا ایک صحیفہ موجود تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں رہتا تھا، اس صحیفہ میں زکوٰۃ اونٹوں کی عمر اور

دیات وغیرہ کے احکام مذکور تھے اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کی بیان کردہ تفصیل اسی صحیفہ کے مطابق تھی، حضرت علی کے اس صحیفہ کی تفصیلات صحیح بخاری کتاب العلم، باب کتابة العلم میں موجود ہیں۔

اونٹوں کی عمر کے تفاوت کی تلافی کا طریقہ:

قوله: "فاذا تباين أسنان الإبل" یہاں سے حدیث میں ایک مشکل کا حل بتایا گیا ہے، وہ یہ کہ جس شخص پر زکوٰۃ میں جس عمر کا اونٹ فرض ہوا ہے اگر وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے، اس کا حل حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو رب المال کے پاس موجود ہو اسی کو لے لے اگر وہ زیادہ قیمت کا ہو تو رب المال کو کچھ واپس کر دے اور اگر کم قیمت کا ہے تو رب المال سے کچھ مزید دراہم وصول کر لے تا کہ نہ بیت المال کا نقصان ہو اور نہ ہی رب المال کا نقصان ہو، پھر اس کی متعدد صورتیں حدیث میں مذکور ہیں، جن کی قدرے تفصیل یہاں نقل کی جاتی ہے۔

قوله: فمن بلغت عنده صدقة الجذعة وليست عنده جذعة وعنده حقة... الخ مثال کے طور پر کسی کے پاس اکسٹھ اونٹ ہوں تو اس پر ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگ گئی ہو) واجب ہوگا ، اب اس کے پاس ادائیگی کے لیے جذعہ تو نہیں ہے بلکہ اس سے کم عمر کا حقہ (جو تین کا ہو کر چوتھے میں چل رہا ہو) موجود ہے تو وہ ساعی کو حقہ ہی دے دے گا، اب رہا مسئلہ یہ کہ جذعہ تو زیادہ قیمت کا تھا اور حقہ کم قیمت کا ہے، اس سے تو بیت المال کا نقصان ہوا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی تلافی اس طرح ہو جائے گی کہ مالک حقہ کے ساتھ دو بکریاں اور دے دے اگر دو بکریوں کا دینا اس کے لیے آسان ہو اور اگر دو بکریاں آسان نہ ہوں تو بیس درہم دے دے گا، تا کہ اس نقصان کی تلافی ہو جائے جو جذعہ کی جگہ حقہ دینے کی وجہ سے بیت المال کا ہوا تھا، گویا اس نقصان کی تلافی یا تو دو بکریوں سے ہوگی یا بیس درہم سے ہو جائے گی۔

قوله: ومن بلغت عنده صدقة الحقة الخ: یعنی اگر کسی کے پاس چھیالیس سے لے کر ساٹھ اونٹ ہیں تو اس پر زکوٰۃ میں ایک حقہ ہوگا لیکن اگر اس کے پاس دینے کے لیے حقہ نہیں ہے تو پھر اس سے زیادہ قیمت کا جذعہ ہی وصول کر لیا جائے گا اور مالک کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کے لیے ساعی بیت المال کی رقم میں سے بیس درہم یا دو بکریاں جو بھی آسان ہو اس مالک کو دے دے گا۔

عامة ساعی کے لیے درہم دینا آسان ہوتا ہے اور مالک کے لیے بکریاں دینا آسان ہوتا ہے، اس لیے جہاں مالک کے دینے کا ذکر ہے تو بکریوں کی تقدیم ہے اور جہاں ساعی کے دینے کا ذکر ہے، وہاں دراہم کی تقدیم ہے۔

اسی طرح کسی پر زکوٰۃ میں حقہ فرض تھا لیکن اس کے پاس وہ موجود نہیں ہے، بلکہ بنت لبون یعنی کم قیمتوں کا ہے تو اس سے وہی لے لیا جائے گا اور نقصان کی دو بکریاں یا بیس دراہم اور وصول کر لیے جائیں گے۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس زکوٰۃ میں فرض دینے کے لیے بنت لبون نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ قیمت کا حقہ ہے تو پھر ساعی حقہ ہی وصول کر لے گا اور رب المال کے نقصان کی تلافی کے لیے اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے دی جائیں گی۔

قوله: ''قال ابوداؤد: من ههنا لم اضبطه عن موسي'' یہاں سے لے کر آگے تین سطروں کے بعد ''قال ابوداؤد'' تک کی عبارت کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مصنف نے یہ تین سطریں اپنے استاذ موسیٰ بن اسماعیل سے اچھی طرح ضبط نہیں کی ہیں، یہ مصنفؒ غایت احتیاط کی وجہ سے بیان فرما رہے ہیں۔

ذکورت وانوثت سے قیمت کا اختلاف اور اس کی تلافی:

اب تک بیان تھا ان شکلوں کا جن میں قیمت کا تفاوت عمر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے، اب بیان ہے اس تفاوت کا جو ذکورت وانوثت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، چناں چہ فرمایا کہ اگر کسی کے ذمہ میں زکوٰۃ میں بنت مخاض فرض ہو اور وہ اس کے پاس دینے کے لیے موجود نہیں ہے، بلکہ ابن لبون (مذکر جو کہ تیسرے سال میں چل رہا ہے) تو اس سے بنت مخاض کے بجائے ابن لبون ہی وصول کر لیا جائے گا، اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو قبول کر لے گا اور جبر نقصان کے طور پر اس کے ساتھ کسی اور چیز کا لینا دینا ضروری نہ ہوگا، کیوں کہ مادہ (بنت مخاض) کا زیادہ قیمتی ہونا اور نَر (ابن لبون) کا زیادہ عمر کا ہونا دونوں کو ایک سطح پر لے آتے ہیں، یعنی وصفِ انوثت کی کمی کی تلافی نَر کی عمر کی زیادتی سے ہو جاتی ہے۔

یاد رہے کہ اونٹوں میں مؤنث زیادہ قیمتی ہوتا ہے مذکر سے، اسی وجہ سے کہا جا رہا ہے کہ دو سال کا مذکر جتنی قیمت کا ہوتا ہے ایک سال کی مؤنث بھی اتنی ہی قیمت کی ہوگی۔

بکریوں اور بھیڑوں کا نصاب:

قوله: وفي سائمة الغنم الخ: یہاں سے غنم کی زکوٰۃ کے نصاب کو بیان کیا جا رہا ہے لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ غنم کا اطلاق بکریوں اور بھیڑوں دونوں پر ہوتا ہے، اس لیے بکریوں کی زکوٰۃ کا جو حکم اور تفصیل ہے وہی بھیڑوں میں بھی ہے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب ہم ماقبل میں بھی لکھ چکے ہیں، لیکن اختصاراً یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے کہ بکریوں بھیڑوں کا بنیادی نصاب چالیس ہے جس کے پاس چالیس بکریوں سے کم ہوں ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں، بکریاں جب چالیس ہوں تو ان

میں بطورِ زکوۃ ایک بکری واجب ہوتی ہے، پھر چالیس کے بعد ایک سو بیس تک یہی زکوۃ یعنی ایک بکری ہے ایک سو بیس کے بعد ایک سو اکیس سے ایک سو ننانوے تک میں دو بکریاں واجب ہوتی ہیں، پھر بکریاں جب دو سو سے زائد ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں، یہاں تک کہ تعداد تین سو تک پہنچ جائے، پھر جب بکریوں کی تعداد تین سو سے زیادہ ہو کر چار سو ہو جائے تب ہر سو بکری میں ایک بکری کے حساب سے چار سو میں چار بکریاں واجب ہوں گی، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بکریوں کی تعداد چار سو ہونے پر ہی تین بکریوں پر ایک بکری کا اضافہ ہوگا، یعنی تین بکریاں دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک میں رہیں گی، حضراتِ ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔

البتہ اس حدیث باب کے الفاظ سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ تین بکریاں دو سو ایک سے تین سو تک میں واجب ہوں گی، اور جب تین سو ایک بکریاں ہو جائیں تو چار بکریاں ہوں گی جو تین سو ننانوے تک رہیں گی، یعنی جب سینکڑہ شروع ہوگا تو اسی وقت فریضہ بدل جائے گا، چناں چہ حسن بن صالح یہی فرماتے ہیں کہ دو سو ایک (۲۰۱) کے بعد تین سو ایک (۳۰۱) تین سو ایک پر فریضہ بدل جائے گا، اور چار بکریاں واجب ہوں گی پھر چار سو ایک (۴۰۱) میں پانچ بکریاں اور پانچ سو ایک (۵۰۱) میں چھ بکریاں وقس علی ہذا۔ گویا ہر سینکڑہ کے شروع میں اس سینکڑہ کی بکری واجب ہوگی۔

زکوۃ میں عیب دار بکری کا حکم:

قوله: "ولا يوخذ في الصدقة هرمة" زکوۃ دینے والے کو چاہیے کہ اپنے ریوڑ میں سے ایسی عیب دار بکری نہ دے جو عند التجار نقصانِ ثمن کا سبب ہو یا جوازِ اضحیہ سے مانع ہو، اسی طرح ردی قسم کا جانور زکوۃ میں نہ دے، نیز بوڑھی بکری بھی زکوۃ میں نہ دی جائے، ان جانوروں کے دینے میں غرباء کا نقصان ہے، لیکن شراح حدیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ مذکورہ حکم اس صورت کا ہے جب پورا ریوڑ یا اس کا کوئی حصہ ایسے جانوروں پر مشتمل ہو جن میں کوئی عیب اور نقص نہ ہو اور اگر پورے کا پورا ریوڑ ہی عیب دار جانوروں پر مشتمل ہو تو پھر زکوۃ وصول کرنے اولا ان عیب دار جانوروں میں جو اوسط درجہ کا ہو اس کو قبول کرلے۔

عوار: بفتح العین وضم العین دونوں طرح درست ہے اس کے معنی عیب اور نقصان کے ہیں۔

تَیس: بفتح التاء وسکون الیاء ہے بمعنی بوک۔

قوله: "ولا تيس الغنم" بکریوں کی زکوۃ میں نر نہ لیا جائے، ہاں اگر کوئی ضرورت اور مصلحت پیش نظر ہو تو بوک یعنی نر لیا جاسکتا ہے، اور بوک لینے کی ممانعت یا تو اس وجہ سے ہے کہ بکریوں کے ریوڑ میں بوک (نر) عام طور سے افزائش

نسل کے لیے رکھا جاتا ہے، اگر بوک لے لیا جائے گا تو مالک کا نقصان ہوگا، یا اس وجہ سے کہ بوک کا گوشت بدمزہ ہوتا ہے اور اس میں فقراء کا نقصان ہے۔

خلطہ کا بیان:

خلطہ (بالضم) کے معنی ہیں: شرکت، خاص طور پر مواشی میں شرکت، پھر خلطہ کی دو قسمیں ہیں:

ایک خلطۃ الشیوع، جس کو خلطۃ الاعیان اور خلطۃ الاشتراک بھی کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ میراث میں ملنے کی وجہ سے یا بخشش میں ملنے کی وجہ سے، یا مشترک رقم سے خریدنے کی وجہ سے مواشی دو شخصوں میں مشترک (غیر منقسم) ہوں، مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک سو بیس بکریاں چھوڑیں اور وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے تو بھائی بہن! ثلاثا ان بکریوں کے مالک ہوں گے، اور جب تک وہ بکریاں تقسیم نہیں ہوں گی ان میں خلطۃ الشیوع ہوگا۔

دوسری قسم: خلطۃ الجوار، جس کو خلطۃ الاوصاف بھی کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دو شخصوں کے جانور ملکیت میں متمائز (جدا جدا) ہوں، مگر دس باتوں میں (عند الشافعی) اور چھ باتوں میں (عند مالک واحمد) مشترک ہوں۔

(۱) امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک خلطۃ الجوار میں جن چھ باتوں میں اشتراک ضروری ہے وہ یہ ہیں: (۱) چراگاہ (۲) باڑا (مویشیوں کے رہنے کی جگہ) (۳) چرواہا (۴) دودھ دوہنے کا برتن (۵) بجار (وہ نر جو نسل کشی کے لیے ریوڑ میں رکھا جاتا ہے) (۶) پانی پینے کی جگہ مثلاً حوض نہر وغیرہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مزید چار چیزیں ضروری ہیں: (۱) کتا (جو ریوڑ کی حفاظت کے لیے رکھا جاتا ہے) (۲) چراگاہ جانے اور لوٹنے کا راستہ (۳) دودھ دوہنے والا (۴) خلطۃ الجوار کی نیت، اگر اتفاقاً اشتراک ہو گیا ہو تو وہ خلطہ نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں خلطوں سے دو یا چند مالکوں کے مواشی کمال رجل واحد (ایک شخص کے مال کی طرح) ہو جاتے ہیں اور خلطہ وجوب زکوٰۃ اور تقلیل و تکثیر زکوٰۃ پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر امام مالکؒ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لیے شرط یہ ہے کہ ہر مالک کی ملکیت بقدر نصاب ہو۔

نفس وجوب کی مثال: دو شخصوں کی چالیس بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو عند الشافعی واحمد: ایک بکری واجب ہوگی، اور امام مالکؒ کے نزدیک کچھ واجب نہیں، کیوں کہ ہر مالک کی ملکیت نصاب سے کم ہے۔

تکثیر کی مثال: دو شخصوں کی انصافاً ۲۰۲ بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو تین بکریاں واجب ہوں گی اور اگر خلطہ نہ ہو تو ایک پر ایک بکری واجب ہوگی، پس خلطہ کی وجہ سے زکوٰۃ زیادہ ہوگئی۔

تقلیل کی مثال: تین شخصوں کی ایک سو بیس بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو ایک بکری واجب ہوگی اور خلطہ نہ ہو تو تین بکریاں واجب ہوں گی، پس خلطہ کی وجہ سے زکوٰۃ کم ہوگئی۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلطہ کا مطلق اعتبار نہیں (یعنی خلطہ کرنا تو جائز ہے مگر بابِ زکوٰۃ میں اس کا اعتبار نہیں) نہ وجوب میں، نہ تقلیل میں اور نہ تکثیر میں۔ حنفیہ کے نزدیک اعتبار ملکیت کا ہے، چناں چہ پہلی صورت میں کچھ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ ہر ایک کی ملکیت نصاب سے کم ہے، اور دوسری صورت میں دو بکریاں واجب ہوں گی کیوں کہ ہر ایک ایک سو ایک کا مالک ہے اور تیسری صورت میں تین بکریاں واجب ہوں گی کیوں کہ ہر ایک کی ملکیت میں چالیس بکریاں ہیں۔

اور جمع وتفریق ملکیت میں مراد ہے، مکان میں بالاتفاق مراد نہیں، کیوں کہ مکان میں بالاجماع جمع وتفریق کی جائے گی مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک چراگاہ میں ہوں اور دوسری چالیس دوسری چراگاہ میں تو دونوں کو جمع کر کے اسی میں سے ایک بکری لی جائے گی۔

اور حدیث: لَا يُجْمَعُ بين متفرق ولايفرق بين مجتمع مخافة الصدقة: جدا کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھا کو جدا نہ کیا جائے، زکوٰۃ کے ڈر سے اس میں مالکانِ مویشی سے بھی خطاب ہے اور ساعی (زکوٰۃ وصول کرنے والے) سے بھی۔ مالکانِ مواشی سے یہ کہا گیا ہے کہ جو مویشی جدا ہیں ان کو زیادہ زکوٰۃ واجب ہونے کے اندیشہ سے جمع نہ کیا جائے، مثلاً دو شخصوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں، ان میں دو بکریاں واجب ہوں گی لیکن اگر وہ جمع کر کے ایک شخص کی بکریاں بتائیں تو ایک بکری واجب ہوگی، ایسی حیلہ بازی نہ کی جائے، اسی طرح جو مویشی جمع ہیں ان کو وجوبِ زکوٰۃ کے اندیشہ سے جدا نہ کیا جائے مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ہیں اور دوسرے کی بیس، اوّل پر ایک بکری واجب ہے اور دوسرے پر کچھ نہیں، اب اگر پہلا شخص اپنی چند بکریاں دوسرے کے ریوڑ میں ملا دے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، حدیث میں ایسا فریب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔)

اور ساعی سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ زیادہ زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے جمع وتفریق نہ کرے، مثلاً دو بھائیوں کے پاس انصافا دو سو بکریاں ہیں اور متفرق ہیں، پس ہر ایک پر ایک بکری واجب ہے، ساعی ان کو جمع کرائے اور دو سو دو میں سے تین بکریاں لے ایسا نہ کرے، بلکہ ملکیت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ لے یا دو بھائیوں کی ملی ہوئی اسی بکریاں ہیں، ساعی دو بکریاں لینے کے لیے ان کو جدا کرائے اس سے منع کیا ہے کیوں کہ جب ملکیت کا اعتبار کیا جائے گا تو ملی ہوئی میں بھی دو بکریاں واجب ہوں گی اور حدیث کا یہ مطلب امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے، احناف کے نزدیک لَا يُجمع اور لَا يُفَرَّق فعل مضارع منفی ہیں، فعل نہی نہیں ہیں پس یہ ارشاد انشاء نہیں بلکہ اخبار ہے یعنی جمع وتفریق کے بارے میں خبر دی گئی ہے

کہ یہ لغو عمل ہے، زکوٰۃ پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیوں کہ زکوٰۃ کا مدار ملکیت پر ہے جس کی جتنی ملکیت ہوگی اس کے اعتبار سے زکوٰۃ لی جائے گی، خواہ جانور جمع ہوں یا متفرق۔

اور ائمہ ثلاثہ لایجمع اور لایفرق کو نہی مانتے ہیں کیوں کہ اخبار انشاء کو متضمن ہوتے ہیں پھر وہ نہی کا تعلق صرف ساعی سے جوڑتے ہیں، کیوں کہ مالکان کو جمع وتفریق کا ہر وقت اختیار ہے، خواہ ان کی نیت کچھ ہو، اور ان کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر جانور متفرق ہوں اور زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو یا کم واجب ہوتی ہو تو ساعی زکوٰۃ کی خاطر ان کو جمع نہ کرے اور مختلط ہوں تو جدا نہ کرے بلکہ جس حال میں ہوں اس کا اعتبار کر کے زکوٰۃ وصول کرے۔ خلط کے تعلق سے جو پوری تفصیل کی گئی ہے وہ ہم نے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی سے لی ہے اپنی طرف سے اس میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

لیکن اس کے بعد یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ احناف جو خلطہ کو غیر مؤثر قرار دیتے ہیں ان کے پاس اس سلسلہ میں بہت بنیادی دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ سے زکوٰۃ کے لیے ملک نصاب کا ہونا شرط ہے، اب اگر ائمہ ثلاثہ کی تفصیل کو لیتے ہیں تو پھر ملک نصاب والی روایات کا ترک لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم

تراجع خلیطین کا مسئلہ:

حدیث بالا میں: "وما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية" کہ جس نصاب میں ٢ آدمیوں کا مال ملا ہو وہ آپس میں حساب برابر کرلیں، اس میں جس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کو اہل علم "تراجع خلیطین" سے تعبیر کرتے ہیں، اس مسئلہ کی صورت اور نوعیت میں بھی حضرات فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، جس کی سب سے جامع تفصیل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے درسِ ترمذی میں تحریر فرمائی ہے، ہم اس کو یہاں نقل کر رہے ہیں:

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چوں کہ خلطہ کی دونوں قسمیں معتبر و مؤثر ہیں اس لیے ان کے نزدیک حدیث کے اس جملے کی تشریح اس طرح ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تراجع خلیطین کی تشریح:

خلطۃ الجوار کی صورت میں جب دو آدمی کی متمیز الملک اسی بکریوں سے مصدق نے ایک بکری وصول کرلی تو ظاہر ہے کہ وہ بکری دونوں میں سے کسی ایک شخص کی ہوگی، اب وہ شخص جس کی بکری مصدق نے لے لی ہے آدھی بکری کی قیمت دوسرے شخص سے وصول کرلے گا۔

اور خلطۃ الشیوع کی صورت میں ان کے نزدیک تراجع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان پندرہ اونٹ نصف نصف مشاعاً مشترک تھے اور مصدق نے ان کے مجموعہ سے تین بکریاں وصول کرلیں اور یہ تینوں بکریاں کسی ایک شخص کی ملکیت سے وصول کرلی گئیں تو اب یہ شخص اپنے دوسرے شریک سے ڈیڑھ بکری کی قیمت وصول کرلے گا۔)

حنفیہ کے نزدیک تراجع کی صورت:

حنفیہ کے نزدیک خلطۃ الجوار کی صورت میں تو "تراجع" کا سوال ہی نہیں اس لیے کہ دونوں کی املاک الگ الگ ہیں، اور ہر شخص سے اس کی ملکیت سے زکوۃ لی جائے گی اور خلطۃ الشیوع کی صورت میں اگر دونوں حصے مساوی ہیں، تو تراجع صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب زکوۃ کسی ایک شخص کی متمیز ملک سے وصول کرلی گئی ہو ورنہ نہیں۔

مثلاً دو آدمیوں کے درمیان پندرہ اونٹ مشاعاً مشترک تھے، تو ہمارے نزدیک ہر شخص پر ایک بکری واجب ہوگی، کیوں کہ ہر شخص کا حصہ ساڑھے سات اونٹ ہے جس پر ایک بکری واجب ہوتی ہے اب اگر یہ دونوں بکریاں کسی ایک ہی شخص کی ملکیت سے وصول کرلی گئیں تو وہ شخص اپنے دوسرے شریک سے ایک بکری یا اس کی قیمت وصول کرلے گا اور اگر یہ بکریاں بھی نصف نصف مشترک تھیں تو تراجع نہیں ہوگا۔)

تراجع کی مزید صورتیں:

یہاں تک تو تراجع کی صورتیں بالکل واضح ہیں لیکن خلطۃ الشیوع کی صورت میں جب شریکوں کے حصے متفاوت ہوں تو حنفیہ کے نزدیک تراجع کی صورتیں قدرے دقیق ہیں، حنفیہ کے نزدیک اگرچہ اس صورت میں زکوۃ کا وجوب تو مجموعہ پر نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص پر اپنے حصہ کے حساب سے ہوتا ہے، لیکن مصدق کو شرعاً اختیار ہے کہ وہ دونوں شریکوں کو تقسیم پر مجبور کرنے کے بجائے زکوۃ مشترک مال سے حاصل کرلے۔

علامہ کاسانیؒ نے بدائع میں اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ اگر اسی (۸۰) بکریاں دو آدمیوں کے درمیان اثلاثاً مشاع ہوں یعنی مجموعہ کے دو ثلث زید کے ہوں اور یک ثلث عمرو کا ہو تو زید پر زکوۃ میں ایک بکری واجب ہوگی کیوں کہ اس کا حصہ چالیس بکریوں سے زیادہ ہے، اور عمرو پر کچھ واجب نہیں، کیوں کہ اس کا حصہ تو چالیس بکریوں سے کم ہے، اب اصل تقاضہ تو یہ تھا کہ مصدق صرف زید سے اس کی تنہا مملوک بکری وصول کرے، اگر زید کے پاس کوئی غیر مشترک بکری نہیں ہے تو مصدق کو اجازت ہے کہ وہ ان مشترک بکریوں ہی میں سے ایک بکری لے جائے اب اگر مصدق ان اسی

بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا تو عمرو کو حق ہوگا کہ وہ زید سے ایک ثلث بکری کی قیمت وصول کر لے، کیوں کہ جو بکری مصدق لے گیا ہے مشاع ہونے کی وجہ سے اس کا ایک ثلث عمرو کی ملکیت تھا اور عمرو پر زکوۃ واجب نہ تھی، لہٰذا اس کی ایک تہائی بکری زکوۃ کے حساب میں چلی گئی وہ زید سے وصول کرنے کا حق دار ہے۔ (بدائع: ۲/۳۱)

اسی طرح اگر زید اور عمرو کے درمیان ایک سو بیس بکریاں اثلاثاً مشاع ہوں یعنی مجموعہ کے دو ثلث زید کے ہوں اور ایک ثلث عمرو کا، تو حنفیہ کے نزدیک دونوں پر ایک ایک بکری واجب ہے، کیوں کہ زید کا حصہ اسی (۸۰) کے برابر ہے۔ اور عمرو کا حصہ چالیس کے برابر ہے اور چالیس پر بھی ایک بکری واجب ہوتی ہے اور اسی پر بھی، اب اصل تقاضہ تو یہ تھا کہ مصدق زید اور عمرو دونوں سے ایک ایک بکری وصول کرے جس میں شرکت نہ ہو، لیکن اگر ان کے پاس غیر مشترک بکریاں نہیں ہیں تو مصدق کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مشترک بکریوں میں سے دونوں کی زکوۃ وصول کر لے چناں چہ اگر مصدق ان مشترک بکریوں میں سے دو بکریاں لے گیا تو اب زید کو یہ حق ہے کہ وہ عمرو سے ایک تہائی بکری کی قیمت وصول کر لے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشاع ہونے کی وجہ سے ہر ہر بکری ان دونوں کے درمیان اثلاثاً مشترک تھی، چناں چہ جو دو بکریاں زکوۃ میں گئی ان میں بھی ہر بکری کا دو تہائی زید کا اور ایک تہائی عمرو کا تھا، اس طرح زید کی ملکیت میں سے چار تہائی بکریاں چلی گئیں جب کہ اس پر صرف تین تہائی یعنی مکمل ایک بکری واجب تھی، اور عمرو کی ملکیت سے صرف دو تہائی بکری گئی، جب کہ اس پر بھی تین تہائی یعنی مکمل ایک بکری واجب تھی، لہٰذا عمرو ایک تہائی بکری کی قیمت زید کو ادا کرے گا، مثال کے طور پر اگر دو بکریوں کی قیمت تیس تیس روپئے کے حساب سے ساٹھ روپئے ہو تو ان ساٹھ میں سے چالیس زید کے حصے کے ہوں گے اور بیس عمرو کے، پھر چوں کہ عمرو کی جانب سے پوری ایک بکری زکوۃ میں چلی گئی جس کی قیمت تیس روپئے تھی تو گویا اس کی جانب سے زکوۃ میں تیس روپئے ادا کئے گئے جن میں سے صرف بیس اس کی ملکیت تھے، اور دس زید کی، لہٰذا زید اب یہ دس روپئے عمرو سے وصول کر لے گا۔

خلطۃ الشیوع کی صورت میں "تراجع" کی یہ شکلیں صرف حنفیہ ہی کے مسلک پر درست ہو سکتی ہیں، لیکن جو حضرات خلطۃ الشیوع کی صورت میں مجموعہ پر زکوۃ فرض قرار دیتے ہیں ان کے مسلک پر ان شکلوں میں کوئی تراجع نہیں ہوگا کیوں کہ ان کے نزدیک شرکاء کے انفرادی وجوب کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ واللہ اعلم (درس ترمذی: ۲/۴۲۴)

کمپنی اور مشترک کاروبار کے حصہ داروں کی زکوۃ:

مشترکہ تجارت اور کمپنی فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوۃ مجموعہ رقم اور مال پر واجب نہیں ہوگی، بلکہ ہر حصہ دار کی

زکوٰۃ اس کے حصہ کے حساب سے ادا کرنا واجب ہوگا، اور جس کا حصہ نصاب کو نہیں پہنچتا ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوسکتا ہے تو ایسے حصہ دار پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے جس کو ملا کر نصاب مکمل ہوجاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ (ایضاح النوادر: ص/ ۳۸)

قوله: وفي الرقة ربع العشر: یہاں سے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب کا بیان ہے، چاندی کے نصاب کی تفصیل بھی ماقبل میں گزر چکی ہے، حاصل جس کا یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہو اور کوئی مال نہ ہو تو جب تک چاندی دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ء۳۶) نہ ہوجائے اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور اگر چاندی اس مذکورہ وزن کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔

۱۵۶۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ، فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ، فَعَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ، ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتَّى قُبِضَ، فَكَانَ فِيهِ: فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ، وَفِي عَشْرٍ شَاتَانِ، وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِي عِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ ابْنَةُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِنْ كَانَتِ الْإِبِلُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ.

وَفِي الْغَنَمِ: فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً، فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ، فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ، فَإِنْ كَانَتِ الْغَنَمُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ، وَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ الْمِائَةَ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ، فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ

۱۵۶۸- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في زكاة الإبل والغنم (۶۲۱)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: صدقة الإبل (۱۷۹۸)

هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ .

قَالَ: وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: إِذَا جَاءَ الْمُصَدِّقُ قُسِّمَتِ الشَّاءُ أَثْلَاثًا، ثُلُثًا شِرَارًا، وَثُلُثًا خِيَارًا، وَثُلُثًا وَسَطًا، فَأَخَذَ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْوَسَطِ ، وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ الْبَقَرَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب الصدقہ لکھوائی لیکن آپ ﷺ اسکو اپنے عاملین تک بھی بھیجنے نہ پائے تھے آپ کی وفات ہوگئی آپ نے اس کتاب کو اپنی تلوار سے لگا رکھا تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا، اسکے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا، اس کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ: پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، اور دس میں دو بکریاں ہیں، پندرہ میں تین بکریاں، بیس میں چار بکریاں ہیں اور پچیس سے لے کر پینتیس تک ایک بنت مخاض ہے، پھر پینتیس سے ایک بھی زیادہ ہو تو ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک، پھر پینتالیس سے ایک بھی زیادہ ہو تو ایک حقہ ہے ساٹھ تک، پھر ساٹھ سے ایک بھی زیادہ ہو تو ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پھر پچھتر سے ایک بھی زیادہ ہو تو دو حقے ہوں گے ایک سو بیس تک، پھر جب اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگا، ہر چالیس میں ایک بنت لبون،

اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے ایک سو بیس تک، اگر ایک سو بیس سے ایک بکری بھی زیادہ ہوں تو دو بکریاں ہوں گی دو سو تک، پھر جب دو سو سے اوپر ایک بکری بھی زائد ہو جائے گی تو اسمیں تین بکریاں ہیں تین سو تک، پھر جب تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سینکڑہ پر ایک بکری دینا واجب ہوگی اور جو عدد سینکڑہ سے کم ہوگا اسمیں کوئی زکوۃ نہیں ہوگی۔

(نیز اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ) الگ الگ نہ کیا جائے مشترک مال کو، اور نہ اکٹھا کیا جائے الگ الگ مال کو زکوۃ کے خوف سے (یعنی زکوۃ سے بچنے کے لیے مشترک مال کو الگ الگ اور جدا جدا مال کو مشترک نہ دکھایا جائے: بلکہ جو واقعہ ہے اسکے مطابق زکوۃ ادا کی جائے گی) اور جو مال دو آدمیوں میں مشترک ہو وہ ایک دوسرے سے لے کر اپنا حصہ برابر کرلیں، اور خیال رہے زکوۃ میں بوڑھا اور عیب دار جانور نہ لیا جائے۔

زہری نے کہا: کہ جب زکوۃ وصول کرنے والا آئے تو بکریوں کے تین حصے کرلیں، ایک حصہ میں صرف گھٹیا بکریاں ہوں، اور دوسرے حصہ میں عمدہ قسم کی، اور تیسرے حصہ میں درمیانہ درجہ کی، پس زکوۃ وصول کرنے والا درمیانہ درجہ کی بکریوں میں سے لے لے گا، اور زہری نے کتاب الصدقہ میں گائے بیل کے نصاب کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح حدیث: یہ باب کی دوسری حدیث ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل فرما رہے ہیں لیکن مضمون اس کا بھی وہی ہے جو کہ پہلی حدیث انسؓ کا تھا، البتہ اس کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کے نوشتہ کا ذکر اس طرح ہے کہ

حضور ﷺ نے اپنی وفات سے قبل یہ نوشتہ لکھوا کر اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دیا تھا، عمال کے حوالہ نہ کیا تھا، کیوں کہ اس وقت تو آپ ﷺ عمال کو براہ راست بالمشافہ ہدایات دے ہی دیا کرتے تھے، آپ ﷺ کی دفات کے بعد یہ کتاب الصدقہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے لیا اور اپنے دو خلافت میں عاملین زکوٰۃ کے حوالہ کر کے اس پر عمل کرایا، پھر آپ کی وفات کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے اس کے مطابق عمل کرایا۔

قوله: "قال: وقال الزهري: إذا جاء المصدّق..." سفیان بن حسین زہریؒ کے شاگرد یہ کہہ رہے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ جس کے مال کی زکوٰۃ لے رہا ہے اس کے مال کے تین حصے کر لے، ایک حصہ اعلیٰ قسم کے مال کا، دوسرا اوسط درجہ کا اور تیسرا ادنیٰ درجہ کا اور پھر اوسط درجہ کے مال سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔

سفیان بن حسین یہ کہتے ہیں کہ زہری کی کتاب الصدقہ میں گائے بیل وغیرہ کے نصاب کا بھی ذکر نہیں ہے، صرف اونٹ اور بکری کی زکوٰۃ کا نصاب مذکور ہے، بلکہ اس حدیث میں تو چاندی کا بھی ذکر نہیں ہے جیسا کہ حدیث سابق میں تھا۔

۱۵۶۹- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ ابْنَةُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ كَلَامَ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: محمد بن یزید سے حضرت سفیان بن حسین بواسطہ سابقہ سند و مفہوم کے ساتھ روایت مذکور ہے؛ مگر اس میں اس جملہ کا اضافہ ہے کہ اگر بنت مخاض نہ ہو تو بنت لبون لے لے؛ لیکن اس روایت میں زہری والا کلام مذکور نہیں ہے۔

تشریح حدیث: حدیث سابق میں سفیان بن حسین سے نقل کرنے والے عباد بن العوام تھے اور اس میں محمد بن یزید واسطی ہیں، انھوں نے بھی اپنے ساتھی عباد بن العوام کی طرح ہی نقل کی ہے البتہ ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کے پاس اونٹوں کی زکوٰۃ میں بنت مخاض دینے کے لیے نہ ہو تو اس کی جگہ ابن لبون ہی دے دیا جائے گا، جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں بھی آیا تھا؛ دوسرا فرق عباد اور محمد بن یزید کی روایت میں یہ ہے کہ عباد بن العوام نے زہری کا کلام بھی نقل کیا تھا جبکہ محمد بن یزید نے زہری کا یہ کلام نقل نہیں کیا کہ ساعی مال کے تین حصہ کرے گا اور درمیانی قسم کے مال میں سے زکوٰۃ لے گا۔

۱۵۷۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: هَذِهِ نُسْخَةُ كِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي كَتَبَهُ فِي

۱۵۶۹- انظر تخریج الحدیث السابق

۱۵۷۰- انظر تخریج الحدیث السابق

الصَّدَقَةِ، وَهِيَ عِنْدَ آلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَقْرَأَنِيهَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَوَعَيْتُهَا عَلَى وَجْهِهَا، وَهِيَ الَّتِي انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَلَاثِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَأَرْبَعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ خَمْسِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَخَمْسِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ سِتِّينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا أَرْبَعُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسِتِّينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ سَبْعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسَبْعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ ثَمَانِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَابْنَتَا لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَمَانِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ تِسْعِينَ وَمِائَةً، فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَتِسْعِينَ وَمِائَةً، فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ، فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ أَوْ خَمْسُ بَنَاتِ لَبُونٍ، أَيُّ السِّنَّيْنِ وُجِدَتْ أُخِذَتْ. وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ وَفِيهِ: وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ، وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ

ترجمہ: حضرت ابن شہاب ؒ سے روایت ہے کہ یہ اس کتاب کی نقل ہے جو رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کے بارے میں لکھوائی تھی اور وہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کی اولاد کے پاس موجود تھی، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ: مجھے اس کتاب کو سالم بن عبداللہ نے پڑھایا اور اس طرح میں نے اس کو یاد کرلیا اور اس نسخہ کو عمر بن عبدالعزیز نے عبداللہ بن عمر اور سالم بن عبداللہ عمر کے پاس نقل کروایا تھا، پس راوی نے سابقہ حدیث کی مانند حدیث ذکر کی اور کہا کہ:

جب اونٹ ایک سو اکیس (۱۲۱) ہو جائیں تو تین بنت لبون دینا ہوں گے ایک سو انتیس (۱۲۹) تک،

جب ایک سو تیس (۱۳۰) ہوں تو دو بنت لبون اور ایک حقہ ہوگا ایک سو انتالیس (۱۳۹) تک،

جب ایک سو چالیس (۱۴۰) ہو جائیں تو دو حقے اور ایک بنت لبون ہونگی ایک سو انچاس (۱۴۹) تک،

جب ایک سو پچاس (۱۵۰) ہوں تو تین حقے دینا ہوں گے ایک سو انسٹھ (۱۵۹) تک،

جب ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہو جائیں تو چار بنت لبون دینی ہوں گی ایک سو انہتر (۱۶۹) تک،
جب ایک سو ستر (۱۷۰) ہوں تو تین بنت لبون اور ایک حقہ ہوگا ایک سو اناسی (۱۷۹) تک،
جب ایک سو اسی (۱۸۰) ہوں تو دو حقے اور دو بنت لبون دینی ہوگی ایک سو نواسی (۱۸۹) تک،
جب ایک سو نوے (۱۹۰) ہوں تو تین حقے اور ایک بنت لبون دینی ہوگی ایک سو ننانوے (۱۹۹) تک
اور جب پورے دو سو (۲۰۰) ہو جائیں تو چار حقے یا پانچ بنت لبون جو بھی موجود ہوں ان میں سے لے لے،

اور ان بکریوں کا نصاب جو جنگل میں چرائی جاتی ہیں اس طرح ذکر کیا جس طرح سابقہ حدیث یعنی سفیان بن حسین کی حدیث میں مذکور ہے؛ مگر اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ زکوۃ میں بوڑھی اور عیب دار بکری نہ لی جائے، اور نہ ہی بکرا لیا جائے؛ مگر یہ کہ زکوۃ دینے والا اپنی خوشی سے دینا چاہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی کتاب الصدقہ کا ذکر ہے، جس کے بارے میں راوی یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ نسخہ حضرت عمرؓ کی آل واولاد کے پاس محفوظ تھا اور جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ امیر المومنین بنے تو انھوں نے اپنے عمال کو اسی کے مطابق زکوۃ کی وصولیابی کا پابند بنایا تھا امام زہریؒ نے اسی کتاب الصدقہ کو حفظ کر لیا تھا جس کو وہ یہاں بیان کر رہے ہیں۔

حضرات شوافع وغیرہ کی صریح دلیل:

کتاب الصدقہ کے اس خاص طریق میں حضراتِ شوافع اور حنابلہ کی بڑی واضح دلیل ہے کیوں کہ اس میں وضاحت ہے کہ اونٹ اگر ایک سو اکیس ہو جائیں تو تین بنت لبون واجب ہوں گے اور حساب اربعینات وخمسینات سے چلے گا چناں چہ دو سو تک کی تفصیل صراحت کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ ترجمۂ حدیث میں اس کی وضاحت آگئی ہے، اب یہ روایت اس طریق کے اعتبار سے احناف کے خلاف ہوگئی۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راوی کا ادراج ہے؛ حدیث مرفوع کا حصہ نہیں ہے اور راوی کا مدرج حصہ جو بطورِ تفسیر کے ہے وہ حجت نہیں ہے اور دلیل اس ادراج کی امام دارقطنیؒ کی روایت ہے، چناں چہ جب وہ اس کو نقل کرتے ہیں تو لکھتے ہیں:

''وَهٰذَا كِتَاب تفسيرها: لا يوخذ في شئ من الإبل الصدقة حتي يبلغ خَمسَ ذَوْدٍ...'' (سنن دارقطنی: ۲/ ۱۰۱/ ۱۹۶۷)

اس کو نقل کرنے کے بعد علامہ بنوریؒ معارف السنن میں لکھتے ہیں:

إلا أن ذكر فيه مثل ماذكر في حديث أبي داؤد من الزيادة فلا بد أن يقال: انه من ادرج الراوي ولا حجة في مثله (معارف السنن:۵/۱۸۲)

ابن جریر طبریؒ کی رائے:

ابن جریر طبریؒ کی رائے اس جگہ یہ ہے کہ انسان کو اختیار ہے کہ اس سلسلہ میں عراقیین کی بیان کردہ تفصیلات کو لے لے، جیسا کہ عمرو بن حزمؓ کے مسودے کی تفصیل ہے اور اگر چاہے تو پھر حجازین یعنی ائمہ ثلاثہ کے مسلک کو اختیار کر لے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرات خلفائے راشدین کے دور میں ہر دو طریق پر ہی عمل رہا ہے، اور مالیت دونوں صورتوں میں برابر ہی ہوتی ہے چاہے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق زکوۃ دی جائے یا امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دی جائے، ہر دو صورت میں بیت المال کو برابر ہی مال ملے گا۔ واللہ اعلم

۱۵۷۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، هُوَ أَنْ يَكُونَ لِكُلِّ رَجُلٍ أَرْبَعُونَ شَاةً، فَإِذَا أَظَلَّهُمُ الْمُصَدِّقُ جَمَعُوهَا، لِئَلَّا يَكُونَ فِيهَا إِلَّا شَاةٌ. وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، أَنَّ الْخَلِيطَيْنِ إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةُ شَاةٍ وَشَاةٌ، فَيَكُونُ عَلَيْهِمَا فِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ، فَإِذَا أَظَلَّهُمَا الْمُصَدِّقُ فَرَّقَا غَنَمَهُمَا، فَلَمْ يَكُنْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا شَاةٌ، فَهَذَا الَّذِي سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول (وجوب زکوۃ سے بچنے کے لیے) متفرق مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور نہ اکٹھے مال کو متفرق کیا جائے کا مطلب یہ ہے کہ دو افراد ہوں جن میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہوں، پس جب زکوۃ اصول کرنے والا ان کے پاس آئے تو وہ (متفرق مال) اکٹھا کر لیں؛ تا کہ ان سب پر صرف ایک ہی بکری واجب ہو، اور اکٹھے مال کو متفرق نہ کیا جائے کا مطلب یہ ہے کہ دو شریک ہوں جن میں سے ہر ایک کی ایک سو ایک بکریاں ہیں اور ان دونوں پر مشترکہ طور پر تین بکریاں واجب ہوتی ہیں؛ لیکن جب زکوۃ وصول کرنے والا

۱۵۷۱- انفرد به أبو داؤد

آئے تو وہ اپنی اپنی بکریاں الگ الگ کرلیں اور اس طرح ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک بکری لازم آئیگی، حضرت مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہے وہ تفسیر جو میں نے مندرجہ بالا قول کی سنی ہے۔

تشریح حدیث: "لا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع" کی یہ تفسیر ان ہی حضرات کے نزدیک ہے جو خلطۃ الجوار کو وجوب زکوٰۃ، قلت زکوٰۃ یا کثرۃ زکوٰۃ میں مؤثر ہے، چوں کہ حضرت امام مالک "خلطۃ الجوار کو مؤثر مانتے ہیں اس لیے وہ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر تین آدمیوں کی چالیس چالیس بکریاں الگ الگ ہوں، پھر وہ ایک جگہ اکٹھا کرلیں تو ان پر مجموعہ کے اعتبار سے ایک ہی بکری لازم ہوگی نہ کہ تین بکریاں، کیوں کہ خلطۃ الجوار کی وجہ سے زکوٰۃ کم ہوگئی۔

۱۵۷۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، وَعَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، - قَالَ زُهَيْرٌ: أَحْسَبُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّه قَالَ: هَاتُوا رُبْعَ الْعُشُورِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ، وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتَّى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ، فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، فَمَا زَادَ فَعَلَى حِسَابِ ذٰلِكَ.

وَفِي الْغَنَمِ فِي أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا تِسْعٌ وَثَلَاثُونَ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيهَا شَيْءٌ، - وَسَاقَ صَدَقَةَ الْغَنَمِ مِثْلَ الزُّهْرِيِّ -

قَالَ: وَفِي الْبَقَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعٌ، وَفِي الْأَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ، وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ.

وَفِي الْإِبِلِ - فَذَكَرَ صَدَقَتَهَا كَمَا ذَكَرَ الزُّهْرِيُّ - قَالَ: وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ خَمْسَةٌ مِنَ الْغَنَمِ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ بِنْتُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ، فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ، فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ إِلَى سِتِّينَ - ثُمَّ سَاقَ مِثْلَ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ - قَالَ: فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةً يَعْنِي وَاحِدَةً وَتِسْعِينَ، فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، فَإِنْ كَانَتِ الْإِبِلُ أَكْثَرَ مِن ذٰلِكَ، فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ.

۱۵۷۲- أخرجه ابن خزيمة في صحيحه (۴/۲۰/۲۲۷۰)

وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَلَا تُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ، وَلَا تَيْسٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ.

وَفِي النَّبَاتِ مَا سَقَتْهُ الْأَنْهَارُ، أَوْ سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ، وَمَا سَقَى الْغَرْبُ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ.

وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ، وَالْحَارِثِ: الصَّدَقَةُ فِي كُلِّ عَامٍ، قَالَ زُهَيْرٌ: أَحْسَبُهُ قَالَ مَرَّةً، وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ: إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْإِبِلِ ابْنَةُ مَخَاضٍ، وَلَا ابْنُ لَبُونٍ، فَعَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ شَاتَانِ.

ترجمہ: حارث اعور حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں- زہیر کہتے ہیں کہ: میرا خیال ہے کہ ابواسحق نے اپنی حدیث میں عَنْ عَلِیٍّ کے بعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا ہے- (یعنی) آپ نے فرمایا: زکوۃ میں چالیسواں حصہ نکالو یعنی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم؛ لیکن جب تک تمہارے پاس دوسودرہم نہ ہوجائیں اسوقت تک تم پر زکوۃ واجب نہیں ہے، پس جب دوسو درہم پورے ہوجائیں تو ان میں سے پانچ درہم زکوۃ نکال دو، اور جو درہم دوسو سے زائد ہوں ان پر اسی حساب سے (اڑھائی فیصد کے حساب سے) زکوۃ نکالو۔

اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری کی زکوۃ ہے لیکن اگر (ایک بھی کم ہو یعنی) انتالیس ہوں تو پھر کوئی زکوۃ نہیں ہے، پھر ابواسحق نے بکریوں کی زکوۃ کو اسی طرح بیان کیا جس طرح زہری نے بیان کیا۔

اور گائے بیلوں میں ہر تیس گائے بیلوں پر ایک سال کی ایک گائے زکوۃ میں دینی ہوگی اور ہر چالیس گائے بیلوں پر دوسال کی ایک گائے دینی ہوگی اور وہ گائے بیل جو (پانی کی سنچائی یا مال کی دھلائی وغیرہ کا) کام کرتے ہوں ان پر کوئی زکوۃ نہیں ہے۔

اور اونٹوں کی زکوۃ کو ابواسحق نے اسی طرح بیان کیا جس طرح زہری نے بیان کیا ہے یعنی پچیس اونٹوں پر پانچ بکریاں دینی لازم ہونگی، اور اگر پچیس سے ایک بھی زائد ہوگا تو پھر ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) ہوگی، اور اگر بنت مخاض نہ ہو تو پھر ایک ابن لبون (دوسالہ اونٹ) ہے پینتیس تک۔ جب پینتیس سے ایک بھی زائد ہو تو ان میں ایک بنت لبون ہے پنتالیس تک۔ جب پنتالیس سے بھی زیادہ ہوں تو ان میں ایک حقہ ہے جو جفتی کے لائق ہو ساٹھ تک، پھر ابواسحق نے بیان اسی طرح کیا جس طرح زہری کی حدیث میں ہے یہاں تک کہ اگر نوے سے ایک بھی زیادہ ہو یعنی اکیانوے ہو جائیں تو ان میں جفتی کے لائق دو حقے ہیں ایک سو بیس تک، جب اس سے زیادہ ہوں تو ہر پچاس پر ایک حقہ دینا ہوگا۔

(اور آپ نے فرمایا) زکوۃ واجب ہونے کے ڈر سے نہ تو مجتمع مال کو الگ الگ کیا جائے اور نہ الگ الگ مال کو مجتمع

کیا جائے، اور زکوۃ میں نہ بوڑھا جانور لیا جائے اور نہ عیب اور نقص والا اور نہ نر جانور؛ مگر یہ کہ زکوۃ وصول کرنے والا اپنی خوشی اور مرضی سے لینا چاہے۔

اور زمین کی پیداوار میں جن میں آب پاشی بارش سے ہوتی ہو یا نہروں سے کی جاتی ہو زکوۃ میں دسواں حصہ لازم ہوگا اور جن زمینوں میں رہٹ وغیرہ سے پانی کھینچ کر آب پاشی کی جائے اسکی پیداوار میں بیسواں حصہ زکوۃ میں وصول کیا جائے گا۔

عاصم اور حارث کی حدیث میں ہے کہ ہر سال، زہیر نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ ابواسحق نے کہا ایک مرتبہ (یعنی ہر سال ایک مرتبہ زکوۃ لی جائے گی) اور عاصم کی روایت کردہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر اونٹوں میں بنت مخاض نہ ہو اور نہ ہی ابن لبون ہو تو پھر زکوۃ میں دس درہم یا دو بکریاں واجب ہونگی۔

تشریح حدیث: حضرت علیؓ کی یہ حدیث بڑی مفصل ہے، اگر چہ اس کی سند میں عاصم بن ضمرہ اور حارث اعور دونوں ضعیف راوی ہیں اور اس کے بعض اجزاء دیگر روایات صحیحہ کے مخالف بھی ہیں، جن کی نشان دہی ہم آگے کریں گے، نیز حدیث کے جن اجزاء پر کلام گذر چکا ہے ان پر ہم مزید کلام نہیں کریں گے، البتہ جن پر اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان کی تفصیل یہاں نقل کریں گے۔

قوله: ''هاتوا ربع العشور'' یہاں سے چاندی کی زکوۃ کا بیان ہے کہ وہ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ہے اور نصاب دوسو درہم ہے۔

نقدین کی زکوۃ میں وقص کا مسئلہ:

چاندی یا سونے کے نصاب میں اتنا اضافہ ہو جو اس نصاب کی مجموعی مقدار کے پانچویں حصہ سے کم ہو، مثلاً دوسو درہم چاندی کا نصاب ہے اب اس پر اتنا اضافہ ہوگیا جو کہ اس کے پانچویں حصہ یعنی چالیس سے کم ہے، دوسو ایک ہو گئے یا دو یا تین وغیرہ، دوسو چالیس سے کم ہی ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس اضافہ پر کوئی زکوۃ نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دوسو پر جب تک چالیس درہم اور بیس مثقال سونے پر جب تک چار مثقال کا اضافہ نہ ہوگا اس میں کچھ واجب نہ ہوگا۔ (بدایۃ المجتہد: ۱/ ۲۵۵)

جب کہ حضرات ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ مجموعی مقدار پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے گی چناں چہ چاندی میں اگر دوسو درہم سے ایک درہم بھی زیادہ ہوگیا تو ان کی زکوۃ پانچ درہم اور ایک درہم کا چالیسواں حصہ ہوگی، اسی طرح دوسو بیس درہم کی زکوۃ ساڑھے پانچ درہم ہوگی۔ (المغنی: ۲/ ۴۱۹)

حضرات ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

حدیث باب کا یہ جز "فيما زاد فعلي حساب ذٰلك" ہے اس میں یہ وضاحت ہے کہ چاندی کے نصاب زکوٰۃ دوسو درہم سے زیادہ جتنی بھی چاندی ہو اس پر اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی

اور عقلی دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ زکوٰۃ کو نعمتِ مال کے شکریہ کے طور پر واجب کیا گیا ہے اور ابتدا میں تو نصاب کی شرط لگانا حصولِ غنی کی وجہ سے تھا اب جب حصولِ غنی ہو گیا تو پھر اجزاء مال پر زکوٰۃ کو ضروری قرار دینے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دلائل:

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مسلک پر مندرجہ ذیل احادیث و آثار سے استدلال کیا ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک محض کمزور احادیث کی بنیاد پر نہیں ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کہہ دیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس صریح حدیث کو چھوڑ کر دارقطنی کی ضعیف روایت کو اختیار کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کے پاس دارقطنی کی حدیث کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں۔

(۱)عَن الْمنْهَال بن جراح عَن حبيب بن نجيح عَن عبَادَة بن نسي عَن معَاذ، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أمره حِين وَجهه إِلَى الْيمن أَن لَا يَأْخُذ من الْكسر شَيْئا إِذا كَانَت الْورق مِائَتي دِرْهَم فَخذ مِنْهَا خَمْسَة دَرَاهِم، وَلَا تَأْخُذ مِمَّا زَاد شَيْئا حَتَّى يبلغ أَرْبَعِينَ . درهما، فَإِذا بلغت أَرْبَعِينَ درهما فَخذ مِنْهَا درهما) . قَالَ الدَّارَقُطْنِيّ: الْمنْهَال ابْن جراح وَهُوَ أَبُو العطوف مَتْرُوك الحَدِيث، (سنن الدارقطني: ۲/ ۹٤).

(۲) ذكر الْبَيْهَقِيّ فِي:بَاب فرض الصَّدَقَة،وَهُوَ كِتَابه،صلى الله عَلَيْهِ وَسلم،الَّذِي بَعثه إِلَى الْيمن مَعَ عَمْرو بن حزم، وَفِيه:(وَفِي كل خمس أواقي من الْورق خَمْسَة دَرَاهِم،وَمَا زَاد فَفِي كل أَرْبَعِينَ درهما دِرْهَم)،قَالَ الْبَيْهَقِيّ مجود الْإِسْنَاد،وَرَوَاهُ جمَاعَة من الْحفاظ مَوْصُولا حسنا، وروى الْبَيْهَقِيّ عَن أَحْمد ابْن حَنْبَل أَنه قَالَ: أَرْجُو أَن يكون صَحِيحا.[السنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ١٥٠]

(۳) حَدِيث عَليّ، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، أَنه قَالَ: قَالَ رَسُول الله، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: (عَفَوْت لكم صَدَقَة الْخَيل وَالرَّقِيق، فهلُمُّوا صَدَقَة الرقة من كل أَرْبَعِينَ درهما، وَلَيْسَ فِي تسعين

وَمِائَة شَيْء، فَإِذا بلغت مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَة دَرَاهِم) ، وَقَالَ ابْن حزم: صَحِيح مُسْند. [السنن الكبرى للبيهقي: ٤/١٩٨/٧٤٠٦]

(۴) وروى ابْن أبي شيبَة عَن عبد الرَّحْمَن بن سُلَيْمَان عَن عَاصِم الْأَحول عَن الْحسن الْبَصْرِيّ، قَالَ: كتب عمر، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، إِلَى أبي مُوسَى: فَمَا زَاد على الْمِائَتَيْنِ فَفِي كل أَرْبَعِينَ درهما دِرْهَم.[مصنف ابن أبي شيبة: ٢/٣٥٦/٩٨٦٣]

(۵) وروى ابْن أبي شيبَة بِسَنَد صَحِيح عَن مُحَمَّد الباقر رَفعه، قَالَ: (إِذا بلغت خمس أواقي فَفِيهَا خَمْسَة دَرَاهِم، وَفِي كل أَرْبَعِينَ درهما دِرْهَم) .[مصنف ابن ابي شيبة: ٢/٣٥٥/٩٨٣٨]

(٦) روى أَبُو أَوْس عَن عبدالله وَمُحَمّدابني أبي بكر بن عَمْروبن حزم عَن أَبِيهِمَاعَن جدهما عَن النَّبِي،صلى الله عَلَيْهِ وَسلم:أَنه كتب هَذَا الْكتاب لعَمْروبن حزم حِين أمره على الْيمن. وَفِيه: الزَّكَاة لَيْسَ فِيهَا صَدَقَة حَتَّى تبلغ مِائَتي دِرْهَم،فَإِذا بلغت مِائَتي دِرْهَم فَفِيهَا خَمْسَة دَرَاهِم، وَمَازَاد فَفِي كلأَرْبَعِينَ درهما دِرْهَم، وَلَيْسَ فِيمَا دون الْأَرْبَعين صَدَقَة، (انظر: نصب الراية: ٢/٣٦٧/٣٦٨).

(۷) وروى أَبُو عبيد الْقَاسِم بن سَلام فِي كتاب الْأَمْوَال : حَدثنَا يحيى بن بكير عَن اللَّيْث بن سعد عَن يحيى بن أَيُّوب عَن حميد عَن أنس، قَالَ: ولأني عمر بن الْخطاب، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، الصَّدقَات فَأمرنِي أَن آخذ من كل عشْرين دِينَارا نصف دِينَار، وَمَا زَاد فَبلغ أَرْبَعَة دَنَانِير فَفِيهِ دِرْهَم، وَأَن آخذ من كل مِائَتي دِرْهَم خَمْسَة دَرَاهِم، فَمَا زَاد فَبلغ أَرْبَعِينَ درهما فَفِيهِ دِرْهَم. (كتاب الْأَمْوَال لأبي عبيد: ص/ ۴۲۲)

حدیث باب کا جواب:

احناف کی طرف سے حدیث باب کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں بھی عاصم بن ضمرہ اور حارث اعور ضعیف رواۃ موجود ہیں، جن کی وجہ سے یہ حدیث مذکورہ متعدد اور صحیح روایات کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آگے اسی روایت کے دوسرے طریق میں یہ آرہا ہے کہ: ''فلا ادري أعلي يقول: فبحساب ذلك أو رفعه إلي النبيﷺ'' گویا حدیث کے اس جملہ کے متعلق راوی اظہار تردد فرمارہے ہیں، کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ جملہ حضرت علیؓ کا ہے یا انھوں نے مرفوعا نقل کیا ہے۔

گائے، بیل اور بھینس کا نصاب:

اگر یہ جانور بھی سائمہ ہیں تو پھر ان میں زکوٰۃ فرض ہوگی، حدیث شریف کے اس جزء ''وفي البقر في كل ثلاثين تبيع...'' سے انھیں کے نصاب کو بیان کیا جارہا ہے۔ حدیث شریف کی صراحت کے مطابق گائے، بیل کا کم سے کم نصاب ۳۰/ مویشی ہے، اس میں مقدار زکوٰۃ کی صراحت آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ تیس پر ایک تبیع (دوسالہ) اور چالیس پر ایک مسنہ (تین سالہ) بچھڑا یا بچھڑی ہے، یعنی اس میں مؤنث ومذکر برابر ہیں، جیسا کہ آگے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

پھر (۵۹) جانوروں تک تو یہ ہی تین سالہ بچھڑا یا بچھڑی رہے گی، اس کے بعد ساٹھ پر دوسال کے دو بچھڑے ہوں گے، اس کے بعد ہر دس کے اضافہ پر اسی ترتیب سے زکوٰۃ واجب ہوگی کہ تیس جانوروں پر تبیع یا تبیعہ اور ۴۰/ پر مسنہ ادا کیا جائے گا۔

دوسرے مسائل کی طرح زکوٰۃ کے باب میں بھی بھینس کا وہی حکم ہے جو گائے کا ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲/ ۲۲۲)

قوله: وليس على العوامل شيء: مویشی میں مویشی کی حیثیت سے اور مویشی والی زکوٰۃ کی شرح سے جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ اس وقت ہے جب کہ اس کی پرورش کا مقصود دودھ کا حصول اور افزائش نسل ہو، ایسے جانور جو بار برداری اور نقل وحمل کے لیے ہوں یا جن کو ذبح کر کے غذا بنائی جاتی ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، حدیث شریف کے اس جملے میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

قوله: ''وفي الإبل فذكر صدقتها كما ذكر الزهري'' یعنی اونٹوں میں بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، جیسا کہ تفصیل اس کی گزر چکی ہے ابواسحاق سبیعی نے اپنی سند سے بواسطۂ حضرت علیؓ اونٹوں کی زکوٰۃ کے نصاب کو اسی طرح نقل کیا جیسا کہ محمد ابن شہاب زہریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا تھا یعنی گذشتہ سے پیوستہ حدیث میں، لیکن ابواسحاق کی نقل کردہ حضرت علیؓ کی اس روایت میں ایک جملہ ایسا ہے جو زہری کی نقل کردہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں نہ تھا چناں چہ اس مختلف جملہ کو یہاں نقل فرمایا وہ یہ ہے۔

قوله: ''وفي خمس وعشرين خمسة من الغنم'' کہ اونٹوں کی تعداد پچیس ہو تو پانچ بکریاں زکوٰۃ میں فرض ہوں گی، یہ جملہ ایسا ہے جو ماقبل میں نقل کردہ روایات کے خلاف ہے، کیوں کہ ماقبل میں جتنی بھی روایات آئی ہیں، ان سب میں یہ تھا کہ چوبیس اونٹوں میں تو چار بکریاں فرض ہیں اور جب اونٹ پچیس ہوجائیں تو ایک بنت مخاض ہے، اسی

پر تمام علماء وفقہاء کا عمل بھی ہے۔

اب حضرت علیؓ کی اس حدیث کا یہ ٹکڑا دیگر صحیح روایات کے خلاف ہوا، صاحب منہلؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت علیؓ کی یہ روایت ہی ضعیف ہے کیوں کہ اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے جن کے ضعف پر تمام ہی ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے بلکہ بعض ائمہ جرح وتعدیل نے تو ان کو کذاب بھی کہا ہے، اس لیے یہ ماقبل میں ذکر کی گئی صحیح روایات کے مقابلہ میں قابل استدلال نہ ہوگی۔

قوله: ''وفي البنات ما سقت الأنهار'' حدیث کے اس ٹکڑے میں زمینی پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر اور نصف عشر کا بیان ہے، چوں کہ مصنفؒ نے زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کے تعلق سے مستقل عنوان قائم کیا ہے وہیں پر ہم بھی کلام کریں گے، اگر چہ ماقبل میں یہ تفصیل ہم بیان کر ہی چکے ہیں کہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کا نصاب متعین نہیں ہے، قلیل پیداوار ہو یا کثیر اس میں دسواں یا بیسواں حصہ ضروری ہوتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زمینی پیداوار کا بھی نصاب متعین ہے۔

قوله: ''وفي حديث عاصم والحارث'' ابو اسحاق نے اپنی حدیث میں جو کہ انھوں نے عاصم بن ضمرہ اور حارث اعور سے لی ہے، یہ بھی مذکور ہے کہ جن اموال میں بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے وہ سالانہ ہی فرض ہوتی ہے، ہر سال ہی زکوٰۃ دی جائے گی، اور بقول زہیر راوی کے یہ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ دی جائے گی۔

قوله: ''وفي حديث عاصم إذا لم يكن في الإبل ابنة مخاض'' الخ: یعنی ابو اسحاق نے جو روایت عاصم بن ضمرہ سے نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اگر زکوٰۃ میں دینے کے لیے بنت مخاض یا ابن لبون نہیں ہے اور فرض کسی کے ذمہ بنت مخاض یا ابن لبون ہی ہے تو پھر اس کی جگہ پر مالک ساعی زکوٰۃ کو ایک بنت لبون دے دے اور دس درہم یا دو بکریاں واپس لے لے، ''فعشرہ دراهم أو شاتان'' کا یہی مطلب ہے۔

لیکن باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ اونٹوں کی عمر کی کمی زیادتی کا تفاوت دو بکریوں یا بیس درہم سے کیا جاتا ہے نہ کہ دس درہم سے، یہ روایت ضعیف ہے۔

فقه الحديث: (۱) چاندی کا اقل نصاب دو سو درہم ہے۔

(۲) چاندی کے نصاف میں وقص بھی معاف نہیں۔

(۳) گائے، بیل اور بھینس کا اقل نصاب تیس جانور ہیں۔

(۴) بار برداری کرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۵) زکوٰۃ میں مال کی قیمت لینا بھی جائز ہے۔ (المنهل: ۹/ ۱۶۳، شرح عینی: ۶/ ۲۵۳)

١٥٧٣-حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، وَسَمَّى آخَرَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، وَالْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ أَوَّلِ هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ - يَعْنِي - فِي الذَّهَبِ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ، فَمَا زَادَ، فَبِحِسَابِ ذَلِكَ ، قَالَ: فَلَا أَدْرِي أَعَلِيٌّ يَقُولُ: فَبِحِسَابِ ذَلِكَ، أَوْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ، إِلَّا أَنَّ جَرِيرًا، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ .

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تیرے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوۃ واجب ہوگی، اور فرمایا: سونے میں تجھ پر کوئی زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ تیرے پاس بیس دینار نہ ہو جائیں، جب بیس دینار ہو جائیں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو ان میں آدھا دینار دینا ہوگا، پھر جتنے زیادہ ہوں ان پر اس حساب سے (چالیسواں حصہ) دینا ہوگا، ابواسحٰق نے کہا: کہ مجھے یاد نہیں کہ پھر اسی حساب سے دینا ہوگا حضرت علیؓ کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ کا، اور کسی مال میں زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گذر جائے، ابن وہب کہتے ہیں کہ جریر نے حدیث میں عن النبی ﷺ کا اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ: کسی مال میں زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گذر جائے۔

رجال حدیث: قوله: "وَسَمَّى آخَرَ" یہ راوی حدیث سلیمان کا کلام ہے، اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ عبداللہ بن وہب نے اس حدیث کو اپنے استاذ جریر کے ساتھ کسی دوسرے شیخ سے بھی روایت کیا ہے، اس دوسرے شیخ کا انھوں نے نام بھی لیا لیکن مجھے یہ نام یاد نہیں رہا۔

صاحب منہل نے لکھا ہے کہ دوسرے شیخ سے مراد حارث بن نبہان ہیں، لیکن جریر اور حارث بن نبہان کا سماع ابواسحاق سے نہیں ہے اس لیے یہ روایت سند میں ایک راوی کے انقطاع کی وجہ سے بھی معلول ہے۔

١٥٧٣-أخرجه ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: من استفاد مالا (١٧٩٢) طرفامنه.

تشریح حدیث: قوله: ''بعض أوّل الحديث'': حضرت علیؓ نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے حدیث سابق کے شروع کے بعض حصہ کو نقل کیا جس میں چاندی کا نصاب مذکور ہے، اسی طرح سونے کا نصاب بھی مذکور ہے۔

قوله: ''وحالَ عليها الحولُ'' زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے شریعت نے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں، انھیں شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی جس کو ''حَالَ عليها الحول'' سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سال کا گزرنا:

حضرات فقہاء کا اتفاق ہے کہ مختلف مالوں میں زکوٰۃ کا جو نصاب شریعت نے مقرر کیا ہے اس کے مالک ہونے کے بعد سال گزر جائے تب ہی زکوٰۃ واجب ہوگی، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کسی مال میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک اس پر سال نہ گزرے، حضرت علیؓ کی اس حدیث میں تمام اموال کی بجائے صرف سونے اور چاندی کا ذکر ہے، البتہ اس سے زرعی پیداوار اور پھل مستثنیٰ ہیں، کھیت کی پیداوار تو جوں ہی کٹے اور پھل توڑے جائیں اسی وقت عشر نکال دینا ضروری ہے۔

درمیان سال مال کی کمی بیشی:

اگر سال کے درمیان مقدار نصاب میں کمی ہو جائے تو سونا، چاندی، نقدی اور تجارتی سامانوں میں اصول یہ ہے کہ اگر اس مال کا کچھ حصہ بھی باقی ہے تو درمیان سال میں کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں ہوگا، اختتام سال پر مقدار نصاب یا اس سے زیادہ جتنا مال موجود ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مال مستفاد کا حکم:

اگر سال کے درمیان مال میں اضافہ ہو جائے تو اگر اضافہ شدہ مال اصل نصاب کی جنس سے ہے لیکن کسی مستقل ذریعہ سے حاصل ہوا ہو مثلاً گائیں نصاب کی بقدر تھیں اور درمیان سال میں کسی نے مزید گائیں ہبہ کر دیں، یا ابتداء سال میں پچاس ہزار روپۓ تھے درمیان سال میں مزید پچاس ہزار روپۓ حاصل ہوئے تو احناف کے نزدیک ان اضافہ شدہ گایوں یا روپیوں پر بھی سال گزرنا ضروری نہیں، وہ اصل نصاب کے تابع ہیں حضرات فقہاء کی اصطلاح میں حاصل ہونے والے اس مال کو مال مستفاد کہا جاتا ہے۔

ہمارے مصنفؒ نے تو اصلاً اس مال مستفاد کے سلسلہ میں نہ کوئی حدیث ذکر کی ہے اور نہ ہی کوئی ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، جب کہ امام ترمذیؒ نے اس باب میں حدیث پیش کی ہے اور مستقل ترجمہ قائم کیا گیا ہے۔

لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مال مستفاد کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کے یہاں اختلاف بھی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر اس کی وضاحت کر دی جائے۔

مال مستفاد کی تین صورتیں:

پہلی صورت یہ کہ مال مستفاد مالِ سابق کی جنس سے نہ ہو، مثلاً کسی کے پاس سونا چاندی بقدر نصاب تھا اور سال کے دوران اس کے پاس پانچ اونٹ بھی آ گئے، اس کا حکم یہ ہے کہ مالِ مستفاد کو مالِ سابق میں ضم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ دونوں پر الگ الگ سال گذرنا ضروری ہوگا، یہ صورت فقہاء کے درمیان اتفاقی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مالِ مستفاد مالِ سابق کی جنس سے ہو اور مال سابق سے ہی حاصل ہوا ہو، مثلاً بکریاں پہلے سے موجود تھیں دورانِ سال ان کے بچے پیدا ہو گئے، اس کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس مالِ مستفاد کو مالِ سابق کے ساتھ ضم کیا جائے گا، اور مالِ مستفاد کی زکوٰۃ بھی مالِ سابق ہی کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

تیسری صورت اختلافی ہے اور یہ وہی ہے جس کا ذکر اس عنوان کے تحت شروع میں آیا ہے کہ مالِ مستفاد مالِ سابق کی جنس سے تو ہو لیکن اس کی نما نہ ہو بلکہ ملک کے کسی سبب جدید کی وجہ سے وہ مال حاصل ہوا ہو مثلاً کسی کے پاس نقد روپیہ موجود تھا اور دورانِ سال اس کو کچھ اور روپیہ ہبہ یا میراث وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہو گیا تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس قسم کے مال کو مالِ سابق کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کا سال الگ شمار کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب:

امام صاحبؒ کے نزدیک اس قسم کے مال کو بھی مالِ سابق کے ساتھ ضم کیا جائے گا، اور اس کی زکوٰۃ بھی مال سابق کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال:

حضرات ائمہ ثلاثہ نے اپنے مسلک پر سنن ترمذی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جس کو حضرت ابن عمرؓ نے

مرفوعاً نقل کیا ہے فرمایا: ''من استفاد مالاً فلا زكوٰة فيه حتي يحول عليه الحول عند ربه''

حنفیہ کا نقطۂ نظر اس حدیث کے بارے میں یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ مالِ مستفاد مال سابق کی جنس سے نہ ہو ایسی صورت میں حولان حول سے قبل زکوٰۃ فرض نہ ہوگی؛ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اس تیسری صورت مال مستفاد کو مالِ سابق کے ساتھ ضم نہ کیا جائے تو ہر روپیہ کا الگ الگ سال شمار کرنا پڑے گا، اب اگر کسی شخص کو روزانہ کچھ حاصل ہو تو وہ ہر روز کی رقم کا علیحدہ حساب رکھے گا حالاں کہ اس میں سخت حرج ہے اور حرج شریعت میں مدفوع ہے۔

قوله: ''قال: فلا أدري الخ'': حضرت علیؓ سے روایت کرنے والے عاصم بن ضمرہ یا حارث اعور نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ ''فما زاد فبحساب ذٰلك'' یہ کلام حضرت علیؓ کا ہے یا رسول اللہ ﷺ کا، گویا راوی کو اس جملے کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

قوله: إلا أن جريرًا قال الخ: اس کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل یہ ہے: ''قال ابن وهب : إلا أن جريراً'' اس میں ''جريرًا'' اِن کا اسم ہے اور جملہ ''يزيد في الحديث الخ'' اس کی خبر ہے، اور ''قال ابن وهب'' اسم وخبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اور مقصود مصنفؒ کا اس عبارت سے یہ بیان کرنا ہے کہ ''وليس في مالٍ زكوٰة الخ'' کو ابن اسحاق سے جریر نے مرفوعاً نقل کیا ہے، جریر کے علاوہ جو حضرات ابن اسحاق سے اس جملہ کو نقل کرتے ہیں وہ اس کو حضرت علیؓ سے موقوفاً نقل کرتے ہیں۔

۱۵۷۴- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ. عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، كَمَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ، وَرَوَاهُ شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى حَدِيثَ النُّفَيْلِيِّ، شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ وَغَيْرُهُمَا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَلِيٍّ

۱۵۷۴- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والورق (۶۲۰)، ابن ماجه كتاب الزكاة باب: زكاة الورق والذهب (۱۷۹۰).

لَمْ يَرْفَعُوهُ، أَوْقَفُوهُ عَلَى عَلِيٍّ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور لونڈی وغلام کی زکوۃ معاف کردی ہے، پس چاندی کی زکوۃ دو ہر چالیس درہم پر ایک درہم؛ لیکن خیال رہے ایک سو نوے درہم میں زکوۃ نہیں ہے جب دوسو درہم پورے ہوں گے تب زکوۃ واجب ہوگی، اور زکوۃ میں پانچ درہم دینے ہوں گے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: ابوعوانہ کی طرح اعمش نے بھی ابواسحق سے یہ روایت نقل کی ہے، اور اسی طرح شیبان ابومعاویہ اور ابراہیم بن طہمان نے بواسطہ ابواسحق بسند حارث بروایت علیؓ نبی ﷺ سے روایت کیا ہے، اور شعبہ اور سفیان وغیرہ نے بواسطہ ابواسحق بسند عاصم حضرت علیؓ سے نفیلی کی حدیث (جو آگے آرہی ہے) نقل کی ہے، ان حضرات نے حدیث کو نبی ﷺ سے مرفوعا نقل نہیں کیا؛ بلکہ حضرت علیؓ پر موقوف کیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث بھی حضرت علیؓ کی ہے، اس میں جہاں چاندی کی زکوۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے وہیں پر گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ کی معافی کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ معاف کردی ہے، لیکن حضرات فقہاء کرام کے مابین اس مسئلہ میں ہے اختلاف، اور اختلاف کی وجہ روایات کا اختلاف ہے۔

گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ:

جو گھوڑے اپنی سواری اور غلام خدمت کے لیے ہوں ان پر بالاتفاق زکوۃ نہیں، اور جو گھوڑے اور غلام تجارت کے لیے ہوں ان پر بالاتفاق زکوۃ ہے۔ (فتح الباری: ۳/ ۲۵۸)

البتہ ان گھوڑوں کی زکوۃ کے بارے میں اختلاف ہے جو گھوڑے تناسل کے لیے ہوں اور سائمہ ہوں، حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور احناف میں سے صاحبینؒ کے نزدیک ان پر زکوۃ فرض نہیں ہے۔

جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر گھوڑوں میں نر اور مادہ دونوں مخلوط ہوں اور سال کا اکثر حصہ جنگل اور چراگاہوں میں چرتے ہوں اور ان سے مقصود افزائش نسل ہو تو ان میں زکوۃ فرض۔ ہے اور قول صحیح کے مطابق چوں کہ ان گھوڑوں کا نصاب متعین نہیں ہے، اس لیے ادائے زکوۃ میں مالک کو اختیار ہے کہ جس تعداد میں بھی گھوڑے اس کے پاس ہوں ان میں چاہے تو بطور زکوۃ فی راس ایک دینار دے دے، اور اگر چاہے تو قیمت متعین کر کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم ادا کرے، یہ تو ہے احناف کا اصل مسلک، لیکن فتاویٰ قاضی خان، درمختار اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ حنفی علماء کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

حضرات ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا استدلال حدیث باب سے ہے اور اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه" اسی طرح روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، ان روایات میں صراحت کے ساتھ گھوڑوں میں مطلقاً زکوۃ کی نفی کی گئی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:

صحیح مسلم (۱/ ۳۱۹، باب اثم مانع الزكوة، حدیث/ ۹۸۷) کی مشہور و معروف روایت ہے، جس میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔

الْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ: هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، فَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ وِزْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَفَخْرًا وَنِوَاءً عَلَى أَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ، وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ سِتْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي ظُهُورِهَا وَلَا رِقَابِهَا، فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فِي مَرْجٍ وَرَوْضَةٍ، فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذَلِكَ الْمَرْجِ، أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ، إِلَّا كُتِبَ لَهُ، عَدَدَ مَا أَكَلَتْ حَسَنَاتٌ، وَكُتِبَ لَهُ، عَدَدَ أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا، حَسَنَاتٌ، وَلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا، أَوْ شَرَفَيْنِ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ عَدَدَ آثَارِهَا وَأَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ، وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلَى نَهْرٍ، فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيدُ أَنْ يَسْقِيَهَا، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ، عَدَدَ مَا شَرِبَتْ، حَسَنَات . قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَالْحُمُرُ؟ قَالَ: مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ، إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ : {فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ} [الزلزلة:۸]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں ہیں، ایک وہ جو آدمی کے لیے وبال ہے، دوسرے وہ جو آدمی کے لیے ڈھال ہے، اور تیسرے وہ جو آدمی کے لیے باعث اجر و ثواب ہے، اس میں دوسری قسم کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ وہ گھوڑے ہیں جن کو آدمی اللہ کے واسطے پالے، پھر ایسے گھوڑوں کے بارے

میں حدیث میں اللہ تعالیٰ کے دو حقوق کا ذکر ہے، ایک حق گھوڑوں کی ظہور میں ہے اور وہ حق یہ ہے کہ کسی شخص کو سواری کے لیے عاریۃً دے دیا جائے، اور دوسرا حق رقاب میں ہے جو سوائے زکوٰۃ کے اور کیا ہوسکتا ہے؟

دوسری مضبوط دلیل یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور وہ ہر گھوڑے سے ایک دینار وصول فرمایا کرتے تھے، شرح معانی الآثار میں امام زہریؒ حضرت سائب بن یزید کا اثر نقل فرماتے ہیں: ''أنّ السائب بن يزيد أخبره قال: رأيت أبي يقوّم الخيل ويدفع صدقتها إلى عمربن الخطاب'' (طحاوی شریف: ۱/ ۲۶۰)

حدیث باب کا جواب:

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ جن گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے ان سے سواری کے گھوڑے مراد ہیں، جن میں ہم بھی زکوٰۃ کے قائل نہیں ہے، پھر حدیث کے عموم پر تو حضرات ائمہ ثلاثہ کا بھی عمل نہیں ہے وہ بھی فرماتے ہیں کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ ہے، تو جس طرح ائمہ ثلاثہ نے حدیث باب سے تجارت کے گھوڑوں کا استثناء کرلیا ہے اسی طرح احناف نے افزائش کے لیے پالے گئے سائمہ گھوڑوں کا بھی استثناء کرلیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں زکوٰۃ ہے۔ واللہ اعلم

قوله: ''قال أبوداؤد: روي هذا الحديثَ الأعمش...'' اس حدیث کو ابواسحاق سبیعی سے جس طرح ابوعوانہ نے بواسطۂ عاصم مرفوعاً نقل کیا ہے اسی طرح سلیمان اعمش نے بھی بواسطہ عاصم مرفوعاً ہی نقل کیا ہے، ان دونوں نے حارث اعور کا واسطہ نقل نہیں کیا، جب کہ ابومعاویہ اور ابراہیم بن طہمان نے ابواسحاق سے بواسطہ حارث اعور مرفوعاً نقل کیا ہے اور شعبہ وسفیان نے بواسطہ عاصم تو نقل کیا ہے لیکن مرفوعاً نقل نہیں کیا بلکہ حضرت علیؓ پر موقوفاً نقل کیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ابواسحاق کے تلامذہ نے جب اس حدیث کو بواسطہ عاصم نقل کیا ہے تو مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح نقل کیا ہے اور جب ابواسحاق کے تلامذہ نے اس کو بواسطہ حارث اعور نقل کیا ہے تو مرفوعاً نقل کیا ہے، موقوفاً نہیں؛ عبداللہ بن محمد نفیلی کی روایت دو حدیث سے پہلے گذر چکی ہے، جس کا حوالہ مصنف اب دے رہے ہیں۔

صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ مناسب تھا کہ ''وروي حديث النفيلي شعبة وسفيان...'' یہ کلام نفیلی کی حدیث کے بعد ہی ہونا چاہیے تھا۔ (المنہل: ۹/ ۱۶۹)

مصنفؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث کو تین طریق سے تو موصولاً ذکر فرمایا ہے اور بقیہ تعلیقات کو نقل کیا ہے، مگر سب تعلیقات وموصولات کا مدار حارث اعور اور عاصم بن ضمرہ پر ہی ہے اور یہ دونوں ائمہ جرح وتعدیل کے یہاں متکلم فیہ رواۃ میں سے ہیں۔

۱۵۷۵- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَأَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِي أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَلَا يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا - قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ مُؤْتَجِرًا بِهَا - فَلَهُ أَجْرُهَا، وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ، عَزْمَةٌ مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ، لَيْسَ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ

ترجمه: حضرت بہز بن حکیم بسند والد اپنے دادا (معاویہ ابن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنگل سے چرنے والے چالیس اونٹ ہوں تو ایک بنت لبون دینی ہوگی اور (زکوۃ سے بچنے کی غرض سے) اونٹ اپنے مقام سے جدا نہ کئے جائیں، جو شخص اجر پانے کے لیے زکوۃ ادا کرے گا اسکو اسکا اجر ملے گا، اور جو شخص زکوۃ کو روکے گا ہم اس سے زکوۃ وصول کریں گے، اور بطور سزا اسکا آدھا مال لے لیں گے، یہ اللہ تعالی کے احکام میں سے ایک تاکیدی حکم ہے اور آل محمد ﷺ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "في كلّ سائمة ابل الخ" یعنی سائمہ اونٹوں میں ہر چالیس میں ایک بنت لبون دینی ہوگی، شوافع وغیرہ کے نزدیک تو یہ محمول ہے ایک سو بیس اونٹوں کے بعد کے اعداد پر کہ چالیس میں بنت لبون اور پچاس میں حقہ، اور ہمارے نزدیک محمول ہے ایک سو پچاس کے بعد کے اعداد پر۔

قوله: "من أعطاها مؤتجراً" "مؤتجر" صیغہ اسم فاعل ہے أجرٌ سے أي طالبًا للأجر یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے زکوۃ دے تو اس کو اس کا اجر ملے گا، ابن العلاء کی روایت میں "بها" کا لفظ زیادہ ہے۔

قوله: "ومن منعها فإنا أخذوها وشطرَ مالِه" جو شخص زکوۃ کو روکے گا تو ہم اس سے زکوۃ کو وصول کریں گے اور سزاءً اس کا آدھا مال بھی لیں گے۔

مالی سزا:

فقہاء میں سے حنابلہ کے یہاں اس حدیث پر عمل ہے وہ عقوبت مالیہ کی اجازت دیتے ہیں لیکن دیگر فقہاء کے نزدیک یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے۔ (شرح ابوداود للعینی: ۶/ ۲۶۱) ان کے یہاں عقوبت مالیہ کی اجازت نہیں ہے

۱۵۷۵- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: سقوط الزكاة عن الإبل (۵/ ۲۵).

صاحب بذل نے لکھا ہے کہ شروع زمانہ اسلام میں بعض عقوبات مالیہ کی اجازت تھی، بعد میں یہ منسوخ ہوگئی، جیسا کہ کسی کے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو توڑنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''مَنْ خرج بشيئ منه فعليه غرامه مثليه والعقوبة'' کہ اگر کوئی کسی کے پھل توڑ کر لے جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہوگا اور سزا بھی ہوگی، اسی طرح گم شدہ اونٹ کو چھپانے والے کے بارے میں فرمایا: ''غرامتها ومثلها معها'' کہ اس پر اسی کی مانند تاوان ہوگا؛ مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے نسخ کی ہی ہے۔

لیکن امام نوویؒ کی رائے نسخ کی نہیں ہے، بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ: ''دعوي النسخ غير مقبوله'' ان کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں ''شطو ماله'' بصیغۂ مجہول ہے بصیغہ معروف نہیں، یعنی بضم الشین وکسر الطاء المشددۃ وبفتح الراء ''شُطِّرَ مَالُهٗ'' اور مطلب یہ ہے کہ ایسے آدمی کی زکوٰۃ اس طرح لی جائے گی کہ اس کے مال کے دو حصے کیے جائیں گے ایک حصہ ردی اور ایک عمدہ، پھر عمدہ مال میں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی، جب کہ عام حالات میں مال کے تین حصے ہوتے ہیں اور متوسط لیا جاتا ہے؛ چناں چہ النہایہ میں امام حربی کے حوالے سے لکھا ہے: ''قال الحربي: غلط الراوي في لفظ الرواية وإنما هو ''وشُطِّرَ مَالُهٗ'' أي يُجْعَلُ ماله شطرين ويتخير عليه المصدق فياخذ الصدقة من خير النصفين عقوبة لمنعه، فأما مالا تلزمه فلا'' (النہایۃ في غریب الحدیث: ۲/ ۴۷۴)

۳ جب کہ تیسری رائے یہ بھی ہے کہ حدیث باب ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں بہز بن حکیم راوی ضعیف ہیں، حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے: ''ليس بهزحجة وهٰذا الحديث لايثبته أهل العلم ولوثبت لقلنا به'' (المنہل العذب المورود: ۹/ ۱۷۱)

۳ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے بارے میں معلوم کیا گیا تو فرمایا: ''ماادري ماوجهه'' (التلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر: ۲/ ۳۵۷)

چوتھی رائے اس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ اگر حدیث باب ہم قابل استدلال بھی مان لیں تب بھی اس سے عام عقوبت مالیہ کو ثابت کرنا غلط ہوگا، بلکہ اس کو خاص رکھا جائے گا مانع زکوٰۃ کے ساتھ کہ یہ سزا صرف مانع زکوٰۃ کی ہے اور کسی کی نہیں کیوں کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''كل المسلم علي المسلم حرام دمه وماله وعرضه'' واللہ اعلم

قوله: ''عزمة من عزمات ربنا'': عَزْمَةٌ کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، مرفوع تو اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، تقدیری عبارت ہے: ''ذٰلك عزمة'' اور منصوب اس لیے پڑھا جا سکتا ہے کہ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور تقدیری عبارت ہے ''عزم الله علينا عزمة'' اور عَزْمَة کے لغوی معنی ہیں کسی کام میں مضبوطی اور پختگی اور مراد

اس جگہ حق واجب ہے کیوں کہ "عزمات اللہ" سے مراد اس کے حقوق اور واجبات ہی ہوا کرتے ہیں لہٰذا اس جملے کا ترجمہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبہ میں سے ایک حق واجب ہے یا اللہ کے تاکیدی احکام میں سے ایک تاکیدی حکم ہے۔

قوله: "ليس لآل محمد منها شيئ" زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے میرے گھر والوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے: زکوٰۃ کا مال تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ویسے بھی حلال نہیں ہے۔ (بذل المجهود: ٦/٣٧١)

١٥٧٦- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مُعَاذٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعًا، أَوْ تَبِيعَةً، وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً، وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ - يَعْنِي مُحْتَلِمًا - دِينَارًا، أَوْ عَدْلَهُ مِنَ الْمَعَافِرِ - ثِيَابٌ تَكُونُ بِالْيَمَنِ -.

ترجمه: حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انکو (زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے) یمن کی طرف بھیجا تو آپ ﷺ نے ہر تیس گائے بیل میں سے ایک سال کی عمر کا بیل یا ایک سال کی عمر والی گائے لینے کا حکم فرمایا اور ہر چالیس گائے بیلوں پر دو سال کی گائے لینے کا حکم فرمایا اور (جزیہ کے طور پر غیر مسلم سے) ہر بالغ مرد سے ایک دینار لینے کا یا اسکے بدلہ میں معافر یعنی یمن کے بنے ہوئے کپڑے لینے کا حکم فرمایا۔

تشریح حدیث: حدیث شریف میں دو مسئلے ذکر کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ گائے، بیل کی زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے دوسرا مسئلہ ہے جزیہ کا یہ دوسرا مسئلہ تفصیل طلب ہے، بالخصوص موجودہ زمانہ میں جزیہ کو حیرت اور تنقید کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لیے ہم اولاً حدیث کے کلمات کی وضاحت کرتے ہیں اس کے بعد مسئلہ جزیہ کے سلسلہ میں کچھ تفصیلات نقل کریں گے۔

قوله: "من كل حالم" حالم کے معنی بالغ کے ہیں، جس کو محتلم بھی کہا جاتا ہے، جزیہ کے لیے کافر کا بالغ ہونا شرط ہے جیسا کہ ذکورت اور آزادی بھی شرط ہے۔

قوله: "أو عدله من المعافر" بعض نسخوں میں "المعافری" ہے، اور "عدله" عین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، بمعنی مثل اور برابر، اور مَعَافِر، مساجد کے وزن پر ہے جو کہ یمن میں جگہ کا نام ہے یہاں جو کپڑے تیار ہوتے تھے ان کو معافری کہا جاتا تھا۔

١٥٧٦- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في زكاة البقر (٦٢٣)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة البقر (٥/٢٥/٢٦)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: صدقة البقر (١٨٠٣).

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ فرمایا تھا ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اہل ذمہ سے جزیہ وصول کریں، جس کا نصاب یہ ہوگا کہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کیا جائے گا اور اگر دینار نہ ہوتو اس کے بدلے معافرنامی کپڑے کو لے لیا جائے جس کی قیمت ایک دینار ہو

مصنفؒ نے اس حدیث کی دوسندیں اور بھی ذکر فرمائی ہیں۔

جزیہ کی حقیقت

جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد غیر مسلم آبادی سے وصول کیا جاتا ہے۔ جب مسلمان کسی ملک کو فتح کرتے تھے تو وہاں کی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کرتے۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول نہ کرتے تو ان سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ جو لوگ جزیہ دیتے تھے انھیں اہل ذمہ یا ذمی کہتے تھے۔ ان کو اپنی عبادت اور مذہبی رسوم ادا کرنے میں پوری آزادی ہوتی تھی۔ اوران کی حفاظت حکومت کا فرض ہوتا تھا۔ وہ جنگی خدمات سے بھی آزاد ہوتے تھے۔ جبکہ مسلمانوں پر جنگی خدمت فرض تھی۔ بوڑھوں، بچوں، اپاہجوں، غلاموں، اور پاگلوں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا تھا۔

جزیہ ہر بالغ مرد اور عورت سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق نقد یا اس کی صورت میں لیا جاتا تھا۔ اس کی کم سے کم رقم ایک دینار اور زیادہ سے زیادہ چار دینار سالانہ تھی۔ جزیہ ترکان عثمانی کی حکومت میں جاری رہا۔ جزیہ کی ساری رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ ابتدا میں جزیہ ادا کرنے والے کے گلے میں جست کی مہر لٹکا دی جاتی تھی۔ لیکن خلیفہ ہشام نے اس کی جگہ باقاعدہ تحریری رسید کا طریقہ رائج کیا۔ جزیہ شخصی اور ذاتی محصول تھا اور خراج علاقائی محصول جو زمین پر لگتا تھا۔

جزیہ دراصل ایک طرح کا اسلامی ٹیکس ہے جو اسلامی ریاست میں غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے لیا جاتا ہے۔ صاحب حیثیت مسلمانوں سے ڈھائی فیصد زکوۃ لی جاتی ہے اور عاقل، بالغ، صحت مند، توانا، آزاد غیر مسلم مردوں پر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے جزیہ لیا جاتا ہے

جزیہ کے دو قابل اعزاز پہلو

جزیہ کے دو قابل اعزاز پہلو ہیں ایک اسلام کے حق میں اور دوسرا اسلامی ریاست کے غیر مسلم اقلیتوں کے حق میں۔ اسلام کے حق میں قابل اعزاز پہلو یہ ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و سطوت کا ظہور ہوتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے معاوضہ دینا پڑے گا۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کے لیے

قابل اعزاز پہلو یہ ہے کہ وہ معمولی رقم اسلامی ریاست کو دے کر (حکومت کو ٹیکس دینا کوئی معیوب یا قابل ذلت بات نہیں، کم سے کم اس جمہوری عہد میں یہ بات سمجھانے کی نہیں ہے) اپنی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر کر لیتے ہیں انہیں تمام تر مذہبی، سماجی، انسانی اور مساواتی حقوق مل جاتے ہیں۔ ان کا مقام اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ ادا کرنے والے غیر مسلموں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ: ”جس نے کسی ذمی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی“ (طبرانی) ”معاہدہ والے شخص پر جس نے ظلم کیا، یا اس کی حق تلفی کی، یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈالا، یا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔“ (ابوداؤد)

جزیہ کن لوگوں سے؟

قرآن مجید میں ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبہ: ۲۹) ”جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں سے جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے اس کو حرام نہیں ٹھہراتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ استطاعت کے مطابق جزیہ دیں، (مملکتِ اسلامی) کی ماتحتی قبول کرتے ہوئے“۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ہم اہل کتاب سے جنگ کے بعد ان پر غالب ہوں گے تو وہ ہمیں جزیہ دیں گے۔ اور ہم ہر ایک اہل کتاب سے جنگ نہیں کریں گے، بلکہ ہماری جنگ تو اُن سے ہوگی جو ہم سے برسرِ جنگ ہوں گے اور ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے یا اسلامی مملکت کے لیے خطرہ بنیں گے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۹۰ میں اس بات کی پوری طرح وضاحت کر دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔“

جزیہ والی آیت میں لڑائی کا حکم صرف اُن کے لیے ہے جو ہم سے لڑیں اور جن لوگوں نے ہم سے جنگ نہیں کی، اُن سے جنگ کرنا کھلی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کسی حال میں پسند نہیں کرتا ہے۔ اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ:۸۔۹)

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تو تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہارے گھروں سے تمہیں نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو اہل کتاب (یہودی وعیسائی) اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے بستے ہیں اور تعمیر وترقی کے کاموں میں مخلصانہ شرکت کرتے ہیں اور ملک کے ساتھ ان کی وفاداری ہے تو ایسے لوگوں سے لڑائی کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور ایسے لوگوں سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔

غیر مسلموں سے جزیہ کے تحت معاہدہ کر لینے کے بعد ان کی جان محفوظ ہو جاتی ہے، کیوں کہ قرآن مجید میں ہے کہ جب تک یہ جزیہ نہ دیں، اس وقت تک ان سے جنگ کرتے رہو اس لیے جزیہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ان کی جان کی حفاظت کریں گے اور شریعت میں مال اور عزت وآبرو کو جان کے تابع مانا گیا ہے، اس لیے اسلامی ریاست پر ان کی حفاظت بھی لازمی ہوگی۔

کیا جزیہ غیر مسلموں پر زیادتی ہے؟

انسان جس طرح جسمانی طور پر زمانے کے چند لمحوں اور روئے زمین کے بعض حصوں میں محدود ہوتا ہے وہ ذہنی طور پر بھی اپنے ہی زمانے اور خطے کا تجزیہ کر پاتا ہے وہ ماضی کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور مستقبل سے بھی اسے خاص دلچسپی نہیں ہوتی - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محدود وقت اور ماحول میں جو چیز اسے اچھی لگتی ہے اسے ہی وہ اچھا سمجھتا ہے اور اس کے خلاف ہر چیز پر ناجائز وحرام ہونے کا عقلی فتویٰ دے ڈالتا ہے۔ موجودہ جمہوری عہد میں جی رہے بہت سے انسان اسی لیے

جزیہ کو غلط سمجھنے لگتے ہیں، کیوں کہ ٹیکس کا موجودہ تصور سب کے لیے یکساں ہے جب کہ بادشاہی دور میں ایسا نہیں تھا- بادشاہی دور میں بادشاہ کے مذہب کے خلاف عقیدہ رکھنے والے یا تو مارے جاتے یا غلام بنا کر رکھے جاتے- اسلامی دور، بادشاہی دور اور جمہوری دور کے بیچ کا دور ہے اور دونوں سے متوازن ہے- اس نے دوسرے مذہب والوں کو قتل نہیں کیا یا غلام نہیں بنایا بلکہ ایک متعین ٹیکس مقرر کر کے مساوی مذہبی، سماجی، تجارتی شہریت دے دی اور جان و مال کی مکمل حفاظت کی ضمانت لے لی- اس طرح جزیہ غیر مسلموں پر ظلم نہیں بلکہ سراپا انصاف اور رحمت ہے- انصاف سے دیکھا جائے تو اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا ٹیکس مخصوص کر کے مسلمانوں کے بالمقابل انہیں کئی جہت سے آسانیاں فراہم کردی گئیں-

(۱) زکوٰۃ تمام مالک نصاب مسلم مردوں اور عورتوں سے لی جائے گی جب کہ جزیہ صرف غیر مسلم مردوں سے لیا جائے گا عورتوں سے نہیں لیا جائے گا-

(۲) جزیہ اس سے وصول کیا جائے گا جو صحت مند ہو، جو ہمیشہ بیمار رہتا ہو، یعنی ایسا غیر مسلم جو جنگ کر ہی نہیں سکتا اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جبکہ زکوٰۃ کے اندر مسلمانوں کے لیے ایسی کوئی رعایت نہیں ہے-

(۳) لنگڑے، لولے، اندھے اور بہت بوڑھے شخص سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جبکہ زکوٰۃ ایسے تمام مسلمانوں سے وصول کی جائے گی-

(۴) زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے اعتبار سے ادا کرنی ہوتی ہے، دولت جتنی بڑھتی جائے گی زکوٰۃ کی رقم اسی فیصدی تناسب سے بڑھتی چلی جائے گی جبکہ جزیہ کے اندر ایسا نہیں ہے- اسلامی ریاست کے ذمیوں کو مالی حیثیت کے اعتبار سے تین خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان کے لیے رقم متعین کر دی گئی ہے وہ رقم بڑھ نہیں سکتی- اس تقسیم کی تفصیل میں علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: "اہل ذمہ تین قسم کے ہیں، غنی، متوسط اور فقیر- غنی کو ایک سال میں ۴۸ درہم (۱۶۴.۹۶۶۴ گرام چاندی=تقریباً ۵۶,۰۰ روپے) متوسط کو ۲۴ درہم (۸۲.۴۸۳ گرام چاندی=تقریباً ۲۸,۰۰ روپے) اور کام کاج کرنے والے عام آدمی کو ۱۲ درہم (۴۱.۲۴۱۶ گرام چاندی=تقریباً ۱۴۰۰ روپے) ادا کرنا ہوگا- (بدائع الصنائع)

جو مسلمان ۲۰۰ درہم ۶۱۲.۳۶ گرام چاندی=تقریباً ۱۴۰۰۰ روپے) کا مالک ہو وہ غنی ہے- فرض کر لیجیے اگر ایک مال دار مسلمان کے پاس ایک ملین (دس لاکھ) درہم ہیں تو سو میں ڈھائی درہم کے حساب سے اس پر سالانہ پچیس ہزار درہم زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ زکوٰۃ کی فرضیت کی جو شرعی مقدار ہے، اس کے حساب سے ہوگا۔ لیکن اگر اس مسلمان کا ایک عیسائی پڑوسی بھی ایک ملین (دس لاکھ) درہم کا مالک ہے تو اسے سالانہ صرف ۴۸ درہم ہی بطور جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایک عیسائی جزیہ کے طور پر حکومت کو جتنا دے گا، مسلمان اس سے پانچ سو گنا زیادہ حکومت کو بطور زکوٰۃ دے گا۔

(۵) اسلامی ریاست کا غیر مسلم اپنا مخصوص ٹیکس ادا کر کے راحت پالیتا ہے جب کہ مسلمان کو معدنیات، زرعی پیداوار، جانور، سونا چاندی اور کرنسی اور مال تجارت جیسی تمام چیزوں کی الگ الگ زکوۃ نکالنی پڑتی ہے۔ان تفصیلات کو نظر میں رکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں جزیہ کا قانون غیر مسلموں پہ زیادتی ہے؟

جزیہ کی تاریخ

جزیہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مختلف ناموں سے اقوام عالم میں رائج رہا ہے۔اور یہ مغلوب اقوام پر ان کی تذلیل اور انھیں نفسیاتی لحاظ سے پست کرنے کے لیے لاگو کیا جاتا رہا ہے۔اس طرح مغلوب اقوام سے انتقام لینے کے لیے بغض وعناد پر مبنی یہ ایک کارروائی تھی۔لیکن اسلام نے مغلوب اقوام پر جزیہ اس لیے لاگو کیا تا کہ ان کے عقائد، ان کے اموال اور عزت وناموس کی حفاظت کرے اور انھیں اس لائق بنائے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ شہری حقوق سے یکساں طور پر متمتع ہوسکیں۔اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلمان فاتحین اور مغلوب اقوام کے درمیان طے پانے والے معاہدوں میں ان کے عقائد اور اموال واعراض کی حمایت وحفاظت کا بطور خاص ذکر ہوتا تھا۔اسی طرح کا ایک معاہدہ مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ''ناطف'' نام کے ایک عیسائی پادری کے ساتھ کیا تھا: ''میں نے آپ لوگوں سے جزیہ اور حفاظت کا معاہدہ کیا ہے۔اگر ہم آپ کی حفاظت کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق ہوگا۔بصورت دیگر ہمیں جزیہ لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، جب تک کہ ہم آپ کی حفاظت نہ کریں۔'' (تاریخ البلاذری)

اور ان معاہدات سے متعلق ایسے تاریخی شواہد موجود ہیں جو بغیر کسی شک اور تردد کے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ جزیہ اُسی اصول کی بنیاد پر لیا ہے جو سابقہ سطور میں بیان ہوا ہے۔اسلامی تاریخ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کس طرح اہل حمص کا جزیہ واپس کر دیا تھا اور ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے اہلِ دمشق کا جزیہ اُن کو لوٹا دیا تھا۔اسی طرح دوسرے مسلمان سپہ سالار جب معرکۂ یرموک سے پہلے ملک شام چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو انھوں نے تمام مفتوحہ شہروں کے باشندوں سے جو جزیہ لیا تھا، وہ سب اُنھیں واپس کر دیا اور ان شہروں کے باشندوں سے صاف لفظوں میں کہہ دیا: ''ہم نے آپ کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے آپ سے جزیہ لیا تھا۔اب ہم آپ کی حمایت وحفاظت سے عاجز ہیں، تو آپ سے جزیے میں لی ہوئی رقم آپ کو واپس کر رہے ہیں''۔

اس کے برعکس دوسری اقوام میں جزیہ مغلوب اقوام کے استحصال اور ان کا مال وجائیداد ہڑپنے کے لیے ہوتا تھا۔ اور جزیہ (ٹیکس) کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ اس کی ادائی ان کے بس سے باہر ہوتی تھی۔لیکن اسلام نے مفتوح اقوام

پر جو جزیہ عائد کیا، اس کا استحصال یا مغلوب اقوام کا مال ہڑپنے کی لالچ سے ادنیٰ تعلق بھی نہ تھا۔ اسلام کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والوں اور کام کی قدرت رکھنے والوں سے جزیہ کی بہت معمولی مقدار لی جاتی تھی۔

مسلمانوں سے پہلے دوسری اقوام کے یہاں جزیہ دینے والوں کے لیے غالب قوم کی فوج میں بھرتی ہونے اور فاتح قوم کے مجد و شرف اور ان کے توسیع اقتدار کی راہ میں خون بہانے سے رخصت نہیں تھی۔ وہ لوگ جزیہ بھی دیتے تھے اور دشمن سے جنگ کے لیے جبراً ہانک کر لے جائے جاتے تھے۔ لیکن اسلام نے اپنے دور میں مفتوح اقوام کے لوگوں کو عسکری خدمت سے مکمل طور پر رخصت دے رکھی تھی۔ چونکہ اسلام ساری دنیا میں اسلامی آزادی کے پیغام کو پہنچانے کے لیے اس راہ کی مزاحم قوتوں سے نبرد آزما تھا، اس لیے یہ بات عدل و انصاف کے منافی تھی کہ ایسی قوم جو اس پیغام یعنی اسلام کے اصول و مبادی کو نہ مانتی ہو، اس کے نوجوانوں کو اس کی راہ میں خون بہانے کے لیے آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ذِمیوں (اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا) کو اسلامی فوج میں ہر طرح کی عسکری خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اُن متعصب ناقدین کی رائے بالکل صحیح نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ذِمیوں کو فوجی خدمت سے رخصت اس وجہ سے تھی کہ ان کے اندر جنگی صلاحیت و مہارت نہیں ہوتی تھی اور وہ جہاد کی اہمیت اور اس کے شرف سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ ہم نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مملکت اسلامی کا کوئی ذِمی رضا کارانہ طور پر لشکر اسلامی میں فوجی خدمت انجام دینا چاہتا ہے تو اس کی اس پیشکش کو قبول کیا جائے گا اور اس کے عوض اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اس طرح آج ہمارے اس دور کی اصطلاح میں جزیہ دراصل فوجی خدمت سے رخصت کا معاوضہ ہے۔

اسلام سے پہلے غالب اقوام مغلوب اقوام کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے فقرا و مساکین اور بیماروں کا بھی کوئی حق نہ تھا۔ ان سے ناقابل برداشت حد تک جزیہ اور ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اور ان کے محتاج لوگوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ جزیہ دینے والے مالدار کو بھی مفلس ہونے کی صورت میں انہیں غربت، بھوک اور مرض میں مبتلا حالت میں یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے سارے ذِمیوں کے لیے خواہ وہ جزیہ دیتا ہو یا فقر و کم سنی کے سبب جزیہ نہ دیتا ہو، اپنی طرف سے ان کے لیے اجتماعی ضمانت کا اعلان کیا ہے۔ اسلام ذِمیوں کو مسلمانوں کی طرح اپنی مملکت کی رعایا سمجھتا ہے۔ اسلام اس بات کو حکومت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ ذِمیوں کو باعزت زندگی گزارنے کی ضمانت فراہم کرے، تاکہ انہیں سوال کی ذلت اور غربت کی تلخی گوارا کرنے کے لیے مجبور نہ ہونا پڑے۔

اور جہاں تک اُن نصوص قرآنی کا تعلق ہے جو محتاجوں اور پریشان حال لوگوں کی کفالت کا حکم دیتی ہیں، وہ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ وہ عام ہیں اور سماج کے ہر طبقے کے لیے یکساں حکم رکھتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾
''اور رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کو ان کا حق دو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾
''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ (جگہ کا نام ہے) کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس میں پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہے: ''جو عمر رسیدہ لوگ از کار رفتہ ہو گئے یا جن پر کوئی افتاد آ پڑی یا جو مالدار تھے اب غریب ہو گئے، اور ان کے ہم مذہب لوگ انہیں صدقہ دینے لگے تو ایسے سب لوگوں سے جزیہ ساقط ہو جائے گا اور ان کی اور ان کے اہل وعیال کی مالی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر ہوگی'' (کتاب الخراج، امام ابو یوسف)۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس عظیم اسلامی اصول کو پوری طرح نافذ کیا تھا۔ ایک بار ان کا گزر ایک عمر رسیدہ شخص کے پاس سے ہوا جو لوگوں سے صدقہ مانگ رہا تھا۔ جب آپ نے اس سے اس کے احوال دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ وہ جزیہ دینے والوں میں سے ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور گھر میں جو کچھ کھانا کپڑا میسر تھا، اس سے اس کو نوازا۔ پھر اسے لے کر بیت المال کے ناظم کے پاس گئے اور اس سے کہا: ''اِس شخص کا اور اس جیسے دوسرے لوگوں کا خیال رکھو اور انھیں اسلامی حکومت کے خزانے سے اتنا وظیفہ دو جو اِن کے اور ان کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ'' (صدقات تو فقرا و مساکین کے لیے ہیں) فقرا تو مسلمان ہیں اور مساکین اہل کتاب ہیں''۔ (کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف)

۱۵۷۷- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَالنُّفَيْلِيُّ، وَابْنُ الْمُثَنَّى، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُعَاذٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ کے واسطہ (ایک دوسری سند کے ساتھ بھی) حضرت معاذؓ سے نبی ﷺ کا فرمان اسی طرح مذکور ہے۔

تشریح حدیث: پہلی روایت میں اعمش اور حضرت معاذؓ کے درمیان ایک واسطہ ابو وائل کا تھا اور اس سند میں

۱۵۷۷- انظر تخریج الحدیث السابق۔

دو واسطے ہیں ایک ابراہیم نخعی کا اور دوسرا مسروق کا، یہ دو واسطے والی روایت نسائی میں ہے، لیکن ابن حزم نے اس مسروق والی روایت کو معلول قرار دیا ہے کیوں کہ مسروق کا سماع حضرت معاذؓ سے نہیں ہے، لیکن امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ روایت متصل ہی ہوگی، اس لیے کہ مسروق حضرت کے زمانہ میں موجود تھے، لہٰذا امکانِ لقاء اتصال کے لیے کافی ہے۔

۱۵۷۸- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، لَمْ يَذْكُرْ ثِيَابًا تَكُونُ بِالْيَمَنِ، وَلَا ذَكَرَ - يَعْنِي - مُحْتَلِمًا، .

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ جَرِيرٌ، وَيَعْلَى، وَمَعْمَرٌ، وَشُعْبَةُ، وَأَبُو عَوَانَةَ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: قَالَ يَعْلَى، وَمَعْمَرٌ، عَنْ مُعَاذٍ مِثْلَهُ.

ترجمه: حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انکو (زکوۃ کی وصول یابی کے لیے) یمن کی طرف بھیجا، اس کے بعد راوی نے باقی روایت حسب سابق ذکر کی؛ لیکن اس میں نہ تو (دینار کے بدلہ میں) یمنی کپڑے لینے کا ذکر ہے اور نہ ہی اس میں بالغ مرد کا ذکر ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ اس روایت کو جریر، یعلی، معمر، شعبہ، ابوعوانہ، اور یحیی بن سعید نے بروایت اعمش، بطریق ابووائل حضرت مسروق سے روایت کیا ہے، یعلی اور معمر نے حضرت معاذ کو بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح حدیث: اس تیسرے طریق میں ابووائل اور حضرت معاذؓ کے درمیان بھی مسروق کا واسطہ ہے جب کہ پہلے طریق میں کوئی واسطہ نہ تھا، لیکن بہت ممکن ہے کہ ابووائل نے اس حدیث کو حضرت معاذؓ سے براہِ راست بھی سنا ہو، اور مسروق کے واسطہ سے بھی سنا ہو۔

لیکن ابووائل کی جو روایت بواسطہ مسروق ہے اس میں معافر کی تفسیر کہ وہ یمنی کپڑا ہوتا ہے منقول نہیں ہے، اسی طرح حالم کی تفسیر محتلم کے ساتھ بھی مروی نہیں ہے۔

آگے "قال ابوداؤد" سے مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت کو اعمش سے نقل کرنے والے متعدد حضرات ہیں جیسے جریر، یعلی، معمر، شعبہ، ابوعوانہ، اور یحیی بن سعید، ان حضرات نے بھی بواسطۂ مسروق ہی روایت نقل کی ہے، لیکن ان میں یعلی اور معمر نے اس کو حضرت معاذؓ سے مرسلاً نقل کیا ہے یعلی کی روایت کو امام نسائیؒ نے اور معمر کی روایت کو امام

۱۵۷۸- انظر تخريج الحديث السابق

دار قطنیؒ نے نقل کیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ یہ حدیث اعمش سے متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے بعض متصلا ہیں اور بعض مرسلا ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح:٤/٣١١)

١٥٧٩- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ مَيْسَرَةَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: سِرْتُ - أَوْ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ سَارَ - مَعَ مُصَدِّقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ لَا تَأْخُذَ مِنْ رَاضِعِ لَبَنٍ، وَلَا تَجْمَعَ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا تُفَرِّقَ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَكَانَ إِنَّمَا يَأْتِي الْمِيَاهَ حِينَ تَرِدُ الْغَنَمُ، فَيَقُولُ: أَدُّوا صَدَقَاتِ أَمْوَالِكُمْ، قَالَ: فَعَمَدَ رَجُلٌ مِنْهُمْ إِلَى نَاقَةٍ كَوْمَاءَ - قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا صَالِحٍ مَا الْكَوْمَاءُ؟ قَالَ: عَظِيمَةُ السَّنَامِ -، قَالَ: فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْخُذَ خَيْرَ إِبِلِي، قَالَ: فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، قَالَ: فَخَطَمَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، ثُمَّ خَطَمَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا فَقَبِلَهَا، وَقَالَ: إِنِّي آخِذُهَا وَأَخَافُ أَنْ يَجِدَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ لِي: عَمَدْتَ إِلَى رَجُلٍ فَتَخَيَّرْتَ عَلَيْهِ إِبِلَهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ هُشَيْمٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: لَا يُفَرَّقُ.

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے کہ میں خود گیا (یا یہ کہا کہ) جو شخص حضور ﷺ کے مصدّق کے ساتھ گیا، اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ کی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ: زکوۃ میں دودھ والی بکری (یا دودھ پیتا بچہ) مت لینا، اور نہ اکٹھا کرنا جدا جدا مال کو اور نہ جدا کرنا اکٹھے مال کو۔ اور آپ ﷺ کا مصدق اسوقت آتا تھا جب بکریاں پانی پر جاتی تھیں، پس وہ کہتا تھا کہ: اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو، راوی (سوید بن غفلہؓ یا جو شخص حضور ﷺ کے مصدّق کے ساتھ گیے تھے) کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی کوماء اونٹنی دینی چاہی، ہلال راوی کہتے ہیں کہ: میں نے ابو صالح سے پوچھا کہ کوماء کیا ہے؟ انہوں نے کہا: بڑی کوہان والی اونٹنی، مصدّق نے اسکے لینے سے انکار کیا، اس نے کہا کہ: میری خواہش ہے کہ تو میرا بہتر سے بہتر اونٹ لے، مصدق نے اسکے باوجود انکار کیا، پھر اس شخص نے اس سے کچھ کم درجہ کا اونٹ کھینچا، مصدق نے اس

١٥٧٩- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: الجمع بين المتفرق والتفريق بين المتجمع، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: ما يأخذ المصدق من الإبل.

کے لینے سے بھی انکار کیا، پھر اس نے اس سے کم درجہ کا اونٹ کھینچا، مصدق نے اسکو لے کر کہا کہ: میں اسکو لے تو رہا ہوں؛ مگر ڈرتا ہوں کہیں حضور ﷺ مجھ پر غصہ نہ ہوں اور فرمائیں کہ: تو نے چن کر ایک شخص کا بہتر اونٹ لے لیا ہے۔

ابوداود کہتے ہیں کہ اسکو ہشیم نے ہلال بن خباب سے اسی طرح روایت کیا ہے؛ مگر اس نے لایفرق نہیں کہا ہے۔

رجال حدیث: "ميسرة أبي صالح" الکندی الکوفی ہیں، تابعین میں سے ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ ذہبیؒ نے الکاشف میں وُثّقَ اور ابن حجر نے تقریب میں مقبول لکھا ہے۔

سوید بن غفلة: یہ ابوامیہ الکوفی ہیں، کبار تابعین میں شمار ہوتا ہے، حضور ﷺ کی ولادت کے دو سال بعد عام الفیل میں پیدا ہوئے ہیں، لیکن طویل عمر پائی ہے چناں چہ ۸۰ھ میں وفات ہے گویا ایک سوتیس سال حیات رہے؛ مگر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے اس وقت آئے جب کہ آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی، لوگ حضور ﷺ کی قبر اطہر پر مٹی ڈال کر واپس آرہے تھے جب ان کی مدینہ آمد ہوئی اس لیے شرف صحابیت سے محروم رہے۔

تشریح حدیث: قوله: "سِرْتُ أوقال أخبرني" یہ شک میسرہ کی جانب سے ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ حضرت سوید بن غفلہ حضور ﷺ کے ساعی کے ساتھ گئے، اور دوسری صورت میں یہ کہ یہ خود نہیں گئے بلکہ جانے والے نے ان سے آکر بیان کیا تھا، مگر پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ اگلی روایت بغیر شک کے آرہی ہے۔

قوله: "فإذا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم": عہد سے مراد کتاب ہے جیسا کہ اگلی روایت میں "قرأت في عهده" سے واضح ہے، زمانہ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔

قوله: "ألا تأخذ من راضع لبن" راضع لبن کے معنی میں دو احتمال ہیں جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے؛ پہلا مطلب تو یہ ہے کہ زکوۃ میں وہ چھوٹا بچہ نہ لینا جو دودھ پیتا ہو اس لیے کہ چھوٹے بچے کو لینے میں فقراء کی مصلحت کے لیے ضرر اور نقصان ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے "اي ذات راضع لبن" یعنی دودھ والی اونٹنی یا بکری نہ لینا اس لیے کہ وہ مالک کا پسندیدہ اور عمدہ مال ہوتا ہے، اس کی ضرورت اس سے وابستہ ہوتی ہے۔

اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ زکوۃ کے نصاب میں شیر خوار بچوں کو شامل نہ کرنا، اس صورت میں یہ روایت حنفیہ کے لیے مؤید ہوگی کیوں کہ ان کے یہاں صغار میں زکوۃ نہیں ہے۔

قوله: "كان إنما يأتي المياه حين ترد الغنم" زکوۃ وصول کرنے والا جانوروں کی زکوۃ لینے کے لیے تالاب پر پہنچ جاتا تھا، جہاں لوگ اپنے اونٹوں اور بکریوں کو پانی پلانے کے لیے لایا کرتے تھے، اس لیے کہ اس میں مالکان اور مصدق دونوں ہی کے لیے سہولت اور آسانی ہے۔

قوله: "فخطم له أخرى دونها" "خطم" کے معنی ہیں نکیل ڈالنا، نکیل پکڑنا یعنی مالک پہلی اونٹنی سے کچھ کم درجہ کی اونٹنی کو نکیل پکڑ کر ساعی کے پاس لایا اور کہا کہ یہ لے لو۔

قوله: "أخاف أن يجد عليّ رسول الله ﷺ" کیوں کہ جو اونٹنی اس مالک نے زکوۃ میں دی تھی وہ بھی اوسط درجہ کی نہ ہوگی بلکہ اعلیٰ قسم ہی کی ہوگی اس لیے ساعی زکوۃ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عمدہ اونٹنی کو دیکھ کر یہ فرمائیں گے کہ تم نے زکوۃ میں ایسی عمدہ اونٹنی کیوں لی ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ایسا خیر کا ہے کہ زکوۃ دینے والا یہ چاہتا ہے کہ اپنا اچھے سا اچھا مال راہ خدا میں خرچ کرے تاکہ "لن تنالوالبر حتي تنفقوا مما تحبون" پر مکمل عمل ہو سکے، اور ساعی زکوۃ بھی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مالک سے کہیں زیادہ مال وصول نہ ہو جائے، اور یہ ساعی "المعتدي في الصدقة كما نعها" کا مصداق نہ بنے۔

قوله: "قال أبوداؤد: رواه هشيم": ابوعوانہ کی طرح ہشیم نے بھی اس روایت کو ہلال بن خباب سے اسی طرح نقل کیا ہے البتہ ہشیم کی روایت میں "لاتفرق بين مجتمع" بصیغہ خطاب نہیں ہے بلکہ بصیغہ غائب "لا يُفَرَّقُ" ہے، پس ابوعوانہ کی روایت میں خطاب مصدق کو ہے، اور ہشیم کی روایت میں رب المال کو ہوگا، ہشیم کی روایت سنن دارقطنی میں ہے۔ (بذل المجہود:۶/۳۷۷)

۱۵۸۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي لَيْلَى الْكِنْدِيِّ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: أَتَانَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ، وَقَرَأْتُ فِي عَهْدِهِ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ: رَاضِعَ لَبَنٍ .

ترجمه: حضرت سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول ﷺ کا مصدق آیا، میں نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسکی کتاب میں پڑھا: نہ اکٹھا کیا جائے جدا جدا مال اور نہ جدا جدا کیا جائے اکٹھا مال زکوۃ کے خوف سے، (ابولیلی کندی نے) اس روایت میں دودھ والے جانور کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح حدیث: طریق سابق میں سوید بن غفلہ سے نقل کرنے والے میسرہ تھے اور اس طریق میں ابولیلی ہیں، ابولیلی کی روایت میں "راضع لبن" نہیں ہے؛ لیکن اس میں "قرأت في عهده" کی تعبیر سے پتہ چلا کہ مراد اس سے کتاب الصدقہ ہے۔

۱۵۸۰- أخرجه ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: مايأخذ المصدق من الابل (۱۸۰۱).

۱۵۸-حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْجُمَحِيِّ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ ثَفِنَةَ الْيَشْكُرِيِّ - قَالَ الْحَسَنُ: رَوْحٌ يَقُولُ: مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ: اسْتَعْمَلَ نَافِعُ بْنُ عَلْقَمَةَ أَبِي عَلَى عِرَافَةِ قَوْمِهِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُصَدِّقَهُمْ،قَالَ:فَبَعَثَنِي أَبِي فِي طَائِفَةٍ مِنْهُمْ، فَأَتَيْتُ شَيْخًا كَبِيرًا يُقَالُ لَهُ: سِعْرُ بْنُ دَيْسَمٍ،فَقُلْتُ:إِنَّ أَبِي بَعَثَنِي إِلَيْكَ -يَعْنِي- لِأُصَدِّقَكَ، قَالَ:ابْنَ أَخِي، وَأَيَّ نَحْوٍ تَأْخُذُونَ؟ قُلْتُ: نَخْتَارُ،حَتَّى إِنَّا نَتَبَيَّنَ ضُرُوعَ الْغَنَمِ، قَالَ: ابْنَ أَخِي، فَإِنِّي أُحَدِّثُكَ أَنِّي كُنْتُ فِي شِعْبٍ مِنْ هَذِهِ الشِّعَابِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَنَمٍ لِي، فَجَاءَنِي رَجُلَانِ عَلَى بَعِيرٍ، فَقَالَا لِي: إِنَّارَسُولَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكَ لِتُؤَدِّيَ صَدَقَةَ غَنَمِكَ، فَقُلْتُ: مَا عَلَيَّ فِيهَا؟ فَقَالَا: شَاةٌ، فَأَعْمَدُ إِلَى شَاةٍ قَدْ عَرَفْتُ مَكَانَهَا مُمْتَلِئَةٍ مَحْضًا وَشَحْمًا، فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا، فَقَالَا: هَذِهِ شَاةُ الشَّافِعِ، وَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَأْخُذَ شَافِعًا، قُلْتُ: فَأَيَّ شَيْءٍ تَأْخُذَانِ؟ قَالَا: عَنَاقًا جَذَعَةً، أَوْ ثَنِيَّةً، قَالَ: فَأَعْمَدُ إِلَى عَنَاقٍ مُعْتَاطٍ، وَالْمُعْتَاطُ الَّتِي لَمْ تَلِدْ وَلَدًا، وَقَدْ حَانَ وِلَادُهَا، فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا، فَقَالَا: نَاوِلْنَاهَا، فَجَعَلَاهَا مَعَهُمَا عَلَى بَعِيرِهِمَا، ثُمَّ انْطَلَقَا ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ، رَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ زَكَرِيَّاءَ، قَالَ أَيْضًا: مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ، كَمَا قَالَ رَوْحٌ.

ترجمہ: حضرت مسلم بن ثفنہ یشکری سے روایت ہے (حسن نے کہا ہے کہ روح نے مسلم بن شعبہ ذکر کیا ہے) وہ کہتے ہیں کہ نافع بن علقمہ نے میرے والد کو اپنی قوم کے کاموں پر منتظم بنایا اور ان کو زکوۃ وصول کرنے کا حکم دیا، پس میرے والد نے مجھے ایک جماعت کے پاس بھیجا، میں ایک بوڑھے شخص کے پاس پہنچا جس کا نام سعر تھا، میں نے کہا کہ: میرے والد نے مجھے آپ سے زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا ہے، وہ شخص بولا: برادر زادے! تم کس قسم کے جانور لوگے؟ میں نے کہا کہ: ہم چن کر اور تھنوں کو دیکھ کر عمدہ قسم کا جانور لیں گے۔ وہ بولا: میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں: میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنی بکریاں لیے ہوئے کسی گھاٹی میں رہتا تھا، دو آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور بولے: ہم آپ سے زکوۃ لینے کے لیے رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، میں نے کہا: مجھے کیا دینا چاہیے؟ انہوں نے کہا: ایک

۱۵۸۱-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: إعطاء السيد المال بغير اختيار المصدق (۵/۳۲).

بکری، میں نے ایک بکری کا قصد کیا جسکو میں پہچانتا تھا کہ وہ چربی اور دودھ سے بھری ہوئی ہے، میں اس کو ان دونوں کے پاس نکال لایا، انہوں نے کہا: یہ بکری گابھن ہے، ایسی بکری لینے سے ہمیں رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، میں نے ان سے پوچھا: پھر کیا لوگے؟ انہوں نے کہا کہ: ایک سال کی بکری جو دوسرے سال میں لگ چکی ہو یا دو سال کی بکری جو تیسرے سال میں لگ چکی ہو، لہذا میں نے ایک ایسی بکری کا ارادہ کیا جو موٹی تھی اور بیاہی نہ تھی؛ مگر بیاہنے والی تھی، نکال کر دے دی، جس کو انہوں نے لے لیا اور اونٹ پر سوار کر لیا اور چلے گئے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: اسکو ابو عاصم نے بھی زکریا سے روایت کرتے ہوئے مسلم بن شعبہ کہا ہے جیسا کہ روح نے کہا۔

رجال حدیث: عمرو بن أبي سفيان الجمحي: یہ جُمَحَ بن عمرو کی طرف نسبت کی وجہ سے جمحي کہلاتے ہیں، ثقہ درجہ کے راوی کہلاتے ہیں یحییٰ بن معین، نسائی اور ابو حاتم وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

مسلم بن ثفنة: ثَفِنَہ بفتح الثاء وکسر الفاء ہے، امام ذہبیؒ نے ان کو مجہول اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقبول قرار دیا ہے، لیکن یہاں مسلم بن ثفنہ ہی مراد ہیں یا مسلم بن شعبہ مراد ہیں اس میں رواۃ کا اختلاف ہے جس کو مصنفؒ نے "قال الحسن: روح يقول..." سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ کے استاذ حسن بن علی خلال کو یہ حدیث دو استاذوں سے پہنچی ہے ایک وکیع اور دوسرے روح بن عبادہ، اب وکیع نے تو مسلم بن ثفنہ کہا اور روح بن عبادہ نے مسلم بن شعبہ کہا ہے، صاحب منہلؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم بن شعبہ ہی ہے، وکیع سے یہاں وہم ہوا ہے کہ انھوں نے شعبہ کی جگہ ثفنہ کر دیا۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۱۷۸)

تشریح حدیث: قولہ: "استعمل نافع بن علقمة أبي علي عرافة قومه" راوی حدیث مسلم بن شعبہ فرما رہے ہیں کہ حضرت نافع بن علقمہؓ نے ان کے والد شعبہ کو ان کی قوم کا رئیس اور سردار بنایا، "عِرَافَة" مصدر ہے، "عَرَفَ فلان علي القوم (ن) عِرافة" کسی کا قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا، تدبیر و انتظام کرنا اور عریب کہتے ہیں اس آدمی کو جو اپنی قوم کے معاملات مثلاً زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کی ذمہ داری کو اٹھاتا ہے، چناں چہ حضرت نافع نے ان کو ان کی قوم کی زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کا ذمہ دار بنا دیا تھا، اب شعبہ نے بہ حیثیت ذمہ دار ہونے کے اپنے بیٹے مسلم کو کچھ لوگوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، یہ زکوٰۃ وصول کرتے کرتے ایک بوڑھے شخص کے پاس پہنچے جن کا نام سِعر (بکسر السین وسکون العین اور بعض نے بفتح السین بھی پڑھا ہے) تھا، اور بقول ابن حبان اور امام دارقطنی صحابہ میں ان کا شمار ہے، جب مسلم بن شعبہ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی غرض ظاہر کی کہ میرے والد نے آپ کے پاس زکوٰۃ لینے بھیجا ہے، حضرت سعرؓ نے فرمایا:

''ابنُ أخي'' حرفِ ندا مقدر ہے''أي يا ابن أخي''اے میرے بھتیجے زکوٰۃ میں کس قسم کا جانور لوگے؟ یہاں ''نَحْوِ''صنف کے معنی میں ہے۔

قولہ:''قلت: نختار حتى إنّا نبين ضروع الغنم''مسلم بن شعبہ نے کہا کہ: ہم تو عمدہ جانور لیں گے، ''نَخْتَارُ أي نَأْخُذُ الخيارَ''یہاں تک کہ ہم بکریوں کے تھنوں کو دیکھیں گے کہ بڑے ہیں یا چھوٹے ہیں، یا اچھے ہیں یا خراب ہیں، بعض نسخوں میں''حتي إنّا نشبُرُضُرُوعَ الغنَمِ''بھی ہے، کہ یہاں تک کہ ہم بکریوں کے تھنوں کو ناپیں گے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کیسے ہیں، اب چوں کہ مسلم بن شعبہ کی یہ بات زکوٰۃ کی وصولیابی کے خلاف تھی، حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے۔''واتق كرائم أموالهم''کہ لوگوں کے عمدہ مال سے بچو، اس وجہ سے حضرت سعر بن دیسم ؓ نے ان نوجوان کو سمجھانے کے لیے حضور ﷺ کے زمانہ کا ایک واقعہ سنایا تاکہ معلوم ہوجائے کہ کس اصول اور ضابطہ سے زکوٰۃ وصول کرنی چاہیے، یہ واقعہ حدیث کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

قولہ:''عرفت مكانها ممتلئة محضًا وشحمًا''ممتلئ کے معنی تو ہیں بھری ہوی اور محضاً سے مراد لبن محض یعنی خالص دودھ ہے، اور شحماً کے معنی چربی کے ہیں، اب مطلب یہ ہوا کہ میں ایک ایسی بکری کے پاس گیا جس کے عمدہ ہونے کو میں جانتا تھا کہ وہ دودھ اور چربی سے بھری ہوئی ہے۔

قولہ:''هٰذه شاة الشافع''وہ بکری جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو اس کو شاۃ الشافع اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے بچہ نے اس کو جوڑا بنادیا اور عامۃ یہ دودھ والی بکری ہی ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حاملہ بکری ہے، جیسا کہ اگلی روایت میں اس تفسیر کو نقل کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے کہنے کا منشاء یہ تھا کہ حضور ﷺ نے ایسی عمدہ بکری لینے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس میں مالک کا نقصان ہے۔

قولہ:''عَنَاقًا جذعةً''عناق بفتح العین وہ بکری (پٹھیا) جس کی عمر ایک سال نہ ہوئی ہو، اور''جذعة''وہ بکری جس کے اگلے دو دانت گر گئے ہوں، یعنی دونت گئی ہو، حاصل یہ ہے کہ وہ بکری ایسی ہو جو تقریباً ایک سال کی ہوگئی ہو اور اس کے دو دانت ٹوٹ کر نئے آگئے ہوں۔ اور آگے''ثنية''کا کلمہ ہے اس کے معنی بھی ایک سال کی بکری کے ہی ہیں۔

قولہ:''المعتاط'': راوی حدیث نے عناق معتاط کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ معتاط درحقیقت وہ فربہ بکری کہلاتی ہے جو حمل کے قابل ہوگئی ہو لیکن فربہ ہونے کی وجہ سے حاملہ نہ ہوئی ایسی بکری کو زکوٰۃ میں لینے میں فقراء کا فائدہ ہے کہ اس میں گوشت زیادہ نکلتا ہے۔

حضرت سعر ؓ نے ساعی زکوٰۃ مسلم بن شعبہ کو یہ واقعہ اس لیے سنایا تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ زکوٰۃ میں عمدہ مال

نہیں لیا جاتا ہے جیسا کہ مسلم بن شعبہ نے مطالبہ کیا تھا بلکہ درمیانی قسم کا مال لیا جاتا ہے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: وقد رواه أبوعاصم'' اس قال ابوداؤد کا مطلب یہ ہے کہ سند میں مسلم بن شعبہ ہی صحیح ہے جیسا کہ روح بن عبادہ نے نقل کیا تھا کیوں کہ روح بن عبادہ کی طرح ابوعاصم ضحاک بن مخلد بھی نقل کرر ہے ہیں، وکیع نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یہ مسلم بن ثفنہ ہیں، اس میں وہم ہوا ہے، روح بن عبادہ کی روایت جس میں انھوں نے مسلم بن شعبہ ہی نقل کیا ہے مصنفؒ اگلی سند سے لا رہے ہیں، جس میں روح بن عبادہ حدیث کو زکریا بن اسحاق سے نقل کرر ہے ہیں۔

۱۵۸۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النَّسَائِيُّ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ: قَالَ فِيهِ: وَالشَّافِعُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا الْوَلَدُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَالِمٍ بِحِمْصَ عِنْدَ آلِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْحِمْصِيِّ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ، مِنْ غَاضِرَةِ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ، وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ، وَلَا الدَّرِنَةَ، وَلَا الْمَرِيضَةَ، وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ، وَلَكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ، وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ.

ترجمه: ابن اسحٰق نے سابقہ سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے کہا ہے: مسلم بن شعبہ، اسمیں یہ ہے کہ شافع وہ ہے جسکے پیٹ میں بچہ ہو۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: عمرو بن حارث حمصی کی آل کے پاس حمص میں میں نے عبداللہ بن سالم کی کتاب میں پڑھا جو زبیدی سے مروی ہے، عبداللہ بن سالم کہتے ہیں کہ: مجھے یحیی بن جابر نے بواسطہ جبیر بن نفیر حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین باتیں ہیں جو شخص ان کو کرے گا وہ ایمان کا مزہ پائے گا، ایک اللہ کی عبادت کرے، دوسرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرے، اور تیسرے ہر سال اپنے مال کی زکوۃ خوشی خوشی ادا کرے، اور بوڑھا، خارشی، بیمار، اور گھٹیا جانور نہ دے؛ بلکہ درمیانہ درجہ کا دے، کیونکہ اللہ تعالی تم سے نہ محض عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ ہی گھٹیا مال کا حکم کرتا ہے۔

۱۵۸۲- انظر الحديث السابق.

تشریح حدیث: یہ بھی حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، اس کو مصنفؒ روح بن عبادہ کی حدیث کو بیان کرنے کے لیے لائے ہیں کہ انھوں نے اپنی حدیث میں مسلم بن شعبہ نقل کیا ہے، نہ کہ مسلم بن ثفنہ، نیز اس طریق میں شاۃ الشافع کا ترجمہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ بکری ہے جس کے پیٹ میں بچہ ہو یعنی حاملہ، روح بن عبادہ والی یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: قرأت في كتاب عبدالله بن سالم الخ'' یہاں سے مصنفؒ ایک تعلیق نقل کرر ہے ہیں جس میں زکوۃ میں اپنا عمدہ مال دینے کی ترغیب ہے اور گھٹیا مال دینے کی ممانعت ہے، امام ابوداؤد نے عبداللہ بن سالم کا زمانہ نہیں پایا ہے بلکہ ان کی کاپی سے درج ذیل روایت بیان کرر ہے ہیں۔

قوله: ثلاث من فعلهن الخ ثلاث کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے أي ثَلَاثُ خِصَالٍ، جو شخص تین خصلتوں کو اختیار کرلے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اور ایمان کے ذائقہ سے مراد ایک خاص قسم کی کیفیت کا حاصل ہونا ہے، انسان کو اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کسی محسوس اور عمدہ چیز کی شیرینی ہوتی ہے، یہ تین خصلتیں حسب ذیل ہیں۔

قوله: ''مَنْ عَبَدَ الله وحده وأنه لااله إلا الله'' یہ پہلی خصلت کا بیان ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرے، اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''لاإله الاالله'' یہ اپنے ماقبل کی تاکید ہی ہے۔

قوله: واعطي زكوة ماله الخ: یہ دوسری خصلت کا بیان ہے کہ آدمی زکوۃ خوش دلی سے ادا کرے، اس طرح کہ اس کی ادائیگی پر اس کا دل اعانت کررہا ہو اور یہ زکوۃ ہر سال پابندی سے ادا کرے، رافدةً اور طيبةً دونوں کلمہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، بولا جاتا ہے''طَابَ نَفْسُهُ بِالشيئ'' کسی چیز سے دل کا خوش ہونا، رَفَدَ يَرْفِدُ (ض) عَلَيْهِ رَفْدًا: مدد دینا، اعانت کرنا۔

قوله: ولا يعطي الهرمة الخ: یہ تیسری خصلت کا بیان ہے کہ زکوۃ میں عمدہ مال دے گھٹیا نہ دے، ''هرمة'' کے معنی ہیں بہت بوڑھی اور کمزور بکری، ''الدَّرِنَة'' ''دَرِنٌ'' کا مؤنث ہے، اس کے اصل معنی تو میل کچیل کے آتے ہیں، لیکن خارشی اونٹ اور اونٹنی کو بھی ''دَرِنَة'' کہتے ہیں۔ ''الشَّرَط اللئيمة'' بفتح الشين المعجمہ والراء بمعنی رذیل اور گھٹیا، ''اللئيمة'' یہ صیغہ صفت ہے، ''لؤم (ك) لُؤْمًا'' دنی الاصل ہونا ذلیل ہونا، لہٰذا ''الشرط اللئيمة'' کا مطلب ہوگا کہ زکوۃ میں بہت گھٹیا مال نہ دے، بلکہ درمیانی قسم کا مال دینا چاہیے؛ زیادہ عمدہ دینے میں خود مالک کا نقصان ہے اور گھٹیا

دینے میں فقراء کا نقصان ہے، اور اوسط میں دونوں کی رعایت ہے۔

۱۵۸۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصَدِّقًا، فَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ، فَلَمَّا جَمَعَ لِي مَالَهُ لَمْ أَجِدْ عَلَيْهِ فِيهِ إِلَّا ابْنَةَ مَخَاضٍ، فَقُلْتُ لَهُ: أَدِّ ابْنَةَ مَخَاضٍ، فَإِنَّهَا صَدَقَتُكَ، فَقَالَ: ذَاكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ، وَلَا ظَهْرَ، وَلَكِنْ هَذِهِ نَاقَةٌ فَتِيَّةٌ عَظِيمَةٌ سَمِينَةٌ، فَخُذْهَا، فَقُلْتُ لَهُ: مَا أَنَا بِآخِذٍ مَا لَمْ أُومَرْ بِهِ، وَهَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ قَرِيبٌ، فَإِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ تَأْتِيَهُ، فَتَعْرِضَ عَلَيْهِ مَا عَرَضْتَ عَلَيَّ فَافْعَلْ، فَإِنْ قَبِلَهُ مِنْكَ قَبِلْتُهُ، وَإِنْ رَدَّهُ عَلَيْكَ رَدَدْتُهُ، قَالَ: فَإِنِّي فَاعِلٌ، فَخَرَجَ مَعِي وَخَرَجَ بِالنَّاقَةِ الَّتِي عَرَضَ عَلَيَّ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَتَانِي رَسُولُكَ لِيَأْخُذَ مِنِّي صَدَقَةَ مَالِي، وَايْمُ اللَّهِ مَا قَامَ فِي مَالِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا رَسُولُهُ قَطُّ قَبْلَهُ، فَجَمَعْتُ لَهُ مَالِي، فَزَعَمَ أَنَّ مَا عَلَيَّ فِيهِ ابْنَةُ مَخَاضٍ، وَذَلِكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ، وَلَا ظَهْرَ، وَقَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِ نَاقَةً فَتِيَّةً عَظِيمَةً لِيَأْخُذَهَا فَأَبَى عَلَيَّ، وَهَا هِيَ ذِهْ قَدْ جِئْتُكَ بِهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ خُذْهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَاكَ الَّذِي عَلَيْكَ، فَإِنْ تَطَوَّعْتَ بِخَيْرٍ آجَرَكَ اللَّهُ فِيهِ، وَقَبِلْنَاهُ مِنْكَ ، قَالَ: فَهَا هِيَ ذِهْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ جِئْتُكَ بِهَا فَخُذْهَا، قَالَ: فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْضِهَا، وَدَعَا لَهُ فِي مَالِهِ بِالْبَرَكَةِ.

ترجمه: حضرت ابی کعب ؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے مصدّق بنا کر بھیجا، میں ایک شخص کے پاس پہنچا، جب اس نے اپنا مال اکٹھا کیا تو اس پر ایک بنت مخاض واجب ہوئی، میں نے کہا: لا ایک بنت مخاض دے تجھ پر زکوۃ میں یہی واجب ہوا ہے، وہ بولا: بنت مخاض کس کام کی؟ نہ وہ دودھ دیتی ہے، اور نہ اس پر سواری کی جا سکتی ہے، اس کے

۱۵۸۳- أخرجه أحمد في مسنده (۳۵/ ۲۰۱/ ۲۱۲۷۹) والبيهقي في السنن الكبرى (۴/ ۱۶۲/ ۷۲۷۹) وابن خزيمة في صحيحه (۴/ ۲۴/ ۲۲۷۷).

بجائے یہ خوب فربہ اور جوان اونٹنی لے لو، میں نے کہا: وہ چیز میں نہیں لوں گا جس کے لینے کا مجھے حکم نہیں ہوا، البتہ رسول ﷺ تیرے قریب ہی میں موجود ہیں ان سے جا کر عرض کر، اگر وہ قبول فرمالیں تو میں لے لوں گا ورنہ واپس کردوں گا، اس نے کہا: اچھا میں چلتا ہوں اور وہ اسی اونٹنی کو میرے ساتھ ساتھ لے کر چلا، جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ شخص بولا: یارسول اللہ! آپ کا قاصد زکوۃ کی وصولیابی کے لیے میرے پاس آیا، بخدا اس سے قبل میرے مال کو نہ تو اللہ کے رسول نے ملاحظہ فرمایا اور نہ ہی انکے قاصد نے دیکھا، تو میں نے اپنے مال کو اکھٹا کیا تو وہ آپ کا قاصد بولا: تجھ پر ایک بنت مخاض لازم ہے، اور حال یہ کہ بنت مخاض نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے لائق ہے، اس لیے میں نے اس کو ایک جوان اور فربہ اونٹنی دینی چاہی؛ لیکن اس نے لینے سے انکار کردیا، اور وہ اونٹنی یہ ہے، اب میں اس کو آپ کے پاس لے کر آیا ہوں، آپ اس کو قبول فرمالیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے اوپر واجب تو یہی بنت مخاض ہوئی ہے؛ لیکن اگر تو اپنی خوشی سے اسکو دے رہا ہے تو اللہ تعالی تجھ کو اس کا اجر عطا فرمائے گا اور ہم قبول کرلیں گے، وہ شخص بولا: تو پھر یارسول اللہ! یہ لے لیجیے یہ وہی اونٹنی ہے، آپ ﷺ نے اس کی وہ اونٹنی لے لینے کا حکم فرمایا اور اس کے مال میں خیر و برکت کی دعا کی۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے ذمہ ایک بنت مخاض زکوۃ میں فرض ہوئی تو اس نے ساعی زکوۃ حضرت ابی بن کعبؓ سے عرض کیا کہ اس بنت مخاض کو لے کر کیا کرو گے؟ یہ تو کسی کام کی نہیں ہے، نہ دودھ دیتی ہے اور نہ ہی اس پر سواری کی جاسکتی ہے؛ اس لیے یہ جوان اور فربہ اونٹنی لے لو، مگر انھوں نے کہا کہ زکوۃ میں جیسی فرض ہے اس سے عمدہ لینا تو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے خلاف ہے، لہٰذا میں تو یہی بنت مخاض وصول کروں گا اگر زیادہ اچھی دینی ہے تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور پیش کردو اگر آپ ﷺ اجازت دیں گے تو میں قبول کرلوں گا، اس پر یہ صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں گئے اور اس عمدہ اونٹنی کو پیش کیا، آپ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ فرض تو تمہارے ذمہ بنت مخاض ہی ہے لیکن اگر اپنی خوشی سے زیادہ قیمتی اونٹنی دینا چاہتے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمھیں اس کا اجر عطا فرمائے گا، ان صحابی نے یہی عمدہ اور فربہ اونٹنی زکوۃ میں دے دی، پیغمبر علیہ السلام نے ان کو دعاؤں سے نوازا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کو اللہ کے راستہ میں عمدہ سے عمدہ مال خرچ کرنے کا شوق تھا، یہاں تک کہ جو چیز فرض بھی نہیں ہے وہ پیش کرر ہے تھے، اللہ تعالیٰ یہ شوق اور جذبہ ہم سب کو بھی عطا فرمائے۔

قوله: ''وَايْمُ اللهِ'' یہ الفاظ قسم میں سے ہے جیسا کہ آپ کہیں ''وَعَهْدُ اللهِ'' اور اس میں متعدد لغات ہیں، ہمزہ کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا مشہور ہے اور ہمزہ اس میں وصلی ہے، اگر چہ بعض اس کو قطعی بھی مانتے ہیں، نحاۃ میں سے اہل کوفہ کا خیال یہ ہے کہ یہ یمین کی جمع ہے؛ جب کہ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ کلمہ قسم کے لیے ہی موضوع ہے۔

قوله:''فَهَاهِيَ ذِهْ''''ھا''تنبیہ کے لیے ہے اور''ھي ''مؤنث کی ضمیر ہے اور''ذِہْ'' کی اصل''ذِي''ہے، جو کہ اسم اشارہ مؤنث ہے، جیسا کہ''ذا''اسم اشارہ مذکر ہے۔ البتہ حالتِ وقف میں اخیر میں''ہ''لاحق کر دی جاتی ہے۔ (شرح ابوداؤد للعینی:٦/٢٧٦)

١٥٨٤- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ الْمَكِّيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ .

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو امیر بنا کر یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم اہل کتاب کے ایک گروہ کے پاس پہنچو گے، پس تم ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں، اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر یہ بات بھی مان لیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے ناداروں میں تقسیم کر دی جائیگی، اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر ان سے بہتر اموال لینے سے پرہیز کرنا، اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا؛ کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔

تشریح حدیث: قولہ:''بعث معاذًا إلي اليمن'' حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ١٠ھ میں حج پر روانہ ہونے سے پہلے یمن کا امیر اور حاکم بنا کر روانہ فرمایا تھا، جیسا کہ امام بخاریؒ نے کتاب المغازی کے اخیر میں نقل فرمایا ہے۔

قولہ:''إنك تأتي قومًا أهل كتاب'': اہل کتاب منصوب ہے قوما سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے اور اس کا

١٥٨٤-أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: وجوب الزكاة (١٣٩٥)، مسلم: كتاب الإيمان، باب: الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام (٢٩/ ١٩)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في كراهية أخذ خيار المال في الصدقة (٣٢٥)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: وجوب الزكاة (٥/ ٣٠)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: فرض الزكاة (١٧٨٣).

بیان ہونے کی وجہ سے یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے مندرجہ ذیل ذمہ داری دینے کی تمہید ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اے معاذ! تم اہل علم کے پاس جا رہے ہو لہٰذا ان سے خطاب بھی علمی اور اصولی انداز میں ہونا چاہیے، کیوں کہ اس زمانہ میں عامۃً اہل کتاب: یہود و نصاریٰ ہی پڑھے لکھے ہوتے تھے، مشرکین عرب کی طرح جاہل نہیں ہوتے تھے، پھر چوں کہ ان دونوں ہی قوموں نے اپنے دین اور عقائد میں تحریف کر لی تھی نصاریٰ نظریہ تثلیث اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ ماننے کی وجہ سے صریح کفر میں مبتلا ہو گئے تھے، اس لیے ان کو توحید کی دعوت دینے کا حکم فرمایا۔

قوله: ''فادعهم إلي شهادة أن لاإله إلا الله وأني رسول الله ﷺ'' اس میں شہادتین کی تعلیم کا حکم ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں دخول کے لیے شہادتین میں سے کسی ایک کا نطق کافی نہ ہوگا، بلکہ اسلام کے سوا ہر دین سے براءت کے لیے شہادتین کا اقرار ہی شرط ہے۔

قوله: ''فإن هم أطاعوا لذلك'': اگر وہ شہادتین میں تمہاری بات مان لیں اور اسلام قبول کر لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

کیا کفار فروعات کے مخاطب ہیں؟

اس حدیث میں نماز اور زکوۃ کی دعوت کو ایمان کی دعوت قبول کرنے پر موقوف رکھا گیا ہے، چناں چہ فرمایا گیا کہ اگر وہ توحید و رسالت کی دعوت کو قبول کر لیں تو ان کو نماز اور زکوۃ کے حکم سے آگاہ کرو۔

اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا کہ کفار فروعات کے مخاطب نہیں ہیں، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ کفار ایمان کے ساتھ ساتھ فروعی احکام کے بھی مخاطب ہیں، حدیث پاک میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے وہ دنیا میں مطالبہ کے اعتبار سے ہے کہ دنیا میں ان کے کرنے کا مطالبہ اسلام لانے کے بعد کیا جائے گا، اور اسلام لانے کے بعد ہی ان کی ادائیگی درست ہوگی، لیکن آخرت میں کفار کا مواخذہ ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال پر بھی ہوگا، ترک ایمان اور ترک اداءِ صلاۃ وغیرہ پر عتاب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر میں بعض کفار کا حال بیان کیا ہے کہ جب ان سے معلوم کیا جائے گا کہ کن اعمال کی سزا میں جہنم میں آئے ہو تو وہ اس سلسلہ میں جہاں قیامت کے دن کی تکذیب کا ذکر کریں گے جو کہ ایمانیات میں سے ہے وہیں بعض اعمال نماز وغیرہ کا بھی ذکر کریں گے۔ ''مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾'' (سورۂ مدثر: ۴۲، ۴۳، ۴۴)

حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ حدیث میں جو ترتیب ہے وہ تعلیم کی ترتیب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں

ہے کہ تعلیم اولاً ایمان کی دی جائے گی، پھر اعمال یعنی نماز وزکوٰۃ وغیرہ کی۔ (فیض الباری: ۴/۸۸)

قوله: "تُرَدُّ فِي فقرائه" اس جملہ کے تحت دو فقہی مسئلے زیر بحث آتے ہیں ایک تو یہ کہ زکوٰۃ کو اصناف ثمانیہ میں سے ہر ایک صنف کو دینا ضروری ہے یا کسی ایک صنف کو بھی دی جاسکتی ہے؟ دوسرا مسئلہ ایک جگہ کی زکوٰۃ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا ہے، اگر چہ یہ دوسرا مسئلہ ایک مستقل باب کے تحت بھی آرہا ہے لیکن شراح حدیث یہیں پر اس کو بیان کر دیتے ہیں۔

زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے صرف ایک کو زکوٰۃ دینا:

قرآن کریم نے مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ اصناف ذکر فرمائی ہیں: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اب سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کا ان تمام اصناف میں تقسیم کرنا ضروری ہے جن کا ذکر اس آیت پاک میں ہے یا کسی ایک صنف کو دینے پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ کو بعض یا ایک ہی صنف میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے، اور دلیل یہی حدیث پاک ہے اس میں "ترد علي فقرائهم" کے جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی صنف "فقراء" کا ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی صنف کو دینا بھی صحیح ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲/۲۶۸)

حضرات ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال کی روایت سے بھی ہے اس میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے جب یمن سے زکوٰۃ کا مال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارا مال صرف ایک ہی صنف "مؤلفة القلوب" میں تقسیم فرمادیا، الفاظ یہ ہیں: "ثم: أتاه مال بعد هٰذا فجعله في صنف ثان سوي الفقراء وهم المؤلفة قلوبهم" (کتاب الاموال لابي عبيد: ۱/۶۹۰، حدیث/۱۸۵۲)

اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے اصناف ثمانیہ میں سے ہر صنف کے کم از کم تین افراد کو دینا ضروری ہے، اور آپ کا استدلال قرآن پاک کی مذکورہ آیت ہی سے ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ..." میں "ل" کے ذریعہ جو اضافت ہو رہی ہے وہ بیان استحقاق کے لیے ہے، لہٰذا اصناف ثمانیہ میں سے ہر صنف کو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہوگی، پھر چوں کہ بیان اصناف کے وقت جمع کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں اور جمع کا اقل فرد تین ہے لہٰذا ہر صنف کے بھی کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دینی ضروری ہوگی، ہاں البتہ اگر کسی

شہر میں تمام اصناف نہ پائی جا رہی ہوں تو جتنی اصناف بھی موجود ہوں صرف انھیں کو زکوٰۃ دی جائے گی، ایسا کرنا مجبوری کی وجہ سے درست ہے۔ (کتاب الام للامام الشافعی: ۲/ ۶۸)

حضرات ائمہ ثلاثہ کی طرف سے شوافع کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ "ل" کے ذریعہ ہونے والی اضافت بیان استحقاق کے لیے نہیں ہے بلکہ بیانِ مصارف کے لیے ہے، وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ بندوں کا، البتہ علتِ فقر کی وجہ سے اصنافِ مذکورہ مصارف بن گئیں اور بہ حیثیت مصارف تمام اصناف کو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہ ہوگی، پھر چوں کہ تمام اصناف کے شروع میں الف لام جنسی ہے اس لیے اس نے ان تمام کی جمعیت کو باطل کر دیا، لہٰذا کسی ایک مصرف کے بھی کم از کم تین فرد کو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔

نقل زکوٰۃ کا حکم:

حدیث شریف کے الفاظ "ترد علي فقرائهم" یعنی زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور انھیں میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی، سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر اور آبادی سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی شہر اور آبادی کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے، دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے، حضرات ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہی ہے۔

جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ عام حالات میں تو زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اس صورت میں کراہت نہیں ہے جب کہ دوسرے شہر میں اس کے قرابت دار ہوں، یا وہاں زیادہ ضرورت مند ہوں، یا وہاں زیادہ نیک اور پرہیزگار ہوں یا وہاں منتقل کرنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع بخش ہو، یا علم دین کے طلباء کے لیے وہاں منتقل کیا جائے ہماری دلیل وہ تمام روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے عامل دوسری جگہوں پر جاتے اور وہاں سے زکوٰۃ وصول کر کے لاتے تھے اور پھر رسول اللہ ﷺ اس کو مہاجرین و انصار میں سے مستحقین کے درمیان تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

اور جہاں تک حدیث میں "ترد علي فقرائهم" کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقرائهم کی ضمیر فقراء مسلمین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ فقراء مسلمین جہاں کہیں بھی ہوں ان پر وہ زکوٰۃ خرچ کی جائے، خواہ وہ اسی شہر و آبادی کے ہوں یا کسی دوسرے شہر و آبادی کے ہوں۔ (بذل المجہود: ۶/ ۳۸۹)

غیر مسلمین کو زکوٰۃ دینا:

یہاں ایک تیسرا مسئلہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ صرف مسلمان فقراء ہی کو دی جاسکتی ہے، غیر مسلم کو نہیں، علامہ ابن قدامہؒ

المغنی میں فرماتے ہیں: ''ولا نعلم بين اهل العلم خلافًا في ان زكوٰة الأموال لا تعطي لكافر ولا لمملوكٍ'' معلوم ہوا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ (المغنی: ۲/۶۵۳)

البتہ صدقات نافلہ غیر مسلمین کو دیئے جاسکتے ہیں۔

قوله: ''فإياك وكرائم أموالهم'': أي احذرنفسك عن اخذ النفس من أموالهم کہ لوگوں کا بہترین مال لینے سے بچو، کرائم جمع ہے ''کریمة'' کی بمعنی عمدہ، منتخب، پسندیدہ ہاں اگر اصحاب مال اپنی خوشی سے عمدہ مال دے دیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قوله: ''اتق دعوة المظلوم'' اگر زکوۃ وصول کرنے والا زکوۃ میں عمدہ اور اعلیٰ قسم کا مال لے لیتا ہے جس کو خود صاحب مال اپنی خوشی سے دینا نہیں چاہتا تو پھر یہ عامل ظالم قرار پائے گا اور صاحب مال مظلوم ہوگا، اور مظلوم کی دعا سریع الاجابۃ ہوتی ہے، اس لیے ساعیٔ زکوۃ کو تاکید کی گئی کہ وہ عمدہ مال لے کر ظالم نہ بنے اور پھر کسی کی بددعا کا مستحق نہ ہو۔ (المنهل العذب المورود: ۹/۱۸۵)

۱۵۸۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُتَعَدِّي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا .

ترجمه: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوۃ دینے سے منع کرنے والا۔

تشريح حديث: صدقہ اور زکوۃ عامل اور مالک کے درمیان دائر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوۃ سے متعلق دونوں ہی کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اگر عامل حق سے زائد طلب کرے یا عمدہ ترین چیز کا مطالبہ کرے تو ایسا عامل مانع زکوۃ کے حکم میں ہے کہ جس طرح وہ شخص جس پر زکوۃ فرض ہو چکی ہو ادا نہ کرے تو گنہ گار ہوتا ہے، اسی طرح وہ عامل بھی گنہ گار ہوگا جو حق سے زیادہ یا عمدہ ترین چیز وصول کرے، حدیث شریف میں ''المعتدي في الصدقة كمانعها'' سے یہی مراد ہے۔

اور معتدی فی الصدقہ (حق سے زیادہ وصول کرنے والا عامل) کو جو مانع زکوۃ کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ مشابہت یہ ہے کہ عامل اگر کبھی منتخب ترین مال زکوۃ میں وصول کرلے یا حق سے زیادہ لے لے تو اس میں اس کا خطرہ ہوتا

۱۵۸۵- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في المتعدي في الصدقة (۶۴۶)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في عمال الصدقة (۱۸۰۸).

ہے کہ مالک گھبرا کر اگلے سال زکوۃ ہی ادا نہ کرے، اور زکوۃ کی وصولیابی میں عامل کی مذکورہ زیادتی فقراء کی محرومی کا سبب بن جائے ظاہر ہے کہ یہ محرومی عامل کی زیادتی کی وجہ سے ہوگی جس کی وجہ سے عامل مانع زکوۃ کے درجہ میں آجائے گا، اور یہ کہنا کہ معتدی فی الصدقہ مانع زکوۃ کی طرح ہے، اس کو اور زیادہ واضح تعبیر میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مانع زکوۃ گنہگار ہوتا ہے زکوۃ نہ دینے کی وجہ سے اور حق سے زیادہ وصول کرنے والا عامل گنہ گار ہوتا ہے اپنے ظلم کی وجہ سے۔

حدیث شریف کا واضح مطلب تو یہی ہے جو ہم نے نقل کیا ہے، البتہ صاحب منہلؒ نے کچھ اور بھی احتمالات بیان کئے ہیں مثلاً: معتدی فی الصدقہ سے مراد خود زکوۃ دینے والا ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ کسی غیر مستحق کو زکوۃ دے دے یا ناقص زکوۃ دے، یا زکوۃ دے کر احسان جتلائے اور اذیت پہنچائے یا مقدار مفروض سے بہت زیادہ دے ڈالے جس کی وجہ سے اہل وعیال کو تکلیف ہو، ان تمام صورتوں میں خود مزکی ہی معتدی فی الصدقہ ہو جائے گا اور اسی طرح گنہ گار ہوگا جس طرح زکوۃ نہ دینے والا گنہ گار ہوتا ہے اگر چہ دونوں کے گناہ کی کیفیت میں فرق ہوسکتا ہے مگر اصل گناہ میں تو دونوں ہی شریک ہو گئے۔ (المنہل: ۹/۱۸۶، عارضۃ الاحوذی: ۳/۱۲۵)

خلاصۃ الباب:

یہ باب کافی طویل تھا جس میں مصنفؒ نے کل انیس حدیثیں پیش کی ہیں، جن میں سے بعض میں زکوۃ کا نصاب مذکور تھا، اور بعض میں زکوۃ کی ترغیب اور عمدہ مال خرچ کرنے کی فضیلت اور بعض میں زکوۃ میں دیئے جانے والے مال کی صفات کا بیان تھا نیز اخیر باب میں اس بات کا ذکر تھا کہ ساعیٔ زکوۃ کو چاہیے کہ وہ زکوۃ وصول کرنے میں اعتدال کو ملحوظ رکھے حد سے تجاوز نہ کرے، کتاب الزکوۃ میں سب سے تفصیلی باب یہی تھا۔

بَابُ رِضَا الْمُصَدِّقِ

مصدق کوراضی کرنے کا بیان

۱۵۸۶- حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ حَفْصٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ رَجُلٍ، يُقَالُ لَهُ: دَيْسَمٌ، وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ مِنْ بَنِي سَدُوسٍ، عَنْ بَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَّةِ، - قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي حَدِيثِهِ: وَمَا كَانَ اسْمُهُ بَشِيرًا، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّاهُ بَشِيرًا -، قَالَ: قُلْنَا: إِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا،

أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا؟ فَقَالَ لَا .

ترجمه: مہدی بن حفص، محمد بن عبید، حماد، ایوب، دیسم نامی ایک شخص نے (بشیر بن خصاصیہ سے) پوچھا کہ زکوۃ وصول کرنے والے ہم سے زائد مال وصول کیا کرتے ہیں تو کیا ہم اس قدر مال چھپالیا کریں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

مقصد ترجمه: مصنف ؒ کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے یہ ثابت کرنا ہے کہ مزکی کو اپنی زکوۃ پوری ادا کرنی چاہیے، ساعی زکوۃ جب زکوۃ وصول کرنے آئے اور مال (اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) دیکھ کر مفروضہ زکوۃ کی جتنی مقدار بیان کرے اتنی دے دے، اگر مالک اس مقدار میں کمی کرے گا تو ساعی زکوۃ کو تکلیف ہوگی، اس لیے مالک کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ پوری پوری زکوۃ ادا کرے تاکہ ساعی ناراض ہوکر نہ جائے جب کہ سابقہ باب کی پہلی حدیث میں ساعی کو تاکید تھی کہ جتنی زکوۃ فرض ہے اتنی ہی وصول کرے زیادہ نہ لے ورنہ گنہ گار ہوگا۔

تشریح حدیث: حدیث کے شروع میں پہلی بات تو یہ جان لینی چاہیے کہ یہ حدیث مرفوعا اور موقوفا دونوں طرح مروی ہے۔ اس کا طریق موقوف تو یہی ہے اور طریق مرفوع آگے "حدثنا الحسن بن علی" سے آرہا ہے، اس لیے یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ طریق موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں حضرت بشیر بن الخصاصیہ ؓ جو کہہ رہے ہیں وہ حضور ﷺ سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

حضرت بشیر بن خصاصیہ ؓ کا اصل نام زحم بن معبد تھا، لیکن حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر بشیر بن خصاصیہ رکھا تھا ان سے ان کے شاگرد دیسم کے معلوم کیا کہ زکوۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں کہ واجب مقدار سے زیادہ وصول کر لیتے ہیں یا عمدہ ترین مال لے لیتے ہیں تو کیا ہم اپنے مال میں سے اس قدر چھپالیا کریں جس قدر وہ ہم سے زیادہ لیتے ہیں؟ اس پر حضرت بشیر بن الخصاصیہ ؓ نے کہا کہ نہیں اس کی اجازت نہیں ہے، ظاہر بات ہے کہ حضرت بشیر بن الخصاصیہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی کہی ہوگی، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا تو حضور ﷺ نے بھی زیادتی کی بقدر مال چھپانے سے منع فرما دیا تھا۔

اب رہا سوال یہ کہ ان لوگوں کو زکوۃ کے مال سے کچھ بھی چھپانے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاید انھوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھا تھا کہ زکوۃ وصول کرنے والے واجب مقدار سے زیادہ وصول کرتے ہیں جب کہ فی الواقع ایسا نہیں تھا۔

نیز اگر مال کو چھپانے کی اجازت دے دی جاتی تو پھر ایسا بھی ہوتا کہ بعض لوگ اس اجازت کا غلط فائدہ اٹھاتے کہ اگر ساعی زکوۃ ظالم بھی نہیں ہے پھر بھی وہ مال کو چھپایا کرتے۔

۱۵۸۶- اخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۴/ ۱۷۵/ ۷۳۲۶)، وأحمد في مسنده (۳۴/ ۳۸۱/ ۲۰۷۸۵)

لیکن یہاں یادرکھنا چاہیے کہ یہ حکم کہ مال عامل زکوۃ کے سامنے پیش کیا جائے اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے، اموالِ باطنہ مثلاً سونا چاندی اور روپیہ وغیرہ عاملین کے سامنے پیش ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ مالک اس کی زکوۃ کا حساب خود لگائے گا۔

۱۵۸۷- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَصْحَابَ الصَّدَقَةِ، يَعْتَدُونَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ .

ترجمه: حضرت ایوب سے سابقہ سند اور معنی کے ساتھ روایت ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کہ صدقہ وصول کرنے والے ہم سے زیادتی کیا کرتے ہیں، ابوداؤد کہتے ہیں کہ: عبدالرزاق نے معمر کے واسطہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث کو ایوب سختیانی سے نقل کرنے والے دو حضرات ہیں ایک حماد بن زید اور دوسرے معمر، حماد بن زید نے ایوب سے جب روایت نقل کی تو موقوفاً نقل کی تھی، جس میں سائل دیسم تھے اور مسئول حضرت بشیر بن الخصاصیہ تھے جب کے معمر کے اس طریق میں سائل حضرات صحابہ ہیں اور مسئول رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لیے یہ طریق مرفوع ہوا اور طریق سابق موقوف تھا "قال أبوداؤد" سے مصنفؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ معمر کی روایت میں "أصحابِ الصدقة" ہے جب کہ حماد کی روایت میں "أهل الصدقة" تھا۔

۱۵۸۸- حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ أَبِي الْغُصْنِ، عَنْ صَخْرِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَيَأْتِيكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُونَ، فَإِنْ جَاءُوكُمْ، فَرَحِّبُوا بِهِمْ، وَخَلُّوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ، فَإِنْ عَدَلُوا فَلِأَنْفُسِهِمْ، وَإِنْ ظَلَمُوا، فَعَلَيْهَا وَأَرْضُوهُمْ، فَإِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ، وَلْيَدْعُوا لَكُمْ .

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو الْغُصْنِ هُوَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ غُصْنٍ .

۱۵۸۷- انظر: التخريج المتقدم.

۱۵۸۸- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۴/۱۹۲/۷۳۷۹)

ترجمہ: حضرت جابر بن عتیکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایسے لوگ تم سے زکوۃ وصول کرنے آئیں گے جنکوتم ناپسند کرتے ہوگے پس جب وہ آئیں توتم انکوخوش آمدید کہنا اور جولینا چاہیں وہ دے دینا اگر وہ انصاف سے کام کریں گے تو اسکا اجر پائیں گے اور اگر ظلم کریں گے تو اسکا وبال بھی انہی پر ہوگا انکو راضی رکھنا کیونکہ تمھاری زکوۃ جبھی پوری ہوگی جب وہ خوش ہو جائیں گے اور تمھارے لیے دعائے خیر کریں گے ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوالغصن سے مراد ثابت بن قیس بن غصن ہیں۔

رجال حدیث: أبوالغُصنِ: یہ ثابت بن قیس الغفاري المدني ہیں، امام احمد نے ان کو ثقہ اور یحیٰی بن معین اور نسائی نے "لا باس به" کہا ہے، ابن سعد نے کہا کہ قلیل الحدیث تھے، اور حاکم نے کہا کہ یہ حافظ نہیں ہیں، اس کے علاوہ ابن حبان نے کثیر الوہم قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "صدوق یهم" قرار دیا ہے۔

صخربن إسحاق: لین الحدیث ہیں طبقہ سادسہ میں سے ہیں اور صرف ابوداؤد نے ان کی روایت لی ہے۔

عبدالرحمن بن جابر بن عتیک: ابن القطانؒ فرماتے ہیں کہ مجہول راوی ہیں، تقریب میں بھی مجہول لکھا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: سیاتیکم رکب الخ: رَكْبٌ جمع ہے رَاكِبٌ کی، دس اور دس سے زیادہ سواروں کو رکب کہا جاتا ہے، بعض نسخوں میں تصغیر رُكَيْبٌ بھی ہے، اور "مُبَغَّضُوْنَ" بضم المیم وفتح الباء والغین المعجمہ المشددہ، صیغۂ اسم مفعول ہے باب تفعیل سے یا پھر باء کے سکون اور غین کے فتح کے ساتھ باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، معنی یہ ہوئے کہ تمہارے پاس ایسے قافلے آئیں گے جو تمہارے نزدیک مبغوض ہوں گے تم ان کو اس پے ناپسند کروگے کہ وہ تمہارا محبوب مال لینے کے لیے تمہارے پاس آئیں گے، لہٰذا ناپسند ہونا ایک طبعی تقاضہ ہے لیکن مبغوض ہونے کے باوجود جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو خوش آمدید کہو، اپنی خوشی کا اظہار کرو اور ان کے سامنے اپنے اموال (اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ) پیش کردو، اور جتنی زکوۃ متعین کرکے وہ بیان کریں اتنی زکوۃ ان کو ادا کردو۔

قوله: فإن عدلوا فلأنفسهم: اگر وہ زکوۃ کی وصولیابی میں انصاف کریں گے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا اور اگر ناانصافی کریں گے کہ مقدار واجب سے زیادہ وصول کرلیں یا عمدہ ترین مال لے لیں تو اس کا گناہ انھیں کے ذمہ ہوگا، ان کے ظلم سے تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ تم کو تو ثواب ہی ملے گا کہ مقدار واجب سے زیادہ ادا کرکے تکلیف اٹھائی ہے۔

قوله: "وأرضوهم" واجب شدہ مقدار کو ادا کرکے ان کو خوش کرنے کی کوشش کرو، کیوں کہ ان کو خوش کرنا زکوۃ کے ثواب کی تکمیل ہے، اصل فرض تو زکوۃ کا مال دیدینے سے ادا ہوجائے گا، لیکن زکوۃ وصول کرنے والا راضی اور خوش ہو تو یہ اس ادائے فرض کا درجۂ کمال ہے۔

قوله: "وليدعوا لكم" یہ لام امر کے ساتھ تاکیدی حکم ہے اور اس میں عاملین کی ذمہ داری کا بیان ہے یعنی اخلاق اور مروّت کا تقاضہ یہ ہے کہ عُمّال زکوۃ ادا کرنے والوں کو خیر و برکت کی دعائیں دیں، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا، چناں چہ حضرات فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مستحب ہے کہ زکوۃ وصول کرنے والا زکوۃ دینے والے کے لیے خیر و برکت کی دعا کرے، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ "ل" تعلیل کے لیے ہو اور مطلب یہ ہے کہ عمال کو خوش کرو تا کہ وہ تمہارے لیے دعائیں کریں۔ (المنہل: ۹/ ۱۹۰)

حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم کو چاہیے کہ عمال کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلائے اور ساتھ ہی رب المال کی ذمہ داری بھی واضح کرے۔

١٥٨٩- حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ، ح وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي كَامِلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ هِلَالٍ الْعَبْسِيُّ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ نَاسٌ يَعْنِي مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَا فَيَظْلِمُونَا، قَالَ: فَقَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنْ ظَلَمُونَا؟ قَالَ: أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ ، زَادَ عُثْمَانُ: وَإِنْ ظُلِمْتُمْ ، قَالَ أَبُو كَامِلٍ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ جَرِيرٌ: مَا صَدَرَ عَنِّي مُصَدِّقٌ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا وَهُوَ عَنِّي رَاضٍ .

ترجمه: حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ چند اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: زکوۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو راضی رکھو، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر چہ وہ، ہم پر ظلم کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو راضی رکھو اگر چہ وہ تم پر ظلم کریں، حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اسوقت سے کوئی مصدق میرے پاس سے نہیں لوٹا مگر خوش ہو کر۔

تشریح حدیث: قوله: "يعني من الاعراب" یہ عبدالرحمن بن ہلال راوی کی تفسیر ہے، کہ یہ آنے والے دیہات کے لوگ تھے۔

قوله: "ياتونا فيظلمونا" دونوں صیغوں میں نون رفع کے حذف کے ساتھ ہے، اور نون رفع کا یہ حذف ایک قوم

١٥٨٩- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: إرضاء السعاة (٩٨٩)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: إذا جاوز في الصدقة (٥/ ٣٢)

کے نزدیک بغیر کسی ناصب اور جازم کے ہوتا ہے، جب کہ ایک نسخے میں یہ "یاتوننا فیضلموننا" ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور اصل کے مطابق ہے۔

قوله: "زاد عثمان وإن ظُلِمتم" یعنی عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں حضور ﷺ کا قول "وإن ظلمتم" بھی نقل کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے زکوۃ وصول کرنے والے کو راضی کرو اگر چہ تم پر ظلم کیا جائے، یعنی اپنے مال کی محبت کے باعث تم یہی کیوں نہ سمجھو کہ وہ واجب سے زیادہ یا عمدہ مال لے کر تمہارے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کر رہے ہیں حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات زکوۃ کی ادائیگی میں ذرا بھی کمی نہ کر کے عمال کو راضی کرنے کی اہمیت کو غایت درجہ واضح کرنے کے لیے بطریق مبالغہ فرمائی ورنہ ظاہر ہے کہ جو عامل فی الحقیقت وفی الواقع ظلم وزیادتی کرے اس کو راضی کرنا کیوں کر ہوسکتا ہے۔

آگے حضرت جریرؓ کا حدیث پر شدت اہتمام کے ساتھ عمل کرنے کا ذکر ہے۔

نوٹ: الحمد للہ آج مؤرخہ ۲۰ / ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ بروز ہفتہ بعد مغرب سنن ابوداؤد کے بتیس سپاروں میں سے نو سپاروں کی شرح مکمل ہوگئی۔ فللہ الحمد اولاً وآخراً

بَابُ دُعَاءِ الْمُصَدِّقِ لِأَهْلِ الصَّدَقَةِ

زکوۃ وصول کرنے والا زکوۃ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرے

۱۵۹۰- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، وَأَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ أَبِي مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ، قَالَ: فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رضوان نامی درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکوۃ لے کر آپ ﷺ کے پاس آتی تو آپ ﷺ ان کے حق میں یہ دعا فرماتے: اے اللہ! رحمت نازل فرما فلاں کی اولاد پر

۱۵۹۰- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة(۱۴۹۷)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: الدعاء لمن أتى بصدقته(۱۰۷۸)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: صلاة الإمام على صاحب الصدقة(۵/ ۳۰)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: مايقال عند إخراج الزكاة(۱۷۹۶).

میرے والد بھی اپنی زکوۃ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! رحمت نازل فرما ابواوفی کی اولاد پر۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد ایک اخلاقی ادب بیان کرنا ہے کہ جب حاکم یا مصدق (عامل زکوۃ) کے پاس اپنی زکوۃ خود لے کر حاضر ہو تو اس آنے والے کے حق میں خیر و برکت کی دعا کرنی چاہیے، کیوں کہ وہ مال کی شدید محبت کے باوجود اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر رہا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ توجہ اور دلداری کا معاملہ ہونا ہی چاہیے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے ارشاد ہے: ''**خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصلّ عليهم إن صلاتك سكن لهم**'' کہ ان کے اموال میں سے صدقہ لو جس کے ذریعہ تم ان کو پاک وصاف کرو گے اور ان کے لیے دعا کرو بیشک آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے باعث سکون ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ جب لوگ صدقات لے کر حاضر خدمت ہوتے تو نبی کریم ﷺ ان کو دعا دیتے تھے کہ اے اللہ! فلاں کی آل پر رحمت نازل فرما، میرے والد اپنا صدقہ لے کر آئے تو ان کو بھی یہی دعا دی اسی دعا میں ''آل'' سے خود مخاطب کی ذات مراد ہے یعنی خود ابواوفیؓ مراد ہیں، احادیث میں اس استعمال کی نظیر پائی جاتی ہے، چناں چہ آپ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے بارے میں فرمایا تھا: ''**لقد أوتي مزمارًا من مزامير آل داؤد**'' یہاں بھی آل داؤد سے خود حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں۔

قولہ: ''**كان أبي من أصحاب الشجرة**'': حضرت ابواوفی علقمہ بن خالدؓ اصحاب شجرہ میں سے ہیں اور اصحاب الشجرہ وہ صحابہ کرام کہلاتے ہیں جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اور بیعۃ الرضوان اس مشہور بیعۃ کا نام ہے جو ۶ھ میں ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی۔

فقہ الحدیث: کسی کے لیے لفظ ''صلاۃ'' کے ساتھ دعا کرنی تنہا درست نہیں ہے سوائے انبیاء علیہم السلام کے، ہاں انبیاء کے ساتھ ملا کر کسی پر صلاۃ بھیجے تو درست ہے، پس آں حضرت ﷺ جو زکوۃ لانے والوں پر صلاۃ بھیجتے تھے، تو یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے اوروں کو درست نہیں، اس پر تفصیلی کلام کتاب الصلاۃ کے اخیر میں باب الصلاۃ علی غیر النبی کے تحت گذر چکا ہے۔

بَابُ تَفْسِيرِ أَسْنَانِ الْإِبِلِ

اونٹوں کی عمروں کا بیان

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُهُ مِنَ الرِّيَاشِيِّ، وَأَبِي حَاتِمٍ، وَغَيْرِهِمَا، وَمِنْ كِتَابِ النَّضْرِ

بْنِ شُمَيْلٍ، وَمِنْ كِتَابِ أَبِي عُبَيْدٍ وَرُبَّمَا ذَكَرَ أَحَدُهُمُ الْكَلِمَةَ قَالُوا: يُسَمَّى الْحُوَارُ، ثُمَّ الْفَصِيلُ إِذَا فَصَلَ، ثُمَّ تَكُونُ بِنْتُ مَخَاضٍ لِسَنَةٍ إِلَى تَمَامِ سَنَتَيْنِ، فَإِذَا دَخَلَتْ فِي الثَّالِثَةِ، فَهِيَ ابْنَةُ لَبُونٍ، فَإِذَا تَمَّتْ لَهُ ثَلَاثُ سِنِينَ، فَهُوَ حِقٌّ وَحِقَّةٌ إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ؛ لِأَنَّهَا اسْتَحَقَّتْ أَنْ تُرْكَبَ، وَيُحْمَلَ عَلَيْهَا الْفَحْلُ، وَهِيَ تَلْقَحُ، وَلَا يُلْقِحُ الذَّكَرُ حَتَّى يُثَنِّيَ، وَيُقَالُ لِلْحِقَّةِ: طَرُوقَةُ الْفَحْلِ؛ لِأَنَّ الْفَحْلَ يَطْرُقُهَا إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ، فَإِذَا طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ، فَهِيَ جَذَعَةٌ حَتَّى يَتِمَّ لَهَا خَمْسُ سِنِينَ، فَإِذَا دَخَلَتْ فِي السَّادِسَةِ، وَأَلْقَى ثَنِيَّتَهُ، فَهُوَ حِينَئِذٍ ثَنِيٌّ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ سِتًّا، فَإِذَا طَعَنَ فِي السَّابِعَةِ سُمِّيَ الذَّكَرُ رَبَاعِيًا، وَالْأُنْثَى رَبَاعِيَةً إِلَى تَمَامِ السَّابِعَةِ، فَإِذَا دَخَلَ فِي الثَّامِنَةِ، وَأَلْقَى السِّنَّ السَّدِيسَ الَّذِي بَعْدَ الرَّبَاعِيَةِ، فَهُوَ سَدِيسٌ وَسَدَسٌ إِلَى تَمَامِ الثَّامِنَةِ، فَإِذَا دَخَلَ فِي التِّسْعِ وَطَلَعَ نَابُهُ، فَهُوَ بَازِلٌ، أَيْ بَزَلَ نَابُهُ - يَعْنِي طَلَعَ - حَتَّى يَدْخُلَ فِي الْعَاشِرَةِ، فَهُوَ حِينَئِذٍ مُخْلِفٌ، ثُمَّ لَيْسَ لَهُ اسْمٌ، وَلَكِنْ يُقَالُ: بَازِلُ عَامٍ، وَبَازِلُ عَامَيْنِ، وَمُخْلِفُ عَامٍ، وَمُخْلِفُ عَامَيْنِ، وَمُخْلِفُ ثَلَاثَةِ أَعْوَامٍ إِلَى خَمْسِ سِنِينَ، وَالْخَلِفَةُ: الْحَامِلُ.

قَالَ أَبُو حَاتِمٍ: وَالْجُذُوعَةُ: وَقْتٌ مِنَ الزَّمَنِ لَيْسَ بِسِنٍّ، وَفُصُولُ الْأَسْنَانِ عِنْدَ طُلُوعِ سُهَيْلٍ

ترجمہ: ابوداود کہتے ہیں: کہ میں نے ریاشی اور ابوحاتم وغیرہ سے سنا ہے اور نضر بن شمیل اور ابوعبید کی کتاب سے حاصل کیا ہے، کوئی بات ان میں سے کسی ایک ہی نے کہی ہے، ان لوگوں نے کہا: کہ اونٹ کا بچہ (جب تک پیٹ میں رہتا ہے) حُوار کہلاتا ہے، اور جب پیدا ہو چکتا ہے تو اسکو فصیل کہتے ہیں، جب دوسرے برس میں لگے تو بنت مخاض، جب تیسرے میں لگے تو بنت لبون، جب تین برس کا ہو جائے تو چوتھے سال تک اسکو حق اور حقہ کہتے ہیں؛ کیونکہ اسوقت تک وہ سواری اور جفتی کے لائق ہو جاتے ہیں، اور نر اونٹ جوان نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ چھ برس کا ہو جائے، اور حقہ کو طروقۃ الفحل بھی کہتے ہیں کہ نر اس پر کودتا ہے، چار برس پورے ہونے تک جب پانچواں برس لگے تو جذعہ کہلاتا ہے، پانچ برس پورے ہونے تک جب چھٹے برس میں لگے اور سامنے کے دانت گرائے تو ثنی ہے، چھ برس پورے ہونے تک، جب ساتواں برس لگے تو نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ کہیں گے سات برس پورے ہونے تک، جب آٹھواں برس لگے اور چھٹا دانت نکالے تو وہ

سدیس اور سدس ہے آٹھ برس پورے ہونے تک، جب نواں برس لگے تو وہ بازل ہے؛ کیونکہ اسکی کچلیاں نکل آتی ہیں، دسواں برس شروع ہونے تک، اب اس کا نام مُخلف ہے اس کے بعد اس کا کوئی نام نہیں، مگر یوں کہیں گے کہ: ایک سال کا بازل، دوسال کا بازل، ایک سال کا مخلف، دوسال کا مخلف، تین سال کا مخلف، پانچ سال تک اسی طرح کہیں گے، اور خَلِفہ حاملہ کو کہتے ہیں۔

ابوحاتم نے کہا ہے: اور جزعہ ایک وقت کا نام ہے کوئی دانت نہیں ہے، اور دانتوں کی فصل سہیل تارے کے نکلنے پر بدلتی ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَنْشَدَنَا الرِّيَاشِيُّ شِعْراً: ابوداؤد کہتے ہیں کہ ریاشی نے ہم کو یہ شعر سنائے (جنکا مفہوم یہ ہے):

إِذَا سُهَيْلٌ آخِرَ اللَّيْلِ طَلَعْ ☆ فَابْنُ اللَّبُونِ الْحِقُّ، وَالْحِقُّ جَذَعْ
جب پہلی رات کو سہیل نکلا ☆ تو ابن لبون حِق ہو گیا اور حِق جذعہ بن گیا
لَمْ يَبْقَ مِنْ أَسْنَانِهَا غَيْرُ الْهُبَعْ ☆ وَ الْهُبَعُ: الَّذِي يُولَدُ فِي غَيْرِ حِينِهِ
دانتوں میں سے کچھ نہ رہا سوائے ہبع کے ☆ ہبع وہ بچہ ہے جو بیوقت پیدا ہوا ہو

مقصد ترجمہ: عربوں کے یہاں اونٹوں کے باقاعدہ نام ہوا کرتے تھے، ہر عمر کے اونٹ کو وہ الگ نام سے پکارتے تھے، اب مختلف قسم کے نام احادیث میں بھی آتے ہیں، اس لیے ہمارے مصنفؒ نے مناسب سمجھا کہ ان سب ناموں کی تشریح اسی جگہ بیان کردی جائے، کیوں کہ دوہی مقامات ایسے ہیں جہاں اونٹوں کے یہ مختلف اسماء زیادہ آتے ہیں، ایک تو یہی کتاب الزکوۃ اور دوسرے کتاب الحدود والدیات؟ یہ چوں کہ پہلا مقام ہے اس لیے یہاں اس کی تشریح فرمارہے ہیں، تا کہ مزید کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت نہ پڑے۔

حل لغات اور **تشریح: قوله:** ''تفسير أسنان الإبل'' اسنان جمع ہے سِنٌّ کی بمعنی دانت، لیکن مراد یہاں پر عمر ہے، کیوں کہ عمر کا پتہ عامۃً دانت ہی سے چلتا ہے، اس لیے اسنان اعمار کے معنی میں ہے، یعنی اونٹ کی عمروں کا بیان، کہ عربوں کے یہاں کس عمر کے اونٹ کو کیا کہا جاتا ہے اس کا کیا نام ہوتا ہے، وغیرہ۔

قوله: ''قال أبوداؤد'' یہاں سے مصنفؒ ان حضرات کا حوالہ دے رہے ہیں جن سے انھوں نے اونٹوں کے ناموں کی تفصیل نقل کی ہے، ان حضرات میں جن کا نام لیا ہے یہ علماء بغداد ہیں۔

قوله: ''سمعته من الرياشي:'' بکسر الراء وتشدید الیاء ہے، نام عباس بن الفرج اور کنیت ابوالفضل بصری ہے، ثقہ راوی ہیں لیکن سنن ابوداؤد میں ان کی کوئی حدیث مروی نہیں ہے، بلکہ صرف یہی ایک تفسیر منقول ہے۔

ابو حاتم: یہ مشہور نحوی سہیل بن محمد بن عثمان سجستانی ہیں، یہ بھی ثقہ راوی ہیں یہ ابو حاتم رازی نہیں ہیں، ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہے، جب کہ ابو حاتم رازی جو مشہور محدث ہیں ان کی سن وفات ۲۷۷ھ میں ہے، ویسے تو دونوں ہی امام ابوداودؒ کے اساتذہ ہیں۔

قوله: "ومن كتاب نضربن شميل" یعنی میں نے اونٹوں کی عمر کی تفصیل نضر بن شمیل کی کتاب سے لی ہے، نضر بن شمیل بھی حدیث کے بڑے امام ہیں، آپ کو لغت میں بھی امامت کا درجہ حاصل ہے، ۲۰۴ھ میں مرو میں وفات ہوئی ہے۔

قوله: "ومن كتاب أبي عبيد" یہ قاسم بن سلام ہیں جو بغداد کے قضاۃ میں سے ہیں، دنیا کے مشہور ادباء اور اصحاب لغت میں سے ہیں، تقریب التہذیب میں ان کو مقبول لکھا ہے مصنفؒ نے ان دونوں کی کتاب سے اور ان کے علاوہ کے اسماء نقل نہیں کیے ہیں اس تفصیل کو نقل فرمایا ہے۔

قوله: "وربما ذكر أحدهم الكلمة" یعنی اسنان ابل کی درج ذیل تفصیل کے بعض کلمات تو سب حضرات ریاشی، ابو حاتم، نضر بن شمیل اور ابو عبید ہی نے بیان کیے ہیں اور بعض کلمات ایسے بھی ہیں جن کو سب نے بیان نہیں کیا بلکہ بعض نے بیان کیا ہے اور بعض نے نہیں۔

قوله: "قالوا: يسمي الحوار" بضم الحاء المهملة وكسرها، جب اونٹنی سے بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلا نام حوار ہوتا ہے اور اس کا یہ نام ایک سال تک رہتا ہے، جب ایک سال کا پورا ہو گیا تو یہ اپنی ماں سے الگ ہو جاتا ہے یعنی دودھ چھوڑ دیتا ہے تو اب اس کا نام بدل جاتا ہے اور اس کو تین ناموں سے پکارا جاتا ہے، یا تو فطیم یا فصیل یا بنت مخاض وابن مخاض کہا جاتا ہے کیوں کہ جب یہ ایک سال کا ہو گیا تو اس نے دودھ بھی چھوڑ دیا اس وجہ سے فطیم یا فصیل ہے، اور مخاض کے معنی حاملہ کے ہیں، دودھ چھوڑنے کے بعد اس کی ماں حاملہ ہو جاتی ہے اس لیے بنت مخاض اور ابن مخاض کہا جاتا ہے۔)

قوله: 'إبنة لبون' جب اس بچہ کی عمر پورے دو سال کی ہو گئی اور تیسرے سال میں لگ گیا تو اس کا نام بنت لبون اور ابن لبون ہو جاتا ہے، اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی ماں گذشتہ سال جو حاملہ تھی اب وہ وضع حمل کے بعد دودھ دینے لگتی ہے اس لیے اس کے بچہ کو بنت لبون یا ابن لبون کہہ دیا جاتا ہے۔

قوله: "حِقٌ أو حِقَّةٌ" جب یہ بچہ پورے تین سال کا ہو کر چوتھے سال میں لگ گیا تو اس کو حق اور حقہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس عمر میں مؤنث تو جفتی کے لائق اور مذکر سواری کے لائق ہو جاتے ہیں۔

قوله: "وهي تَلْقَحُ وَلَا يُلْقِحُ الذَّكَرُ": لَقِحَ يَلْقَحُ لَقَحًا ولِقَاحًا بمعنی اونٹنی کا حاملہ ہونا، یعنی جب اونٹنی اس عمر کو پہنچ گئی تو حمل کے قابل ہو جاتی ہے "طروقة الفحل" کے جملہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور مذکر اس عمر میں

جفتی کرنے پر قادر نہیں ہوتا اسی لیے کہا گیا "ولا يُلقِحُ" "أَلْقَحَ الفَحلُ الناقَةَ إلقاحًا مذکر نے اونٹنی سے جفتی کر لی، نر جفتی کے لائق مزید دو سال کے بعد ہوتا ہے، جس کو ثنی کہا جاتا ہے۔

قوله: "جذعة" جب اونٹ کا بچہ چار سال کا پورا ہو کر پانچویں سال میں لگ گیا تو نر کو "جَذَع" اور مؤنث کو "جَذَعَةٌ" کہا جاتا ہے، اور جذعہ خاص عمر کے لحاظ سے کہا جاتا ہے اور وہ چار سال ہے، پھر جذعہ ہر جانور کا الگ ہوتا ہے، چناں چہ گائے، بیل وغیرہ کا جذعہ دو سال کا ہوتا ہے اور بکری کا جذع ایک سال کا ہوتا ہے، اس کی وضاحت آگے بھی آرہی ہے کہ "والجذوعة وقت من الزمن وليس بسِن"۔

قوله: "ثَنِيّ" اونٹنی کا بچہ جب پانچ سال کا پورا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو گیا اور اپنے ثنایا اس نے گرا لیے ہوں تو مذکر کو "ثَنِيٌّ" اور مؤنث کو "ثَنِيَّةٌ" کہا جاتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ پانچ سال میں دودھ والے دانت عامۃ گر جاتے ہیں، اس لیے اس کو ثنی اور ثنیۃ کہا جاتا ہے۔

قوله: "رَبَاعِيَةٌ" بفتح الراء ثنایا اور انیاب کے درمیان اوپر نیچے جو چار دانت ہوتے ہیں ان کو رباعیہ کہا جاتا ہے اس کی جمع "رُبُع" بروزن "قُذُل" اور "رُبْعَان" بروزن غزلان آتی ہے، جس کے رباعی دانت گر جائیں اس کو رباعی اور رباعیہ کہا جاتا ہے، اور یہ دانت چھ سال پورا ہونے پر گر جاتے ہیں۔

قوله: "وألقي السن السديس" رباعیۃ کے بعد اور ناب سے پہلے جو دانت ہوتے ہیں ان کو سدس کہتے ہیں، یہ بھی دو اوپر اور دو نیچے چار دانت ہوتے ہیں، جب اونٹ آٹھویں سال میں داخل ہوتا ہے تو یہ دانت بھی گر جاتے ہیں اس وقت اس کا نام سدیس اور سدس ہو جاتا ہے اور جمع سدس آتی ہے۔

قوله: "فإذا دخل في التسع طلع نابه فهو باذل" یعنی جب اونٹ کی عمر آٹھ سال ہوئی اور نویں سال میں داخل ہو گیا تو اس کے نوک دار دانت نکل آتے ہیں اس لیے اس کو باذل کہتے ہیں، کیوں کہ "بَذَلَ يَبْذُلُ بَذْلاً" کے معنی آتے ہیں چیرنا اور یہ دانت اپنی جگہ کے گوشت کو چیر کر باہر نکلتا ہے اس لیے اس کو باذل کہتے ہیں، اس کی جمع "بُزَّلٌ". آتی ہے، "بَوَازِل" آتی ہے۔

قوله: "مُخلِفٌ" جب اونٹ نو سال کا پورا ہو گیا اور دسویں سال میں داخل ہو گیا تو اس کو "مُخلف" کہا جاتا ہے۔

قوله: "ثم ليس له اسم" حوار سے مخلف تک تو عمر کے لحاظ سے اونٹوں کے مختلف اسماء آئے، لیکن جب اونٹ کی عمر دس سال ہو گئی تو اب اس کا عمر کے اعتبار سے کوئی مخصوص نام نہیں ہوتا ہے، بلکہ پہلے نام میں صفات کا اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں، چناں چہ دس سال کے اونٹ کو باذل عام، گیارہ سال کے کو "بَاذل عَامَيْنِ" اسی طرح گیارہ سال کے

اونٹ کو "مُخْلِفُ عَامٍ" اور بارہ سال کے کو "مُخْلِفُ عَامَيْنِ" کہتے ہیں، اسی طرح اضافہ کرتے چلے جائیں گے۔

قوله: "الخلِفَةُ الحامِلُ" بفتح الخاء وکسر اللام بمعنی حاملہ اونٹنی جمع "خلائف" اور "خلِفات" آتی ہے۔

قوله: "قال ابوحاتم": وَالْجَذُوْعَة وَقْتٌ مِنَ الزّمن، یعنی جذعة جو نام ہے وہ کسی خاص دانت کے نکلنے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقت کے لحاظ سے جذعہ کہا جاتا ہے، ابوحاتم اسی کو واضح فرما رہے ہیں۔

قوله: "وفصول الاسنان عند طلوع سهيل" یعنی اونٹوں کی عمر کا حساب سہیل نامی ستارے کے ظہور سے ہوتا ہے، اور سہیل وہ ستارہ ہے کہ اس کے ظہور سے پھل وغیرہ پکتے ہیں، اسی ستارے کے ظہور کے وقت اونٹنیاں بچے جنتی ہیں، اب ہر سال جب اس ستارے کے ظہور کا وقت ہوتا ہے، تو اونٹ کے نام بھی بدل دیئے جاتے ہیں، چناں چہ جو اونٹ اب تک ایک سال کا ہونے کی وجہ سے بنت مخاض تھا وہ دو سال کا ہوگیا اور اس کا نام ابن لبون یا بنت لبون ہوگیا، اسی طرح جو بنت لبون تھا وہ حقہ اور جو پہلے سے حقہ تھا وہ جذعہ ہوجائے گا اسی طرح اور اونٹوں کے اسماء تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

قال: أبوداؤد: "وأنشدنا الرياشي": مصنفؒ کے استاذ ابوالفضل الریاشی نے موضوع سے متعلق تین ابیات نقل فرماتے ہیں، مصنف ان کو یہاں بیان فرما رہے ہیں۔

قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: وَأَنْشَدَنَا الرِّيَاشِيُّ شِعْرًا: ابوداؤد کہتے ہیں کہ ریاشی نے ہم کو یہ شعر سنائے (جن کا مفہوم یہ ہے)

إِذَا سُهَيْلٌ أخِرَ اللَّيْلِ طَلَعْ ☆ فَابْنُ اللَّبُوْنِ الْحَقُّ ، وَالْحِقُّ جَذَعْ

لَمْ يَبْقَ مِنْ أَسْنَانِهَا غَيْرُ الْهُبَعْ

وَالْهُبَعُ: الَّذِيْ يُوْلَدُ فِي غَيْرِ حِيْنِهِ

جب پہلی رات کو سہیل نکلا، تو ابن لبون حق ہوگیا اور حق جذعہ بن گیا، دانتوں میں سے کچھ نہ رہا سوائے ہبع کے، ہبع وہ بچہ ہے جو بے وقت پیدا ہوا ہو۔

یہ تین ابیات ہوئے، مطلب ان کا ترجمہ سے ظاہر ہے، البتہ تیسرے بیت میں جو کلمہ "هُبَعْ" آیا ہے اس کی توضیح مصنفؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ہبع وہ بچہ کہلاتا ہے جو بے وقت پیدا ہوجائے، جو اس کے پیدا ہونے کا معروف وقت اور موسم ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد میں پیدا ہو، جو بچے سہیل نامی ستارے کے ظہور کے وقت پیدا ہوتے ہیں ان کی عمر کا حساب تو جب ہی سے ہوتا ہے، مگر جو بچہ اس کے آگے پیچھے پیدا ہوں ان کو ہبع سے تعبیر کرتے ہیں، ابن سکیت کہتے ہیں کہ عرب لوگ کہا کرتے تھے "ماله هبع ولا ربع" (عون المعبود: ۲/ ۲۳۶)

☆

بَابُ أَيْنَ تُصَدَّقُ الْأَمْوَالُ

اموال کی زکوٰۃ کہاں پر لی جائے

۱۵۹۱- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا جَلَبَ، وَلَا جَنَبَ، وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (زکوٰۃ کے معاملہ میں) نہ جلب ہے، اور نہ جنب، بلکہ زکوٰۃ ان کے ٹھکانوں پر ہی لی جائے گی۔

تشریح حدیث: یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ سائمہ کی زکوٰۃ وصول کرنے میں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ اس میں نہ تو مالکان کے لیے کوئی پریشانی ہو اور نہ ہی ساعی کے لیے کوئی پریشانی ہو بلکہ ایسی جگہ زکوٰۃ لی جائے جہاں لینے والوں اور دینے والوں دونوں ہی کے لیے آسانی ہے اور آسانی اس میں ہے کہ لوگوں سے ان کے گھروں ہی سے زکوٰۃ لی جائے، اس میں دینے والوں کے لیے یہ آسانی ہے کہ گھر سے باہر اپنے جانوروں کو لے جانے کی مشقت نہیں ہے۔ اور ساعی کے لیے آسانی اس لیے ہے کہ ہر ایک کے یہاں سے جا کر اس کے الگ مال کو دیکھنا اور حساب لگانا سہل ہے، جب کہ ایک جگہ پر بلائے گا تو لوگوں کے جانور مخلوط ہوں گے اور پھر اس کو پریشانی ہوگی، اسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے مصنفؒ نے یہ عنوان قائم کیا کہ زکوٰۃ کہاں سے وصول کیجائے؟ جواب خود حدیث شریف میں موجود ہے۔

قولہ: لا جلب ولا جنب: یہ حدیث دو جگہ آتی ہے ایک ابواب الزکاۃ میں اور دوسرے کتاب الجہاد میں، دونوں جگہ اس کے معنی الگ الگ مراد ہوتے ہیں، یہاں کتاب الزکاۃ میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرنے جائے اس کے لیے درست نہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کے ٹھکانوں سے دور کسی جگہ قیام کرے اور مویشی والوں کو حکم بھیجے کہ وہ اپنے اپنے مویشی لے کر اس کے پاس حاضر ہوں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

اور "لا جنب" کا حکم زکوٰۃ دینے والوں کے حق میں ہے کہ مویشیوں کے مالکان کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے اپنے مویشیوں کو لے کر زکوٰۃ وصول کرنے والے سے کہیں دور چلے جائیں اور پھر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو تکلیف ومشقت اٹھا کر وہاں جانا پڑے، جلب کی صورت میں زکوٰۃ دینے والا آزردہ وپریشان ہوتا ہے اور جنب کی صورت میں

۱۵۹۱- أخرجه احمد ۲/ ۱۸۰، ۲۱۶۔

زکوٰۃ وصول کرنے والا آزردگی و پریشانی سے دو چار ہوتا ہے، چناں چہ دونوں کی رعایت کے مدنظر یہ ہدایت دی گئی کہ زکوٰۃ دینے والوں کے ٹھکانوں پر پہنچ کر ان سے زکوٰۃ وصول کرے۔

کتاب الجہاد میں جلب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ گھوڑ دوڑ کے وقت مسابقہ کرنے والوں میں کوئی ایک اپنے کسی آدمی کو مقرر کر دے کہ جب دوڑ شروع ہو تو میرے گھوڑے کو بھگانے کے لیے خوب آواز لگانا اور پیچھے سے اکسانا؛ تا کہ میرا گھوڑا آگے نکل جائے اور دوسرے کے پیچھے چوں کہ کوئی دوسرا شخص اکسانے والا نہیں ہے اس لیے وہ مسابقہ میں پیچھے رہ جائے گا، منع اس لیے کیا گیا کہ اس میں خیانت ہے۔

اور جلب کے معنی یہ ہیں کہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں جب مسابقہ شروع ہو تو ایک آدمی اپنے ساتھ برابر میں ایک دوسرے گھوڑے کو بھی لے لے تا کہ آگے چل کر جب دیکھے کہ میرا گھوڑا سست ہو گیا ہے تو فوراً ایک گھوڑے کی پیٹھ سے کود کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جائے، اس سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ یہ بھی مسابقہ کے اصول کے خلاف ہے، ملا علی القاریؒ اس حدیث کی شرح بڑے آسان لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں:

لَا جَلَبَ بِفَتْحَتَيْنِ أَيْ لَا يَقْرَبُ الْعَامِلُ أَمْوَالَ النَّاسِ إِلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَشَقَّةِ عَلَيْهِمْ، بِأَنْ يَنْزِلَ السَّاعِي مَحَلًّا بَعِيدًا عَنِ الْمَاشِيَةِ، ثُمَّ يَحْضُرُهَا، وَإِنَّمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنْزِلَ عَلَى مِيَاهِهِمْ أَوْ أَمْكِنَةِ مَوَاشِيهِمْ لِسُهُولَةِ الْأَخْذِ حِينَئِذٍ، وَيُطْلَقُ الْجَلَبُ أَيْضًا عَلَى حَثِّ فَرَسِ السَّبَاقِ عَلَى قُوَّةِ الْجَرْيِ - بِمَزِيدِ الصِّيَاحِ عَلَيْهِ لِمَا يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ مِنْ إِضْرَارِ الْفَرَسِ وَلَا جَنَبَ بِفَتْحَتَيْنِ أَيْ لَا يُبْعِدُ صَاحِبُ الْمَالِ الْمَالَ بِحَيْثُ تَكُونُ مَشَقَّةٌ عَلَى الْعَامِلِ، وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ: أَيْ لَا يَنْزِلُ السَّاعِي بِأَقْصَى مَحَالِّ أَهْلِ الصَّدَقَةِ ثُمَّ يَأْمُرُ بِالْأَمْوَالِ أَنْ تُجْنَبَ إِلَيْهِ أَيْ تُحْضَرَ. اهـ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۲۷)

فقه الحديث: حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ساعی زکوٰۃ اور مالک دونوں میں سے کسی کے لیے درست نہیں کہ ایسا عمل کرے جس میں کسی کے لیے مشقت اور ضرر ہو، نیز اپنے مویشی سے کسی کو ضرر پہنچانا بھی درست نہیں، اس کے علاوہ احد المتسابقین کے لیے ایسا عمل بھی درست نہیں جس سے دوسرے کے حق میں کوئی دھوکہ ہو۔

حدیث باب کی سند پر محمد بن اسحاق کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے لیکن دوسرے طریق سے آنے کی وجہ سے قابل استدلال ہے۔

۱۵۹۲- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يَقُولُ:

۱۵۹۲- انظر: التخريج المتقدم.

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ فِي قَوْلِهِ: لَا جَلَبَ، وَلَا جَنَبَ، قَالَ: أَنْ تُصَدَّقَ الْمَاشِيَةُ فِي مَوَاضِعِهَا، وَلَا تُجْلَبَ إِلَى الْمُصَدِّقِ، وَالْجَنَبُ، عَنْ غَيْرِ هَذِهِ الْفَرِيضَةِ أَيْضًا، لَا يُجْنَبُ أَصْحَابُهَا، يَقُولُ: وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ بِأَقْصَى مَوَاضِعِ أَصْحَابِ الصَّدَقَةِ فَتُجْنَبُ إِلَيْهِ، وَلَكِنْ تُؤْخَذُ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن اسحق سے لا جلب، ولا جنب کی تفسیر اسی طرح منقول ہے کہ جانوروں کی زکوۃ انہیں کے ٹھکانوں پر لی جائے، اور عامل کے پاس کھینچ کر نہ لائے جائیں، جنب یہ ہے کہ جانوروں کو دور لیجائے ایسا بھی نہ کرے بلکہ اپنے مقام پر زکوۃ ادا کرے۔

تشریح: اس تعلیق کو لاکر مصنفؒ کا مقصد "لا جلب ولا جنب" کی تفسیر ہی کو بیان کرنا ہے، چناں چہ محمد بن اسحاق نے "لاجلب" کی تفسیر وہی کی جو ہم سابقہ حدیث کے تحت بیان کر کے آئے ہیں، کہ مویشی کی زکوۃ مالکان سے ان کے گھروں ہی میں وصول کی جائے، ساعی کی طرف شہر سے باہر منتقل نہ کی جاوے، اس لیے کہ اس میں مالکان کے لیے مشقت ہے، اور "لاجنب" کی تفسیر بھی اسی طرح کی کہ مالکان کو چاہیے کہ اپنے مویشی دوسری جگہ نہ لے جائیں، کیوں کہ اس میں ساعی کے لیے مشقت ہے۔

قوله: ولاجنب علي هٰذه الطريقة: سنن ابوداوٗد کے بعض نسخوں میں یہاں "والجنبُ عن هذه الطريقه" ہے، مقصد تشبیہ کو ذکر کرنا ہے کہ جس طرح کی ہدایت ساعی کو ہے اسی طرح کی ہدایت مالکان کو بھی ہے۔

قوله: "ولا يكون الرجل بأقص مواضع أصحاب الصدقة" یہ "لاجنب" کی دوسری تفسیر ہے کہ ساعی اصحاب الصدقہ سے دور جا کر نہ بیٹھ جائے، بلکہ گھروں ہی سے زکوۃ وصول کرے، گویا اس صورت میں "لاجلب" اور "لا جنب" کی تفسیر ایک جیسی ہوگئی، اب اس دوسرے جملہ کو پہلے جملہ کی تاکید پر محمول کرلیا جائے گا۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلی حدیث کے ذیل میں تفصیل سے لکھ کر آئے ہیں کہ دونوں جملوں کی تفسیر الگ الگ ہے، پہلے جملہ کا تعلق ساعی سے ہے اور دوسرے جملہ کا تعلق رب المال سے ہے، کہ نہ تو عامل زکوۃ مویشیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منگوائے اور نہ ہی مویشیوں کے مالکان اپنے مویشیوں کو لے کر دور جائیں۔

حضرت ملاعلی القاریؒ نے بھی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے جیسا کہ ان کی عبارت کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

☆

بَابُ الرَّجُلِ يَبْتَاعُ صَدَقَتَهُ

آدمی کا زکوۃ دینے کے بعد اس (مالِ زکوۃ) کو خریدنے کا بیان

۱۵۹۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: لَا تَبْتَعْهُ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک گھوڑا خدا کی راہ میں دے دیا، اس کے بعد انہوں نے اس کو بکتا ہوا دیکھا تو اسکو خریدنے کا ارادہ کیا؛ مگر پہلے انہوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اسکو مت خریدو، اپنے صدقہ میں رجوع مت کرو۔

مقصد ترجمہ: کسی چیز کو زکوۃ یا نفلی صدقہ کے طور پر دے دینے کے بعد واپس لینے کے دو طریقے ہیں، ایک حقیقتاً اور دوسرا صورۃً، حقیقتاً واپس لینا تو یہ ہے کہ زکوۃ یا صدقہ کے طور پر کسی مستحق کو جو مال دے دیا ہے اس کو واپس لے لے، ایسا کرنا بالاتفاق حرام ہے، اور صورۃً واپس لینا اس طرح ہے کہ جو مال صدقہ کے طور پر کسی مستحق کو دے دیا ہے اس کو اس مستحق (متصدق علیہ) سے خرید لے، یہ حقیقتاً واپس لینا نہیں ہے بلکہ صرف ظاہر کے اعتبار سے عود فی الصدقہ ہے، اس باب میں مصنفؒ اسی صورت کا حکم شرعی بیان فرما رہے ہیں۔

تشریح حدیث: یہ روایت چوں کہ صحیحین میں بھی ہے اور صحیح بخاری میں قدرے تفصیل سے ہے اس لیے صحیحین کی روایت کو سامنے رکھ کر حدیث شریف کا مضمون نقل کیا جاتا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے اس کو دو سندوں سے نقل کیا ہے۔

مضمون یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک غازی جس کے پاس گھوڑا نہ تھا اس کو ایک گھوڑا صدقہ کیا (جیسا کہ بخاری میں ہے) اس مجاہد نے اس گھوڑے کو ناکارہ کر دیا کہ اچھی طرح دیکھ بھال نہ کی جس کی وجہ سے وہ لاغر اور کمزور ہو گیا اور جہاد کے کام کا نہ رہا، اب یہ مجاہد اس کو فروخت کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے چاہا کہ میں ہی اس کو خرید لوں اور خیال یہ تھا کہ یہ شخص اس گھوڑے کو لاغر ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ حضرت عمرؓ اس کے محسن ہیں، شاید سستا فروخت کر دے گا، اس لیے

۱۵۹۳- أخرجه البخاري: كتاب الهبة، باب: لايحل لأحد أن يرجع في هبته أو صدقته (٢٦٢٣)، مسلم: كتاب الهبات، (١٦٢٠)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: شراء الصدقة (٥/١٠٩).

حضرت عمرؓ نے اس بارے میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا، دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: س گھوڑے کو مت خریدو اور اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو واپس نہ لو اگر چہ وہ اسی گھوڑے کو تمھیں ایک ہی درہم میں کیوں نہ دے، گویا یہ اپنے صدقہ کا حقیقتاً واپس لینا نہیں ہے تاہم صورتاً واپس لینا تو ہے، اور پھر اس کی مزید قباحت ظاہر کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو چاٹتا ہے۔

اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنا:

حدیث شریف میں تشبیہ دی گئی ہے کہ اپنے صدقہ کو خریدنا ایسا ہے جیسا کہ قے کو چاٹنا، اب قے کا چاٹنا تو اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے حرام ہے؛ لیکن کیا آدمی کے لیے اپنے صدقہ کو خریدنا بھی حرام ہے؟ اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ صدقہ دینے والے کا اپنی دی ہوئی چیز کا خریدنا جائز نہیں ہے۔

جب کہ حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنے صدقہ میں دی ہوئی چیز کا خریدنا جائز ہے، اور حضرات ائمہ ثلاثہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **"لاتحل الصدقة لغني إلاَّ لخمسة، لعاملٍ عليها أو رجل اشتراها بماله..."** الحدیث۔ اس حدیث میں وضاحت ہے کہ اگر کوئی شخص صدقہ کی ہوئی چیز کو خرید لے تو اس کے لیے حلال ہے۔

رہا مسئلہ روایت الباب کا تو حضرات ائمہ ثلاثہ اس کو مکروہ تنزیہی پر محمول کرتے ہیں، اور یہ مکروہ تنزیہی ہونا بھی اس قباحت کی وجہ سے ہے جس کو فقہاء کی اصلاح میں "قبح لغيره" کہا جاتا ہے، اور اس میں "قبح لغيره" یہ ہے کہ:

عام طور پر جس مستحق کو صدقہ دیا جاتا ہے وہ اپنے پاس صدقہ میں آئی ہوئی چیز کو اگر خود صدقہ دینے والے کے ہاتھ بیچتا ہے تو اس کے صدقہ دینے کے احسانِ سابق کی وجہ سے اس کو سستے دام بیچتا ہے، یعنی جو اصل اور واجبی قیمت ہوتی ہے اس میں کمی کرتا ہے، اصل اور واجبی قیمت میں کمی کی جو بھی مقدار ہوتی ہے وہ گویا اس صدقہ کے ایک حصہ کے طور پر صدقہ دینے والے کے پاس لوٹ کر آتی ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ اپنے صدقہ کو خریدنے والا، اپنے صدقہ کو واپس لینے والا ہو جاتا ہے، یعنی صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے، لہٰذا اگر بائع رعایت نہ کرے اور بازار کی قیمت پر فروخت کرے تو پھر یہ قبح لغیرہ بھی نہ پایا جائے گا۔

نیز یہ کہ آدمی کو تہمت کے مواقع سے بھی بچنا چاہیے، اب اگر ایک شخص اپنا گھوڑا صدقہ کر دیتا ہے اور پھر متصدق علیہ سے خرید لیتا ہے تو دوسرے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع بھی ملتا ہے کہ اس نے تو گھوڑا صدقہ کر دیا تھا پھر واپس بھی لے لیا، اور بلاوجہ لوگ متہم کر دیتے ہیں، اس لیے بھی اس سے بچنا ہی چاہیے۔

صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کو خرید لیتے پھر دوبارہ صدقہ کر دیتے تھے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکم ممانعت دیانت کی رو سے ہے قضاء یہ بیع نافذ ہی ہوتی ہے، اگر بیع نافذ نہ ہوتی تو حضرت ابن عمرؓ کا خریدنا اور پھر دوبارہ صدقہ کرنا درست نہ ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ صَدَقَةِ الرَّقِيقِ

غلام اور باندیوں کی زکوٰۃ کا بیان

۱۵۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَيَّاضٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ زَكَاةٌ، إِلَّا زَكَاةُ الْفِطْرِ فِي الرَّقِيقِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے، غلام اور باندیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے؛ مگر غلام اور باندی کی طرف سے صدقہ فطر دینا چاہیے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد دو مسئلوں کو بیان کرنا ہے ایک تو یہ کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ غلام اور باندیوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے یا نہیں؟ مقصد کے ثبوت کے لیے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو دو سندوں سے لائے ہیں، مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے، ایک میں رقیق اور خیل کے الفاظ ہیں اور دوسرے طریق عبد اور فرس کے الفاظ ہیں۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب تو واضح ہے کہ انسان پر اس کے غلام اور گھوڑوں میں زکوٰۃ مفروض تو نہیں ہے، البتہ غلام پر صدقۃ الفطر ہے جو اس کی جانب سے اس کا مالک ادا کرے گا۔

۱۵۹۴- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة (۱۴۶۳)، مسلم: كتاب الزكاة (۲ ما)، الترمذي: كتاب الزكاة (۶۲۸)، النسائي: كتاب الزكاة (۵/۳۵، ۲۶۱)، ابن ماجه: كتاب الزكاة (۱۸۱۲).

فقه الحديث: حدیث شریف میں چوں کہ دو مسئلوں کا بیان ہے، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دونوں مسئلوں کو الگ الگ عنوان سے مع ادلہ نقل کیا جائے، چناں چہ پہلے زکوٰۃ الخیل کے مسئلے کو نقل کرتے ہیں اور پھر زکوٰۃ الرقیق کے مسئلہ کو بیان کریں گے۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ:

جو گھوڑے اپنی سواری یا بار برداری کے لیے ہوں ان پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے اور جو گھوڑے تجارت کے لیے ہوں ان پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے۔ (فتح الباری: ۳/ ۲۸۵)

اختلاف اس صورت میں ہے کہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کی غرض سے پالے جائیں اور سائمہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ توالد و تناسل کے سائمہ گھوڑوں میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (عمدۃ القاری: ۹/ ۳۶)

پھر امام صاحب کے نزدیک مالک کو اختیار ہے کہ ہر گھوڑے کی طرف سے زکوٰۃ میں سالانہ ایک دینار ادا کرے یا گھوڑے کی قیمت لگا کر چالیسواں حصہ نکالے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) حدیث ابو ہریرہؓ ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے، اور ہمارے مصنفؒ نے بھی اس باب میں اسی کو نقل فرمایا ہے، اس میں مطلقاً گھوڑوں کی زکوٰۃ کی نفی کی گئی ہے۔ (بخاری شریف حدیث/ ۱۴۶۳)

(۲) حضرت علیؓ کی حدیث مرفوع ہے: ''قال رسول اللهﷺ: قد عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق، فهاتوا صدقة الرقة''۔ (سنن ابوداؤد، حدیث/ ۱۵۷۴)

(۳) عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده عن النبيﷺ في الكتاب الذي كتبه إلى أهل اليمن: وإنه ليس في عبد مسلم ولا في فرسه شيء. (سنن ابوداؤد، حدیث/ ۱۵۶۷)

احناف کے دلائل:

(۱) صحیح مسلم (کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ) کی مشہور حدیث ہے:

قَالَ: الْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ: هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، فَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ وِزْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَفَخْرًا وَنِوَاءً عَلَى أَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ، وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ سِتْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي ظُهُورِهَا وَلَا رِقَابِهَا، فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فِي مَرْجٍ وَرَوْضَةٍ، فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذَلِكَ الْمَرْجِ، أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ، إِلَّا كُتِبَ لَهُ، عَدَدَ مَا أَكَلَتْ حَسَنَاتٌ، وَكُتِبَ لَهُ، عَدَدَ أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا، حَسَنَاتٌ، وَلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا، أَوْ شَرَفَيْنِ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ عَدَدَ آثَارِهَا وَأَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ، وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلَى نَهْرٍ، فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيدُ أَنْ يَسْقِيَهَا، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ، عَدَدَ مَا شَرِبَتْ، حَسَنَاتٍ.

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک وہ جو آدمی کے لیے وبال ہے دوسری وہ جو آدمی کے لیے ڈھال ہے اور تیسری وہ جو آدمی کے لیے باعثِ اجر وثواب ہے، اس میں دوسری قسم کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ یہ وہ گھوڑے ہیں جن کو آدمی اللہ کے لیے پالے، پھر ایسے گھوڑوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دو حقوق کا ذکر ہے، ایک گھوڑوں کی ظہور میں ہے اور وہ حق یہ ہے کہ کسی شخص کو سواری کے لیے عاریۃً دیا جائے اور دوسرا حق رواب میں ہے جو زکوٰۃ ہی ہے۔

(۲) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”في الخيل السائمة في كل فرس دينار“ (سنن دارقطنی: ۲/ ۱۰۵، وسنن بیہقی: ۴/ ۲۰۱، رقم: ۷۴۱۹)

(۳) سنن دارقطنی میں ہے: جاء ناس من أهل الشام إلى عمر فقالوا: إنا قد أصبنا أموالاً خيلاً ورقيقاً وإنا نحب أن تزكيه، فقال: مافعله صاحباي قبلي فأفعل أنا ، ثم استشار أصحاب رسول الله ﷺ، فقالو أحسن وسكت عليّ فسأله فقال: هو حسن ، لولم يكن جزية راتبة يؤخذون بها بعدك، فأخذ من الفرس عشرة دراهم... فوضع على كل فرس ديناراً (سنن دارقطنی: ۲/ ۱۲۶)

اس اثر میں یہ بات آئی کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق حضرات صحابہ سے مشورہ کر کے اس طرح کے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول فرمائی۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کا جواب:

حضرات ائمہ ثلاثہ کی جانب سے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ ہمارے خلاف نہیں ہیں، کیوں کہ ہم ان کو جہاد

رکوب اور خدمت کے گھوڑوں پر محمول کرتے ہیں، سائمہ گھوڑے ان روایات کے عموم میں ہماری طرف سے پیش کردہ روایات کی وجہ سے داخل نہیں ہیں، جیسا کہ خود حضرات ائمہ ثلاثہ تجارت کے گھوڑوں کو مذکورہ احادیث کے عموم میں شامل نہیں مانتے۔ واللہ اعلم بالصواب

غلاموں کی زکوٰۃ کا مسئلہ:

غلام دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک خدمت کے، دوسرے تجارت کے، خدمت کے غلاموں میں بالاتفاق زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے، اور تجارت کے غلام میں بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، لہٰذا حدیث باب میں خدمت کے غلام ہی مراد ہیں، جن پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسی سے یہ بھی اشارہ ملا کہ حدیث کے پہلے جزء خیل سے بھی خدمت کے خیل ہی مراد ہیں، جن میں زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے، اس صورت میں حدیث کے دونوں جملوں میں یکسانیت بھی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ غلام خواہ خدمت کے ہوں یا تجارت کے ان پر صدقۃ الفطر ہوتا ہے جو ان کی طرف سے ان کا مالک ادا کرے گا، البتہ اس میں قدرے تفصیل ہے کہ مالک پر علی الاطلاق غلام کا صدقۃ الفطر نکالنا ضروری ہوتا ہے یا صرف مسلمان غلام کا صدقۃ الفطر واجب ہے، اس کی تفصیل ہم آگے صدقۃ الفطر کے ابواب میں بیان کریں گے۔

۱۵۹۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ، وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر اپنے گھوڑے یا غلام یا باندی اور کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح حدیث: پہلی حدیث میں عراک بن مالک سے نقل کرنے والے مکحول شامی تھے اور اس میں سلیمان بن یسار ہیں، نیز پہلی سند میں مکحول اور عبیداللہ کے درمیان رجل مجہول کا واسطہ تھا جب کہ اس سند میں رجل مجہول کا واسطہ نہیں ہے اور متن کا فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں غلام پر صدقۃ الفطر کا ذکر تھا اس میں نہیں ہے، اور پہلی روایت میں خیل اور رقیق کے کلمات تھے جب کہ اس میں فرس اور عبد کے کلمات ہیں، انہی چند فرق کی وجہ سے مصنفؒ اس دوسری سند کو لائے ہیں۔

۱۵۹۵- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: ليس على المسلم في فرسه صدقة (۱۴۶۳)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: لا زكاة على المسلم في عبده وفرسه (۹۸۲)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء ليس في الخيل والرقيق صدقة (۶۲۸)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة الخيل (۵/ ۳۴)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: صدقة الخيل والرقيق (۱۸۱۲).

بَابُ صَدَقَةِ الزَّرْعِ

زراعت کی زکوٰۃ کا بیان

۱۵۹۶- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْهَيْثَمِ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ، أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي، أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو زراعت بارش، نہر یا چشمہ سے، خود بخود زمین کی تری پا کر اُگے اس میں دسواں حصہ لازم ہوگا، اور جس زراعت میں پانی اونٹ یا ڈول کے ذریعہ کھینچ کر دیا جائے اس میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔

مقصد ترجمہ: زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کو اصطلاح میں عشر اور نصف العشر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اب اس زکوٰۃ کے تعلق سے تین مسئلے زیر بحث آتے ہیں۔

(۱) زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث حدیث ”ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة“ کے تحت گزر چکی ہے، اور حضرات فقہاء کرام کا جو مشہور اختلاف اس میں ہے اس کو بھی ہم نقل کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، مراجعت کر لی جائے۔

(۲) وہ زمین کون سی ہیں جن میں عشر واجب ہوتا ہے اور وہ کون سی ہیں جن میں نصف العشر ہے، اس دوسرے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اور حاصل مسئلہ یہ ہے کہ جس کھیت اور زمین میں آب پاشی کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہو اس میں نصف العشر ہے اور جن زمینوں میں ایسا نہ کرنا پڑتا ہو اس میں عشر ہے۔

(۳) پیداوار کی کن کن انواع و اقسام میں عشر یا نصف واجب ہے اور کن میں واجب نہیں؟ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے، باب کی دو پہلی حدیثوں کی تشریح کے بعد اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کریں گے۔

۱۵۹۶-أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: فيما يسقى من ماء السماء وبالماء الجاري (۱۴۸۳)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ما جاء في الصدقة فيما يسقى بالأنهار وغيره (۶۴۰)، النسائي: كتاب الزكاة، باب ما يوجب العشر وما يوجب نصف العشر (۵/۴۰)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: صدقة الزروع والثمار (۱۸۱۷).

لغات حدیث: سَقَتْ (ض) سیراب کرنا، السماء: بمعنی آسمان، لیکن یہاں محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے یعنی بارش، اس لیے کہ بارش آسمان ہی سے ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وانزلنا من السماء ماءً طهوراً"۔

الأنهار: نَهْرٌ کی جمع ہے، بمعنی ندی، دریا۔ العیون: عَيْنٌ کی جمع ہے بمعنی پانی کا چشمہ زمین یا پہاڑ میں پانی پھوٹنے کی جگہ۔

بَعْلاً: بفتح الباء وسکون العین، القاموس میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں "وهو كُلّ نَخْلٍ وشَجَرٍ وزَرْعٍ لا يُسْقَى أو مَا سَقَتْهُ السَّمَاءُ" یعنی ہر وہ کھیتی اور درخت جس کو پانی لگانے کی بھی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی آسمان کے پانی سے سیراب ہو، بل کہ وہ کھیتی پانی اور تری کو اپنی جڑوں کے ذریعہ خود بہ خود کھینچ لیتی ہو، علامہ ابن الاثیر نے النہایہ فی غریب الحدیث میں اس طرح لکھا ہے: "هو مَا شَرِبَ مِنَ النَّخِيْلِ بِعُرُوْقِه مِن الأرضِ مِن غَيْرِ سَقْيٍ سَمَاءٍ وَلَا غَيْرِهَا" (النهاية في غريب الحديث: ۱/۱۴۱)

ہمارے ابوداود کے بعض نسخوں میں بھی یہی تعریف کی گئی ہے۔

بخاری کی روایت میں اس مفہوم کے لیے دوسرا لفظ "عَثَرِي" استعمال ہوا ہے، شراح بخاری نے عثری کی تفسیر بھی اسی طرح کی ہے جس طرح "البعل" کی ہوئی، چناں چہ ایضاح البخاری میں ہے۔ عثری اس کھیتی یا درخت کو کہتے ہیں جن کے لیے وہ پانی ہی کافی ہو جائے جو وہ اپنی جڑوں اور نسوں کے ذریعہ جذب کرتے ہیں، یعنی آس پاس کے تالاب یا نالے کی تری ان کو پہنچ جاتی ہو ان کو باقاعدہ باہر سے پانی دینے کی ضرورت نہ ہوتی ہو۔ (ایضاح البخاری: ۷/۱۹۶)

السَّوَانِي: سَانِيَة کی جمع ہے، آب کش اونٹ، وہ اونٹ جن پر پانی لاد کر لایا جائے اور پھر کھیتی کو سیراب کیا جائے۔

النَّضْحُ: بفتح النون وسکون الضاد، اس کے اصل لغوی معنی تو آتے ہیں اونٹ کا کنویں سے پانی بھر کر لانا، اور "ناضح" اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سیرابی کے لیے پانی اٹھا کر لائے، لیکن یہاں "النضح" سے مراد بڑا ڈول ہے۔

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ جس کھیت کو بارش کے پانی یا چشموں کے پانی سے سیراب کیا جائے یا وہ خود بہ خود سیراب ہوں تو ان میں عشر ہے اور جن کھیتوں کا ڈول کے ذریعہ یا اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے ان میں بیسواں حصہ ہے۔

معلوم ہوا کہ دسویں حصہ اور بیسویں حصہ کا جو فرق ہے اس کا مدار مشقت اور لاگت پر ہے، جہاں لاگت اور مشقت ہوگی وہاں نصف العشر ہوگا اور جہاں لاگت اور مشقت نہ ہو وہاں عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر کھیت یا درخت ایسے ہوں جن میں کبھی تو آب پاشی کی ضرورت پڑتی ہو اور کبھی نہیں تو اس میں اکثر کا

اعتبار ہوگا اگر اکثر کھیتی لاگت اور مشقت سے ہو تو نصف العشر اور اگر اکثر بغیر آب پاشی کے ہو تو عشر ہوگا۔

۱۵۹۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس زراعت میں نہر سے پانی پہنچے، یا وہ چشمہ سے سیراب ہو، اس میں دسواں حصہ لیا جائے گا، اور جس زراعت میں پانی کنوئیں وغیرہ سے کھینچ کر دیا جائے، اس میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔

تشریح حدیث. یہ باب کی دوسری حدیث ہے، اس کا مفہوم واضح ہے، اس لیے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں؛ البتہ ہم اب تیسرے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں یعنی اس کی کہ کون کون سی پیداوار میں زکوٰۃ ہے اور کس میں نہیں؟

کیا ہر قسم کی زمینی پیداوار میں زکوٰۃ ہے؟

یہ مسئلہ بھی حضرات فقہاء کرام کے مابین مختلف فیہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر قسم کی پیداوار میں زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر واجب ہے، اور پیداوار سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جس کو لوگ عادۃً بوتے ہوں اور اس سے مقصود کمائی اور آمدنی کا حصول ہو، خواہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو جیسے غلہ، یا باقی رہنے والی نہ ہو جیسے خضراوات اور ساگ سبزیاں، پھل وغیرہ، البتہ بانس، لکڑی اور گھاس میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں زمین کے تابع ہیں، اور ان کو تو زمین سے دور کر کے زمین کو صاف کیا جاتا ہے۔ (درمختار: ۲/ ۹ ۴ ۴، طبع احیاء التراث)

ہاں اگر بانس اور گھاس اس قسم کی ہو کہ اس سے مقصود کمائی ہو تو اس میں بھی عشر یا نصف العشر ہے۔ (الموسوعة لفقهية: ۲۳/ ۲۷۹)

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک عشر اس پیداوار میں واجب ہے جو قوت مدخر ہو یعنی جس چیز میں خوراک اور غذا بننے کی صلاحیت ہو اور اس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جا سکتا ہو، جیسے گیہوں، جو، جوار، مسور، چنا وغیرہ، لہٰذا جس چیز میں قوت بننے کی صلاحیت نہ ہو اس میں عشر نہیں، جیسے سبزیاں اور پھل وغیرہ۔ (حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۱/ ۴۴۷، طبع دار الفكر)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سبزیوں، پھلوں اور پھولوں میں زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے، کیوں کہ ان کو خوراک کے

۱۵۹۷- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب ما فيه العشر أو نصف العشر (۹۸۱)، النسائي: كتاب الزكاة، باب ما يوجب العشر (۵/ ۴۲)

طور پر نہیں کھایا جاتا، بل کہ تنعم کے طور پر کھایا جاتا ہے، نیز ان میں ادخار کی صفت بھی نہیں ہے۔ (شرح المنہاج: ۲/ ۱۶)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ عشر ایسی چیز میں ہوتا ہے جو کیلی ہو اور باقی رہنے والی ہو "یجمع وصفین: الكيل وَاليُبْسُ مع البقاء" اگر چہ اس میں قوت کی صفت نہ ہو جیسے: غلے، ثمار یابسہ، کھجور، انجیر، زبیب، زیرہ، سیاہ مرچ، بنولہ، سمسم، ان سب میں عشر ہے البتہ پھل، سیب اور انجیر غیر یابس، کھیرا، ککڑی وغیرہ میں عشر نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۵۵۲، طبع دار الکتاب العربی)

یہی مسلک ہے احناف میں سے صاحبین علیہما الرحمہ کا بھی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کے نزدیک سبزی اور ترکاری وغیرہ میں عشر نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان میں عشر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مستدل:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وآتُوا حقَّه يَوْمَ حَصَادِهِ" یہ آیت مطلق ہے، اس میں سبزیاں بھی شامل ہیں۔

(۲) حدیث الباب ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور عام ہے، لہٰذا اس کے عموم پر عمل کیا جائے گا، اور اس لیے کہ ہر قسم کی پیداوار سے نفع کمانا ہی مقصود ہوتا ہے لہٰذا سبزیاں اور ترکاریاں وغیرہ سب ہی غلہ (گندم، جو، اور چاول وغیرہ) کے مشابہ ہوگئیں، پس جس طرح ان میں عشر یا نصف عشر ہوتا ہے اسی طرح سبزیوں وغیرہ میں بھی ہوگا۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کے مستدلات:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ جو حضرات خضروات میں عشر یا نصف عشر کے قائل نہیں ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

(۱) عن أنس بن مالك قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لَيس في الخضراوات صدقة" (سنن دار قطنی: ۲/ ۹۶، طبع دار المحاسن بیروت)

ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں مروان بن محمد سنجاری راوی ضعیف ہیں۔

(۲) حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی مشہور صحابی ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کو طائف کا عامل بنا دیا تھا، انھوں نے انار اور انگور کی زکوٰۃ کی بابت حضرت عمرؓ سے معلوم کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھ کر بھیجا کہ اس میں عشر نہیں ہے، اور فرمایا: "هيَ من العُفَاةِ كُلّهَا وَلَيسَ فيها عُشرٌ" (شرح المحلی: ۲/ ۱۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے جو مرفوع کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔

۱۵۹۸- حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، وَحُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْعَجَلِيُّ قَالَا: قَالَ وَكِيعٌ: الْبَعْلُ الْكَبُوسُ الَّذِي يَنْبُتُ مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ ، قَالَ: ابْنُ الْأَسْوَدِ، وَقَالَ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ آدَمَ: سَأَلْتُ أَبَا إِيَاسٍ الْأَسَدِيَّ، عَنِ الْبَعْلِ، فَقَالَ: الَّذِي يُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ ، وَقَالَ: النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ: الْبَعْلُ: مَاءُ الْمَطَرِ .

ترجمہ: حضرت وکیع کہتے ہیں: کہ بعل سے مراد وہ زراعت ہے جو بارش کے پانی سے اگتی ہو، ابن اسود نے کہا: کہ یحییٰ ابن آدم کا کہنا ہے کہ میں نے ابوایاس اسدی سے (بعل کے بارے میں) پوچھا تو انہوں نے کہا: کہ وہ کھیتی یا زراعت جو بارش کے پانی سے سیراب ہو، اور نضر بن شمیل نے کہا: کہ بعل بارش کا پانی ہے۔

تشریح حدیث: باب کی پہلی روایت میں ایک لفظ ''بَعْل'' آیا تھا، مصنفؒ وکیع اور ابوایاس اسدی سے اس کی تفسیر نقل کر رہے ہیں، چناں چہ وکیع سے تو یہ نقل کیا کہ بعل وہ کھیتی ہے جو بارش کے پانی سے سیراب ہو، ''کبوس'' کہتے نلہ کو مٹی میں دبانا، مراد زراعت ہے، اور ابوایاس نے ''بعل'' کی تفسیر یہ کی کہ جو کھیتی بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو وہ بعل ہے۔ جب کہ نضر ابن شمیل نے بارش کے پانی ہی کو بعل قرار دیا۔

اصحاب لغت نے عامۃً بعل کی دو تعریفیں کی ہیں:

(۱) البعل: الأرض المرتفعة التي لايسقيها الاّ المطر، یعنی وہ بلند زمین جو صرف بارش ہی کے پانی سے سیراب ہوتی ہو۔

(۲) البعل: ''الزرع يشرب بعروقه فيستغني عن السقي'' وہ کھیتی جو جڑوں میں ترائی کی وجہ سے سیرابی سے مستغنی ہو۔

۱۵۹۹- حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: خُذِ الْحَبَّ مِنَ الْحَبِّ، وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ، وَالْبَعِيرَ مِنَ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرَةَ مِنَ الْبَقَرِ .

۱۵۹۸- تفرد به أبو داود.

۱۵۹۹- أخرجه ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: ماتجب فيه الزكاة من الأموال (۱۸۱۴).

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: شَبَرْتُ قِثَّاءَةً بِمِصْرَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ شِبْرًا، وَرَأَيْتُ أُتْرُجَّةً عَلَى بَعِيرٍ بِقِطْعَتَيْنِ قُطِّعَتْ وَصُيِّرَتْ عَلَى مِثْلِ عِدْلَيْنِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ان کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: اناج میں سے اناج لینا، بکریوں میں سے بکری، اونٹوں میں سے اونٹ اور گائے بیلوں میں سے گائے بیل۔

ابوداؤد بیان کرتے ہیں: کہ میں نے مصر میں تیرہ بالشت کی ایک ککڑی اور اونٹ پر لدا ہوا اتنا بڑا ترنج دیکھا جو دو حصے کر کے اس پر لادا گیا تھا۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مطلب ہے کہ غلبہ کی زکوٰۃ غلبہ سے وصول کی جائے، مثلاً اگر کسی کے پاس عشری زمین سے دس کوئنٹل غلہ پیدا ہوا تو ایک کوئنٹل غلہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے، اسی طرح اگر بکریاں نصاب کی بقدر ہوں تو زکوٰۃ میں بکری وصول کی جائے، نیز اگر اونٹوں کی تعداد پچیس سے کم ہو تو بھی زکوٰۃ میں بکری ہی وصول کی جائے، اگر پچیس اونٹ سے زیادہ ہوں تو مقررہ بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ وصول کیا جائے، اسی طرح کسی کی ملکیت میں گائیں ہوں تو زکوٰۃ میں گائے ہی کو وصول کیا جائے۔

فقہ الحدیث: یہ تو ہے حدیث کا مطلب، لیکن اس میں فقہی نقطۂ نظر سے حضرات فقہاء کے درمیان اختلاف ہو گیا کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یا قیمت سے ہے؟

زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا:

حضرات فقہاء میں سے حضرت امام شافعیؒ کا مذہب تو یہ ہے کہ: مویشی، غلہ، مال تجارت اور سونے چاندی کی زکوٰۃ میں جو چیز واجب ہوتی ہے اس کے بدلہ میں دیگر سامان یعنی قیمت جائز نہیں ہے، مثلاً جانوروں کی زکوٰۃ میں روپیہ پیسہ دینا، یا سونے چاندی کی زکوٰۃ میں مویشی دینا جائز نہیں ہے، حنابلہ کا مفتی بہ مذہب بھی یہی ہے اور مالکیہ کا غیر مفتی بہ ایک قول بھی یہی ہے۔

اس کے بالمقابل احناف اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ میں اصل شئ کے بجائے اس کی قیمت دینا بھی درست ہے، محدثین میں سے حضرت امام بخاریؒ کا مسلک بھی یہی ہے؛ بلکہ حضرت امام بخاریؒ نے تو "باب العروض في الزكوٰة" کا عنوان قائم کر کے احناف کی رائے کو مدلل فرمایا ہے۔

حضرات شوافع کی دلیل:

حضراتِ شوافع نے اولاً تو حدیث باب سے استدلال کیا ہے، کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اس بات کی

تعلیم فرمائی کہ غلہ کی زکوۃ میں غلہ لو، اور بکری کی زکوۃ میں بکری، اور اونٹ کی زکوۃ میں اونٹ وغیرہ، اس کا تقاضہ ہے کہ ہر مال کی زکوۃ بعینہٖ اسی مال سے وصول کی جائے، اس کی قیمت نہ لی جائے۔

دوسرا استدلال اس تفصیلی روایت سے ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زکوۃ السائمہ میں مفصلاً گذر چکی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں، بکریوں اور گایوں میں نصاب کو بیان کرتے ہوئے، بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ، تبیع اور مسنہ کا ذکر فرمایا ہے، پس شارع علیہ السلام نے جن اعداد کو مخصوص طریقہ پر بیان فرمایا ہے ان سے عدول کرنا درست نہیں ہے۔

تیسرا استدلال یہ ہے کہ زکوۃ عبادت ہے اور عبادت کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی مگر شرعاً مامور بہ طریقہ پر، لہٰذا پیغمبر علیہ السلام نے جو طریقہ جس چیز کی زکوۃ کا مقرر فرمایا ہے اسی طریقہ سے ادائیگی زکوۃ ہوگی۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال:

۱- ان حضرات کا پہلا استدلال حضرت معاذ بن جبلؓ کی معلق روایت سے ہے: ''قال طاؤس: قال معاذ لأهل اليمن: ائتموني بعرض ثيابٍ خميصٍ أو لبيس في الصدقة مكان الشعَيرِ والذرة، أهون عليكم وخيرلأصحاب النبيﷺ بالمدينة'' (صحيح بخاري، كتاب الزكوة، باب العرض في الزكوة)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا، انھوں نے یمن پہنچ کر اہل یمن سے کہا کہ جو اور جوار کے بدلہ زکوۃ میں کپڑے دو، یہ تمہارے لیے بھی آسان ہے اور مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے بھی آسان ہے، اس میں دینے والوں کے لیے تو آسانی یوں ہے کہ وہ جو غلہ کو گاؤں سے لاد کر لانے کی تکلیف سے بچیں گے، اور مدینہ منورہ میں صحابہ کے لیے اس لیے بہتر ہے کہ اس وقت ان کو کپڑوں کی حاجت تھی، عین کی جگہ میں بدل لینے کی یہ دلیل بہت واضح ہے۔

۲- احناف کا دوسرا استدلال سنن ابوداؤد حدیث نمبر (۱۵۶۸) اور سنن ترمذی (۶۲۱) میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تفصیلی روایت سے ہے، جس میں ہے: ''فإذا بلغت خمسًا وعشرين إلى خمس وثلاثين ففيها بنت مخاضٍ انثي، فإن لم تكن ابنة مخاض فابن لبون ذكر... ومن بلغت عنده من الإبل صدقة الجذعة وليست عنده جذعة و عنده حقة فإنها تقبل منه الحقة ويجعل معها شاتين إن استيسرتا له، أو عشرين درهمًا... الخ''

یہ تفصیلی حدیث کا ایک جزء ہے، اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اگر زکوٰۃ میں ایک سالہ اونٹنی فرض ہو اور اس کے پاس ایک سال کی اونٹنی نہ ہو البتہ دو سال کی اونٹنی ہو تو ساعی زکوٰۃ اسی کو قبول کرلے اور بیس درہم یا دو بکریاں دے دے وغیرہ اس تفصیلی روایت میں ایک تو بنت مخاض کا بنت لبون یا ابن لبون۔ سے، اور جذعہ کا حقہ سے تبادلہ کرنا ہے اور ایک دو بکریوں کا بیس درہم سے تبادلہ ہے، اب علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ جب دو مواقع پر بدلنا ثابت ہوگیا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ زکوٰۃ میں عین کا دینا لازم نہیں ہے، ورنہ ان مذکورہ صورتوں میں بھی بدلنا جائز نہ ہوتا۔ (فتح القدیر ابن ہمام: ۲/ ۱۷۸)

۳۔ عقلی طور پر یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ زکوٰۃ فقراء کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے، اور فقراء کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں جن کی تکمیل بدل یعنی قیمت کے ذریعہ آسان ہے، اس لیے عقل کا تقاضہ یہی ہے کہ زکوٰۃ کا راستہ کھلا رکھا جائے تاکہ فقیر قیمت لے کر اسے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرسکے، جب کہ ادائیگی زکوٰۃ کو عین تک محدود کرنا جہاں فقیر کے لیے نقصان دہ ہے وہیں زکوٰۃ دینے والے کے لیے بھی مشقت کا باعث ہوسکتا ہے۔

۴۔ اور اصولی طور پر بھی احناف کا مسلک ہی مضبوط ہے؛ کیوں کہ اصل واجب مال کی زکوٰۃ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''خذ من أموالهم صدقة''، پس زکوٰۃ کو کسی عین ہی کے ساتھ خاص کرنا کتاب اللہ پر زیادتی ہے، جو نسخ کے قائم مقام ہے اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے۔

شوافع کے دلائل کا جواب:

جہاں تک شوافع کی پیش کردہ دلیل حدیث معاذ کا تعلق ہے کہ ''خذ الحب من الحب، والشاة من الغنم...'' تو درحقیقت اس میں اس آسان صورت کا بیان ہے جس میں مالکان کے لیے مشقت نہیں ہے، اور یہ اداء زکوٰۃ بالقیمت کے منافی نہیں ہے اور مامور بہ کی ادائیگی بدل کے ذریعہ کرنا شریعت کے منافی اس لیے نہیں ہے کہ خود پیغمبر علیہ السلام نے دو بکریوں کے عوض اور بدل میں بیس درہم کو لینے اور دینے کی اجازت مرحمت فرمائی؛ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت میں تفصیل سے گزرا۔ واللہ اعلم

قال ابوداؤد: ''شبرت قِثّاءة بمصر ثلاثة عشر شبرًا...'' یہاں سے حضرت امام ابوداؤدؒ برکت زکوٰۃ کو بیان فرمارہے ہیں، کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس مال میں نمو اور بڑھوتری فرما کر ایسی برکت فرمادیتے ہیں کہ بغیر اداء زکوٰۃ کے ایسی برکت نہیں ہوسکتی، زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں جو برکت پیدا ہوتی ہے مصنفؒ اپنے مشاہدہ سے دو مثالیں بیان فرمارہے ہیں۔

ایک تو یہ کہ مصر کے لوگ اپنی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ضرور نکالا کرتے تھے جس کا اثر اور برکت یہ تھی کہ ایک مرتبہ میں نے ایک ککڑی دیکھی جو تیرہ بالشت لمبی تھی، یہ غیر معمولی لمبائی ادائے زکوٰۃ ہی کی برکت تھی۔

دوسرے یہ کہ میں نے ایک نارنگی دیکھی جو اتنی بڑی تھی کہ اس کو دو ٹکڑے کر کے اونٹ پر لادا گیا، آدھا حصہ ایک طرف لٹکا دیا گیا اور آدھا حصہ دوسری طرف لٹکایا گیا، بڑا ہونے کی وجہ سے اس کو دو حصوں میں کاٹا گیا تھا، یہ سب زکوٰۃ ہی کی برکت ہے۔

اس طرح کی چیزوں کو عجوبہ سمجھ کر انکار نہیں کرنا چاہیے، اسلیے کہ آج کل ہماری نیتوں میں فتور کی وجہ سے ہم ان برکات سے محروم نظر آتے ہیں۔

بَابُ زَكَاةِ الْعَسَلِ

شہد کی زکوٰۃ کا بیان

۱۶۰۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْمِصْرِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: جَاءَ هِلَالٌ أَحَدُ بَنِي مُتْعَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُشُورِ نَحْلٍ لَهُ، وَكَانَ سَأَلَهُ أَنْ يَحْمِيَ لَهُ وَادِيًا، يُقَالُ لَهُ: سَلَبَةُ، فَحَمَى لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الْوَادِي، فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ سُفْيَانُ بْنُ وَهْبٍ، إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنْ أَدَّى إِلَيْكَ مَا كَانَ يُؤَدِّي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عُشُورِ نَحْلِهِ، فَاحْمِ لَهُ سَلَبَةَ، وَإِلَّا، فَإِنَّمَا هُوَ ذُبَابُ غَيْثٍ يَأْكُلُهُ مَنْ يَشَاءُ .

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بنی متعان میں سے ہلال نامی ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں شہد کا دسواں حصہ (بطور زکوٰۃ) لے کر حاضر ہوا، اور سلبہ نامی جنگل کا آپ ﷺ سے ٹھیکہ چاہا، آپ نے وہ جنگل اس کو ٹھیکہ پر دے دیا، جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو حضرت سفیان بن وہب نے اس کے متعلق حضرت عمرؓ سے خط لکھ کر دریافت فرمایا، تو انہوں نے جواب میں یہی لکھا کہ وہ اگر تم کو وہی دیتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتا تھا تو اس کا ٹھیکہ قائم رکھنا، بصورت دیگر وہ مکھیاں اور جنگلوں کی مانند ہیں، ہر شخص اس کا شہد حاصل کر سکتا ہے۔

۱۶۰۰- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة النحل (۵/۴۷).

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداؤدؒ اس ترجمۃ الباب سے شہد کی زکوٰۃ کے مسئلہ کو واضح فرمارہے ہیں کہ شہد کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر کتنی ہے اور اس کا نصاب کیا ہے؟ اور مقصد کے ثبوت کے لیے مصنفؒ نے حضرت عمرو بن شعیبؒ عن ابیہ عن جدہ کی حدیث کو تین سندوں سے پیش فرمایا ہے، جس سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ شہد کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے، لیکن چوں کہ مسئلہ فقہاء کرام کے مابین اختلافی ہے، اس لیے ہم پہلے مسئلہ کی وضاحت مع اختلاف فقہاء و مع بیان ادلہ نقل کر دیتے ہیں پھر باب کی حدیث کی تشریح کریں گے۔

شہد کی زکوٰۃ کا حکم:

شہد کی پیداوار میں زکوٰۃ کا مسئلہ حضرات فقہاء کرام کے مابین اختلافی ہے اور اس میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ شہد سے زکوٰۃ لی جائے گی، پھر حنفیہ یہ لکھتے ہیں کہ شہد میں وجوب زکوٰۃ کے لیے دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ زمین خراجی نہ ہو، اس لیے کہ خراجی زمین سے تو خراج لیا جاتا ہے کہ عشر اور دوسری شرط یہ ہے کہ شہد غیر مملوک زمین کا نہ ہو، اگر کسی غیر مملوک جنگل یا پہاڑ کا ہوگا تو بھی زکوٰۃ نہ ہوگی۔

اور احناف کے یہاں مفتی بہ قول کے اعتبار سے شہد کی زکوٰۃ کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، قلیل و کثیر ہر مقدار میں زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ حنابلہ کے نزدیک اس کا نصاب دس فرق ہے۔ اور دس فرق کا وزن تقریباً (۶۵) پینسٹھ کلو ہوتا ہے۔ (فتح القدیر ابن ہمام: ۲/۶ طبع بولاق)

(۲) حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے۔

احناف اور حنابلہ کے مستدلات:

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: ''في العَسَلِ في كل عشرة أزق زِقٌّ'' (سنن ترمذي، كتاب الزكاة، باب ماجاء في زكوٰة العسل، حديث / ۶۲۹)

یہ روایت سنن ترمذی میں ہے، حضرت امام ترمذیؒ نے ''وفي الباب عن أبي هريرة وأبي سيارة المتعي وعبدالله بن عمرو'' کہہ کر اس کے شواہد کو نقل فرمادیا ہے، نیز ''والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم'' کہہ کر اس کے محتج بہ ہونے کی طرف اشارہ بھی فرمادیا ہے، اس لیے بعض شوافع کا یہ کہنا: ''کہ اس حدیث کی سند میں صدقہ بن عبداللہ راوی ضعیف ہیں اس لیے قابل حجت نہیں ہے''۔ درست نہیں ہے، پھر صدقہ بن عبداللہ متکلم فیہ راوی تو ہیں لیکن بعض

ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق بھی کردی ہے، چناں چہ ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں: ومحله الصدق احمد بن صالح مصری لکھتے ہیں۔ مابه باس عندي، اسی طرح امام دحیم سے بھی ان کی توثیق منقول ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۲/ ۵۲۷)

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر چہ صدقہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہوگئی لیکن ان شواہد کی وجہ سے جن کی طرف امام ترمذیؒ نے وفي الباب.. . کہہ کر اشارہ کردیا ہے، درجۂ حسن لغیرہ کو ضرور پہنچ جائے گی، اور حدیث حسن مع اپنی دونوں قسموں کے محتج بہ ہوا کرتی ہے۔

(۲) دوسری دلیل حدیث باب ہے، اس میں حضور ﷺ اور دور عمر فاروقؓ میں شہد کی زکوۃ لینے کا واقعہ صریح الفاظ میں ہے، اور اس کی سند بھی حسن درجہ سے کم نہیں ہے، کیوں کہ حضرت امام ابوداوٗد نے اس پر سکوت فرمایا ہے، اسی طرح علامہ ابن عبد البرؒ نے بھی اپنی کتاب ''الاستذکار'' میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے اور اس کی تحسین فرمائی ہے۔

ابوداوٗد کی یہ روایت باب عمرو بن الحارث، عبدالرحمن بن حارث اور عبداللہ بن وہب کے طریق سے مروی ہے، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک یہ روایت قابل حجت اور قابل استدلال ہے۔

(۳) مصنفؒ عبدالرزاق میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے: ''كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن أن يؤخذ من أهل العسل العشور'' (مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۶۳/ ۶۹۷۲)

(۴) ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت عمر فاروقؓ کے زکوۃ عسل لینے کی بابت لکھا ہے: ''عن سعد بن أبي ذباب أنه قدم على قومه فقال لهم: في العَسَل زكوٰة ؛ فإنه لا خير في مالٍ لايزكي، قال: قالوا: فكم تري ؟ قلت: العشر، فأخذ منهم العشر ، فقدم به على عمر، وأخبره بما فيه ، فأخذه عمر وجعله في صدقات المسلمين'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۱۴۲)

یہ سب روایات مجموعی اعتبار سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ شہد میں عشر ہے۔

مالکیہ اور شوافع کی دلیل:

اس مسئلہ میں ان حضرات کے پاس کوئی مرفوع حدیث تو ہے نہیں؛ البتہ حافظ ابن حجر نے مراسیل ابوداوٗد کے حوالہ سے ایک اثر حضرت معاذ بن جبلؓ سے التلخیص الحبیر میں نقل فرمایا ہے: ''أَنَّ مُعَاذًا لَمَّا أَتَى اليمنَ أُتِيَ العَسَل وأوقاص الغنم ، فقال : لم أو مرفيها بشيءٍ'' (التلخيص الحبير: ۲/ ۱۶۷)

لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوع روایات کے مقابلہ میں یہ اثر قابل حجت نہ ہوگا بلکہ مرجوح

قرار پائے گا۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث: قولہ: "جاء هلال أحد بني متعان": یہ ہلال بن سعدؓ ہیں، اور "أحد بني متعان" ہلال سے بدل ہے، "مُتْعَان" بضم المیم وسکون العین، ایک قدیم قبیلہ ہے اور آج تک اس قبیلہ کے لوگ موجود ہیں، اسی طرح وادی "سلبہ" بھی اسی نام سے آج بھی موجود ہے۔

قولہ: "أن يحمي واديا" ہلال متعیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے وادی "سلبہ" کے بارے میں یہ درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ وادی بطورِ حمیٰ کے مجھے دے دی جائے، حمیٰ کہتے ہیں زمین کے کسی خاص حصہ کو کسی کے حوالہ کر دینا اور دوسرے کو اس سے فائدہ نہ اٹھانے دینا، اسی کو ہمارے یہاں پٹہ کرنا اور جاگیر دینا بھی کہتے ہیں، پیغمبر علیہ السلام نے ان کی طلب پر یہ وادی ان کے حوالہ کر دی، انھوں نے یہاں سے شہد حاصل کیا اور اس کا عشر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے اس کو بیت المال میں جمع فرما دیا۔

قولہ: "فلما وُلِّيَ عُمَرُ" "وَلِيَ" بفتح الواؤ وکسر اللام باب سمع سے ہے تو یہ مبنی للفاعل ہے یعنی جب عمرؓ خلیفہ بنے، اور واؤ کے ضمہ اور لام مشددہ کے کسرہ کے ساتھ باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ ہوگا، یعنی جب عمرؓ خلیفہ بنائے گئے۔

قولہ: "كتب سفيان بن وهب" صحیح سفیان بن عبداللہ ثقفی ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وادی "سلبہ" کے علاقہ کا عامل حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی کو بنا دیا تھا، جب سفیان وہاں پہنچے تو حضرت عمرؓ کے پاس اس وادی "سلبہ" کے بارے میں تفصیلات لکھ کر روانہ فرمائیں، اور دریافت کیا کہ اب بھی یہ وادی انھیں ہلال کے پاس چھوڑی جائے یا واپس لے لی جائے؟ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے یہ جواب لکھ کر بھیجا کہ اگر ہلال متعیؓ اس کا عشر اسی طرح ادا کریں جس طرح حضور ﷺ کو ادا کرتے تھے تو یہ وادی "سلبہ" ان کے لیے بطور حمیٰ کے باقی رکھی جائے ورنہ ان سے لے کر اس کے نفع کو عام کر دیا جائے، جو چاہے یہاں سے شہد حاصل کرے اور جو چاہے اس سے نہ حاصل کرے۔

قولہ: "فإنما هو ذباب غيث": ذباب سے مراد نحل یعنی شہد کی مکھی ہے کہ یہ شہد بارش کی مکھی کی کمائی ہے، جس طرح بارش کا نفع عام ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی عام رہے گا، شہد کی مکھی کو بارش کی طرف منسوب کرنا اس لیے کہ بارش ہی کی وجہ سے ان پھلوں اور پھولوں کا وجود ہوتا ہے جن سے یہ مکھی عرق حاصل کر کے شہد تیار کرتی ہے اور "نحل" کو "ذباب" سے تعبیر کرنا محض اس لیے ہے کہ جیسے عام مکھی شیریں چیزوں پر بیٹھ کر غذا حاصل کرتی ہے اسی طرح یہ مکھی بھی پھلوں پر بیٹھ کر غذا حاصل کرتی ہے۔

علامہ سندھیؒ اس جملہ کے تحت لکھتے ہیں: "فإنما هو ذباب غيث أي فلا يلزم عليك حفظه ، لأن

الذباب غير مملوكٍ، فيحل لمن ياخذه'' (عون المعبود: ٣/٣٤٢)

١٦٠١- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ، وَنَسَبَهُ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ الْمَخْزُومِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ شَبَابَةَ بَطْنٌ مِنْ فَهْمٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ، قَالَ: مِنْ كُلِّ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ، وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ: قَالَ: وَكَانَ يَحْمِي لَهُمْ وَادِيَيْنِ زَادَ فَأَدَّوْا إِلَيْهِ مَا كَانُوا يُؤَدُّونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَمَى لَهُمْ وَادِيَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب بواسطہ والدان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ شبابہ قبیلہ فہم کا ہی ایک حصہ تھا، اسکے بعد سابقہ حدیث کی مانند ذکر کرتے ہوئے کہا: کہ وہ شہد کی ہر دس مشکوں پر ایک مشک شہد زکوۃ میں دیا کرتے تھے، اور کہا: کہ سفیان عبداللہ ثقفی نے انکو دو جنگلوں کا ٹھیکہ دیدیا تھا، اور عبدالرحمن نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ پھر وہ انکو اس قدر شہد دیتے تھے جسقدر کہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، اور سفیان ان کے جنگل کی حفاظت کیا کرتے تھے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث اوّل ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں عمرو بن شعیب سے نقل کرنے والے عمرو بن الحارث تھے، اور اس میں عبدالرحمن بن الحارث ہیں، جب کہ تیسرے طریق میں اسامہ بن زید آرہے ہیں، مصنفؒ نے تینوں کی روایت میں جو فرق ہے اس کو واضح فرمایا ہے۔

قولہ: وَنَسَبَهُ إِلَي عبدالرحمن بن الحارث المخزومي: مصنفؒ کے استاذ احمد بن عبدہ نے اپنے استاذ مغیرہ کو عبدالرحمن بن حارث سے منسوب کیا ہے، چناں چہ: المغيرة بن عبدالرحمن بن الحارث،.

قولہ: ''حدثني أبي'' یعنی مغیرہ نے کہا کہ مجھ سے میرے والد عبدالرحمن بن الحارث نے بیان کیا اس پوری تفصیل سے مغیرہ کی تعیین کرنا مقصود ہے۔

قولہ: ''أن شبابة بطن من فهم'': درحقیقت یہاں سے مصنفؒ عمرو بن حارث اور عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں فرق بیان فرمارہے ہیں، ہم نے دونوں کی روایت میں غور کیا تو ہمیں پانچ طرح کا فرق دونوں کی روایت میں ملا۔

(۱) عمرو بن حارث کی روایت میں ہلال متعی کے بارے میں صرف اتنا تھا کہ یہ بنو متعان کے ایک فرد ہیں اور یہی حضور ﷺ کی خدمت میں شہد لائے تھے، جب کہ عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں یہ آیا کہ قبیلہ فہم کی ایک شاخ قبیلہ شبابہ حضور ﷺ کی خدمت میں شہد لائے تھے، اب اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہلال قبیلہ متعان سے ہیں اور متعان قبیلہ

١٦٠١- تفرد به أبو داود.

شبابہ سے اور قبیلۂ شبابہ شاخ ہے قبیلہ فہم کی، اس لحاظ سے ہلال متعی بھی ہیں، شبابی بھی ہیں اور فہمی بھی ہیں، عمرو بن حارث اور عبدالرحمن بن حارث کی روایت کے اس فرق کو مصنفؒ نے اپنے قول ''ان شبابة بطن من فهم'' سے بیان کیا ہے۔

(۲) دوسرا فرق ان دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ عبدالرحمن بن حارث کی اس روایت میں نصاب عسل بھی مذکور ہے کہ ہر دس مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ دینا ہوگا، جب کہ عمرو بن حارث کی روایت میں نصاب عسل مذکور نہ تھا، اس فرق کو مصنفؒ نے ''قال: من كل عشر قِرب قربة'' سے بیان فرمایا ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ تھا کہ جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے وادی سلبہ کا عامل سفیان بن عبداللہ ثقفی کو بنایا، جب کہ پہلی روایت میں تھا کہ سفیان بن وہب کو عامل بنایا اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے اس وادی کو بطورِ حمی باقی رکھنے نہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تھا، اور صحیح سفیان بن عبداللہ ہی ہے؛ اس فرق کو مصنفؒ نے: ''وقال: سفيان بن عبدالله الثقفي'' سے بیان فرمایا ہے۔

(۴) چوتھا فرق دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ عمرو بن حارث نے بیان کیا کہ ہلال متعیؓ نے حضور ﷺ سے ایک وادی کی حمی کا سوال کیا تھا، جب کہ عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں ہے کہ دو وادیوں کی حمی کے بارے میں سوال کیا تھا، اس فرق کو ''وكان يحمي لهم واديين'' سے بیان کیا گیا ہے۔

(۵) عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ شبابہ کے لوگوں نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو شہد کی اتنی ہی زکوٰۃ ادا کی جتنی وہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے، یہ زیادتی عمرو بن حارث کی روایت میں نہ تھی، اس فرق کو مصنفؒ نے ''زاد فأدّوا إليه ماكانوا يؤدون إلي رسول الله ﷺ'' سے بیان فرمایا ہے۔

یہ ہیں پانچ فرق عمرو بن حارث اور عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں۔ واللہ اعلم

۱۶۰۲ - حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ بَطْنًا مِنْ فَهْمٍ بِمَعْنَى الْمُغِيرَةِ، قَالَ: مِنْ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ، وَقَالَ: وَادِيَيْنِ لَهُمْ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ اس میں أَنَّ بَطْنًا مِنْ فَهْمٍ بِمَعْنَى الْمُغِيرَةِ قَالَ مِنْ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ اور وَادِيَيْنِ لَهُمْ کے الفاظ ہیں۔

تشریح حدیث: یہ اس حدیث کا تیسرا طریق ہے، اس میں عمرو بن شعیب سے نقل کرنے والے اسامہ بن زید

۱۶۰۲ - أخرجه ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: زكاة العسل (۱۸۲۴).

ہیں، انھوں نے مغیرہ بن عبدالرحمن بن حارث کی موافقت کی ہے، البتہ ان کی اور عبدالرحمن بن حارث کی روایت میں معمولی سا فرق ہے، مثلاً انھوں نے "من عشر قرب قِربَةٌ" کہا ہے اور عبدالرحمن کی روایت میں: "مِن کُلِّ عشر قرب قربة" تھا یعنی اسامہ نے لفظ "کُلِّ" کو ساقط کر دیا۔ اسی طرح عبدالرحمن کی روایت میں تھا: "کان یحمي لهم وادیین" اور ان کی روایت میں ہے: "کان یحمي وادیین لهم" یعنی لفظ "لَهُمْ" کی تاخیر کے ساتھ۔

بَابٌ فِي خَرْصِ الْعِنَبِ

درخت پر انگوروں کا اندازہ کر لینے کا بیان

۱۶۰۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ السَّرِيِّ النَّاقِطُ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ، قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُخْرَصَ الْعِنَبُ، كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ، وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ زَبِيبًا، كَمَا تُؤْخَذُ زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا .

ترجمہ: حضرت عتاب بن اسید، حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے حکم فرمایا کہ انگوروں کا اندازہ لگایا جائے (کہ وہ کتنے ہیں) جیسا کہ کھجوروں میں اندازہ لگایا جاتا ہے اور ان کی زکوۃ اس وقت لی جائے جب وہ درخت سے اتر کر سوکھ جائیں جس طرح کہ کھجور کی زکوۃ سوکھنے کے بعد لی جاتی ہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد فقہاء کرام کے مابین اختلافی مسئلہ "مسئلہ خرص" کو بیان کرنا ہے، اور اس سلسلہ میں مصنفؒ علام نے کل چار ابواب قائم فرمائے ہیں، ہم پہلے مسئلہ خرص کا مفہوم اور حکم بیان کرتے ہیں، اس کے بعد باب کی احادیث کی تشریح کریں گے۔

خرص کا مفہوم:

"خرص" بفتح الخاء وکسرہا وسکون الراء از باب نصر ہے، جس کے لغوی معنی ہیں جانچنا، اندازہ لگانا، تخمینہ کرنا اور کتاب الزکوۃ کی اصطلاح میں خرص کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں میں جب مٹھاس پیدا ہو جائے اور وہ پوری طرح پکے نہ ہوں تو تخمینہ کرنے کا ایک ماہر شخص حاکم اسلامی کی طرف سے باغات میں جا کر یہ اندازہ لگائے کہ یہ

۱۶۰۳-أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في الخرص (۶۴۴)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: شراء الصدقة (۵/ ۱۰۹)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: خاص النخل والعنب (۱۸۱۹).

پھل، مثلاً: انگور جو فی الحال اس قدر ہیں، پکنے کے بعد درختوں پر سے اتارے جانے اور خشک ہو جانے پر ان کی کل مقدار کیا ہوگی، اور ان میں عشر کس مقدار میں واجب ہوگا۔

یہ ہے خرص کا مفہوم اور حقیقت۔

خرص کا حکم شرعی:

خرص کے حکم شرعی کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل اختصار کے ساتھ یہ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک خرص کے ذریعہ جتنی پیداوار ثابت ہوا تنی ہی پیداوار کا عشر واجبا ہوگا، اور عامل زکوٰۃ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ تخمینہ کی ہوئی مقدار کا عشر اسی وقت ٹوٹے ہوئے پھلوں سے وصول کر لے۔

مالکیہ اور شوافع کے نزدیک بھی خرص مستحب ہے، پھلوں کے قابل انتفاع ہونے کے بعد امام عامل زکوٰۃ جو کہ خرص میں مہارت رکھتا ہو باغات میں بھیجے گا اور خرص کرائے گا، لیکن ان حضرات کے نزدیک محض خرص کی بنیاد پر عشر وصول نہیں کیا جائے گا، بلکہ پھلوں کے پکنے کے بعد دوبارہ وزن کر کے حقیقی پیداوار متعین ہوگی اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔
(المغنی لابن قدامہ: ٢/ ٧٠٦، معارف السنن: ٥/ ٢٤٨)

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں ہے اگرچہ عام طور سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ خرص کے قائل نہیں ہیں؛ لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک بھی مالکیہ اور شوافع کے مطابق ہے، امام طحاویؒ کی مجموعی بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جائزہ لینے کی حد تک خرص کا اعتبار ہے البتہ اس کو وجوب عشر کا معیار نہیں بنایا جاسکتا ہے، درحقیقت خرص حنفیہ کے نزدیک ادائے عشر میں ممکنہ گڑبڑی کو روکنے کے لیے ہے، درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کا اندازہ اور معائنہ کر کے باغات کے مالکوں کو پہلے سے آگاہ کر دیا جائے کہ ان پھلوں میں تقریباً اتنا عشر واجب ہوسکتا ہے، اور عشر کی حقیقی مقدار درختوں سے ان پھلوں کے اتارے جانے اور خشک ہونے کے بعد ہی متعین ہوگی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ العرف الشذی میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما الأحناف فنسب إلينا بأنا نافون للخرص وليس هذا حقيقة الأمر، وموهم هذه النسبة عبارة الطحاوي ولكن جميع عباراته تدل على أن الخرص عندنا أيضاً معتبر ولكنه تعبير فقط وليس مدار اللزوم وهو الحق فلا يجب علينا جواب الحديث فإنه صادق على مذهبنا إذن فإنه لا يدل على أن الخرص مدار اللزوم، وقد صح الخرص في عهده عليه الصلاة والسلام إلا أن

الأحناف ذكروا مسالة الخرص في كتبهم لأنه ليس مدار اللزوم وفصل النزاع، وزعم الناظرون أنهم ينفون (العرف الشذي: ٢/ ١١٨، طبع بيروت)

مذہب احناف کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی جو رائے ہے تقریباً یہی رائے فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بھی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خرص کے سلسلہ میں حدیث باب سے استدلال کیا ہے، لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ہمارے مخالف نہیں ہے، تفصیل بالا کے مطابق خرص کے جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں اور وجوب خرص اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عشر کے لیے اسی خرص کو مدار بنایا جائے گا بلکہ یہ تخمینہ تو صرف ممکنہ گڑبڑی کو روکنے کے لیے تھا، اس کے علاوہ یہ روایت باب سند کے اعتبار سے متکلم فیہ بھی ہے جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔

اور وجوب عشر کا معیار اس خرص کو اس لیے نہیں بنایا جاسکتا کہ زکوٰۃ تو ایک متعین ہے اس کی متعین مقدار میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی، جب کہ خرص کو ہی مدار و معیار بنانے میں نفس امر میں متعین زکوٰۃ میں کمی بیشی کا خدشہ ہے، اسی خدشہ کے پیش نظر تو بیع مزابنہ یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے عوض بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے، بیع مزابنہ لازماً تخمینہ سے ہی ہوتی ہے جس میں تفاضل کا احتمال ہے جو ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور خرص میں بھی بعینہ یہی صورت ہوتی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "أَمَرَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم أَنْ يُخْرَصَ العِنَبُ" بصیغۂ مجہول اور بعض نسخوں میں "نخرص" بصیغہ جمع متکلم معروف بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص عنب کو خرص نخل کی طرح قرار دیا ہے اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ جس طرح تخمینہ کرنے والا درخت پر لگی کھجوروں کا مکمل ادراک کر لیتا ہے کھجوریں درختوں کے پتوں میں چھپی نہیں ہوتیں، بلکہ ہر خوشہ الگ الگ نظر آتا ہے بالکل اسی طرح انگور کا مسئلہ بھی ہے کہ انگور کے خوشے بھی دیکھنے والے کو واضح طور پر الگ الگ نظر آتے ہیں، پھل پتوں میں چھپے نہیں ہوتے، جس کو تخمینہ کرنے والا آسانی سے تخمینہ کر لیتا ہے، جب کہ دوسرے پھلوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے، آپ آم کے درختوں کو دیکھئے کہ ان کے پھل پتوں میں چھپے ہوتے ہیں، اس لیے صحیح تخمینہ نہیں کیا جاسکتا اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب ۷ ہجری میں خیبر فتح کیا گیا تو وہاں کھجور ہی کے باغات تھے، اور جب طائف فتح ہوا تو وہاں عنب بہت زیادہ تھے اس لیے آپ نے طائف کے فتح ہونے کے بعد آسانی کے لیے بطور تمثیل فرمادیا کہ عنب کا خرص بھی اسی طرح کرلو جس طرح خیبر کی کھجوروں کا خرص کیا تھا۔

قوله: "تؤخذ زكوته الخ" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنب کی زکوٰۃ خرص کے فوراً بعد نہیں لی جائے گی، بلکہ خشک انگوروں کی صورت میں لی جائے گی، جس طرح درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی زکوٰۃ خشک کھجوروں (خرما) کی

صورت میں ادا کی جاتی ہے۔

قولہ: ''زبیبًا'' خشک انگور، منقی، یہ بھی اور آگے لفظ ''تمرًا'' دونوں تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

تنبیہ: یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، کیوں کہ اولاً تو اس میں عبدالعزیز بن السرّی الناقط (یہ قرآن پاک کے نقطوں کی طرف نسبت ہے) راوی مقبول درجہ کے ہیں امام ابوداوٗد نے ان سے صرف یہی ایک حدیث لی ہے، دوسرے یہ کہ اس میں سعید بن المسیب روایت کرر ہے ہیں حضرت عتاب بن اَسید بفتح الہمزہ وکسر السین رضی اللہ عنہ سے، اور بقول امام ابوداوٗد سعید نے عتابؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے، سنن ابوداوٗد کے بعض نسخوں میں اس حدیث کے اخیر میں یہ بھی لکھا ہے: ''قال أبوداؤد: سعيد لم يسمع من عتاب شيئًا'' امام منذریؒ فرماتے ہیں: ''انقطاعه ظاهر لأن مولد سعيد في خلافة عمرومات عتاب يوم ملتقي أبي بكر'' (المنہل:۹/۲۱۰)

۱۶۰۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ التَّمَّارِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَعِيدٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَتَّابٍ شَيْئًا.

ترجمہ: محمد بن صالح التمار نے بھی ابن شہاب زہری سے عبدالرحمن بن اسحاق کی سند سے اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، امام ابوداوٗد نے کہا کہ سعید بن المسیب نے عتاب بن اسید سے کچھ نہیں سنا ہے۔

تشریح حدیث: سابقہ روایت میں زہری کے شاگرد عبدالرحمن بن اسحاق تھے اور اس میں محمد بن صالح تمار ہیں، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح عبدالرحمن بن اسحاق نے زہری سے یہ روایت سنی تھی اسی طرح محمد بن صالح نے بھی سنی ہے، اب مصنفؒ اپنے اس طرز سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مصنفؒ کا مقصود عبدالعزیز بن السری کی متابعت قاصرہ ثابت کرنا ہے، تاکہ یہ روایت ترقی کر کے حسن درجہ کو پہنچ جائے، مصنفؒ کی نقل کردہ یہ معلق روایت سنن دارقطنی میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في زكوٰة الكرم إنما تخرص كما يخرص النخل ثم تؤدي زكوته زبيبًا كما تؤدي زكوٰة النخل تمرًا'' (سنن دارقطنی، حدیث/۲۰۲۷)

بَابٌ فِي الْخَرْصِ

درخت پر پھلوں کا اندازہ لگانا

۱۶۰۵- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ

۱۶۰۴- انظر: الحديث السابق.

۱۶۰۵- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: في الخرص (۶۴۳) النسائي: كتاب الزكاة باب: كم يترك الخارج (۵/۴۳)

الرَّحْمَنِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ. إِلَى مَجْلِسِنَا، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا خَرَصْتُمْ، فَجُذُّوا، وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا، أَوْ تَجُذُّوا الثُّلُثَ، فَدَعُوا الرُّبُعَ،قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الْخَارِصُ يَدَعُ الثُّلُثَ لِلْحِرْفَةِ

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سہیل بن ابی حثمہؓ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم کیا ہے کہ جب تم (درخت کے پھلوں کا) اندازہ لگاؤ تو اندازہ کا دوتہائی وصول کرو اور ایک تہائی چھوڑ دو، اگر ایک تہائی نہ تو پھر ایک چوتھائی چھوڑ دیا کرو۔

مقصد ترجمه: باب سابق میں خرص عنب کا بیان تھا اور یہ باب مطلقاً خرص کے بارے میں ہے بہتر یہ تھا کہ مصنفؒ پہلے مطلق خرص کو بیان فرماتے اور پھر نخل اور عنب کے خرص کو نقل کرتے تا کہ پہلے مطلق بیان سامنے آجاتا پھر مقید بیان، لیکن ہوسکتا ہے کہ مصنف کا مقصد خرص کے خاص حکم ثلث یا ربع کے ترک کو بیان کرنا ہو جیسا کہ روایت سے مستفاد ہوتا ہے۔

رجال حدیث: عبدالرحمن بن مسعود: یہ قلیل الروایہ راوی ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں ان کو مقبول لکھا ہے، ابن قطان فرماتے ہیں کہ: لایعرف حاله. البتہ ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات میں لکھا ہے اور امام بزار نے معروف کہا ہے، سنن ثلاثہ، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ان کی یہی ایک روایت ہے اور ان ہی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

تشریح حدیث: قوله: إذا خَرَصْتُمْ فَجُذُّوا: اس کلمہ ''فجذوا'' کے ضبط کرنے میں نسخوں اور راویوں کا اختلاف ہے جس سے معنی میں بھی فرق پڑتا ہے، غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کلمہ کو پانچ طرح ضبط کیا گیا ہے۔

(۱) ''جُذُّوا'' بضم الجیم والذال المشددہ، جَذَّ يَجُذُّ (ن) سے امر کا صیغہ ہے، جس کے معنی توڑنے اور کاٹنے کے آتے ہیں اور مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ جب تم (خطاب عاملین زکوۃ یا ماہرین تخمینہ کو ہے) پھلوں کا تخمینہ کرلو تو پھل توڑلو یعنی باغ کے مالکان کو توڑنے کی اجازت دے دو، کیوں کہ پھلوں کو توڑنا عامل یا خارص کا کام نہیں ہے، اس تفسیر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قبل الخرص مالک کو باغ کے پھلوں میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔

(۲) جَذُّوا: بفتح الجیم وضم الذال المشددہ، صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف، یہ معطوف ہے شرط پر اور اس کا جواب محذوف ہے اور مطلب یہ کہ جب تم تخمینہ کرلو اور مالک پھلوں کو توڑلیں تو زکوۃ وصول کرو، تقدیری عبارت ہوگی۔اذا خرصتم وقطعها أربابها فخذوا الزكوٰة.

(۳) خُذُوا: بضم الخاء المعجمه والذال، أَخَذَ يَأْخُذُ سے صیغہ امر ہے، یعنی جب تم نے تخمینہ کرلیا تو زکوۃ

وصول کر سکتے ہو امر اباحت کے لیے ہے۔

(۴) جُدُّوا بضم الجیم والدال المہملہ، جَدَّ يَجِدُّ (ض) سے صیغہ امر ہے، جس کے معنی ہیں کوشش کرنا، سعی اور محنت کرنا، اور مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ جب تم خرص کرو تو خوب کوشش اور محنت کے ساتھ خرص کرو، عجلت سے کام نہ لو، کیوں کہ عجلت میں یا تو فقراء کا نقصان ہو جائے گا یا مالک باغ کا نقصان ہوگا۔

(۵) حُذُّوا: بضم الحاء المہملہ والذال المعجمہ حَذَّ يَحُذُّ (ن) حَذًّا بمعنی جلدی سے کاٹنا، یہ صیغہ امر ہے، اور جو مفہوم پہلی صورت میں تھا وہی اس صورت میں بھی ہے۔

قوله: دَعُوْا الثُّلُثَ: وَدَعَ الشَّيْءَ (ف) وَدْعًا سے امر کا صیغہ ہے ضَعُوْا کے وزن پر، یعنی جب تم کھجوروں اور انگوروں کا خرص کرو تو دو تہائی لو اور ایک تہائی چھوڑ دو، اب حدیث کے جزء کا مطلب سمجھنے میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خطاب ہے کہ جب خرص کے ذریعہ عشر وصول کرو تو جتنی پیداوار ثابت ہوئی ہو عشر وصول کرتے وقت اس میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی کا عشر وصول کرو، کیوں کہ ایک تو تخمینہ میں غلطی کا احتمال ہے، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ پھلوں کے پکتے پکتے کچھ مقدار خراب ہو جائے، تیسرے اس لیے کہ مالک اس میں سے پڑوسیوں اور راہ گیروں کو کھانے کے لیے دے سکے، امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ:

امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عشر میں جو مقدار واجب ہوئی ہے اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا جائے گا، لہٰذا ان کے نزدیک اس کا مطلب ہوگا کہ بات خیبر کے یہودیوں کے بارے میں فرمائی گئی ہے جن سے آں حضرت ﷺ نے مساقات یعنی بٹائی کا یہ معاملہ کیا تھا کہ کھجوروں کی جو پیداوار حاصل ہوگی اس کا آدھا یہودی لیں گے اور آدھا حضور ﷺ چناں چہ جن صحابی (اگلی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہؓ) کو خیبر کی پیداوار کا حساب لگانے بھیجا تھا، ان کو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے ساری کھجوروں میں سے تہائی الگ کر کے کشادہ دلی اور احسان کے طور پر ان یہود کے پاس چھوڑ دیں، پھر باقی کو تقسیم کر کے آدھا حضور ﷺ کو دے دیں اور آدھا ان یہود کو دے دیں، گویا اس تہائی کو چھوڑنے کا تعلق یہود سے تھا، زکوٰۃ کا اس سے تعلق ہی نہیں۔

بعض مالکیہ نے یہ مطلب بھی لکھا ہے ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے بارے میں مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود فقراء کو

دے دے، اور اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس مقدار کو بیت المال میں جمع کرے۔ (فتح الباری: ۳/۳۷۱)

جب ابن العربی مالکیؒ نے یہ لکھا ہے کہ جب خرص کے بعد پھل پک جائیں اور عشر وصول کرنے کا وقت آ جائے تو زمیندار یا کاشتکار نے جتنی مؤونت پیداوار کے لیے اٹھائی ہو اس کو مستثنیٰ کر کے باقی پر عشر لگایا جائے گا اور چوں کہ اس دور میں مؤونت عموماً پیداوار کا ثلث یا ربع ہوتی تھی اس لیے اس مقدار کا ذکر کر دیا گیا۔

قوله: ''فإن لم تدعوا أو تجزوا'' یعنی اگر عامل ثلث کو نہ چھوڑیں یا ارباب مال اپنے لیے کچھ پھل نہ لیں نہ کاٹیں تو ربع ہی چھوڑ دیا کرو، پس ''لم تدعوا'' میں خطاب عمال کو ہے اور ''تجزوا'' میں خطاب ارباب مال کو ہے، اور مطلب یہی ہے کہ اگر ارباب مال اپنے لیے ثلث نہ روک سکیں تو ربع ہی روک لیں اور عاملین اگر ثلث نہ چھوڑ سکیں تو کم از کم ربع ہی چھوڑ دیا کریں۔

اور بعض نسخوں میں ''أو تجدوا'' ہے، جس کے معنی پانے کے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم ثلث کو نہ چھوڑ سکو یا یہ فرمایا کہ تم ثلث کے چھوڑنے کو مناسب نہ پاؤ تو ربع ہی چھوڑ دیا کرو، پس کلمہ ''أو'' راوی کا شک ہے۔

قال أبوداؤد: الخارص يدع الثلث للحرفة: یہ عبارت سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ ثلث کو چھوڑنے کا خارص کو جو حکم ہے وہ کھیتی کے پیشہ یعنی اس کی مؤونت کے لیے ہے جیسا کہ ابن العربی کی رائے ہے۔

بَابُ مَتَى يُخْرَصُ التَّمْرُ

کھجور کا اندازہ کب لگایا جائے؟

۱۶۰۶- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ وَهِيَ تَذْكُرُ شَأْنَ خَيْبَرَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُودَ فَيَخْرُصُ

۱۶۰۶- أخرجه عبدالرزاق في مصنفه (۴/ ۱۲۹)، كتاب الزكاة: باب متى يخرص، حديث (۷۲۱۹)، وأبو عبيد في الأموال (۵۸۲، ۵۸۳)، كتاب الصدقة وأحكامها وسننها: باب الثمار للصدقة والعرايا، والسنة في ذلك، وأحمد (۶/ ۱۶۳)، والدارقطني (۲/ ۱۳۳)، كتاب الزكاة: باب في قدر الصدقة فيما أخرجت الأرض وخرص الثمار، حديث (۲۵) والبيهقي (۴/ ۱۲۳)، كتاب الزكاة: باب خرص التمر، والدليل على أن له حكماً، كلهم من طريق ابن جريج قال: أخبرت عن ابن شهاب، عن عروة عن عائشة ... وإسناده فيه جهالة، لأن ابن جريج قال: اخبرت عن ابن شهاب

النَّخلَ حِينَ يَطِيبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنهُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خیبر کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ خیبر کے یہود کے پاس عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کرتے تھے، پس وہ جا کر کھجور کا اندازہ لگا لیتے تھے، جبکہ وہ اچھی طرح نکل آتی تھیں؛ مگر اسوقت تک کھائی نہ جاتی تھیں۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد زمانہ خرص کو بیان کرنا ہے کہ پھلوں کا خرص کس وقت کیا جائے؟ روایت الباب سے پتہ چلتا ہے کہ پھلوں کے اندازہ کرنے کا وقت بدو صلاح کے بعد ہے یعنی جب پھل قابل انتفاع ہو جائیں تو ان کا خرص کیا جائے۔

رجال حدیث: ابن جریج: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ہیں اور ثقہ راوی ہیں؛ لیکن یہاں اس سند میں ان کے اور ابن شہاب زہری کے درمیان ایک واسطہ متروک ہے اور اس واسطہ کا علم نہیں ہے، لہٰذا سند میں جہالت ہے جس کی وجہ سے روایت میں ضعف آ گیا، سند میں ''اخبرت عن ابن شهاب'' اسی ترکِ واسطہ کی طرف مشیر ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: ''وهي تذكر شان خيبر'' حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فتح خیبر کے احوال کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی بیان فرمایا کہ غنیمت کے طور پر جو باغات رسول اللہ ﷺ کو ملے تھے آپ ﷺ نے ان کو بٹائی پر یہودِ خیبر ہی کو دے دیا تھا، اب یہود کی ممکنہ گڑبڑی سے بچنے کے لیے آپ ﷺ ان باغات کا خرص کرا لیا کرتے تھے اور اس کام کے لیے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو بھیجا کرتے تھے، کیوں کہ درختوں پر لگی کھجوروں کا اندازہ کرنے میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی، یہ یہود کے باغات میں جاتے اور جب پھل پکنے لگتے تو کھائے جانے سے پہلے ہی خرص کر لیا کرتے تھے، اور یہود کو اختیار دیا کرتے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو اس خرص کے مطابق کھجوروں کو ہم سے لے لیں اور اگر چاہیں تو ہمیں دے دیں، جیسا کہ سنن دارقطنی کی روایت میں اس کی تفصیل ہے: ''فيخرص النخل حين يطيب أوّل الثمرة قبل أن يؤكل، ثم يخير اليهود يأخذونها بذلك الخرص أو يدفعونه إليهم بذلك الخرص'' (سنن الدارقطنی: ۳/ ۵۲/ ۲۰۵۲)

فقہ الحدیث: حدیث شریف سے ایک مسئلہ تو یہ مستنبط ہوا کہ خرص کا وقت عند بُدُوِّ صلاح ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ بھی متخرج ہوتا ہے کہ ایک آدمی اگر عادل اور امین ہو تو اس کی خبر پر عمل کیا جا سکتا ہے؛ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اکیلے ہی باغ میں جاتے اور تخمینہ کرتے تھے، اور ان کی خبر پر عمل کیا جاتا تھا، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شوافع اسی کے قائل ہیں، جب کہ دوسرے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ حسب ضابطہ دو افراد ہی ہونے چاہئیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ یہ تخمینہ اس لیے بھی کراتے تھے کہ آپ کو اپنے حصہ کی کھجوروں کا علم ہو جائے اور پھر اسی کے مطابق زکوۃ ادا کردیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الثَّمَرَةِ فِي الصَّدَقَةِ

ان کھجور کا بیان جن کا زکوۃ میں دینا جائز نہیں ہے

١٦٠٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الجُعْرُورِ، وَلَوْنِ الْحُبَيْقِ أَنْ يُؤْخَذَا فِي الصَّدَقَةِ ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَوْنَيْنِ مِنْ تَمْرِ الْمَدِينَةِ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَسْنَدَهُ أَيْضًا أَبُو الْوَلِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: حضرت سہل ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے جعرور اور لون الحبیق زکوٰۃ میں لینے سے منع فرمایا ہے، زہری کہتے ہیں کہ: یہ (جعرور اور لون الحبیق) مدینہ کی کھجوروں کے دو رنگ ہیں، ابوداؤد کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ابوالولید نے بواسطہ سلیمان بن کثیر زہری سے نقل کیا ہے۔

مقصد ترجمہ: پھلوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ چل رہا تھا، اسی کی مناسبت سے مصنف ؒ نے یہ باب کر دیا ہے کہ زکوۃ میں عمدہ یا متوسط پھل دینے چاہئیں، ایسے گھٹیا پھل نہ دے جن کو آدمی خود بھی نہ کھا سکے، اس مقصد کے ثبوت کے لیے مصنف ؒ نے دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

رجال حدیث: عباد: یہ عباد بن العوام بن عمر بن عبداللہ ابوسہل الواسطی ہیں، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق فرمائی ہے البتہ ابن خراش نے "صدوق" اور ابن سعد نے "کان یتشیع" کہا ہے. لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں ثقہ ہی لکھا ہے۔

ابو امامة بن سهل: علامہ ذہبی ؒ نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کی حیات میں پیدا ہو گئے تھے اور ایک قول کے مطابق حضور ﷺ کی زیارت بھی کی ہے، لہٰذا صحابی ہوئے، ١٠٠ھ میں وفات ہوئی ہے اور ثقہ راوی ہیں، ان کا اصل نام اسعد ہے۔

١٦٠٧- أخرجه النسائي (٥/ ٤٣) في الزكاة، باب قوله عز وجل: [ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون] وإسناده حسن.

تشریح حدیث: قوله: "نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجعرور" "الجُعْرور" بضم الجيم وسكون العين المهملة وضم الراء وسكون الواو بروزن عصفور، گھٹیا قسم کی کھجوروں کی ایک خاص نوع کا نام ہے، "ولون الحبيق" بضم الحاء وفتح الباء وسكون الياء بروزن زبير، مٹیالے رنگ کی گھٹیا کھجور جو قدرے لمبی ہوتی ہے، یہ ایک شخص ابن حُبیق کی طرف منسوب ہے۔

قوله: "قال الزهري: لونين من تمر المدينة": حضرت امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جعرور اور لون الحبیق سے حضور ﷺ کی مراد کھجور کی دو قسمیں ہیں جو انتہائی گھٹیا ہوتی ہیں، زہری کا قول "لونین" نوعین کے معنی میں ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے یہ ثابت ہوا کہ رب المال کے لیے جائز نہیں کہ زکوٰۃ میں گھٹیا اور خراب قسم کے پھل ادا کرے اور یہ روایت اگرچہ کھجور کے بارے میں نص ہے لیکن تمام اجناس کو اسی پر قیاس کیا جائے گا کہ کسی بھی مال کی زکوٰۃ گھٹیا مال کی شکل میں نہ دی جائے، جیسا کہ سائمہ کی زکوٰۃ کا بیان ماقبل میں گزرا۔

قوله: "قال أبوداؤد: "أسنده أيضًا أبو الوليد عن سليمان بن كثير عن الزهري" مصنفؒ اپنے اس قول سے اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کا ایک دوسرا متصل طریق اور بھی ہے، چناں چہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح امام زہریؒ سے سفیان بن حسین نے اس حدیث کو مسنداً نقل کیا ہے اسی طرح ابوالولید نے بھی مسنداً ہی نقل کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ عبدالجلیل بن حمید نے بھی زہری سے اس کو مسنداً ہی نقل فرمایا ہے، پس زہری سے نقل کرنے والے تین ہو گئے۔

(۱) سفیان بن حسین، ان کی روایت حدیث باب ہے۔

(۲) ابوالولید، ان کی روایت سنن دارقطنی میں ہے۔

(۳) عبدالجلیل بن حمید، ان کی روایت سنن نسائی میں ہے۔

۱۶۰۸- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي الْقَطَّانَ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ أَبِي عَرِيبٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَبِيَدِهِ عَصًا، وَقَدْ عَلَّقَ رَجُلٌ قَنَا حَشَفًا، فَطَعَنَ بِالْعَصَا فِي ذَلِكَ الْقِنْوِ، وَقَالَ: لَوْ شَاءَ رَبُّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْهَا ، وَقَالَ: إِنَّ رَبَّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ يَأْكُلُ الْحَشَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

۱۶۰۸- اخرجه أحمد (۶/ ۲۳) والنسائي: ۵/ ۴۳ و ۴۴، في الزكاة، باب قوله عز وجل: {ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون}، وفي سنده صالح بن أبي عريب، لم يوثقه غير ابن حبان، وباقي رجاله ثقات.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ ہمارے پاس مسجد میں تشریف لائے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور ایک شخص نے گھٹیا کھجور کا گچھا لٹا رکھا تھا، آپ ﷺ نے اس میں اپنی چھڑی ماری اور فرمایا: جس شخص نے یہ صدقہ دیا ہے وہ اگر چاہتا تو اس سے بہتر دے سکتا تھا، یہ صدقہ دینے والا قیامت کے دن حشف کھائے گا۔

رجال حدیث: صالح بن أبي عَرِيب: بفتح العین وکسر الراء المھملہ، قلیل الروایۃ راوی ہیں، ابن حبان کے علاوہ کسی نے ان کی توثیق نہیں کی ہے؛ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقبول لکھا ہے۔

لغات حدیث: "قَنَا" بفتح القاف وکسرہا جمع "اقناء وقنيان، وقنوان" یہ "قِنوٌ" کا مرادف ہے بمعنی خوشۂ کھجور۔ "حَشَفٌ" بفتح الحاء والسین بمعنی سوکھی ہوئی گھٹیا کھجور۔ "طَعَنَ" "طَعَنَ الشَّيَ بالرمح والعصا" بمعنی ہلانا، مارنا۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ کے مبارک دور میں حضرات صحابۂ کرام اپنے باغات میں سے کھجور کے خوشہ لاکر لٹکا دیا کرتے تھے، جن پر گدری اور پکی کھجوریں ہوا کرتی تھیں، اور صحابہ کا یہ عمل بھی حضور ﷺ کے حکم ہی تھا، تا کہ غریب اور فقراء ان خوشوں میں سے کھالیا کریں، آج کل بھی عرب لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب کھجور کی پھل آتی ہے تو تقریباً ہر مسجد میں دروازے کے پاس ہی تازہ کھجوریں رکھی ملتی ہیں اور ان سے کھانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرات صحابہؓ میں سے جن انصار کے یہاں باغات تھے وہ کھجور کے خوشے لاتے اور مسجد نبوی میں ستونوں کے درمیان رسی سے لٹکا دیا کرتے تھے، تا کہ اس میں سے فقراء مہاجرین کھالیا کریں، پس کسی نے ایک خوشہ گھٹیا کھجور کا لٹکا دیا اور یہ خیال کیا کہ لٹکانے والے کا کسی کو علم ہی نہ ہوگا، اس موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت "ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون" نازل ہوئی، جس میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں خبیث اور گھٹیا مال خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو، ایسا گھٹیا مال کہ: "وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ" کہ اگر یہ گھٹیا مال تم کو ملے تو تم ہرگز اس کو قبول نہ کرو، مگر نہ چاہتے ہوئے کراہت کے ساتھ۔

اسی طرح اس حدیث میں بھی پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ان گھٹیا کھجوروں کو دیکھ کر اپنے عصا سے حرکت دے کر یہ فرمایا کہ اگر اس خوشہ کو لٹکانے والا اس سے اچھا خوشہ لٹکانا چاہتا تو لٹکا سکتا تھا لیکن اس نے نہیں چاہا اب اس کی سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس آدمی میں کھانے کی حرص پیدا کرے گا پھر یہی گھٹیا کھجوروں کا خوشہ اس کو کھلایا جائے گا۔

اس بابت صاحب منہل نے یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے دن کھانے سے حقیقتاً کھانا مراد نہیں ہے بلکہ اس عمل کی سزا کا چکھنا مراد ہے، جزا پر اکل کا اطلاق مشاکلۃً ہوا ہے۔

فقه الحديث: ہمارے مصنف ؒ کو تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ زکوٰۃ میں گھٹیا مال نہ دیا جائے؛ بلکہ یا تو اعلیٰ درجہ کا ورنہ اوسط درجہ کا مال دیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ زَكَاةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کا بیان

اس باب کو مصنف ؒ صدقۂ فطر کی شرعی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے قائم کیا ہے، لیکن چوں کہ احادیث باب میں صدقۂ فطر سے متعلق تمام ضروری مسائل کا احاطہ نہیں ہوا ہے؛ اس لیے دیگر کتب حدیث وفقہ سے اخذ کر کے چند ضروری مباحث ومسائل کو اولاً نقل کیا جاتا ہے پھر احادیث الباب کی تشریح کی جائے گی۔

زکوۃ کی دو قسمیں ہیں:

زکوۃ المال:

یعنی مال کی زکوۃ، جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے جس کی بحث سابقہ احادیث میں گزری ہے۔

زکوۃ الفطر:

یعنی بدن کی زکوۃ، اس کو صدقہ فطر کہا جاتا ہے۔ اس تمہید میں یہی موضوع زیر بحث ہے۔

صدقہ فطر کی تعریف

فطر کا لفظ افطار سے ہے یعنی روزہ افطار کرنے کے معنی میں ہے اور صدقہ فطر کو زکاۃ الفطر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ رمضان کے روزے پورے ہونے کے بعد دیا جاتا ہے، زکاۃ الفطر اور صدقۃ الفطر یہ دونوں نام نصوص سے ثابت ہیں اور فطر کی طرف اس کی اضافت إضافة الشيء إلى سببه کی قبیل سے ہے یعنی اس کے وجوب کا سبب رمضان کا فطر ہے، رمضان کے روزے ختم ہونے کے بعد جو عید آتی ہے اس کو عید الفطر کہا جاتا ہے۔

صدقہ فطر کا ثبوت

قرآن مجید کے عموم سے اور صریح حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے قرآن مجید کے عموم سے جیسے قول باری تعالیٰ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۔ بے شک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا (یعنی ظاہری وباطنی حسی ومعنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب وقالب کو عقائد صحیحہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا) اور لیا اُس

نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی (یعنی پاک وصاف ہو کر تکبیر تحریمہ میں اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز پڑھی اور بعض سلف نے کہا کہ تَزَکّٰی زکوٰۃ سے ہے جس سے مراد یہاں صدقہ الفطر ہے اور وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ سے تکبیرات عید مراد ہیں اور فَصَلّٰی میں نماز عید کا ذکر ہے یعنی عید کے دن اوّل صدقہ الفطر پھر تکبیریں پھر نماز والظاہر ہو الاوّل۔ (تفسیر عثمانی)

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت أبي سعید الخذری سے نقل سے کیا کہ اس سے مراد صدقۃ الفطر ہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب عید کے دن لوگوں کو منبر پر خطبہ دیتے تو فرماتے کہ: صدقۃ الفطر نماز سے پہلے ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى . وقال البغوي في تفسيره : وقال آخرون: هو صدقة الفطر، روي عن أبي سعيد الخدري في قوله : قد أفلح من تزكى قال: أعطى صدقة الفطر و ذكر اسم ربه فصلى أي وذكر ربه فصلى، قيل: الذكر تكبيرات العيد، والصلاة صلاة العيد، وقيل: الصلاة هاهنا الدعاء . (تفسير البغوي) .

وكان عمر بن عبد العزيز يخطب الناس على المنبر يقول :قدموا صدقة الفطر قبل الصلاة، فإن الله يقول: قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى. (احكام القرآن لابن العربي) .

اور بہت ساری احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے مثلاً: عن نافع عن عبد الله بن عمرأن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض زكاة الفطر من رمضان على كل نفس من المسلمين حر أو عبد أو رجل أو امرأة صغير أو كبير صاعا من تمر أو صاعا من شعير . (سنن النسائی)

وقال الامام يحيي بن شرف أبو زكريا النووي رحمه الله :اختلف الناس في معنى (فرض) هنا فقال جمهورهم من السلف والخلف معناه ألزم وأوجب فزكاة الفطر فرض واجب عندهم لدخولها في عموم قوله تعالى وآتوا الزكاة . وقال بعض أهل العراق وبعض أصحاب مالك وبعض أصحاب الشافعي وداود في آخر أمره إنهاسنةليست واجبةوقال أبوحنيفة هي واجبة ليست فرضا بناء على مذهبه في الفرق بين الواجب والفرض.والصواب أنها فرض واجب (شرح النووی علی مسلم)

صدقہ فطر کا وجوب:

صدقہ فطر اکثر کے نزدیک فرض ہے اور حنفیہ کے واجب ہے: کیونکہ ان کے یہاں فرض وواجب کے معنی میں تھوڑا

فرق ہے لیکن یہ فرق صرف اعتقادی ہے عملاً کوئی فرق نہیں ہے، متعدد احادیث سے صدقۂ فطر کا وجوب ثابت ہے، اختصار کے مدنظر تین احادیث کے ترجمہ پر اکتفا کر رہا ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے، خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخر میں ارشاد فرمایا: کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ (سنن ابوداؤد)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (سنن ترمذی)

صدقۂ فطر کب واجب ہوا

اس کا حکم بھی رمضان کے ساتھ فرض ہوا یعنی ہجرت کے دوسرے سال مدینہ منورہ میں

صدقۂ فطر کا مقصد و حکمت

صدقۂ فطر ہر وہ مال ہوتا ہے جسے مسلمان عید کے دن اپنے آپ کو پاک کرنے کی نیت سے اپنے مال میں سے محتاجوں کے لیے نکالتے ہیں اور اس سے اس کے روزہ میں پیدا شدہ خلل جیسے لغویات یا فحش بات کی تلافی مقصود ہوتی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طُهرةً للصائم من اللّغو والرفث، وطُعمةً للمساكين، من اداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة، ومن أدّاها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات. (اخرجه أبو داود وابن ماجة والدار قطني والحاكم وصححه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا تاکہ روزہ دار فضول اور نازیبا اور بری باتوں سے پاک ہوجائے اور مسکینوں کو (کم از کم عید کے دن اچھا کھانا پینا) میسر آجائے جس نے اس کو عید کی نماز سے پہلے اداء کیا تو وہ ایک قبول ہونے والا صدقہ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے دو مقصد ہیں (ایک) روزہ کی کوتاہیوں کی تلافی (دوم) امت کے مسکینوں کے لیے عید کے دن رزق کا انتظام کرنا اور یہ دونوں مقصد جب ہی حاصل ہوں گے کہ ہم صدقۂ فطر

کی اہمیت وحکم جاننے کے بعد بخل سے کام نہ لیں بلکہ کھلے دل سے خوشی خوشی اس کو اداء کریں، ایک روایت میں ہے کہ آج کے دن مساکین کو ادہر ادہر پھرنے سے اورسوال کرنے سے غنی کرو، وفي رواية أغنوهم عن الطواف في هذا اليوم .أخرج هذه الرواية ابن عدي والدارقطني والبيهقي والحاكم وابن زنجويه في الأموال وابن حزم جميعهم من طريق ابي معشر عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما وفي آخره أغنوهم في هذا اليوم أو أغنوهم (يعني المساكين) من طواف هذا اليوم كما هو لفظ الحاكم والبيهقي.

مالداروں کے گھروں میں تو اُس روز عید ہوتی ہے مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں، اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اُسی طرح روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالی نے مالدار لوگوں پر لازم ٹھرایا کہ غریبوں کو عید سے پہلے صدقہ فطر دے دیں؛ تا کہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی کھا پی سکیں اور اچھا پہن سکیں۔

صدقہ فطر کن پر واجب ہے؟

جس شخص میں تین شرطیں پائی جائیں اس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔

(۱) مسلمان ہو کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ فرض زكاة الفطر من رمضان على كل نفس من المسلمين الخ

(۲) آزاد ہو غلام پر صدقہ فطر واجب نہیں۔

(۳) اپنے قرضے اور اصل ضروریات اور اہل وعیال کی ضروریات کے علاوہ نصاب کا مالک ہو۔ لہٰذا جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال واسباب موجود ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اُس پر عید الفطر کے دن صدقہ فطر واجب ہے، چاہے وہ مال واسباب تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔ اور جس شخص پر جو قرض ہو اور حوائج اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں۔

مندرجہ ذیل چیزیں حوائج اصلیہ میں داخل ہیں۔

(۱) اس کا گھر

(۲) گھر کے ساز وسامان

(۳) استعمال اور پہننے کے کپڑے

(۴) اس کی سواری جیسے آج کل کے زمانہ میں گاڑی وغیرہ

(۵) وہ ساز وسامان جس سے وہ اپنے حصول معاش میں مدد لیتا ہے وغیرہ ذالک

مسئلہ: صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے نصاب پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ فَقَالَ أَدُّوا صَاعًا مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ وَصَغِيرٍ وَكَبِيرٍ (سنن دار قطني زكاة الفطر).

مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سال گذرنے کی شرط لگائے بغیر صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا اس لیے فقہاء کرام صدقہ فطر کے وجوب کے لیے مذکورہ شرط نہیں لگاتے ہیں

مسئلہ: صدقہ فطر کے وجوب کے لیے عید کے دن طلوع فجر کے وقت نصاب کا مالک ہونا شرط ہے۔ وَبِهِ تَبَيَّنَ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ صَدَقَةُ الْفِطْرِ أَيْ صَدَقَةُ يَوْمِ الْفِطْرِ فَكَانَتْ الصَّدَقَةُ مُضَافَةً إلَى يَوْمِ الْفِطْرِ فَكَانَ سَبَبًا لِوُجُوبِهَا. (بدائع الصنائع)

مسئلہ: صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے بالغ یا عاقل ہونا شرط نہیں؛ بلکہ اگر بچہ اور مجنون بھی نصاب کے مالک ہوں تو ان کے مال سے صدقہ فطر نکالا جائے۔ عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ وَصَغِيرٍ وَكَبِيرٍ. (سنن دارقطنی، زکاۃ الفطر).

صدقہ فطر کس کی طرف سے نکالا جائے گا؟

درج ذیل افراد کی جانب سے صدقہ فطر نکالنا ضروری ہے: (۱) اپنی جانب سے (۲) اپنے چھوٹے محتاج بچوں کی طرف سے۔ ہاں اگر وہ مالدار ہوں تو صدقہ فطر انہی کے مال سے نکالا جائے۔

مسئلہ: شوہر پر ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف سے صدقہ فطر نکالے؛ لیکن اگر بیوی پر احسان کرے تو جائز ہے، اسی طرح باپ پر اپنے بڑے باشعور بچوں کی جانب سے صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں؛ لیکن اگر وہ ان پر احسان کرے تو جائز ہے، ہاں اگر اولاد محتاج ومجنون ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے۔

صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت:

عید الفطر کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اُس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہے اُسکی طرف سے ادا کیا جائے گا۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت:

صدقہ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے ہے، البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز کے لیے جانے سے قبل ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری حدیث/ ۱۵۰۹، وصحیح مسلم حدیث/ ۲۲۸۵)۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی طرف سے صدقہ فطر دیتے تھے؛ حتی کہ میرے بیٹوں کی طرف سے بھی دیتے تھے اور ابن عمران لوگوں کو دیتے تھے جو قبول کرتے اور عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے ہی ادا کرتے تھے، (صحیح بخاری حدیث/ ۱۵۱۱)۔

نماز عید الفطر کی ادائیگی تک صدقہ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نماز عید کے بعد بھی قضاء کے طور پر دے سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں؛ کیونکہ اس سے صدقہ فطر کا مقصود اور مطلوب ہی فوت ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ: جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے، (سنن ابوداود حدیث/ ۱۶۰۶)۔

صدقہ فطر کی مقدار:

وہ چیزیں جن کا صدقہ فطر کے حوالہ سے نصوص میں ذکر آیا ہے چار ہیں:

(۱) گیہوں (۲) جَو
(۳) کھجور (۴) مُنَقّٰی یعنی کشمش

مسئلہ: صدقہ فطر ایک فرد کی طرف سے گیہوں یا آٹا یا اس کے ستو سے آدھا صاع، یا کھجور یا منقی یا جو میں سے ایک صاع ہے۔ اور جو شخص دوسرے غلوں سے صدقہ فطر نکالنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے؛ لیکن اس پر ضروری ہے گیہوں میں سے آدھا اور جو وغیرہ میں سے ایک صاع کے برابر مقدار نکالے۔

صدقہ فطر کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف:

کھجور اور کشمش کو صدقہ فطر میں دینے کی صورت میں علماء امت کا اتفاق ہے کہ اس میں ایک صاع - جو نبی

۱ اکرم ﷺ کے زمانہ کا ایک پیمانہ ہے-صدقہ فطر ادا کرنا ہے، البتہ گیہوں کو صدقہ فطر میں دینے کی صورت میں اس کی مقدار کے متعلق فقہاء امت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ گیہوں میں بھی ایک صاع صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا؛ جبکہ علماء امت کی دوسری رائے ہے کہ گیہوں میں آدھا صاع صدقہ فطر میں ادا کیا جائے۔ حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور اسماء رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ گیہوں میں آدھا صاع مروی ہے۔ ہندوستان کے بیشتر علماء بھی مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گیہوں آدھا صاع ہے، یہی رائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ صدقہ فطر میں آدھا صاع گیہوں نکالنا کافی ہے (الاختیارات الفقیہ :ص/ ۱۸۳)۔

صدقہ فطر میں آدھا صاع گیہوں والے قول کو اختیار کرنے کے بعض دلائل:

حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم جو یا کھجور یا کشمش یا پنیر سے ایک صاع صدقہ فطر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے گیہوں سے صدقہ فطر نکالنے کے سلسلے میں ان سے گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ: گیہوں سے صدقہ فطر میں آدھا صاع دیا جائے، چنانچہ لوگوں نے اسی کو معمول بنالیا۔ (بخاری ومسلم)

صحیح مسلم کی سب سے زیادہ مشہور و معروف شرح لکھنے والے، ریاض الصالحین کے مصنف امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ اسی حدیث کی بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء نے گیہوں سے آدھا صاع کا فیصلہ کیا ہے۔

دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گیہوں کے ایک صاع سے دو آدمیوں کا صدقہ فطر ادا کرو۔ کھجور اور جو کے ایک صاع سے ایک آدمی کا صدقہ فطر ادا کرو۔ (سنن دارقطنی، مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ضروری قرار دی۔ صحابہ کرام نے گیہوں کے آدھے صاع کو اس کے برابر قرار دیا، (بخاری ومسلم)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے اور آزاد و غلام پر گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ضروری ہے، (اخرجہ عبدالرزاق بسند صحیح)۔

حضرت اسماءؓ صدقہ فطر میں گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ادا کرتی تھیں۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

غرضیکہ علماء امت کے اس قول کے مطابق تقریبا پونے دو کلو احتیاطا دو کلو گیہوں صدقہ فطر میں ادا کرنا ہوگا۔

مسئلہ: صدقہ فطر کی قیمت کو نقدی کی شکل میں نکالنا بھی جائز ہے، بلکہ یہ بہتر ہے اس لیے کہ اس میں فقیروں کے لیے زیادہ نفع ہے۔

مسئلہ: صدقہ فطر ایک فرد کی طرف سے کئی مسکینوں کو دینا جائز ہے اس طرح کئی لوگوں کی طرف سے ایک مسکین کو دینا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: صدقہ فطر کے مصارف بعینہٖ زکوٰۃ کے مصارف ہیں جن کے سلسلہ میں آیت کریمہ میں نص وارد ہوئی ہے

مسئلہ: صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے پس صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اگر کسی شخص نے کسی عذر سے یا بلا عذر روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اور اس کے نابالغ بچوں اور بچیوں کی طرف سے بھی اس پر واجب ہے لیکن اگر نابالغ بچہ خود مالدار ہو تو اس کے مال میں سے صدقہ فطر واجب ہوگا کم عقل دیوانہ اور مجنون کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ بچے کا ہے یعنی اس کی طرف سے باپ صدقہ فطر ادا کرے

مسئلہ: بیوی کا صدقہ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے بالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب نہیں اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان سب کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر دے دیا تو ادا ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عادتاً اجازت موجود ہے؛ اگرچہ نیت کے بغیر فطرہ ادا نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں حکماً نیت موجود ہے

مسئلہ: اپنی عیال اور اہل نفقہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے فطرہ دینا ان کی اجازت سے جائز ہے اجازت کے بغیر جائز نہیں، پس اگر عورت نے اپنے خاوند کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر فطرہ ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اپنے دادا دادی نانا نانی پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے اور اپنے ماں باپ کا فطرہ دینا بھی واجب نہیں، اگرچہ انکا نفقہ ان کے ذمہ ہو کیونکہ ان پر اس کو ولایت نہیں ہے جیسا کہ بڑی اولاد پر نہیں ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی فقیر اور دیوانہ ہو تو اس کا صدقہ اس پر واجب ہوگا۔

مسئلہ: اپنے چھوٹے بھائی بہنوں اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس پر واجب نہیں، اگرچہ ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہو؛ کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اور صدقۂ فطر واجب ہونے کو لیے اس شخص پر ولایت کاملہ حاصل ہونا اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہونا ضروری ہے

مسئلہ: اسی طرح دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے جب کہ ان کا باپ مفلس ہو اور زندہ ہو اور اگر مفلس باپ فوت ہو چکا ہو تو اس میں اختلاف ہے ظاہر الروایت کے بموجب اس صورت میں بھی دادا کے ذمہ پوتوں کا

صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور امام حسن رحمہ اللہ کی روایت میں واجب ہے
مسئلہ: صدقۂ فطر عید الفطر کے روز صبح صادق طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے پس جو شخص اس سے پہلے مرجائے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہوگا اور جو شخص اس دن کی طلوع فجر کے بعد مرے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا اسی طرح جو بچہ طلوع فجر سے پہلے پیدا ہوا یا کوئی کافر مسلمان ہوا تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا اور جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہوا یا کوئی کافر مسلمان ہوا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور اسی طرح اگر فقیر اس دن کی طلوع فجر سے پہلے مالدار ہو جائے یا مالدار آدمی طلوع فجر کے بعد فقیر ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا اس کے برعکس اگر مالدار طلوع فجر سے پہلے فقیر ہو جائے یا فقیر طلوع فجر کے بعد مالدار ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہوگا۔
مسئلہ: عید الفطر کا دن آنے سے پہلے صدقہ ادا کر دیں تو جائز ہے اور یہ عید الفطر سے پہلے دینے کا حکم مطلق ہے اس میں مدت کی مقدار کی کوئی تفصیل نہیں ہے اس لیے خواہ رمضان المبارک میں دیا جائے یا اس سے پہلے دیدیا جائے ہر وقت جائز ہے یہی صحیح و مختار ہے بعض فقہاء نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو جائے اس میں پیشگی صدقۂ فطر دینا جائز ہے اس سے پہلے نہیں دونوں قول صحیح ہیں اور مفتیٰ بہ ہیں لیکن پہلا قول ظاہر الروایت ہے اور اس میں زیادہ وسعت ہے اور دوسرے قول میں احتیاط زیادہ ہے اور عمل کے لیے یہی مناسب ہے عید الفطر کے دن کسی وقت بھی ادا کر دیگا تو وہ ادا کرنے والا ہوگا قضا کرنے والا نہیں ہوگا اگر عید کا دن گزر گیا اور کسی شخص نے فطرہ ادا نہیں کیا تو صحیح یہ ہے کہ اس سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس کا دینا واجب رہے گا لیکن یومِ فطر کے بعد اس کا ادا کرنا بعض فقہاء کے نزدیک قضاء کہلائے گا اور بعض نے اس کو ترجیح دی ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک عمر بھر میں جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا کیونکہ ان کے نزدیک تاخیر سے ادا کرنا یعنی عمر میں ادا کر دینا واجب ہے بعض نے اس کو ترجیح دی ہے اور زیادہ راجح بھی یہی ہے۔
مسئلہ: صدقۂ فطر ادا کرنے کا مستحب وقت یہ ہے کہ عید الفطر کے روز طلوع فجر کے بعد عیدگاہ کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیں اور اس سے تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے
مسئلہ: صدقۂ فطر چار چیزوں گیہوں جو کھجور اور کشمش میں سے ادا کرنا واجب ہے یعنی وزن مقررہ کے حساب سے دینے کے لیے یہ چار چیزیں ہی منصوص علیہ ہیں فطرہ کی مقدار گیہوں میں نصف صاع اور جو و کھجور میں ایک صاع ہے کشمش میں اختلاف ہے صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایک صاع دی جائے گیہوں و جو کے آٹے اور ستوں کا وہی حکم ہے جو خود اُن کا ہے گیہوں میں جو وغیرہ ملے ہوئے ہوں تو غلبہ کا اعتبار ہوگا پس اگر گیہوں غالب ہوگی تو نصف صاع دیا جائے گا مذکورہ چار منصوص چیزوں کے علاوہ اگر کسی دوسری جنس سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے مثلاً چاول، جوار، باجرہ وغیرہ دیا جائے تو

اشیائے منصوصہ مذکورہ میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کے برابر ہونا چاہئے مثلاً چاول وغیرہ دے تو جس قدر قیمت میں نصف صاع گیہوں آتے ہوں یا ایک صاع جَو آتے ہوں اتنی قیمت کے چاول وغیرہ دے سکتا ہے اور اگر وہاں گندم وجَو وکھجور اور کشمش نہ ہوتے ہوں تو وہاں سے زیادہ قریبی جگہ میں جہاں ہوتے ہوں وہاں کی قیمت معتبر ہوگی گیہوں یا جو کی روئی صدقۂ فطر میں وزن سے دینا جائز نہیں بلکہ قیمت کے اعتبار سے دے گا تو جائز ہوگا یہی اصح ہے، اگر منصوص علیہ یعنی چاروں مذکورہ اجناس میں سے کسی ایک کی قیمت ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ عین اس چیز کے دینے سے اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتویٰ ہے (انگریزی سیر کے وزن سے جو کہ اسی تولہ ہوتا ہے اور ہند و پاک میں رائج ہے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے یہی مفتیٰ بہ ہے، بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً گیہوں دو سیر اور جو چار سیر دیدئے جائیں۔

مسئلہ: صدقۂ فطر کے مصارف عامل کے سوا وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں ذمی کافر کو صدقۂ فطر دینے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جائز ومکروہ ہے، اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کا صدقۂ فطر بعض کے نزدیک ایک ہی شخص کو دینا واجب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ متعدد شخصوں کو ایک ایک شخص کا فطرہ دینا جائز ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ (والمعنى أنه قال للناس) فِي آخِرِ رَمَضَانَ أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ (أي حنطة وبه قال أبو حنيفة خلافا للثلاثة ويؤيده حديث معاوية حيث قال في خطبته بالمدينة : أَرَى نِصْفَ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ والظاهر أن هذا مرفوع حكما ويحتمل كونه من اجتهاده والله أعلم) عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ . (رواه أبو داود والنسائي)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا ہوجائے گا۔

صدقہ فطر کا مصرف:

اس کا مصرف وہی ہے عامل کے سوا جو زکوۃ کا ہے یعنی جہاں زکوۃ دینی جائز ہے وہاں صدقہ فطر دینا بھی جائز ہے اور جہاں زکوۃ دینی ناجائز ہے وہاں صدقہ فطر دینا بھی ناجائز ہے: ومصرف ہذہ الصدقۃ ماہو مصرف الزکوۃ۔ (عالمگیری)

صدقہ فطر کی ادائیگی کا مستحب وقت:

صدقہ فطر ادا کرنے کا مستحب وقت یہ ہے کہ عید الفطر کے روز طلوع فجر کے بعد عید گاہ کو جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کردیں اور یہ بہت زیادہ فضیلت کی بات ہے، نماز عید الفطر کی ادائیگی تک صدقہ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نماز عید کے بعد بھی قضاء کے طور پر دے سکتے ہیں۔لیکن زیادہ تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں؛ بلکہ خلاف سنت ہے؛ کیونکہ اس سے صدقہ فطر کا مقصود اور مطلوب ہی فوت ہوجاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ: جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کردیا تو یہ قابل قبول زکوۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے، (سنن ابوداؤد حدیث/۱۶۰۶)۔

اور رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد رمضان میں ہی صدقہ فطر ادا کرنا جائز ہے لیکن رمضان سے پہلے ادا نہ کرے۔

والمستحب للناس أن يخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر يوم الفطر قبل الخروج إلى المصلى كذا في الجوهرة النيرة. (عالمگیری) .

وَيُسْتَحَبُّ إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر الفطر، عملاً بأمره وفعله عليه الصلاة والسلام. (رد المحتار على الدر المختار) .

(وصح أداؤها إذا قدمه على يوم الفطر أو أخره) اعتباراً بالزكاة، والمسبب موجود إذ هو الرأس (بشرط دخول رمضان في الأول) أي مسألة التقديم هو الصحيح) وبه يفتي، جوهرة وبحر عن الظهيرية؛ لكن عامة المتون والشروح على صحة التقديم مطلقا، وصححه غير واحد، ورجحه في النهر، ونقل عن الولوالجية أنه ظاهر الرواية .قلت: فكان هو المذهب. (رد المحتار)

متفرق مسائل:

مسئلہ: ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقہ فطر بھیجنا مکروہ ہے۔یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں مثلاً امروہہ میں تو وہیں صدقہ فطر ادا کریں، ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں اُس کے غریب رشتہ دار رہتے ہیں یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں تو اُن کو بھیج دینا مکروہ نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی فقیروں کو اور کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے، اُس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

مسئلہ: آجکل جو نوکر چاکر اجرت پر کام کرتے ہیں ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا مالک پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بلکہ آج سے ۱۵۰ یا ۲۰۰ سال پہلے تک ناپنے اور تولنے کے لیے کوئی خاص پیمانہ موجود نہیں تھا؛ جو ہر جگہ پر ایک ہی سائز میں مہیا ہو۔ صاع بھی ایک پیمانہ ہے جو عموماً بالٹی وغیرہ کی شکل کا ہوتا تھا، جس میں عام طور پر چار مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر کوئی سامان رکھا جاتا تھا، لیکن اُس زمانہ میں یہ پیمانہ کسی فیکٹری میں تیار نہیں ہوتا تھا کہ سب بالکل ایک ہی سائز کے ہوں بلکہ یہ پیمانہ تھوڑا چھوٹا یا بڑا بھی ہوتا تھا، جیسا کہ ہمارے علاقوں میں آج بھی ریت اور بدر پور وغیرہ فروخت کرنے کے لیے لوگ ایک بالٹی کا پیمانہ بنا لیتے ہیں۔ اس صاع کے پیمانہ کو موجودہ رائج کلوگرام کے پیمانہ سے مقارنہ کیا گیا تو علماء ومؤرخین میں اختلاف ہوا، اور اختلاف کا ہونا بدیہی بات ہے۔ چنانچہ ایک صاع اور آدھا صاع کو کلوگرام سے موازنہ کرنے پر اختلاف پیدا ہوا۔ بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھانے کی اشیاء سے دیا جائے، اور کھانے کی اشیاء سے مراد جو یا کھجور یا پنیر یا کشمش ہے جیسا کہ اس حدیث کے خود راوی صحابی رسول ﷺ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کی ہے؛ لیکن اس میں کسی بھی جگہ گیہوں کا تذکرہ نہیں ہے، غرضیکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال میں کسی بھی جگہ مذکور نہیں ہے کہ گیہوں سے ایک صاع دیا جائے، البتہ حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب حتی کہ بخاری ومسلم میں موجود ہے کہ صدقہ فطر میں گیہوں دینے کی صورت میں صحابہ کرام آدھا صاع یعنی تقریباً پونے دو کلو گیہوں دیا کرتے تھے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے

مسئلہ: جس طرح مرد اگر مال دار ہو تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اسی طرح عورت اگر مال دار ہو تو اس پر بھی واجب ہے مثلاً اس کے پاس زیور وغیرہ ہو جو نصاب کے برابر ہو تو اس پر اپنی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے

مسئلہ: جس آدمی پر صدقہ فطر واجب ہے اس کو اپنے نابالغ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب ہے۔ وتجب عن نفسه وطفله الفقير كذا في الكافي . (عالمگیری). ويُخرج عن اولاده الصغار. (ہدایہ)

مسئلہ: مال دار عورت پر اپنا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے لیکن اس پر کسی طرف سے ادا کرنا واجب نہیں ہے نہ بچوں کی طرف سے نہ شوہر کی طرف سے نہ ماں باپ کی کی طرف سے: والأصل ان صدقة الفطر متعلقة بالولاية والمؤنة الخ (عالمگیری)۔ صدقہِ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے۔

مسئلہ: بیوی کا صدقہ فطر خاوند پر واجب نہیں ہے بالغ اولاد کا صدقہ فطر بھی باپ پر واجب نہیں لیکن اگر وہ ان پر احسان کرے تو جائز ہے اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان سب کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر دے دیا تو ادا ہو جائے گا اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عادتاً اجازت موجود ہے اگرچہ نیت کے بغیر فطرہ ادا نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں حکماً نیت موجود ہے ہاں اگر اولاد محتاج و مجنون ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے۔ **وتجب عن نفسه وطفله الصغير ولا يؤدي عن زوجته ولا عن أولاده الكبار وان كانوا في عياله ولو ادى عنهم أو عن زوجته بغير امرهم اجزاهم استحسانا كذا في الهداية** (عالمگیری)۔

مسئلہ: اپنے چھوٹے بھائی بہنوں اور اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس پر واجب نہیں اگرچہ ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہو کیونکہ اس کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اور صدقۂ فطر واجب ہونے کو لیے اس شخص پر ولایت کاملہ حاصل ہونا اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: اسی طرح دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے جب کہ ان کا باپ مفلس ہو اور زندہ ہو اور اگر مفلس باپ فوت ہو چکا ہو تو اس میں اختلاف ہے ظاہر الروایت کے بموجب اس صورت میں بھی دادا کے ذمہ پوتوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی روایت میں واجب ہے۔

مسئلہ: فطرہ کی رقم مسجد مدرسہ ہسپتال کی تعمیر یا راستہ بنانے وغیرہ میں دینا جائز نہیں ہے: **ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه** ۔(شامی)

مسئلہ: صدقہ فطر عید الفطر کے روز صبحِ صادق طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے یا فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا اور جو شخص اس دن کی طلوع فجر کے بعد مرے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔ **فمن مات قبل ذالك لم تجب عليه الصدقة** ۔(عالمگیری)۔

مسئلہ: اسی طرح جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا یا صبح صادق کے وقت پیدا ہوا تو اس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا اس کے مال دار باپ پر واجب ہے۔ **ومن ولد قبله وجبت** ۔(عالمگیری)۔

مسئلہ: جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہوا یا کوئی کافر مسلمان ہوا تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے: **ومن ولد بعده لم تجب** ۔(عالمگیری)

مسئلہ: صدقہ فطر میں قیمت دینا زیادہ افضل ہے۔ **(ودفع القيمة) اي الدراهم (أفضل من دفع العين**

على المذهب) المفتي به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا في السعة أما في الشدة فدفع العين أفضل كما لا يخفى. (رد المحتار على الدر المختار) .

مسئلہ: ایک اگر کسی کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے تو اجازت لینا یا دینا ضروری ہے۔ ولا يجوز ان يُعطي عن غير عياله الا بأمره كذا في المحيط. (عالمگیری)۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تو اس پر بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ ثم رأيت في البدائع ما يشعر بذلك حيث قال وكذا وجود الصوم في شهر رمضان ليس بشرط لوجوب الفطرة حتى إن من أفطر لكبر أو مرض أو سفر يَلزَمُهُ صدقة الفطر لأن الأمر بأدائها مطلق عن هذا الشرط اه فافهم ۔(ردالمحتار)

مسئلہ: صدقہ فطر ادا ہونے کے لیے مال کا باقی رہنا بھی شرط نہیں مال ہلاک ہوجانے کے بعد بھی واجب رہے گا ساقط نہ ہوگا بخلاف زکوٰۃ وعشر کہ یہ دونوں مال ہلاک ہوجانے سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ (فلا تسقط) الفطرة وكذا الحج (بهلاك المال بعد الوجوب) كما لا يبطل النكاح بموت الشهود ۔(الدرالمختار)۔

۱۲۰۹- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّمْرَقَنْدِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: حَدَّثَنَا أَبُو يَزِيدَ الْخَوْلَانِيُّ وَكَانَ شَيْخَ صِدْقٍ وَكَانَ ابْنُ وَهْبٍ يَرْوِي عَنْهُ - حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ - قَالَ مَحْمُودٌ: الصَّدَفِيُّ - عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے صدقہ فطر کو لغو اور بیہودہ بات سے روزہ کو پاک کرنے اور مسکینوں کی پرورش کے لیے مقرر فرمایا ہے، جو شخص نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے گا وہ قبول کیا جائے گا، اور نماز کے بعد بھی ادا کرے گا تو وہ بھی ایک صدقہ ہوگا دوسرے صدقات کی مانند۔

رجال حدیث: عبدالله بن عبدالرحمن السمر قندي: ترکستان کے شہر سمرقند کی طرف نسبت ہے، اپنے زمانہ کے بڑے امام تھے، قوت حافظہ میں ضرب المثل سمجھے جاتے ہیں۔

۱۲۰۹- أخرجه ابن ماجه، كتاب الزكاة: باب صدقة الفطر، حديث (۱۸۲۷)، والدارقطني (۱۳۶/۲)، والحاكم (۴۰۹/۱).

سيار بن عبدالرحمن: ابوزرعہ نے ''لا باس به'' لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں مقبول کہا ہے۔

صدفي: یہ نسبت ''صدفة'' کی طرف جو کہ تیونس کے شہر قیراوان کے قریب ایک گاؤں ہے۔

تشریح سند: قوله: قال عبدالله: حدثنا أبو يزيد الخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک محمود بن خالد اور دوسرے عبداللہ بن عبدالرحمن اب مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ میرے استاذ عبداللہ بن عبدالرحمن نے اپنی روایت میں مروان کے بعد بصیغۂ تحدیث ''حدثنا أبو يزيد الخولاني'' کہا، اور محمود بن خالد نے بصیغہ ''عن'' نقل کیا اور کہا: ''مروان عن أبي يزيد الخولاني''۔

اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمن نے تو مروان کے استاذ کا نام ''أبويزيد خولاني'' ذکر کیا، جب کہ محمود بن خالد نے ''يزيد بن مسلم الخولاني'' کہا، اس احتمال کی تائید حاکم کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند اس طرح ہے: **محمود بن خالد الدمشقي قال: ثنا مروان بن محمدالدمشقي ثنا يزيد بن مسلم الخولاني وكان شيخ صدق وكاعبدالله بن وهب يحدث عنه** الخ۔

قوله: ''وكان شيخ صدق وكان ابن وهب يروي عنه'' یہ مروان کا کلام ہے، اور مروان ابو یزید خولانی کی توثیق کر رہے ہیں، یہ عبداللہ بن عبدالرحمن کا کلام نہیں ہے۔

تشریح حدیث: قوله: فرض رسول الله صلي الله عليه وسلم زكوٰة الفطر الخ: یہاں فرض واجب کے معنی میں ہے، اور بعض روایتوں میں فرضَ کی جگہ أمرَ کا لفظ ہے، جیسا کہ آئندہ روایات میں آرہا ہے، اور امر کی اصل وجوب ہی ہے، اس کی مزید تفصیل ہم تمہیدی امور میں بیان کر چکے ہیں۔

قوله: ''طهرة للصيام'' یہاں سے صدقہ فطر کے وجوب کی حکمت کا بیان ہے کہ تقصیر اور گناہ کے سبب سے روزے کو جو نقصان پہنچا ہو اس کا ازالہ ہو جائے اور وہ روزہ لائق قبولیت ہو جائے۔

قوله: ''وطعمةً للمساكين'' دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ کے وہ بندے جو کنگال ہونے کی وجہ سے دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں اور گزران کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے وہ کم از کم عید کے دن اچھی طرح سیر ہو کر کھا سکیں۔

قوله: من أداها قبل الصلاة الخ: یعنی جو صدقہ فطر کو نماز عید سے پہلے ادا کرلے تو وہ بارگاہ ایزدی میں قبول ہونے والا صدقہ ہے، جس پر پورا پورا اجر وثواب ملے گا، اور گناہوں کے ازالہ وفقراء کے ساتھ رواداری کا ذریعہ ہوگا، اور جس نے قبل الصلاۃ ادا نہیں کیا بلکہ بعد میں ادا کر رہا ہے تو اس پر وہ فضیلت نہ ہوگی بلکہ وہ تو عام صدقات کی طرح ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَتَى تُؤَدَّى؟

صدقۂ فطر کب دیا جائے؟

۱۶۱۰- حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍالنُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُؤَدِّيهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِالْيَوْمِ وَالْيَوْمَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ہم کولوگوں کی عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ صدقۂ فطر ایک دو دن پہلے دیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ: مصنف علام کا مقصد صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے وقت کو بیان کرنا ہے کہ صدقۂ فطر کو عید کی نماز کو جانے سے قبل ادا کر دینا چاہیے، تاخیر کرنا خلاف سنت ہے، حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل تو یہ تھا کہ وہ رمضان کے اخیر عشرہ میں صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے، اور یہ اس لیے بھی ہے کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے کچھ کھانا سنت ہے تو صدقہ جس کے ذریعہ فقراء کے کھانے پینے کا نظم مقصود ہے اس کو بھی نماز سے پہلے ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا، تا کہ وہ لوگ بھی نماز سے پہلے کچھ کھانے کا بندوبست کر سکیں۔

پھر اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ذکر کیا گیا کہ وہ عید کی نماز سے ایک دو دن قبل ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے، تقدیم صدقۂ فطر کا یہ عمل دیگر صحابہ کرامؓ کا بھی تھا، چناں چہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم أو يومين، معلوم ہوا کہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل بھی یہی تھا۔

۱۶۱۰- أخرجه البخاري: ۳/ ۲۹۱-۲۹۳، في الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، و باب صدقة الفطر على العبد و غيره من المسلمين، و باب صدقة الفطر صاعاً من تمر، و باب الصدقة قبل العيد، و باب صدقة الفطر صاعاً من طعام، و باب صدقة الفطر على الصغير و الكبير، و مسلم رقم (۹۸۴) في الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر و الشعير، و الموطا (۱/ ۲۸۳) في الزكاة، باب من تجب عليه زكاة الفطر، باب مكيلة زكاة الفطر، و باب وقت إرسال زكاة الفطر، و الترمذي رقم (۶۷۲) في الزكاة، باب صدقة الفطر، و ليس في حديثهم فعل ابن عمر.

فقہ الحدیث: حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ صدقۂ فطر کی تقدیم عید الفطر سے پہلے جائز ہے، اگر چہ وقتِ وجوب عید الفطر کی صبح طلوع فجر ہے اسی لیے یہ مسئلہ ہے کہ جو اس وقت زندہ ہوگا اس کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب ہوگا۔

لیکن پھر حضرات فقہاء کرام کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص عید الفطر کے دن سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے تو کتنے دن پہلے جائز ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دو سال پہلے بھی ادائیگی درست ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۹/ ۱۰۸)

حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف ایک دو دن کی تقدیم جائز ہے، جیسا کہ روایت باب میں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی روایات متعدد ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ رمضان بھر اس کی ادائیگی درست ہے۔

دراصل احناف کے پیش نظر اس سلسلہ میں تعجیل زکوۃ والی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی دو سال کی پیشگی زکوۃ وصول کر لی تھی، تو اسی طرح رمضان کی زکوۃ بھی پیشگی دی جا سکتی ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کے پیش نظر حضرات صحابہ کا یہ عمل ہے کہ وہ ایک دو دن پہلے زکوۃ فطر ادا کر دیا کرتے تھے، اور شافعیہ کے پیش نظر یہ ہے کہ صدقۂ فطر کا سبب روزہ اور فطر ہے، پس جب احد السببین کا وجود پایا جائے تو اس کی تعجیل جائز ہے، جیسا کہ آدمی جب صاحب نصاب ہو جائے تو زکوۃ کی تقدیم جائز ہوتی ہے۔

حضراتِ فقہاء کا یہ اختلاف نص فہمی کا ہے اسی پر مدار اجتہاد بھی ہے۔

بَابُ كَمْ يُؤَدَّى فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ؟

صدقۂ فطر کی مقدار کا بیان

۱۶۱۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ - وَقَرَأَهُ عَلَيَّ مَالِكٌ أَيْضًا - عَنْ نَافِعٍ،

۱۶۱۱- أخرجه البخاري ۳/ ۲۹۱، ۲۹۳ في الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، و باب صدقة الفطر على العبد و غيره من المسلمين، و باب صدقة الفطر صاعا من تمر، و باب الصدقة قبل العيد، و باب صدقة الفطر صاعا من طعام، و باب صدقة الفطر على الصغير و الكبير، و مسلم رقم (۹۸۴) في الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر و الشعير، و الموطأ: ۱/ ۲۸۳، في الزكاة، باب من تجب عليه زكاة الفطر، باب مكيلة زكاة الفطر، و باب وقت إرسال زكاة الفطر، و الترمذي رقم (۶۷۶) في الزكاة، باب صدقة الفطر، و أبو داود رقم (۱۶۱۲) و (۱۶۱۳) و (۱۶۱۴) و (۱۶۱۵) في الزكاة، باب كم يؤدي في صدقة الفطر، و النسائي: ۵/ ۴۷ في الزكاة، باب فرض زكاة رمضان، و باب فرض زكاة رمضان على المملوك، و باب فرض زكاة رمضان على الصغير، و باب فرض زكاة رمضان على المسلمين دون المعاهدين، و باب كم فرض، و باب السلت.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ قَالَ فِيهِ - فِيمَا قَرَأَهُ عَلَيَّ مَالِكٌ - زَكَاةُ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ، أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر خواہ غلام ہو یا آزاد یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر کے طور پر دے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ اس ترجمۃ الباب سے ایک اہم اور اختلافی مسئلہ کو بیان کرنا چاہیے، اگر چہ ضمن میں دوسرا مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا، اور مسئلہ یہ بیان کرنا چاہیے کہ کیا تمام اجناس میں صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع ہے یا گندم میں نصف صاع اور دیگر چیزوں میں مکمل ایک صاع ہے؟ مسئلہ چوں کہ حضرات فقہاء اربعہ کے مابین اختلافی ہے، اس لیے مصنفؒ نے فریقین کا لحاظ کرتے ہوئے دو باب قائم کیے ہیں، پہلے باب میں دو صحابہ کی روایات کو متعدد اسناد سے لائے ہیں، اور دوسرے باب میں بھی دو صحابہ کی ہی روایات لائے ہیں، ہم چاہتے ہیں باب کی احادیث کی تشریح سے پہلے مسئلہ کی مکمل و مدلل تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کر دیں اور پھر بعد میں باب کی احادیث کی شرح کریں۔

اور چوں کہ روایات کے ضمن میں ایک دوسرا مسئلہ بھی اختلافی آتا ہے اس لیے یہیں پر اس کو بھی مفصلاً نقل کر دیتے ہیں یہ دو مسئلے ہیں:

(۱) کیا گندم میں صدقۂ فطر نصف صاع ہے؟ (۲) کیا کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے؟

تو لیجیے پہلے مسئلہ نمبر ایک ہی پیش خدمت ہے۔

گندم میں صدقۃ الفطر کی مقدار:

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جملہ اجناس: گندم، کھجور، جو، کشمش اور پنیر وغیرہ سب ہیں ایک صاع صدقۃ الفطر ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام اجناس میں صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع ہے، لیکن گندم کا اس سے استثنیٰ ہے، گندم میں احناف کے یہاں نصف صاع ہے، اسی گیہوں کے آٹے اور ستو میں بھی نصف صاع ہی ہے۔

ایک صاع کا وزن (۳٫۱۸۰) کلوگرام ہوتا ہے اور نصف صاع کا وزن (۱٫۵۹۰) کلوگرام ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۲۱۶)

حضراتِ ائمہ ثلاثہ کے مستدلات:

(۱) باب میں چھٹے نمبر پر حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے: ”كنا نخرج إذ كان فينا رسول الله صلى

الله عليه وسلم زكوٰة الفطر عن كل صغيروكبير، حُرّ ومملوكٍ، صاعًا مِن طعامٍ أو صاعًا من أقطٍ أو صاعًا من شعيرٍ أوصاعًا من تمرٍ، أو صاعًا مِن زبيبٍ، فلم نزل نخرجه حتى قدم معاوية... الخ"۔

یہ حدیث صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں بھی ہے، وجہ استدلال اس سے یہ ہے کہ اس میں جو لفظ "طعام" آیا ہے اس سے مراد گندم ہے، لہٰذا گندم کا بھی ایک صاع ہی بطور صدقۂ فطر ہوگا، اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے وضاحت فرمادی کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں گندم میں سے ایک صاع دیتے تھے، آگے اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ گندم میں آدھا صاع دینے کا آغاز حضرت معاویہؓ کے دور سے ہوا ہے کہ ان کے زمانہ میں جب گندم کی کثرت ہوئی اور لوگوں نے صدقۂ فطر گندم سے ادا کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میرے خیال میں گیہوں کا ایک مد جو کے دو مد کے برابر ہے، پھر لوگوں نے گندم میں آدھا صاع دینا شروع کر دیا۔

احناف کے مستدلال:

احناف کا مذہب نہایت مضبوط اور مدلل بالاحادیث المرفوعہ، آثار صحابہ اور ارشادات خلفاء راشدین ہے، اور احناف کے مسلک میں ہی احادیث متعارضہ کے مابین تطبیق کی صورت نکلتی ہے، ورنہ تو روایات میں تعارض لازم آئے گا اور راوی کا اپنی مروی کے خلاف عمل کرنا بھی لازم آئے گا۔

نصف صاع گیہوں سے متعلق مرفوع روایات:

اولاً وہ احادیث مرفوعہ پیش کی جاتی ہیں جن میں صدقۂ فطر گیہوں سے دو مد یعنی نصف صاع دینے کی تصریح آئی ہے۔

(۱) "عن أبي صُعَير رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صاع من برأو قمح عن كل اثنين حر وعبد، ذكروأنثي" اس روایت کو بیہقی نے سنن کبری اور معرفۃ الآثار والسنن میں اور امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار اور شرح مشکل الآثار میں روایت کیا ہے، مشکاۃ المصابیح میں ابوداؤد کا حوالہ ہے، مگر ابوداؤد کے موجودہ نسخوں میں یہ روایت نظر نہیں آئی، بیہقی نے اس پر کچھ اعتراض کیے ہیں، لیکن الجوہر النقی میں ابن الترکمانی نے ان اعتراضات کے شافی جوابات دیے ہیں۔ حضرت ابوصعیرؓ کی اس حدیث میں ایک صاع گیہوں کو دو کی طرف سے کافی کہا گیا؛ یعنی ایک کی طرف سے نصف صاع واجب ہے۔

(۲) حضرت ابوصعیرؓ ہی کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "عن أبي صعير قال: قال رسول الله صلى

الله عليه وسلم: أَدُّوا زكاة الفطر صاعًا من تمر أو صاعًا من شعير أو نصف صاع من بر أو قال قمح عن كل إنسان صغير أو كبير ذكر أو انثى حر أو مملوك غني أو فقير" (شرح معانی الآثار) اس حدیث میں ہر ایک کی طرف سے گیہوں آدھا صاع دینے کا ذکر ہے۔

(۳) نصف صاع سے متعلق ایک روایت حضرت اسماء بنت ابی بکر سے بھی مروی ہے: "عن أسماء بنت أبي بكر قالت: كنا نؤدي زكاة الفطر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مدين من قمح" (مسند احمد) کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقۂ فطر گیہوں کے دو مد دیتے تھے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی تصریح ہے جس سے حدیث کا مرفوع ہونا ثابت ہوا اور پھر دو مد یعنی نصف صاع کا ذکر ہے۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے مسند احمد میں روایت کیا ہے اور مشہور محقق شعیب ارنؤ وط نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے، امام طحاویؒ نے یہ حدیث متعدد طرق سے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت ابوسعید کا بیان تو یہ ہے کہ ایک صاع دیتے تھے اور حضرت اسماء کا بیان یہ ہے کہ نصف صاع دیتے تھے، ان میں تطبیق کی صورت صرف یہ ہے کہ حضرت اسماء کی حدیث کو واجب پر محمول کریں اور حضرت ابوسعید کی حدیث کو نفل پر، یعنی حضرت اسماء نے جو بیان کیا وہ واجب ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے جو بیان کیا وہ نفل ہے؛ کہ لوگ اپنی خوشی سے واجب سے زیادہ ایک صاع بھی دیتے تھے، تو واجب صرف آدھا صاع ہے۔

امام طحاویؒ نے اس تطبیق کی ایک قوی دلیل بھی دی ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس صدقۂ فطر طلب کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا تو ان سے حضرت نے یہ فرمایا کہ ہم ہر نفس کی طرف سے ایک صاع کھجور اور نصف صاع گیہوں فطرہ دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ایک صاع دینا جو حدیث باب میں مروی ہے یہ نفل پر محمول ہے یعنی انھوں نے اپنی طرف سے واجب سے زیادہ دیا تھا۔

(۴) "عن ابن عباس رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث صارخًا بمكة صاح إن صدقة الفطر حق واجب مدان من قمح أو صاع من شعير أو تمر" (مستدرک وصححہ، بزار، دارقطنی) اس میں بھی گیہوں سے دو مد یعنی نصف صاع واجب ہونے کا ذکر ہے، دارقطنی نے اسے واقدی کی سند سے روایت کیا ہے اور واقدی کی وجہ سے اس پر کلام کیا ہے، لیکن واقدی مشہور امام ہیں لہٰذا یہ کلام حدیث کے لیے مضر نہیں۔

(۴) دارقطنی میں ہے: "عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: في صدقة الفطر نصف صاع من بر أو صاع من تمر" (دارقطنی) اس میں بھی نصف صاع کی صراحت ہے، دارقطنی نے کہا

ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

(۵) ”عن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: من كان عنده شيء فليتصدق بنصف صاع من بر“ (دارقطنی) اس میں بھی نصف صاع صدقہ کرنے کا حکم ہے، اس روایت میں ایک راوی سلیمان بن ارقم ہے جن پر کلام کیا گیا ہے اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔

کبار تابعین کی بعض مرسل روایات:

مرسل روایات اکثر علماء کے نزدیک قابل استدلال ہیں بالخصوص احناف کے نزدیک ثقہ راوی کی مرسل روایت حجت ہے، نصف صاع صاع کے سلسلے میں متعدد ثقہ راویوں کی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض اہم روایات یہ ہیں۔

(۱) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ. (شرح معانی الآثار)

(۲) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ , أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ , وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ , وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يَقُولُونَ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ , بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ , أَوْ بِمُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ (شرح معانی الآثار)

(۳) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ , قَالَ: كَانَتِ الصَّدَقَةُ تُعْطَى عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا , نِصْفَ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ (شرح معانی الآثار)

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: زَكَاةُ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ , ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى , صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ , غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ , صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ , أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ قَالَ مَعْمَرٌ وَبَلَغَنِي عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُهُ (شرح معانی الآثار)

یہ مرسل روایات ایسے کبار تابعین سے مروی ہیں جن کی مراسیل جمہور محدثین وعلمائے اصول کے نزدیک حجت ہیں، ان سب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے گیہوں میں صدقہ فطر نصف صاع مقرر فرمایا ہے اور حضور ﷺ کے زمانے میں گیہوں سے دینے والے آدھا صاع ہی دیتے تھے۔

ایک صاع کو نصف صاع یا چار مد کو دو مد کس نے کیا؟

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا دارومدار حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت پر ہے، امام بخاریؒ نے بھی اس کو اصل بنایا

ہے، چناں چہ صدقۂ فطر کے ابواب میں ان کی روایت کو الگ الگ باب کے تحت چار مرتبہ لاتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری ؓ یہ صراحت کرتے ہیں کہ دومد یعنی نصف صاع حضرت معاویہ ؓ نے جاری کیا ہے اور بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ میں حضرت معاویہ ؓ کے اضافہ کو قبول نہیں کروں گا اور اس پر عمل نہیں کروں گا، اہل حدیث بھی یہی طعنہ دیتے ہیں کہ احناف نے حضور ﷺ کی مقرر کردہ مقدار کو چھوڑ کر حضرت معاویہ کی جاری کردہ مقدار کو اختیار کیا اور حضرت ابوسعید خدری ؓ جو کہ حضرت معاویہ سے زیادہ اہل علم ہیں اور حضور کی صحبت میں بھی مقدم ہیں ان کی مخالفت کے اعلان کے باوجود بھی حضرت معاویہ کی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔

ان حضرات کی یہ بات خلاف واقعہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ کی شان میں گستاخی بھی ہے نیز اس طرح کی بات کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس سے ان دیگر صحابہ وکبار تابعین اور عام مومنین پر زد پڑتی ہے جنھوں نے حضرت امیر معاویہ کے اس عمل کو قبول کیا اور پھر اسی کو تعامل بنالیا ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تبدیلی حضرت امیر معاویہ کے ذریعہ ہی واقع ہوئی ہوتی تو بھی حضرت امیر معاویہ کا علمی مقام ایسا بلند پایہ ہے کہ اسے نا قابل قبول قرار نہیں دیا جاسکتا بالخصوص جب کہ وہ مسلمانوں کے امیر بھی تھے، اور عامۃ المومنین نے ان کے اس اجتہاد کو قبول بھی کیا تھا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ وہ پہلے شخص نہیں ہیں جنھوں نے نصف صاع کا اعلان کیا ہو، گیہوں میں نصف صاع کا معمول تو عام صحابہ کا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانے سے تھا، نیز چار مد کو دومد اور ایک صاع کو نصف صاع خود خلفائے راشدین نے کیا اور ان کا مسلک بھی یہی ہے جیسا کہ شروع میں ہم بیان کرچکے ہیں، بلکہ خلفائے راشدین کے کرنے سے بھی مراد یہ ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں لیا یعنی ان کے سامنے اس سے متعلق نبی کریم ﷺ کا فرمان تھا؛ تو ان کے کرنے کا حکم صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اسے عام اور مشہور کیا: ورنہ حضور ﷺ سے ثابت نصف صاع ہی ہے، چناں چہ حضرت ابن عمر ؓ کی روایت ملاحظہ کیجیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ , عَنْ كُلِّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ , حُرٍّ وَعَبْدٍ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ , أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ , قَالَ: فَعَدَلَهُ النَّاسُ بِمُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ. (معانی الآثار) یعنی نبی کریم ﷺ نے جو اور کھجور سے ایک صاع صدقۂ فطر نکالنے کا حکم دیا لوگوں نے اس کو گیہوں کے دومد کے برابر کردیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کو نصف صاع کرنے والے حضرت معاویہ ؓ تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہ تمام صحابہ کا فیصلہ ہے، حضرت ابن عمر ؓ کی اس روایت میں الناس سے صحابہ ہی مراد ہیں تو ایک طرح سے اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور

حضرت ابوسعید خدریؓ کا جو انکار بخاری میں مذکور ہے اس کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انکار حضرت معاویہؓ کے اعلان کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اصل مسئلہ کے ساتھ چناں چہ ہم اوپر ان سے نصف صاع دینا بھی نقل کر چکے ہیں۔

اصل معاملہ کیا ہے؟

اب تک کی بحث میں آپ نے دیکھا کہ ایک طرف حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں گیہوں ایک صاع دیتے تھے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نصف صاع حضرت معاویہؓ نے جاری کیا ہے اور میں اسے قبول نہیں کروں گا، دوسری طرف کثرت کے ساتھ مرفوع روایات ہیں جن سے عہد رسالت میں نصف صاع ثابت ہوتا ہے، پھر تمام صحابہ کا نصف صاع دینا، خلفائے راشدین کا نصف صاع لینا اور ان کا خود یہ مسلک، یہ سب سامنے رکھیں تو خلجان ہوتا ہے کہ اصل صورت حال کیا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے اور اس سے تمام روایات و آثار اور صحابہ کے تعامل میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے:

حضرت کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں گیہوں کا زیادہ رواج نہیں تھا، اس لیے اگر چہ حضور ﷺ نے اس میں نصف صاع کے واجب ہونے کا حکم بیان کر دیا تھا، جیسا کہ اوپر دی گئی مرفوع روایات سے ظاہر ہے؛ لیکن رواج نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکم عام نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا عام لوگ کھجور وغیرہ پر قیاس کر کے ایک صاع ہی دیتے تھے؛ گیہوں سے دینے والوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ادھر زیادہ توجہ بھی نہیں تھی، حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کہ جس میں ان کے معمول کا تو ذکر ہے اور وہ بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے، لیکن حضور ﷺ کے حکم دینے کی بات نہیں، اسی پر محمول ہے، پھر جب صحابہ کے دور میں گیہوں کی بہتات ہوئی اور گیہوں نے عام خوراک کی صورت اختیار کر لی تو لوگوں نے اس سے صدقۂ فطر دینا شروع کیا، اب جن کو حدیث معلوم تھی انھوں نے اسے حضور ﷺ کا فرمان قرار دیا اور جنھیں معلوم نہیں تھی؛ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ صحابہ کا اجتہاد ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کی مثال زیورات اور گھوڑوں کی زکاۃ کا مسئلہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ان دونوں چیزوں کی کثرت نہ ہونے کے وجہ سے مسئلہ عام نہیں ہوا اور اگر چہ ان میں زکوٰۃ کی تعیین کر دی گئی تھی، مگر اس کو شہرت حاصل نہ ہوئی اور جب ان دونوں چیزوں کی کثرت ہوئی تب یہ مسئلہ عام ہوا۔

امام طحاویؒ حضرت ابن عمرؓ سے قسم کے کفارے میں نقل کیا ہے کہ وہ کھجور اور جو سے ایک صاع اور گیہوں سے نصف صاع دینے کا حکم دیتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ میں بھی نصف صاع ہی کا رواج تھا'' قَالَ لِيَسَارِ بْنِ

نُمَيْرٍ: إِنِّي أَحْلِفُ أَنْ لَا أُعْطِيَ أَقْوَامًا شَيْئًا ، ثُمَّ يَبْدُو لِي فَأَفْعَلُ ، فَإِذَا رَأَيْتَنِي فَعَلْتَ ذَلِكَ ، فَأَطْعِمْ عَنِّي عَشَرَةَ مَسَاكِينَ ، كُلُّ مِسْكِينٍ بِنِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ" (طحاوی) کہ میں کچھ لوگوں کو نہ دینے کی قسم کھالیتا ہوں پھر میری رائے دینے کی ہو جاتی ہے اور میں ان کو دیتا ہوں، سو جب تم میرا یہ عمل دیکھو تو میری طرف سے دس مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گیہوں یا ایک ایک صاع کھجور یا جو دے دیا کرو۔

ابن المنذر شافعی کی رائے:

اخیر میں اس بحث کو ہم مشہور شافعی مصنف ابن المنذر نیساپوری کے کلام پر ختم کرتے ہیں ان کے اس کلام کو حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

" لَا نَعْلَمُ فِي الْقَمْحِ خَبَرًا ثَابِتًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنِ الْبُرُّ بِالْمَدِينَةِ ذَلِكَ الْوَقْتَ إِلَّا الشَّيْءَ الْيَسِيرَ مِنْهُ فَلَمَّا كَثُرَ فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ رَأَوْا أَنَّ نِصْفَ صَاعٍ مِنْهُ يَقُومُ مَقَامَ صَاعٍ مِنْ شَعِيرٍ وَهُمُ الْأَئِمَّةُ فَغَيْرُ جَائِزٍ أَنْ يُعْدَلَ عَنْ قَوْلِهِمْ إِلَّا إِلَى قَوْلِ مِثْلِهِمْ ثُمَّ أَسْنَدَ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِي وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وبن عَبَّاس وبن الزُّبَيْرِ وَأُمِّهِ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ بِأَسَانِيدَ صَحِيحَة أَنهم رَأَوْا أَن فِي زَكَاة الْفطْرَة نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ " یعنی گیہوں میں ایک صاع سے متعلق حضور ﷺ سے ثابت کوئی حدیث ہماری علم میں نہیں ہے (اور حدیث باب میں جو ایک صاع کی صراحت ہے اس میں حضور ﷺ کا حکم دینا مذکور نہیں ہے، بلکہ وہ حضرت ابو سعیدؓ کا معمول ہے اور اس کی توجیہ گذر چکی ہے) اور مدینہ منورہ میں اس وقت گیہوں نہیں تھے سوائے معمولی مقدار کے پھر جب صحابہ کے زمانہ میں گیہوں کی کثرت ہوئی تو ان کی رائے ہوئی کہ اس کا آدھا صاع جو کے ایک صاع کے قائم مقام ہے اور وہ دین کے پیشوا ہیں، لہٰذا ان کے قول سے ہٹنا جائز نہیں ہے مگر انھیں کے مثل کے قول کی طرف پھر انھوں نے حضرت عثمان، علی، ابوہریرہ، جابر، ابن عباس ابن زبیر، اسماء بنت ابی بکر سے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا کہ ان کی رائے یہی تھی کہ گیہوں میں صدقہ فطر نصف صاع ہے۔

نوٹ: یہ مضمون ہم نے ایضاح البخاری سے کامل طور پر نقل کیا ہے۔ (عبدالرزاق غفرلہ)

دوسرا مسئلہ جو یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ صدقہ فطر صرف اپنے مسلمان غلام کی جانب سے نکالنا واجب ہے، یا کافر غلام کی طرف سے بھی؟ اس سلسلہ میں بھی ائمہ ثلاثہ اور احناف کا اختلاف ہے۔

کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے:

حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف اپنے مسلمان غلاموں کی طرف

سے صدقۂ فطر نکالنا ضروری ہے، کافر غلاموں کی طرف سے نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان اور کافر دونوں قسم کے غلاموں کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے۔(عمدۃ القاری:۹/ ۱۱۰،باب فرض صدقة الفطر)

حضرات ائمہ ثلاثہ کا استدلال اسی باب میں تیسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے ہے جس میں یہ صراحت ہے:''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض زكوٰة الفطر من رمضان صاعًا من تمر أو صاعًا من شعير على كل حر أو عبد، ذكر أو أنثي من المسلمين''اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ صدقۂ فطر صرف مسلمان کی طرف سے ہو، گویا حضرات ائمہ ثلاثہ کے استدلال کی بنیاد''من المسلمين'' کے اضافہ پر ہے،اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

لیکن یہ اضافہ اصول محدثین کے مطابق محل نظر ہے، نافع سے یہ روایت امام مالک کی طرح دیگر تلامذہ نے بھی بیان کی ہے،لیکن امام مالک کے علاوہ''من المسلمين'' کا اضافہ کسی نے بھی ذکر نہیں کیا آگے امام ابوداؤد نافع کے شاگرد عبیداللہ بن عمرؓ سے''من المسلمين'' کا اضافہ نقل کرنے کے بعد فرمارہے ہیں کہ:''والمشهور عن عبيد الله ليس فيه من المسلمين'' کہ عبیداللہ سے مشہور روایت میں''من المسلمين'' کی قید نہیں ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث میں اس اضافہ کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: ''رواه غير واحد عن نافع ولم يذكر فيه من المسلمين'' کہ نافع سے اس روایت کو متعدد تلامذہ نے نقل کیا ہے مگر انھوں نے''من المسلمين'' کا اضافہ ذکر نہیں کیا، نیز امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں یہ بھی لکھا ہے''وروی بعضهم عن نافع مثل رواية مالك ممن لا يعتمد على حفظه'' کہ نافع سے امام مالکؒ کی روایت کی طرح بعض ایسے لوگوں نے بھی روایت کی ہے جن کا حافظہ قابل اعتماد نہیں ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ''من المسلمين'' کی قید کا تعلق غلام سے نہیں ہے بلکہ''من تجب عليه الصدقة'' سے ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ صدقۂ فطر مسلمان پر واجب ہے کافر پر نہیں ہے اور اس مطلب کی تائید اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے مسلمان اور کافر دونوں قسم کے غلاموں کی طرف سے زکوٰۃ الفطر نکالا کرتے تھے۔

حنفیہ کے دلائل:

رہا مسئلہ ہمارے دلائل کا تو اس سلسلہ میں ہماری سب سے مضبوط دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے''ليس على المسلم في عبده صدقة إلا صدقة الفطر''(صحیح بخاری)

اس حدیث میں ''عبدہ'' کا لفظ مطلق ہے جس میں کافر اور مسلم دونوں شامل ہیں لہٰذا اس کے عموم کا تقاضہ یہی ہے کہ صدقہ فطر مسلمان غلام کی طرف سے بھی واجب ہو اور کافر غلام کی طرف سے بھی۔

اس کے علاوہ متعدد آثار صحابہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے تمام غلاموں خواہ مسلمان ہوں یا کافر کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرتے تھے مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے: ''يخرج زكوٰة الفطر عن كل مملوك له وإن كان يهوديًا أو نصرانيا'' (نصب الرایہ: ۲/ ۴۱۴)

مشکل الآثار میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: ''كان يخرج زكوٰة الفطر عن كل إنسان يعول من صغير أوكبير، حُرٍّ أو عَبْدٍ، ولوكان نصرانيًا، مُدَّيْنِ من قمحٍ أو صَاعًا من تمرٍ'' (نصب الرایہ: ۲/ ۴۱۴)

ان دونوں مسئلوں کی وضاحت کے بعد باب کی احادیث کی تشریح کی جاتی ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جس کا مدار نافع پر ہے، پھر یہاں سنن ابوداؤد میں نافع سے نقل کرنے والے چھ افراد ہیں۔ (۱) مالک (۲) عمرو بن نافع (۳) عبداللہ العمری (۴) عبید اللہ بن عمر (۵) عبدالعزیز بن ابی رواد (۶) ایوب السختیانی۔

ان میں سے پہلے چار کی روایت میں گندم سے صدقۃ الفطر کی مقدار مذکور نہیں ہے، اور دو کی روایت میں گندم سے صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع مذکور ہے، نیز مالک کی روایت میں ''من المسلمين'' کی قید ہے، اور عبید اللہ کی ایک روایت میں یہ قید ہے اور دوسری میں نہیں ہے، رہے باقی چار تو ان کی روایت میں ''من المسلمين'' کی قید نہیں ہے۔

یہ ہے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا خلاصہ جس کو مصنفؒ نے پانچ سندوں سے بیان کیا ہے، اگر چہ ایک سند میں حاء تحویل بھی ہے۔

قوله: وَقَرَأَهُ عَلَيَّ مَالِكٌ أَيْضًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک نے عبداللہ بن مسلمہ سے یہ حدیث دو مرتبہ بیان کیا ہے، ایک مرتبہ تو عبداللہ بن مسلمہ نے امام مالک کے سامنے حدیث کو پڑھا اور امام مالکؒ نے سنا، جیسا کہ امام مالک کا اکثر طریقہ یہی تھا، اس مرتبہ ان کی حدیث: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض زكوٰة الفطر پر پوری ہوگئی، اور دوسری مرتبہ امام مالکؒ نے عبداللہ بن مسلمہ کے سامنے پڑھا اور عبداللہ بن مسلمہ نے سنا، لیکن اس مرتبہ روایت میں یہ زیادتی بیان کی جو یہاں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ''من المسلمين'' کی قید امام مالک والی روایت میں بھی کبھی مذکور ہوئی اور کبھی مذکور نہیں ہوئی۔

قوله: ''زکوٰۃ الفطر من رمضان'' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''من رمضان'' کی قید سے اس کے وجوب کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس کے وجوب کے وقت میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک اس کے وجوب کا وقت عید کی طلوع فجر ہے جیسا کہ ماقبل میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

قوله: ''صاعاً من تمر'' یہ زکوٰۃ سے بدل واقع ہونے کیوجہ سے منصوب ہے، اگر چہ بعض نسخوں میں رفع کے ساتھ بھی ہے، لیکن صحیح نصب کے ساتھ ہی ہے، حدیث کے اس طریق میں صرف دو جنس کا ذکر ایک تمر کے صدقۃ الفطر کا اور دوسرے جو کے صدقہ فطر کا، بقیہ اجناس کا ذکر آگے کے طرف میں ہے۔

قوله: علی کل حر أو عبد: زکوٰۃ الفطر اصلاً تو مالک پر ہی واجب ہے اور یہاں غلام پر واجب ہونے کا مطلب ہے کہ غلام کی طرف سے اس کا مالک ادا کرے گا، اس لیے کہ ''باب صدقة الرقيق'' کے ضمن میں یہ روایت گزر چکی ہے ''ليس على المسلم في عبده ولافي فرسه صدقة إلا صدقة الفطر'' لیکن یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مکاتب کا صدقہ فطر خود اسی کے اوپر ہے مالک کے اوپر واجب نہیں ہے، کیوں کہ مکاتب کا نفقہ ہی مالک پر نہیں ہے۔

قوله: ''ذكر أو انثي'' اس کا تقاضہ یہ ہے کہ صدقہ فطر خود عورت کے اوپر واجب ہوتا ہے اگر چہ اس کا شوہر موجود ہو احناف کا یہی مذہب ہے، اگر چہ حضرات ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورت کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے لہٰذا اس کا صدقہ فطر بھی شوہر ہی کے ذمہ ہوگا۔

قوله: ''من المسلمين'' اس جزء کے تعلق سے تفصیلی کلام مستقل مسئلہ کے تحت گذر چکا ہے، اور حضرات فقہاء کرام کا جو اختلاف اس میں ہے اس پر بحث کی جا چکی ہے۔

۱۶۱۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا، فَذَكَرَ بِمَعْنَى مَالِكٍ، زَادَ: وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ الْعُمَرِيُّ، عَنْ نَافِعٍ بِإِسْنَادِهِ قَالَ: عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، وَرَوَاهُ سَعِيدٌ الْجُمَحِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ فِيهِ: مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمَشْهُورُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ لَيْسَ فِيهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

۱۶۱۲- انظر تخريج الحديث السابق.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع مقرر فرمایا، پھر حدیث مالک کی طرح ذکر کیا، اس میں اتنا اضافہ ہے وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَأَمَرَ بِهَا أن تؤدى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ، ابوداؤد کہتے ہیں: کہ اس کو عبداللہ عمری نے نافع سے روایت کیا ہے کہ اس میں علی کل مسلم ہے، اور سعید جمحی نے نافع سے روایت کرتے ہوئے من المسلمین کہا ہے؛ لیکن عبیداللہ سے جو مشہور ہے اس میں من المسلمین نہیں ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا طریق ثانی ہے، اس میں نافع سے نقل کرنے والے ان کے بیٹے عمر بن نافع ہیں، انھوں نے بھی نافع کے شاگرد حضرت امام مالکؒ کی طرح روایت کی البتہ کچھ اضافہ ذکر کیا ہے جو مالک نے ذکر نہیں کیا تھا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، اور امام بخاریؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔

قولہ: وأمربها أن تؤدي الخ: حضور اکرم ﷺ نے صدقۃ الفطر کو عیدگاہ جانے سے قبل ادا کرنے کا حکم فرمایا، تاکہ فقیر و محتاج عین نماز کے وقت سوال سے مستغنی ہو کر نماز عید کی ادائے گی میں شریک ہو سکیں؛ لیکن یاد رہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے، البتہ ابن حزم نے وجوب پر محمول کیا ہے۔

قولہ: ''قال أبوداؤد: رواه عبدالله العمري عن نافع قال: على كل مسلم'': حضرت امام ابوداؤدؒ جس تعلیق کو نقل فرما رہے ہیں اس کو امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں موصولاً نقل فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكوٰة الفطر على كل مسلم'' کہ صدقہ فطر کی ادائیگی ہر مسلمان پر ہے۔

قولہ: ''ورواه سعيد الجمحي عن عبيد الله عن نافع قال فيه: من المسلمين، والمشهور عن عبيد الله ليس فيه من المسلمين'' اس جملہ سے مصنفؒ ''من المسلمين'' کی زیادتی کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ نافع کے شاگرد عبیداللہ نے ''من المسلمين'' کی قید نقل تو کی ہے لیکن یہ غیر مشہور ہے، ان کی مشہور روایت ''من المسلمين'' کی قید کے بغیر ہی ہے، ہم ماقبل میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس زیادتی کو نقل کرنے میں امام مالکؒ کی موافقت کرنے والے بہت کم لوگ ہیں، اکثر لوگوں نے اس زیادتی کے بغیر ہی روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ، وَبِشْرَ بْنَ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَاهُمْ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ

۱۶۱۳- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: صدقة الفطر على الحر والمملوك (۱۵۱۱)، باب: صدقة الفطر على الصغير والكبير (۱۵۱۲)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير ۱۴- (۹۸۴).

شَعِيرٍ، أَوْ تَمْرٍ، عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ ، زَادَ مُوسَى: وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ فِيهِ أَيُّوبُ، وَعَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي الْعُمَرِيَّ، فِي حَدِيثِهِمَا عَنْ نَافِعٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور صدقہ فطر مقرر فرمایا، ہر چھوٹے بڑے پر، آزاد ہو یا غلام، اور موسیٰ نے یہ اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، ابوداؤد کہتے ہیں: کہ ایوب اور عبد اللہ عمری نے نافع سے روایت کرتے ہوئے اپنی حدیث میں ذکر اَو اُنثی کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا تیسرا طریق ہے جس میں نافع سے نقل کرنے والے عبید اللہ ہیں، جن کی روایت کا حوالہ مصنفؒ نے ابھی دیا تھا، ان کی یہ وہ مشہور روایت ہے جس میں "من المسلمین" کی قید نہیں ہے۔

قولہ: زاد موسى والذكر والأنثي: مصنفؒ کے اس سند میں دو استاذ ہیں ایک مسدد اور دوسرے موسیٰ بن اسماعیل، اس قول سے مصنفؒ یہ فرمارہے ہیں کہ موسیٰ بن اسماعیل نے اپنی روایت میں: "والذكر والأنثي" کا اضافہ نقل کیا ہے کہ صدقۂ فطر مذکر اور مؤنث دونوں ہی پر ہے؛ مسدد کی روایت میں یہ اضافہ نہیں تھا، آگے مصنفؒ نے ایوب سختیانی اور عبد اللہ العمری کی روایت کے ذریعہ موسیٰ بن اسماعیل کی تائید فرمادی ہے کہ ان کی روایت میں بھی "ذكر أو انثى" کے کلمات ہیں۔

۱۶۱۴- حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُونَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ تَمْرٍ، أَوْ سُلْتٍ، أَوْ زَبِيبٍ ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ، جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعٍ حِنْطَةً مَكَانَ صَاعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع چھلکا اترا ہوا جو یا ایک صاع کشمش صدقہ فطر کے طور پر نکالا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ کہتے ہیں: کہ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا اور گیہوں کی کثرت ہونے لگی تو آپ نے ان اشیاء کے بدلہ نصف صاع گیہوں مقرر فرمادیا۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا یہ چوتھا طریق ہے اس میں نافع سے نقل کرنے والے عبد العزیز بن ابی رواد ہیں، اور اس میں حضرت ابن عمرؓ نے حضرات صحابہ کا عمل کیا ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے دور مبارک میں

۱۶۱۴- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة الفطر (۵/ ۵۳).

''جو'' کا ایک صاع، یا کھجور کا ایک صاع، یا چھلکا اترے ہوئے ''جو'' کا ایک صاع یا کشمش کا ایک صاع بطور صدقۂ فطر کے نکالا کرتے تھے؛ لیکن جب ان کے والد محترم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت آیا تو گیہوں کی کثرت ہونے لگی جس کی وجہ سے انھوں نے ان مذکورہ چار اشیاء کی جگہ نصف صاع گندم بطور صدقۂ فطر مقرر فرمادیا۔

۱۶۱۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَعَدَلَ النَّاسُ بَعْدُ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُعْطِي التَّمْرَ فَأُعْوِزَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ التَّمْرَ عَامًا فَأَعْطَى الشَّعِيرَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ پھر لوگ نصف صاع گیہوں کا دینے لگے، نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کھجور دیا کرتے تھے، ایک سال مدینہ میں کھجور کی شدید قلت ہوئی تو انہوں نے کھجور کے بدلہ جو دیئے۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عمرؓ کی یہ پانچویں روایت ہے لیکن موقوف ہے، اس میں حضرت ابن عمرؓ یہ بات نقل فرمارہے ہیں کہ جب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے گیہوں کی کثرت کی وجہ سے کہ لوگوں میں اس کا رواج عام ہوگیا، گیہوں سے نصف صاع مقرر فرمادیا تو لوگ بھی کھجور اور کشمش کی بجائے نصف صاع گندم ہی صدقۃ الفطر میں دینے لگے؛ البتہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا معمول یہی رہا کہ کھجور ہی سے صدقۂ فطر دیا کرتے تھے، البتہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کھجور کی قلت ہوگئی تو انھوں نے جو سے صدقہ فطر ادا فرمایا۔

قولہ: فعدل الناس الخ: اس کی تقدیری عبارت ہے أي سَوَّى الناسُ بعد ما جعل عمر نصفَ صاعِ حنطة مكانَ صاعٍ مِن التمر. نصفَ الصاع من القمح بالصاع من غيره، کہ حضرت عمرؓ کے نصف صاع گندم کو ایک صاع کھجور وغیرہ کے برابر قرار دینے کے بعد لوگوں نے بھی گیہوں کے نصف صاع کو کھجور وغیرہ کے ایک صاع کے برابر قرار دیا اور اسی پر عمل شروع کردیا لغت میں استعمال ہوتا ہے ''عدَلَ فلان الشيءَ بالشيءِ'' ایک شئ کو دوسری شئ کے برابر کرنا، اسی جیسا یا اس کے قائم مقام کرنا۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کا گندم سے نصف صاع مقرر کرنا کوئی اپنا ذاتی فیصلہ نہ تھا بلکہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا کہ آپ ﷺ نے ایک صاع گندم کو دو افراد کی طرف سے کافی قرار دیا۔

۱۶۱۵- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: فرض صدقة الفطر (۱۵۰۳)، وباب: صدقة الفطر صاعا من تمر (۱۵۰۷)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير ۱۳ - (۹۸۳)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في تقديمها قبل الصلاة (۶۷۵)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: زكاة فرض رمضان (۵/ ۴۶)، وباب: فرض زكاة رمضان على المملوك ۵/ ۴۷).

قوله: ''فاعوز أهل المدينة التمر'': ''اَعْوَزَ، أَعْجَزَ'' کے معنی میں ہے، بولا جاتا ہے: ''أَعْوَزَ الشيئُ فلانًا'' کسی کے پاس ضرورت کے باوجود کوئی چیز نہ ہونا، کسی چیز کی کمی ہونا، کسی کو عاجز اور بے بس کر دینا، یہاں پر اس کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ''أَعْوَزَ'' معروف پڑھنے کی صورت میں ''أهل المدينة'' منصوب ہوگا مفعول ہونے کی وجہ سے اور ''التمر'' فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور ترجمہ ہوگا: پس مدینہ والوں کو کھجور نے عاجز کر دیا یعنی بہت کم کھجوریں ہوئیں یا نہیں ہوئیں، اور اگر ''أُعْوِزَ'' مجہول پڑھیں تو ''أهل المدينة'' نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع اور ''التمر'' منصوب ہوگا، اور ترجمہ ہوگا، پس مدینہ والے کھجوروں سے عاجز کر دیئے گئے، مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ ایک سال مدینہ میں کھجوروں کی قلت ہوگئی۔

ایک فاسد نظریہ کی تردید:

یہاں اس حدیث کے ذیل میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے روشن خیال لوگوں کے ایک شبہ اور نظریہ کو نقل کر کے اس کی تردید فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض متجددین اس بات کے قائل ہیں کہ زکوۃ وصدقات کے نصاب اور ان کی شرح ادائیگی میں تبدیلی کی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول: ''فعدل الناس إلى نصف صاع من بر'' سے پتہ چلتا ہے پھر اپنے اس نظریہ پر بطور دلیل کے پہلی بات تو یہ کہی ہے کہ:

اب اگر زکوۃ کی شرح غیر متبدل ہوتی تو قرآن پاک میں اس کا ذکر ہوتا؟

لیکن ان کی یہ بات اس لیے درست نہیں کہ قرآن کریم میں تمام غیر متبدل احکام کا استیعاب نہیں ہے، مثلاً قرآن کریم میں نماز کی رکعات کی تعداد کا بھی ذکر نہیں ہے، حالاں کہ وہ غیر متبدل ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ لوگ یہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ'' اس میں ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ضرورت سے زائد کی مقدار زمانہ کے تغیر سے بدلتی رہتی ہے، لہٰذا خود قرآن کریم سے نصاب زکوۃ کا قابل تغیر ہونا ثابت ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت زکوۃ سے منسوخ ہے اور اس زمانہ سے متعلق ہے جب زکوۃ کا نصاب متعین نہیں ہوا تھا، دوسرے یہ کہ یہ آیت صدقات واجبہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صدقات نافلہ کے بارے میں ہے، تیسرے یہ کہ یہ آیت مجمل ہے، جس کی تفسیر آں حضرت ﷺ نے نصاب زکوۃ بیان فرما کر کر دی ہے، اور اس تفسیر میں آپ ﷺ نے کہیں بھی یہ ہدایت نہیں کی کہ آگے چل کر اس میں کوئی تبدیلی پیدا کی

جاسکتی ہے، لہٰذا اس آیت سے استدلال خالص جہالت ہے۔

(۳) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوۃ فرض نہیں تھی، حضرت عمرؓ نے گھوڑوں پر زکوۃ فرض کی ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ نصاب زکوۃ میں تبدیلی کی جاسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں پر جو زکوۃ فرض کی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہیں کی؛ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی نسل کے سائمہ گھوڑوں پر زکوۃ فرض تھی؛ لیکن چوں کہ اس دور میں ایسے گھوڑے بہت کم تھے زیادہ تر گھوڑے سواری کے لیے ہوتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قد عفوت عن صدقة الخيل" لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چوں کہ گھوڑے نسل کشی کے لیے رکھے جانے لگے اور ان کی کثرت ہوگئی اس لیے حضرت عمرؓ نے ان پر زکوۃ کے وجوب کا حکم جاری فرمادیا، جو در حقیقت کوئی نیا حکم نہیں تھا بلکہ عہد رسالت ہی کے ایک حکم کی تنفیذ تھی۔

اور رہا مسئلہ حدیث باب کا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقہ فطر کھجور یا جو سے نکالا جاتا تھا اور بعد میں گندم کا نصف صاع نکالا جانے لگا، یعنی جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیر کا علم تھا انھوں نے آپ کی تقدیر کے مطابق نصف صاع مقرر کیا اور جن کو آپ کی تقدیر کا علم نہیں تھا انھوں نے قیمت لگا کر یہ مقدار مقرر کی لہٰذا اس مقادیر زکوۃ وصدقات میں ترمیم کے جواز پر استدلال کرنا غلط ہے۔ (درس ترمذی: ۲/ ۵۰۴)

۱۶۱۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ قَيْسٍ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُخْرِجُ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ، فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتَّى قَدِمَ مُعَاوِيَةُ حَاجًّا، أَوْ مُعْتَمِرًا، فَكَلَّمَ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَكَانَ فِيمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ أَنْ قَالَ: إِنِّي أَرَى أَنَّ مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِذَلِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ أَبَدًا مَا عِشْتُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ، وَعَبْدَةُ، وَغَيْرُهُمَا عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنْ عِيَاضٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

۱۶۱۶- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: صاع من شعير (۱۵۰۸)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير ۱۷-(۹۸۵)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في صدقة الفطر (۶۷۳)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: التمر في زكاة الفطر (۵/ ۵۱)، ابن ماجه: كتاب الزكاة باب: صدقة الفطر (۱۸۲۹).

بِمَعْنَاهُ، وَذَكَرَ رَجُلٌ وَاحِدٌ فِيهِ عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ أَوْ صَاعًا مِنْ حِنْطَةٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ہم لوگ صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے اناج یا پنیر یا جو یا کھجور یا کشمش کا ایک صاع دیتے تھے، اور بعد میں بھی ہم اسی طرح دیتے رہے، جب حضرت معاویہ حج یا عمرہ کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے منبر پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ میری رائے میں دو مد گیہوں جو شام سے آتے ہیں ایک صاع کھجور کے برابر ہیں، پس لوگوں نے اسی کو اختیار کر لیا؛ لیکن میں تو زندگی بھر ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ اس کو ابن علیہ اور عبدہ وغیرہ نے بطریق ابن اسحق بروایت عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام بواسطہ عیاض حضرت ابوسعید سے اسی طرح روایت کیا ہے، اس میں صرف ابن علیہ ایک شخص نے اُو صاع حنطۃ ذکر کیا ہے جو غیر محفوظ ہے۔

تشریح حدیث: اب تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات کا سلسلہ چل رہا تھا اب حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت نقل فرما رہے ہیں، اس میں حضرت ابوسعید خدریؓ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں حضرات صحابہؓ ایک صاع صدقۃ الفطر دیا کرتے تھے، جب حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ خلافت آیا تو انھوں نے نصف صاع مقرر فرمادیا، لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت امیر معاویہ نے نصف صاع اپنی طرف سے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ ان کے سامنے دیگر مرفوع روایات تھیں جیسا کہ اگلے باب میں آرہی ہیں اور حضرت ابوسعید خدریؓ کا مخالفت کرنا کوئی مضر نہیں اس لیے کہ وہ ان کا ایک فعل ہے کہ میں ایک صاع کھجور وغیرہ کا صدقۃ الفطر دیتا تھا اب بھی یہی دوں گا، یعنی صدقۂ فطر میں حنطہ نہ دوں گا، یہ مراد نہیں کہ حنطہ کا بھی ایک صاع دوں گا، اور اگر یہی مراد ہے کہ حنطہ کا بھی ایک ہی صاع دوں گا تو وہ اپنی ذات کے بارے میں فرما رہے ہیں، دوسروں پر نکیر نہیں کر رہے ہیں۔

قولہ: ''قال أبوداؤد: رواه ابن علية وعبدة وغيرهما عن ابن إسحاق الخ'' حدیث مذکور کو جس طرح محمد بن اسحاق سے داؤد بن قیس نے نقل کیا ہے اسی طرح اسماعیل بن علیہ اور عبدۃ بن سلیمان وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔

قولہ: ''وذكر رجل واحد فيه عن ابن عليه أوصاع حنطة'': رجل کا مصداق یعقوب بن ابراہیم دورقی ہیں، انھوں نے ابن علیہ سے روایت کی تو حدیث میں مذکور پانچ چیزوں کے علاوہ ''اوصاع حنطة'' بھی نقل کیا، لیکن صحیح ابن خزیمہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں حنطہ کا ذکر غیر محفوظ ہے، لیکن یہ وہم کس کی طرف سے ہے اس کا علم نہیں؛ اور دلیل اس زیادتی کے غیر محفوظ ہونے کی یہ ہے کہ ابن خزیمہ ہی کی روایت میں آگے یہ بھی لکھا ہے کہ جب

حضرت ابوسعید خدری ؓ نے امیر معاویہ ؓ کے نصف صاع گندم کو قبول نہیں کیا تو فرمایا تھا: ''لا أخرج إلا ما كنت أخرجه علي عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم صاعًا من تمر ... الخ'' اس پر ایک شخص نے کہا کہ: ''او مدين من قمح؟'' تو حضرت ابوسعید خدری ؓ نے کہا تھا: ''لاتلك قيمة معاوية'' اب اگر حضرت ابوسعید خدری ؓ کی روایت میں حنطہ کا ذکر ہوتا تو پھر ایک شخص کے یہ کہنے ''اوْ مدين من قمح'' کا کیا مطلب تھا، نیز حضرت ابوسعید ؓ نکیر ہی کیوں کرتے؟ (صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۸۹/ ۲۴۱۹)

۱۶۱۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ، لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ الْحِنْطَةِ. قَالَ أَبُودَاوُدَ: وَقَدْ ذَكَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ، وَهُوَ وَهْمٌ مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ، أَوْ مِمَّنْ رَوَاهُ عَنْهُ.

ترجمہ: مسدد نے بسند اسماعیل روایت کیا ہے کہ اس میں حنطہ کا ذکر نہیں ہے، ابوداود کہتے ہیں: کہ معاویہ بن ہشام نے اس حدیث میں بروایت ثوری بطریق زید بن اسلم بواسطہ عیاض حضرت ابوسعید سے نصف صاع من بر ذکر کیا ہے، جو معاویہ بن ہشام یا اس سے نیچے کسی راوی کا وہم ہے۔

تشریح حدیث: یہاں سے بھی مصنف ؒ روایت سابقہ میں حنطہ کے ذکر کی تضعیف فرما رہے ہیں، اس لیے کہ ابن علیہ سے متعدد لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے جن میں یعقوب دورقی بھی ہیں جنھوں نے حنطہ کو ذکر کیا ہے، حالاں کہ یعقوب دورقی کے مقابلہ میں مسدد احفظ ہیں اور وہ اس زیادتی کو نقل نہیں کرتے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: وذكر معاوية بن هشام في هذا الحديث عن الثوري عن زيدبن أسلم'' سفیان ثوری کے شاگرد معاویہ بن ہشام نے اس روایت میں: ''صاعًا من طعامٍ'' کی جگہ ''نصف صاعٍ من برٍّ'' نقل کیا ہے، اب مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی وہم ہے، چاہے معاویہ بن ہشام کا وہم ہو یا ان کے کسی شاگرد کا وہم ہو، اس لیے کہ سفیان ثوری سے جو بات محفوظ ہے وہ ''صاعًا من طعام'' ہی ہے، جیسا کہ طحاوی میں ہے۔

۱۶۱۸- حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، سَمِعَ عِيَاضًا، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَاسَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا

۱۶۱۷- انظر التخريج المتقدم.

۱۶۱۸- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير (۹۸۵)، الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في صدقة الفطر (۶۷۳)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: التمر في زكاة الفطر (۵/ ۵۱)، وباب: الزبيب (۵/ ۵۱)، وباب: الدقيق (۵/ ۵۲)، وباب: الشعير (۵/ ۵۳)، ابن ماجة: كتاب الزكاة، باب: صدقة الفطر (۱۸۲۹).

صَاعًا، إِنَّا كُنَّا نُخْرِجُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ تَمْرٍ، أَوْشَعِيرٍ، أَوْ أَقِطٍ، أَوْزَبِيبٍ، هَذَا حَدِيثُ يَحْيَى، زَادَ سُفْيَانُ: أَوْصَاعًا مِنْ دَقِيقٍ، قَالَ حَامِدٌ: فَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، فَتَرَكَهُ سُفْيَانُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فَهَذِهِ الزِّيَادَةُ وَهْمٌ مِنَ ابْنِ عُيَيْنَةَ

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: کہ میں ہمیشہ ایک صاع ہی دوں گا؛ کیونکہ ہم رسول ﷺ کے زمانہ میں کھجور یا جو یا پنیر یا کشمش کا ایک صاع نکالا کرتے تھے، یہ روایت یحیی کی ہے، سفیان نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ یا ایک صاع آٹے کا، حامد نے کہا ہے: کہ محدثین نے اس کا انکار کیا تو سفیان نے اس کو چھوڑ دیا، ابوداود کہتے ہیں: کہ یہ زیادتی ابن عیینہ کا وہم ہے۔

تشریح حدیث: یہ بھی حدیث سابق ہی کا ایک حصہ ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے گندم کا نصف صاع مقرر فرمایا اور لوگوں نے ان کی بات کو قبول کر لیا تو حضرت ابوسعید خدری نے نکیر فرمائی کہ میں تو وہی چیز صدقہ فطر میں دوں گا جو حضور ﷺ کے زمانہ میں دیتا تھا، یعنی کھجور اور کشمش وغیرہ کا ایک صاع۔

اب حضرت ابوسعید خدریؓ کے اس ارشاد کو مختلف لوگوں نے نقل کیا ہے انھیں میں سے سفیان بن عیینہ بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی نقل کر دیا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا میں تو کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع یا پنیر کا ایک صاع یا کشمش کا ایک صاع یا آٹے کا ایک صاع دوں گا، مصنفؒ کے استاذ حامد کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے ''آٹے کا ایک صاع'' کا اضافہ نقل کیا ہے آٹے کا ذکر اور کوئی نہیں کرتا، چناں چہ دیگر محدثین نے سفیان بن عیینہ پر نکیر کی تو انھوں نے آٹے کے ذکر کو چھوڑ دیا۔

ہمارے مصنفؒ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ ''صاعاً من دقیق'' کی زیادتی سفیان بن عیینہ کا وہم ہے۔

بَابُ مَنْ رَوَى نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ

صدقہ فطر میں نصف صاع گیہوں کی دلیل

۱۶۱۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ مُسَدَّدٌ: عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ، أَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ

۱۶۱۹- اخرجه احمد (۵/۴۳۲)، (۲۴۰۶۴)

اللّٰهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَاعٌ مِنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللّٰهُ، وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ، فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَى، زَادَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ: غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی صعیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ہر دو آدمیوں پر گیہوں کا ایک صاع واجب ہے چھوٹا ہو یا بڑا، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، تم میں سے جو غنی ہے اللہ اس کو پاک کرے گا اور جو نادار ہے اللہ اس کو اس سے زائد دے گا جتنا اس نے دیا ہے، سلیمان نے اپنی حدیث میں غنی وفقیر کا اضافہ کیا ہے۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب کا مقصد گندم سے صدقۃ الفطر کی مقدار کے سلسلہ میں احناف کے مستدلات کو بیان کرنا ہے، جیسا کہ ماقبل میں مسئلہ کی تفصیل گزری کہ احناف کے نزدیک صدقۃ الفطر کی مقدار گندم سے نصف صاع ہے، مصنفؒ نے اس مقصد کے ثبوت کے لیے دو صحابہ کی روایات کو کل چار سندوں سے نقل فرمایا ہے، تین سندوں سے حضرت عبداللہ بن ابی صعیرؓ کی روایت کو اور ایک سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگر چہ ان دونوں حضرات کی روایات پر محدثین کو کلام ہے، جس کی وضاحت ہم عنقریب کریں گے۔

رجال حدیث: النعمان بن راشد: یہ ابواسحاق جزری ہیں، ابوداؤد اور یحییٰ بن سعید قطان نے ان کی تضعیف کی ہے، اور یحییٰ بن معین نے کبھی توثیق کی ہے اور کبھی تضعیف کی ہے، امام نسائیؒ نے کہا ہے: كثير الغلط أحاديثه مقلوبة، صدوق فيه ضعف، امام بخاریؒ نے بھی صدوق ہی قرار دیا ہے، امام بخاری کے علاوہ کتب خمسہ کے مصنفین نے ان کی روایت کو لیا ہے، بلکہ امام بخاریؒ نے بھی اپنی التاریخ الکبیر میں ان کی روایت نقل فرمائی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی تقریب التہذیب میں "صدوق سیئ الحفظ" لکھا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ان کی روایت کم از کم حسن لذاتہ کے درجہ کی ہے۔

ثعلبة بن أبي صعير: ایک نسخہ میں ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیرؓ ہے، جب کہ تیسرے نسخہ میں عبداللہ بن ثعلبہ بن ابی صعیر ہے اور دار قطنی نے اسی کو درست قرار دیا ہے اور یہ یعنی عبداللہ بن ثعلبہ بن ابی صعیر صحابی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو انھوں نے دیکھا ہے البتہ سماع کا ثبوت نہیں ہے، ہاں ان کے والد ثعلبہ بن ابی صعیرؓ نے حضور ﷺ سے روایت بھی لی ہے۔

تشریح سند: مصنفؒ نے اس روایت کو تین سندوں سے نقل کیا ہے اور مدار سند امام زہری ہیں، زہری سے نقل

کرنے والے پہلی سند میں نعمان بن راشد ہیں، دوسری میں بکر بن وائل ہیں اور تیسری میں ابن جریج ہیں۔

پھر پہلی سند میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک مسدد اور دوسرے سلیمان بن داؤد عتکی، اب مسدد نے صحابی کا نام عبداللہ بن ابی صعیرؓ قرار دیا ہے اور سلیمان نے شک کے ساتھ نقل کیا یعنی ثعلبہ بن ابی صُعیر یا عبداللہ بن ابی صعیر۔

تشریح حدیث: قوله: "صاع من بر أو قمح" یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے "أي صدقة الفطر صاع من بر"، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر "على كل اثنين" ہو کہ ایک صاع گندم دو آدمیوں کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔

قوله: "أما غنيكم فيزكيه الله" مطلب یہ ہے کہ جو مالدار ہیں ان کو بھی صدقۂ فطر دینا چاہیے کیوں کہ اس صدقۂ فطر کے سبب مالدار کو جان مال کی پاکیزگی اور برکت حاصل ہوگی، اور گناہوں سے صفائی ہوگی، اور جو غریب ہیں ان کو بھی صدقۂ فطر دینا چاہیے کہ غریب کو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دے گا جو اس نے دیا ہے، یہ بات کہ صدقۂ فطر جو اس نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عطا کرے گا اگرچہ صدقۂ فطر دینے والے مالدار کے حق میں بھی ہے مگر یہاں غریب کی تخصیص ایک تو اس کی تسلی اور ہمت افزائی کے لیے ہے اور ایک صدقۂ فطر کی ترغیب دینے کے لیے ہے۔

کیا غریب پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے؟

اس حدیث میں غریب کے صدقۂ فطر دینے کی بات ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا غریب آدمی پر بھی صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ احناف کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے نصاب کی بقدر مال کا ہونا شرط ہے، اس لیے ہمارے نزدیک اس حدیث میں "فقیر" سے مراد وہ لوگ ہیں جو بڑے مالداروں کی بہ نسبت کم درجہ کے مالدار ہوں یعنی متوسط الحال ہوں، غیر صاحب نصاب مراد نہیں۔

قوله: "زاد سليمان في حديثه ، غني أو فقير": مصنفؒ کے استاذ سلیمان بن داؤد العتکی نے اپنی حدیث میں "ذكر أو أنثى" کے بعد "غني أو فقير" کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، "کہ صدقۂ فطر گیہوں سے ہر دو افراد پر ایک صاع ہے، اور وہ دو افراد خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، فقیر ہوں یا مالدار"۔ لیکن ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ یہاں حدیث میں فقیر سے مراد مسکین نہیں ہے بلکہ وہ صاحب نصاب ہے جو بڑے مالداروں کی بہ نسبت فقیر ہو یعنی متوسط طبقہ کا ہو، اس لیے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے "لاصدقة إلا عن ظهر غني"۔

۱۶۲۰- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الدَّارَابَجِرْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ،

۱۶۲۰- أخرجه أحمد في مسنده (۳۹/۲۳۶۶۳) والدارقطني في سننه (۲۱۰۹/۸۱/۳).

حَدَّثَنَا بَكْرٌ هُوَ ابْنُ وَائِلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَوْ قَالَ: عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ بَكْرٍ الْكُوفِيِّ - قَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى هُوَ بَكْرُ بْنُ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ - أَنَّ الزُّهْرِيَّ، حَدَّثَهُمْ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا، فَأَمَرَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ، صَاعِ تَمْرٍ، أَوْ صَاعِ شَعِيرٍ، عَنْ كُلِّ رَأْسٍ - زَادَ عَلِيٌّ فِي حَدِيثِهِ: أَوْ صَاعِ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ ، ثُمَّ اتَّفَقَا - عَنِ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ .

ترجمه: حضرت ثعلبہ بن صعیرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے ہر شخص کو ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر دینے کا حکم فرمایا (شیخ مصنف علی بن حسین کی روایت میں ہے أَوْ صَاعِ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ کہ ایک صاع گیہوں دو آدمیوں کی طرف سے) چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے۔

تشریح حدیث: حضرت ثعلبہ بن ابی صغیرؓ کی حدیث کا یہ دوسرا طریق ہے اس میں زہری سے نقل کرنے والے بکر بن وائل ہیں، اس میں راوی حدیث عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر عن ابیہ ہے، لیکن صحیح ابوصعیر ہے جو کہ صحابی ہیں، پھر اس طریق میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں، ایک علی بن حسین اور دوسرے محمد بن یحییٰ نیساپوری، علی بن حسین کی روایت میں "صاع بُرّ أوقمح بين اثنين" کا ذکر ہے جب کہ محمد بن یحییٰ کی روایت میں گیہوں کا ذکر نہیں ہے، اسی کو مصنفؒ نے "زاد عليٌّ في حديثه أو صاع برأو قمح بين اثنين" سے بیان فرمایا ہے۔

قوله: "صاع تمر" یہ صدقہ فطر سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اور اگر مرفوع پڑھیں تو مبتداء محذوف کی خبر ماننا پڑے گی اور تقدیری عبارت ہوگی: "هي صاع تمر"۔

۱۶۲۱-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: وَقَالَ: ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ: قَالَ ابْنُ صَالِحٍ: قَالَ الْعَدَوِيُّ: وَإِنَّمَاهُوَالْعُذْرِيُّ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ بِمَعْنَى حَدِيثِ الْمُقْرِئِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ - جن کے بارے میں ابن صالح نے عبدالرزاق سے الْعَدَوِيُّ نقل کیا ہے، ابوداؤد فرماتے ہیں وَإِنَّمَا هُوَ الْعُذْرِيُّ کہ یہ عذری ہیں نہ کہ عدوی - نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ

۱۶۲۱-تفرد به الإمام أبو داؤد.

خطبہ عید سے دودن پہلے دیا تھا، عبداللہ بن یزید المقری کی روایت کے ہم معنی روایت نقل کی۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق کا تیسرا طریق ہے اس میں زہری سے نقل کرنے والے ابن جریج ہیں، ان کی روایت میں صحابی کا نام عبداللہ بن ثعلبہ ہے اور ''أبيه'' کا اضافہ نہیں ہے، نیز مصنفؒ کے استاذ احمد بن صالح نے عبداللہ بن ثعلبہ کی نسبت ذکر کرتے ہوئے ''العَدَوي'' بھی کہا ہے، مگر مصنفؒ نے اس نسبت کی تغلیط کی اور کہا کہ یہ عدوی نہیں ہیں بلکہ عذرہ بن سعد کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ ''عُذرِيْ'' ہیں۔

قوله: ''بمعني حديث المقرئ'' یعنی طریق سابق میں علی بن حسن کے شیخ عبداللہ بن یزید مقری کی طرح ابن جریج نے بھی یہ روایت نقل کی ہے، البتہ اس حدیث میں متن کے لحاظ سے یہ زیادتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صدقۃ الفطر کے تعلق سے مذکورہ ارشادگرامی رمضان المبارک کے آخری ایام میں عید سے دودن قبل تھا۔

یہاں تک حضرت ثعلبہؓ کی حدیث مکمل ہوئی جس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ حنطہ سے صدقۃ الفطر کی مقدار نصف صاع ہے۔ اگرچہ مالکیہ اور شوافع کو یہ اشکال ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے، اور وجہ اضطراب یہ ہے کہ اوّل تو صحابی کے نام میں اختلاف ہے کہ یہ ثعلبہ بن عبداللہ ہیں یا عبداللہ بن ثعلبہ، دوسرے یہ کہ اس کے مرسل اور مسند ہونے میں بھی رواۃ کا اختلاف ہے، مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ صحابی کے نام میں اختلاف مضر نہیں ہے، اور رہا یہ کہ یہ حدیث مرسلاً بھی مروی ہے تو اصول ہے کہ یہ اختلاف ہو تو مسند کو اصل قرار دیا جائے گا، ویسے بھی حنفیہ کے یہاں مرسل روایت حجت ہوا کرتی ہے۔

۱۶۲۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ حُمَيْدٌ: أَخْبَرَنَا عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: خَطَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي آخِرِ رَمَضَانَ عَلَى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوا، فَقَالَ: مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى رُخْصَ السِّعْرِ، قَالَ: قَدْ أَوْسَعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، فَلَوْ جَعَلْتُمُوهُ صَاعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، قَالَ حُمَيْدٌ: وَكَانَ الْحَسَنُ يَرَى صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى مَنْ صَامَ.

۱۶۲۲- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: مكيلة زكاة الفطر رقم/ ۲۵۰۸.

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رمضان کے اخیر میں ابن عباس نے بصرہ کے منبر پر خطبہ پڑھا اور کہا: اپنے روزوں کا صدقہ نکالو؛ لیکن لوگ آپ کا مطلب نہیں سمجھے، آپ نے پوچھا یہاں شہر کے لوگوں میں سے کون موجود ہیں؟ وہ کھڑے ہوں اور اپنے بھائیوں کو سمجھا دیں؛ کیونکہ ان کو یہ نہیں معلوم کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ فرض کیا ہے ایک صاع کھجور یا صاع جو یا نصف صاع گیہوں، ہر آزاد غلام مرد عورت پر، چھوٹا ہو یا بڑا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ارزانی دیکھ کر فرمایا: اللہ نے تم کو وسعت دی لہذا اب تمام چیزوں میں ایک صاع ہی دیا کرو (یعنی پھر بھی ایک صاع ہی دیا کرو)، حمید کہتے ہیں: کہ حضرت حسن بصری کی رائے یہ تھی کہ صدقہ فطر اس شخص پر لازم ہے جس نے روزے بھی رکھے ہوں۔

رجال حدیث: سہل بن یوسف: یہ ابو عبدالرحمن الانماطی ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

قولہ: ''قَال حميد أخبرنا'': أي قال سهل بن يوسف: حُمَيْدٌ أَخْبَرَنَا عن الحسن...، پس ''اخبرنا'' کا فاعل حمید ہے عبارت کا حق یہ تھا کہ ''قال سهل: أخبرنا حميد عن الحسن'' چناں چہ سنن نسائی کی روایت اسی طرح ہے: ''أخبرنا علي بن حجر ثنا يزيد بن هارون حدثنا حميد عن الحسن'' بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ ''اخبرنا'' بصیغہ مجہول ہے، لہٰذا اس صورت میں حمید اور حسن کے درمیان ایک واسطہ چھوٹ جائے گا حالاں کہ کسی نے بھی حمید اور حسن کے درمیان ترک واسطہ کی تصریح نہیں کی ہے، ہاں البتہ حسن بصری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مابین واسطہ ہے کیوں کہ حسن بصری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں سنی ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں اس وقت لوگوں سے خطاب فرمایا تھا جب وہ بصرہ کے والی تھے اور آپ نے اپنے اس خطاب میں صدقۃ الفطر کی ادائیگی پر زور دیا، لیکن اہل بصرہ صدقۂ فطر کے حکم شرعی سے اچھی طرح واقف نہ تھے اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خطاب کو سن کر اِدھر اُدھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ لوگ میری بات نہیں سمجھے ہیں تو فرمایا: جو لوگ یہاں شہر کے موجود ہوں اور ان کو صدقہ فطر کے بارے میں معلومات حاصل ہوں تو وہ اپنے ان بھائیوں کو بتا دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر واجب قرار دیا ہے، جو کھجور اور جو سے ایک صاع ہوگا اور گندم سے نصف صاع ہوگا، حدیث کا یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔

قولہ: ''رُخْصَ السِّعْرِ'' بضم الراء وسکون الخاء مصدر ہے رَخُصَ يَرْخُصُ (ك) سے بمعنی ارزانی، بھاؤ گرنا، قیمت کم ہونا، مطلب یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے اور دیکھا کہ سب چیزیں قیمت کے اعتبار سے سستی ہیں تو فرمایا کہ اگر ہر چیز سے صدقۂ فطر ایک ہی صاع دیا کرو تو زیادہ اچھا ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ گندم سے بھی ایک صاع صدقۃ الفطر ادا کر دیا جائے تو بہتر ہے، باقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کر دیا کہ گندم سے

صدقۂ فطر کی مقدار دو مد یعنی نصف صاع ہے۔

قوله: ''كان الحسن يري صدقة رمضان على من صام'' یعنی حضرت حسن بصریؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ صدقۃ الفطر صرف اس شخص پر ہی واجب ہوتا ہے جس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں، اور جس پر رمضان کے روزے ہی فرض نہ ہوں جیسے صبی اور مجنون تو اس پر صدقۃ الفطر بھی نہیں ہے، اس لیے کہ صدقۃ الفطر کی مشروعیت کی حکمت تطہیر من الاثام ہے اور صبی و مجنون مکلف ہی نہیں ان کے لیے تطہیر کی ضرورت ہی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ صدقۃ الفطر کی مشروعیت کی دو حکمتیں ہیں (۱) طهرة للصيام (۲) طعمة للمساكين اور صبی و مجنون کے حق میں دوسری حکمت تو موجود ہے ہی۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ

وجوب زکوٰۃ سے قبل زکوٰۃ دینے کا بیان

۱۶۲۳- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَمَنَعَ ابْنُ جَمِيلٍ، وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَالْعَبَّاسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنْ كَانَ فَقِيرًا، فَأَغْنَاهُ اللَّهُ، وَأَمَّا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَإِنَّكُمْ تَظْلِمُونَ خَالِدًا، فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ، وَأَعْتُدَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَمَّا الْعَبَّاسُ عَمُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا، ثُمَّ قَالَ: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ الْأَبِ أَوْ صِنْوُ أَبِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکوۃ وصول کرنے پر عامل بنا کر روانہ فرمایا، (سب لوگوں نے زکوۃ دی مگر) ابن جمیل، خالد بن ولید، اور حضرت عباس نے زکوۃ نہیں دی، حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ابن جمیل نے زکوۃ اس لیے نہیں دی کہ وہ پہلے نادار تھا اب اللہ نے اسکو غنی کر دیا ہے، اور خالد بن ولید پر تم ظلم کرتے ہو انہوں نے اپنی زرہیں اور جنگ کا تمام سامان اللہ کی راہ میں دے دیا ہے، اور عباس تو رسول خدا ﷺ کے چچا

۱۶۲۳- اخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: قوله تعالى: وفي الرقاب والغارمين و في سبيل الله (۱۴۶۸)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: في تقديم الزكاة ومنعها (۹۸۳).

ہیں، ان کی زکوٰۃ میں دوں گا؛ بلکہ اس قدر اور دوں گا، کیا تم نہیں جانتے کہ چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی وجوب سے پہلے بھی درست ہے؛ کیوں کہ زکوٰۃ عبادتِ مالیہ محضہ ہے، جب کہ نماز اور روزے کی ادائیگی وقت وجوب سے پہلے درست نہیں اس لیے کہ یہ عبادات بدنیہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے ہی وصول فرمائی تھی۔

لغات حدیث: یَنقِمُ: نقم الشئ (ض) نَقمًا: کسی چیز کو ناپسند کرنا، قرآن پاک میں ہے: ''وما نقموا منهم إلا أن يؤمنوا بالله'' کافروں کو مومنوں کی صرف یہ بات ناگوار گذری کہ وہ خدا پر ایمان لائے۔

اِحتَبَسَ: احتبس الشئ احتباساً: روکنا، وقف کرنا، کسی شئ سے منفعت تو حاصل کرنے کا حق ہو لیکن نہ اس کی بیع کی جا سکے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکے۔

أَدْرَاعَه: دِرْعٌ کی جمع ہے، زرہ جس کو دوران جنگ پہنا جاتا ہے۔

أَعْتُدَہ: عَتَد یا عَتَاد کی جمع ہے، بمعنی سامانِ جنگ، اسلحہ گھوڑے وغیرہ۔

صِنوٌ: مماثل فرد، مثل، ایک درخت کی جڑ سے دو یکساں اگنے والی شاخوں میں سے ایک۔

تشریح حدیث: حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے واپسی پر یہ اطلاع دی کہ تین لوگوں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، ایک ابن جمیل، دوسرے حضرت خالد بن ولیدؓ اور تیسرے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ۔

ابن جمیل: ان کے نام کے بارے میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ ان کا نام معلوم ہی نہیں بلکہ یہ اپنے والد کے نام سے ہی مشہور ہیں، یہی قول زیادہ صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حمید بن جمیل ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن جمیل ہے، ابن المہلب لکھتے ہیں کہ ابن جمیل منافق تھا اس لیے اس نے زکوٰۃ سے انکار کر دیا تھا، پھر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُم الله ورسُوْلُه مِن فَضْلِه فَإِن يَتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ'' اور انھوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کا حال درست ہو گیا۔ (المنہل: ۹/ ۴۳)

حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ ابن جمیل تو زکوٰۃ کا انکار اس لیے کرتا ہے کہ وہ فقیر تھا اللہ اور اس کے رسول نے اسے مالدار کر دیا تو آج وہ اس کا یہ بدلہ دیتا ہے کہ زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے مالدار کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ حالتِ کفر میں فقیر تھا، اسلام لانے کے بعد فتوحات میں غنیمت کے مال سے مالدار ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غنی بنانا منع زکوٰۃ کا سبب نہیں ہو سکتا لہٰذا کوئی بھی عذر اس کے پاس نہیں ہے اور یہ تاکید

المدح بما یشبہ الذم کی قبیل سے ہے کبھی کبھی کسی چیز کی نفی میں مبالغہ اس طرح کر دیا جاتا ہے کہ اس چیز کی نفی کے بجائے ایسی چیز کا ذکر کر دیتے ہیں جس میں اس محل کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی، پس اگر ایسا کرنا مقام مدح میں ہو تو اس کو تاکید المدح بما یشبہ الذم کہتے ہیں اور اگر مقام مذمت میں ہو تو تاکید الذم بما یشبہ المدح سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "ألم ترإلى الذي حاج إبراهيم في ربه أن أتاه الله الملك"۔

حاصل یہی ہوا کہ ابن جمیل کو چاہیے کہ نعمت مال کا شکر ادا کرتا اور زکوۃ دیتا؛ لیکن اس نے اس نعمت کا کفر کیا اور زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔

قوله: وأما خالد بن الوليد: سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں اسلام لائے ہیں، ۲۱ھ میں وفات ہوئی ہے۔

حضرت خالد بن الولیدؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ وضاحت فرمادی کہ اے عمر! خالد سے تمہارا مطالبۂ زکوۃ ہی غلط ہے کیوں کہ انھوں نے تو اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا ہے، ان کے پاس جو کچھ گھوڑے یا جنگی سامان تمھیں نظر آرہا ہے وہ مالِ موقوفہ ہے اس میں زکوۃ کہاں ہے؟ لہٰذا ان سے تمہارا مطالبۂ زکوۃ ظلم ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان پر جو زکوۃ فرض تھی وہ اس کو ادا کر چکے ہیں اور اس ادائیگی میں انھوں نے ہتھیار اور جنگ کا سامان دیا ہے، لہٰذا جو سامان جہاد انھوں نے وقف کیا ہے وہ ان کی زکوۃ ہی تو ہے اس لیے کہ فی سبیل اللہ یعنی جہاد خود مصارف زکوۃ میں سے ہے۔

قوله: "وأما العباس الخ" حضرت عباسؓ سے متعلق آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دینی ضرورتوں کے مواقع پر حضرت عباسؓ سے قرض لے لیا کرتے تھے پھر یا تو اس قرض کو واپس فرما دیتے تھے یا سال پورا ہونے کی صورت میں اسے زکوۃ میں شمار کر لیا جاتا تھا، ایک موقع پر بھی ایسا ہی ہوا کہ حضور ﷺ نے ان سے اتنا قرض لیا جو دو سال کی زکوۃ کے برابر ہو گیا، اس لیے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ عباسؓ کی دو سال کی زکوۃ میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کر دوں گا، سنن دارقطنی کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے:

"إنَّا كنّا احتجنا إلى مالٍ فتعجّلْنَا من العباسِ صدقةَ مالِه لِسَنَتَيْنِ" (سنن دارقطنی: ۳/ ۳۲، حدیث/ ۲۰۱۱)

خود آگے حضرت امام ابوداودؒ بھی نقل فرما رہے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ سے تعجیل زکوۃ کے بارے میں معلوم کیا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی، مصنفؒ نے جو ترجمۃ الباب قائم کیا ہے وہ بھی اسی مناسبت سے ہے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عباس ؓ تو میرے چچا ہیں، لہٰذا ان کی زکوٰۃ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں میں خود ادا کردوں گا۔

تیسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ زکوٰۃ تو حضرت عباس پر فرض ہے وہ اسے ادا کردیں گے؛ بلکہ وہ دوگنا ادا کردیں گے، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے ان کی شان اور مقام کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا ہے۔

لیکن ترجمۃ الباب کے مناسب پہلا مطلب ہی ہے، اور اسی کی روایات سے تائید بھی ہوتی ہے۔

فقه الحديث: حضرات فقہاء نے حدیث باب سے متعدد مسائل کا استخراج کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حصولِ زکوٰۃ کے لیے ایسے افراد کو بھیجنا چاہیے کہ وہ احکام زکوٰۃ سے اچھی طرح واقف ہوں۔

(۲) غافل کو اس کی غفلت پر تنبیہ کرنی چاہیے تاکہ وہ اللہ کے حق کو ادا کرے۔

(۳) جو شخص ادائے واجب میں کوتاہی کرے اس کی عدم موجودگی میں اس پر تنبیہ کے کلمات کہے جاسکتے ہیں۔

(۴) لوگوں کو کفران نعمت سے متنفر کرنا چاہیے۔

(۵) اگر مانع زکوٰۃ بلا قتال زکوٰۃ ادا کردے اور منکر نہ ہو بلکہ محض غفلت کی وجہ سے زکوٰۃ میں کوتاہی کررہا ہے تو اس سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

(۶) اموالِ تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے، اس لیے کہ حضرت خالد بن الولید ؓ کے گھوڑے اولاً تجارت کے تھے۔

(۷) اپنے ساز وسامان، گھوڑے، زرہیں، اور ہتھیار وغیرہ کو وقف کرنا بھی جائز ہے۔

(۸) اموالِ منقولہ کا وقف بھی درست ہے۔

(۹) اموال موقوفہ خود واقف کے قبضہ میں بھی رہ سکتے ہیں۔

(۱۰) مصارف ثمانیہ میں سے کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

(۱۱) پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی درست ہے۔

(۱۲) اپنے چچا، تایا، وغیرہ کا والد کی طرح احترام کرنا چاہیے۔

۱۶۲۴- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ حُجَيَّةَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

۱۶۲۴- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في تعجيل الزكاة (۶۷۸)، وابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: تعجيل الزكاة قبل محلها (۱۷۹۵).

تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ ، قَالَ مَرَّةً: فَأَذِنَ لَهُ فِي ذٰلِكَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَحَدِيثُ هُشَيْمٍ أَصَحُّ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وجوب زکوٰۃ سے قبل ہی زکوٰۃ دینے کے متعلق دریافت کیا، آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دی۔

ابوداؤد نے کہا: کہ اس روایت کو ہشیم نے بواسطہ منصور بن زاذان بروایت حکم بسند حسن بن مسلم نبی ﷺ سے روایت کیا ہے اور ہشیم کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

رجال حدیث: الحجاج بن دینار: یہ الاشجعي الواسطي ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی اور عجلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، ابوزرعہ نے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے، ترمذی نے مقارب الحدیث کہا ہے۔

حجیة: بضم الحاء وفتح الجیم بروزن عُلَیّہ یہ حجیہ بن عدی کندی ہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، لیکن ابوحاتم نے لکھا ہے: شیخ لایحتج بحدیثه ، شبیه بالمجهول، ابن سعد نے کہا ہے: ''کان معروفًا ویس بذاك''۔

تشریح حدیث: اس حدیث کا حوالہ اور ذکر ہم باب کی پہلی حدیث کے ضمن میں کر چکے ہیں، اس میں یہ وضاحت آئی کہ حضرت عباسؓ نے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ازخود درخواست کی تھی آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

وقتِ وجوب سے قبل ادائیگی زکوٰۃ:

سال کے پورا ہونے یعنی وقتِ وجوب سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ حضرات فقہاء کرام کے نزدیک مختلف فیہ ہے، حضراتِ ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آدمی کے لیے درست ہے کہ وہ وقتِ وجوب سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دے اور ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ اس میں حضرت عباسؓ نے پیشگی ادائے زکوٰۃ کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی، البتہ ان حضرات کے یہاں یہ شرط ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے وقت نصاب موجود ہو، وجودِ نصاب سے قبل جائز نہیں ہے کیوں کہ وجود نصاب ہی سبب وجوب ہے اور سال کا گزرنا شرط ہے، اور قاعدہ ہے کہ واجب اپنے سبب سے مقدم نہیں ہوتا اگرچہ شرط پر مقدم ہو جاتا ہے۔

جب کہ مالکیہ کے نزدیک تعجیل الزکاۃ جائز نہیں ہے کیوں کہ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے جس کا وقت متعین ہے، لہٰذا وقت سے پہلے ادائیگی درست نہ ہوگی جس طرح وقت سے پہلے نماز درست نہیں ہوتی۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ قیاس ہے جس کے خلاف نص موجود ہے اس لیے اس نص کی وجہ سے قیاس کا اعتبار نہ ہوگا۔

قوله: "قال أبوداؤد: روي هٰذا الحديث هشيم الخ" یہاں سے مصنفؒ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث دوطریق سے مروی ہے، ایک میں تو مصنف کے استاذ سعید بن منصور ہیں، جن کی سند اس طرح تھی: سعيد بن منصور نا إسماعيل بن زكريا عن الحجاج بن دينار عن الحكم عن حجية عن عليٍّ. اور دوسری سند اس طرح ہے: هشيم عن منصور بن زاذان عن الحكم عن الحسن بن مسلم عن عليٍّ....

اب مصنفؒ کہہ رہے ہیں کہ سعید بن منصور کی روایت کے مقابلہ میں ہشیم کی روایت زیادہ صحیح ہے، وجہ یہ ہے کہ سعید بن منصور کی روایت میں حجیہ راوی متکلم فیہ ہیں اور مجہول کے درجہ میں ہیں، جب کہ ہشیم کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے، البتہ ہشیم کی روایت مرسل ہے، کیوں کہ اس کی سند میں حضرت علیؓ سے نقل کرنے والے حسن بن مسلم ہیں اور حسن بن مسلم کا سماع حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے۔ (المنہل: ۹/۲۴۶)

بَابٌ فِي الزَّكَاةِ هَلْ تُحْمَلُ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ؟

زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا

١٦٢٥- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا أَبِي، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَطَاءٍ، مَوْلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ زِيَادًا - أَوْ بَعْضَ الْأُمَرَاءِ - بَعَثَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ لِعِمْرَانَ: أَيْنَ الْمَالُ؟ قَالَ: وَلِلْمَالِ أَرْسَلْتَنِي، أَخَذْنَاهَا مِنْ حَيْثُ كُنَّا نَأْخُذُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَضَعْنَاهَا حَيْثُ كُنَّا نَضَعُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ زیاد نے (یا کسی اور امیر نے) عمران بن حصین کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا جب حضرت عمران لوٹ کر آئے تو ان سے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ کیا مجھے مال لانے کے لیے بھیجا تھا؟ ہم نے زکوٰۃ لی جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لیا کرتے تھے اور جہاں صرف کیا کرتے تھے وہاں صرف کر دیا (یعنی

١٦٢٥- أخرجه ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: ما جاء في عمال الصدقة (١٨١١).

مالداروں سے لے کر ناداروں میں تقسیم کردی)۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداودؒ اس باب میں ایک مقام کی زکوٰۃ دوسرے مقام کو منتقل کرنے کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں اس مسئلہ کی تفصیل ہم حدیث باب کی تشریح کے بعد بیان کریں گے۔

تشریح حدیث: زیاد بن ابی سفیان جن کو امیر معاویہؓ نے عراق کا والی بنادیا تھا انھوں نے یا ان کے علاوہ کسی دوسرے امیر نے حضرت عمران بن حصینؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا جب وہ زکوٰۃ وصول کرکے واپس آئے تو زیاد بن ابی سفیان نے معلوم کیا کہ حضرت مالِ زکوٰۃ کہاں ہے؟ اس پر حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ میں تو وہیں تقسیم کرآیا، جہاں سے وصول کی تھی، مالداروں سے لی اور غریبوں میں تقسیم کردی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم لوگ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کی وضاحت حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم** گویا حدیث باب مجمل ہے اور حضرت معاذؓ کی روایت میں اس کا بیان ہے۔

نقل زکوٰۃ کا مسئلہ:

اگر کسی شہر کی زکوٰۃ اس کے باشندوں کی ضرورت سے زائد ہو اور وہاں کے لوگوں میں مصرف زکوٰۃ موجود نہ ہو تو اس شہر کی زکوٰۃ دوسری ضرورت کی جگہ منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ وہاں سے منتقل کرنا واجب ہے؛ لیکن اگر ایک شہر کے لوگ خود ضرورت مند ہوں تو پھر اس کی زکوٰۃ کو منتقل کرکے دوسرے شہر لے جانا حضرات فقہاء کے مابین مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی نقل زکوٰۃ جائز تو ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے خود اسی شہر کے لوگوں پر خرچ کرنا بہتر ہے۔ **قوله: كره نقلها أي من بلد إلي بلد أخر لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولي، والمتبادر منه أن الكراهة تنزيهية، فلو نقلها جاز، لأن المصرف مطلق الفقراء.** (فتاویٰ شامی: ۲/ ۶۸ طبع احیاء التراث بیروت)

البتہ حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دوسرے شہر میں مزکی کا کوئی قریبی رشتہ دار کسی دوسرے شہر میں رہتا ہو تو صلہ رحمی کے پیش نظر اس پر تصدق افضل ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مسافتِ سفر سے دور کسی دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا درست نہیں ہے، **وذهب المالكية والشافعية في الأظهر والحنابلة إلى أنه لا يجوز نقل**

الزكوة إلي مايزيد عن مسافة القصر (الموسوعة الفقهية: ۲۳/۳۳۱)

اور دلیل اس سلسلہ میں سبھی حضرات کی حدیث باب اور حدیث معاذ بن جبل ؓ ہی ہے کہ "تؤخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم" (بخاری حدیث/۱۳۹۵)

پھر اگر کسی شخص نے بغیر ضرورت اور مصلحت کے اپنی زکوۃ دوسرے شہر میں منتقل کر دی تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "إنما الصدقات للفقراء والمساكين" میں مکان کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ آیت مطلق ہے سب جگہ کے فقراء کو شامل ہے، البتہ حدیث معاذ اور حدیث باب سے افضلیت اسی کی ثابت ہوتی ہے کہ ایک شہر کی زکوۃ اسی میں خرچ کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَنْ يُعْطَى مِنَ الصَّدَقَةِ، وَحَدُّ الْغِنَى

زکوۃ کے مستحقین اور مالداری کی حد کا بیان

۱۶۲۶- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ، جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُمُوشٌ، أَوْ خُدُوشٌ، أَوْ كُدُوحٌ فِي وَجْهِهِ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْغِنَى؟ قَالَ: خَمْسُونَ دِرْهَمًا، أَوْ قِيمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ.

قَالَ يَحْيَى: فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ لِسُفْيَانَ: حِفْظِي أَنَّ شُعْبَةَ لَا يَرْوِي عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ سُفْيَانُ: حَدَّثَنَاهُ زُبَيْدٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سوال کرے گا اس حال میں کہ وہ مال دار ہو تو قیامت کے دن اس کے منہ میں خموش یا خدوش یا کدوح ہوگا، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کہ آدمی کس قدر مال سے غنی یعنی مال دار کہلاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پچاس درہم سے یا اس کی قیمت کے مساوی سونے سے۔

۱۶۲۶- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء من تحل له الزكاة (۶۵۰)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: حد الغنى (۵/۹۷)، ابن ماجه: كتاب الزكاة، باب: من سأل عن ظهر الغنى (۱۸۴۰).

یحییٰ نے کہا: کہ عبداللہ بن عثمان نے سفیان سے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ شعبہ، حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کرتے، تو سفیان نے کہا: کہ ہم سے اس روایت کو زبید نے محمد بن عبدالرحمن بن یزید سے روایت کیا ہے۔

مسند ترجمہ: اس عنوان کے دو جزء ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے، اس کا مستحق کون ہے؟ دوسرا جزء یہ ہے کہ شریعت میں مالداری اور غنی کی حدود کیا ہیں؟ کون آدمی شریعت کی نظر میں مالدار ہے اور کون غریب ہے، پھر باب میں جو احادیث آئی ہیں ان میں سے بعض کا تعلق عنوان کے دونوں اجزاء سے ہے اور بعض کا صرف ایک جزء سے جس کی وضاحت ہم ابھی کر دیں گے؛ یہاں تو اولاً عنوان کے دونوں پہلوؤں کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے تو اس میں مسئلہ واضح ہے کہ جو شخص صاحبِ نصاب نہیں ہے اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

رہا دوسرا مسئلہ کہ شریعت میں مالداری اور غنی سے کیا مراد ہے؟ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اصل غنی تو شریعت میں صاحب نصاب ہونا ہی ہے، لیکن یہاں دوسرے جزء میں صاحبِ نصاب ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ غنی ہے جس کے ہوتے ہوئے بھیک مانگنا درست نہیں ہے، گویا دو باتیں الگ الگ ہیں، ایک بغیر مانگے زکوٰۃ لینا، اس کے لیے آدمی کا صرف صاحب نصاب نہ ہونا شرط ہے، اگر فرض کریں کہ ہندوستان میں آدمی تیس ہزار روپۓ میں صاحبِ نصاب ہوتا ہے لیکن اس کے پاس پچیس ہزار روپۓ ہیں تو بغیر مانگے اور سوال کیے کوئی آدمی اس کو مالِ زکوٰۃ دے تو اس کے لیے لینا جائز ہے، دوسری بات ہے سوال کرنا اور بھیک مانگنا تو اس شخص کے لیے از خود سوال کرنے اور زکوٰۃ مانگنے کی اجازت نہیں ہے۔

اب یہ کہ مال کی وہ مقدار کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟

تو اس بارے میں روایات تین طرح کی ہیں، اور روایات کے باہمی اختلاف کی وجہ سے حضرات علماء کرام کی آراء بھی مختلف ہیں چناں چہ:

ایک رائے تو یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہیں یا اس کے مساوی سونا یا کرنسی موجود ہے اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، اس رائے کی تائید باب کی پہلی حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے: ”قيل: يا رسول الله! وما الغني؟ قال: خمسون درهمًا أو قيمتها من الذهب“، اس روایت میں پچاس درہم یا اس کی بقدر سونے کو مالداری اور غنی قرار دیا گیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ غنی اور مالداری کی مقدار چالیس درہم ہے، اس رائے کی دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے: ”من سأل وله قيمة أوقية فقد ألحف“ (سنن ابوداؤد، حدیث/۱۶۲۸، سنن نسائی حدیث/۲۵۹۴) ایک

اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو اب حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے اس حال میں سوال کیا کہ اس کے پاس چالیس درہم ہیں، تو اس نے سوال کرنے میں اصرار کیا اور یہ اصرار ممنوع ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ غنی کی مقدار پچاس درہم ہے جس کے پاس پچاس درہم ہوں اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اس رائے کی دلیل سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، جس میں ہے: ''قيل: يارسول! وما يغنيه؟ قال: خمسون درهمًا أوقيمتها من الذهب'' (سنن ترمذی حدیث/ ۶۵۰، سنن ابن ماجہ حدیث/ ۱۸۴۰)

اس حدیث میں پچاس درہم یا اس کی بقدر سونے کو مالداری قرار دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اتنے مال کا مالک ہو وہ اگر سوال کرے گا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس سوال کی وجہ سے اس کے چہرے پر خراش کے نشان ہوں گے۔

اب یہ تین طرح کی روایات ہوئیں جن میں بظاہر تعارض ہے، اب اس تعارض کے حل کے لیے ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ صبح وشام والی حدیث سے چالیس اور پچاس درہم والی حدیث منسوخ ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اولاً غنی کی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس درہم بیان فرمائی پھر تدریجاً حکم میں سختی ہوئی اور حدِ غنی چالیس درہم کر دی گئی اور پھر آخر میں حد غنی کو صبح وشام کا کھانا قرار دیا گیا اور پہلے دونوں حکم منسوخ ہو گئے۔

دفع تعارض کی دوسری صورت یہ بیان کی گئی کہ روایات کا یہ اختلاف اشخاص واحوال کے اختلاف سے تعلق رکھتا ہے، بعض حضرات وہ ہیں جن کو اللہ نے مضبوط طبیعت دی ہے کہ وقتی ضرورت کا انتظام بھی ان کی طبعی فراغت کے لیے کافی ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ صبح وشام کا کھانا اگر ہو تو سوال نہ کریں، جب بعض لوگوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے یا عیال داری زیادہ ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لیے صبح وشام کا کھانا کافی نہیں ہوتا ان کے لیے چالیس اور پچاس درہم والی روایت ہے۔

دفع تعارض کا تیسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ان احادیث سے درجات کے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ پاک دامنی کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ ایک دن کے کھانے کا انتظام ہو تو بھی سوال نہ کرتے، اور اجازت اس کی بھی ہے کہ جس کے پاس چالیس پچاس درہم سے کم ہوں وہ اگر چاہے تو سوال کر سکتا ہے۔ (ایضاح البخاری: ۷/ ۱۸۱)

رجال حدیث: حکیم بن جبیر: ثقفی کوفی ہیں، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ: ضعيف منكر الحديث، امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروك الحديث، علامہ جوزجانی فرماتے ہیں: كذاب۔

تشریح حدیث: قوله: ما يُغنيهِ : یعنی مال کی وہ مقدار جو آدمی کو سوال کرنے سے غنی کر دے، جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہ رہے۔

قوله:"جاءت يوم القيامة": بعض نسخوں میں "جاء" مذکر کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کا فاعل سوال کرنے والا ہوگا، اور اگر "جاءت" مؤنث کا صیغہ ہے تو تقدیری عبارت ہوگی: جاء ت المسئلة المفهومة من قوله: "سأل" يوم القيامة..."سنن ترمذی کی روایت میں ہے: من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسئلته في وجهه خموش... مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ جو شخص بغیر ضرورت کے سوال کرے تو اس کا یہ سوال کرنا قیامت کے دن اس حال میں ظاہر ہوگا کہ اس کی ذلت اور رسوائی کے لیے اس کا چہرہ داغ دار ہوگا۔

قوله:"خموش أو خدوش أو كدوح": ان تینوں کلموں کا حرفِ اوّل مضموم ہے، اور ایک قول کے مطابق یہ تینوں کلمات متقارب المعنی ہیں، جن کا حاصل "زخم" ہے، اس تقارب کو ہم اردو زبان میں "نوچنا، چھیلنا، اور کھرچنا" سے تعبیر کر سکتے ہیں اور دوسرے قول کے مطابق ان تینوں کلمات کے معنی میں تباین بھی ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ "خموش" کے معنی ہیں کھال کو ناخونوں سے چھیلنا "خدوش" کے معنی میں لکڑی سے چھیلنا، اور "کدوح" کے معنی ہیں دانتوں سے کاٹنا اور چھیلنا۔

پھر یہ تینوں کلمات جمع بھی ہو سکتے ہیں اور مصدر بھی، وہ اس طرح کہ "خموش" جمع ہے خَمْش کی اور "خُدُوش" جمع ہے "خَدْش" کی اور "كدوح" جمع ہے "كَدْح" کی، اور مصدر اس طرح کہ خَمَشَ (ن،ض) خَمْشًا وَخُمُوشًا الْوَجْهَ: خراش لگانا، اور خَدَشَه (ض) خَدْشًا وخدوشًا: خراش لگانا، عیب لگانا، اور "كَدَحَ الوجهَ" (ف) كدحًا وكدوحًا: چہرہ نوچنا، چہرہ پر خراش لگانا۔

یہاں ان کلمات کے مابین حرفِ اَوْ شک راوی ہے، کہ راوی کو اچھی طرح یاد نہیں کہ ان تینوں میں سے حدیث میں کون سا لفظ استاذ نے بیان کیا ہے۔

یا پھر یہ حرف "أَوْ" تنویع کے لیے ہے اور حضور ﷺ کی جانب سے ہے اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آں حضرت ﷺ نے یہ تینوں کلمات بیان فرما کر سائلین کے تفاوتِ احوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کم سوال کرے گا تو زخم ہلکا ہوگا اور زیادہ سوال کرے گا تو زخم گہرا ہوگا، اور اوسط درجہ کا سوال کرے گا تو زخم بھی اوسط درجہ کا ہوگا۔

قوله:"وما الغني": یعنی غنی کی وہ مقدار کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی مالدار کہلائے؟ اور اس کے لیے سوال کرنا حرام ہو؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: پچاس درہم کی مقدار ہے، اس حدیث سے ماقبل میں نقل کردہ تیسری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

قوله: قال يحيىٰ: فقال عبدالله بن عثمان لسفيان حفظي أن شعبة لايروي عن حكيم بن جبير؟ فقال سفيان: فقد حدثناه زبيد عن محمد بن عبدالرحمن بن يزيد۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سفیان ثوری کے شاگرد عبداللہ بن عثمان نے ایک اعتراض یہ کیا کہ عبداللہ بن عثمان کہتے ہیں کہ میرے استاذ امام شعبہ حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کیا کرتے تھے، کیوں کہ ان کی نظر میں حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہیں۔ لہٰذا آپ کو بھی حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کرنی چاہیے عبداللہ بن عثمان کے اس اعتراض کا جواب سفیان ثوری نے یہ دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہیں لیکن میں اس حدیث کو صرف حکیم بن جبیر ہی سے روایت نہیں کرتا، بلکہ زبید بن حارث کوفی سے بھی اس روایت کو نقل کرتا ہوں جن کی روایت سے حکیم بن جبیر کی روایت کو تقویت حاصل ہوگئی۔

سفیان ثوری کے سامنے عبداللہ بن عثمان کے اعتراض اور پھر سفیان ثوری کے جواب کو حضرت امام ترمذیؒ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے؛ اور قرین قیاس یہ ہے کہ سفیان ثوری کی وہ روایت جو انھوں نے زبید بن حارث سے لی ہے مسنداً و متصلاً ہی ہے۔

۱۶۲۷- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَزَلْتُ أَنَا وَأَهْلِي بِبَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِي أَهْلِي: اذْهَبْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلْهُ لَنَا شَيْئًا نَأْكُلُهُ، فَجَعَلُوا يَذْكُرُونَ مِنْ حَاجَتِهِمْ، فَذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ عِنْدَهُ رَجُلًا يَسْأَلُهُ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا أَجِدُ مَا أُعْطِيكَ، فَتَوَلَّى الرَّجُلُ عَنْهُ وَهُوَ مُغْضَبٌ وَهُوَ يَقُولُ: لَعَمْرِي إِنَّكَ لَتُعْطِي مَنْ شِئْتَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَغْضَبُ عَلَيَّ أَنْ لَا أَجِدَ مَا أُعْطِيهِ، مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوقِيَّةٌ، أَوْ عِدْلُهَا، فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا، قَالَ الْأَسَدِيُّ: فَقُلْتُ: لَلِقْحَةٌ لَنَا خَيْرٌ مِنْ أُوقِيَّةٍ - وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا - قَالَ: فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَسْأَلْهُ، فَقَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ شَعِيرٌ وَزَبِيبٌ، فَقَسَمَ لَنَا مِنْهُ -أَوْ كَمَا قَالَ- حَتَّى أَغْنَانَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ كَمَا قَالَ مَالِكٌ.

ترجمہ: قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص سے روایت ہے کہ میں اور میرے اہل خانہ بقیع غرقد میں جا کر اترے، میری بیوی نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے اپنی ناداری اور غریبی بیان کر کے کھانے کے لیے کچھ لے آؤ۔

۱۶۲۷-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: الإلحاح في المسالة(۵/۹۹).

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور آپ ﷺ سے کچھ مانگ رہا ہے، اور رسول ﷺ اس کے جواب میں فرما رہے تھے: کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تجھے دوں، آخر کار وہ شخص غصہ میں اٹھ کر چلا گیا، اور کہتا جا رہا تھا کہ: میری زندگی کی قسم تم جس کو چاہتے ہو دیتے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص مجھ پر اس بنا پر غصہ ہو رہا ہے کہ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، (آپ ﷺ نے فرمایا:) جس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) یا اس کے مساوی مال ہو اور وہ اس کے باوجود سوال کرے تو اس نے پریشان کرنے کے لیے سوال کیا، یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے پاس ایک اونٹنی ایک اوقیہ سے بہتر ہے، اور ایک اوقیہ تو چالیس درہم کا ہی ہوتا ہے، یہ سوچ کر میں لوٹ کر چلا آیا اور کچھ سوال نہیں کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جو اور کشمش آئی، آپ نے اس میں ہمارا حصہ بھی لگایا، یہاں تک کہ اللہ نے ہمیں غنی کر دیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ: ثوری نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح مالک نے کیا۔

تشریح حدیث: قوله: ''رجل من بني أسد'': اس کا مصداق صحابی ہیں، البتہ ان کا نام معلوم نہیں ہے لیکن صحابی کے نام کا معلوم نہ ہونا کوئی مضر نہیں؛ اس لیے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

قوله: ''ببقيع الغرقد'': یہ اہل مدینہ کا مدفن ہے، غرقد اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں درخت وغیرہ ہوں لیکن عام قبرستان کے لیے بھی اس کا استعمال ہے، اور بقیع غرقد مدینہ والوں کا عام قبرستان تھا۔

قوله: مُغْضَبٌ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے، باب افعال سے آتا ہے بمعنی غصہ میں ہونا۔

قوله: ''لعمري إنك لتعطي من شئت'' یعنی میری زندگی کی قسم آپ مستحقین کو نہیں دیتے بلکہ اپنے اختیار سے جس کو چاہے دیتے ہیں اور جس کو چاہے نہیں دیتے ہیں۔ ''عَمْرِی'' بفتح العین وسکون المیم کلمہ قسم ہے اس طرح کا جملہ کہنے والے یا تو نئے نئے مسلمان صحابی تھے یا پھر منافق تھے۔

قوله: ''من سأل وله أوقية'' یعنی جو شخص لوگوں سے سوال کرے حالاں کہ اس کے پاس ایک اوقیہ چاندی یعنی چالیس درہم چاندی یا اس کے برابر کوئی دوسرا سامان موجود ہو تو اس نے اپنے اس سوال میں تعدی کی۔

قوله: ''فقد سأل إلحافا'': أَلْحَفَ السائلُ بمعنی اصرار کے ساتھ مانگنا، ضد کر کے مانگنا، اور یہ ممنوع ہے۔

قوله: ''لَلِقْحَةٌ لَنَا'': بفتح اللام الابتداء وکسر اللام الثانیہ، وسکون القاف بمعنی قریب الولادہ حاملہ اونٹنی، یا دودھ دینے والی اونٹنی، مطلب ان صحابی کے کہنے کا یہ تھا کہ میرے پاس تو ایک گابھن یا دودھ والی شاندار اونٹنی موجود ہے جو یقیناً ایک اوقیہ چاندی سے بھی زیادہ قیمت کی ہے، تو جب ایک اوقیہ چاندی والے کے لیے سوال کرنا مذموم ہے تو میرے لیے

بدرجہ اولیٰ مذموم ہوگا۔

فقه الحديث: اس حدیث سے دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے کہ شریعت میں مالداری کی حد چالیس درہم ہے ابوعبید قاسم بن سلام اسی کے قائل ہیں، کہ جس کے پاس چالیس درہم چاندی ہو اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: هكذا رواه الثوري كما قال مالك'': اس قول کے ذریعہ سے حدیث کی تقویت مقصود ہے کہ جس طرح اس روایت کو امام مالک نقل کرتے ہیں اسی طرح سفیان ثوری بھی نقل فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۵۲)

۱۶۲۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الرِّجَالِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ وَلَهُ قِيمَةُ أُوقِيَّةٍ، فَقَدْ أَلْحَفَ ، فَقُلْتُ: نَاقَتِي الْيَاقُوتَةُ هِيَ خَيْرٌ مِنْ أُوقِيَّةٍ - قَالَ هِشَامٌ: خَيْرٌ مِنْ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا - فَرَجَعْتُ، فَلَمْ أَسْأَلْهُ شَيْئًا، زَادَ هِشَامٌ فِي حَدِيثِهِ: وَكَانَتِ الْأُوقِيَّةُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا.

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص سوال کرے اس حال میں کہ اس کے پاس ایک اوقیہ کے برابر مال ہو تو اس نے الحاف کیا (لگ لپٹ کر مانگا اور یہ ممنوع ہے) میں نے کہا: میرے پاس ایک اونٹنی ہے جس کا نام یاقوتہ ہے وہ چالیس درہم سے بہتر ہے، میں لوٹ کر چلا آیا اور آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا، ہشام کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

تشريح حديث: اس حدیث سے بھی دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں بھی چالیس درہم والے شخص کو مالدار قرار دیا گیا ہے۔

''الياقوتة'' یہ حضرت ابوسعید خدری ؓ کی اونٹنی کا نام تھا

۱۶۲۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُهَاجِرِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ، حَدَّثَنَا سَهْلُ ابْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ، قَالَ: قَدِمَ

۱۶۲۸-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: الإلحاف في المسألة (۹۸/۵).
۱۶۲۹-أخرجه أحمد في مسنده (۱۸۰/۴).

عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ، وَالْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ، فَسَأَلَاهُ، فَأَمَرَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَا، وَأَمَرَ مُعَاوِيَةَ فَكَتَبَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَا، فَأَمَّا الْأَقْرَعُ فَأَخَذَ كِتَابَهُ، فَلَفَّهُ فِي عِمَامَتِهِ وَانْطَلَقَ، وَأَمَّا عُيَيْنَةُ فَأَخَذَ كِتَابَهُ، وَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانَهُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَتُرَانِي حَامِلًا إِلَى قَوْمِي كِتَابًا لَا أَدْرِي مَا فِيهِ، كَصَحِيفَةِ الْمُتَلَمِّسِ، فَأَخْبَرَ مُعَاوِيَةُ بِقَوْلِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيهِ، فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ - وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ - فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا يُغْنِيهِ ؟ - وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ؟ - قَالَ: قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ . - وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: أَنْ يَكُونَ لَهُ شِبْعُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، أَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ -، وَكَانَ حَدَّثَنَا بِهِ مُخْتَصَرًا عَلَى هَذِهِ الْأَلْفَاظِ الَّتِي ذَكَرْتُ.

ترجمہ: حضرت سہل بن حنظلیہ سے روایت ہے کہ عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا، انہوں نے جو مانگا تھا آپ ﷺ نے ان کو وہ دینے کا حکم کیا، اور معاویہ کو حکم دیا ان کے واسطے ایک تحریر لکھ دینے کا۔ اقرع نے تو وہ تحریر لے کر اپنے عمامہ میں لپیٹ لی اور چلے۔ لیکن عیینہ وہ تحریر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بولے: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے پاس ایسی تحریر لے کر جاؤں جس کا مضمون مجھے معلوم نہیں، جیسا کہ متلمس کا صحیفہ تھا؟ معاویہ نے ان کی یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: جو سوال کرے گا غناء کے ساتھ تو گویا وہ زیادہ کرتا ہے جہنم کی آگ کو۔ ایک دوسری جگہ نفیلی نے کہا: جہنم کے انگاروں کو۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! غناء کا مفہوم کیا ہے؟ - اور ایک دوسرے مقام پر نفیلی نے کہا: کہ وہ کیا غنا ہے جس سے سوال حرام ہوتا ہے؟ - آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس صبح اور شام کا کھانا موجود ہو۔ ایک روایت میں نفیلی نے کہا: جس کے پاس ایک دن رات کے لیے پیٹ بھر کر کھانے کے لیے موجود ہو۔ ابوداؤد نے کہا: کہ یہ حدیث جو ہم نے ذکر کی ہے نفیلی نے مختصر طور پر بیان کی۔

رجال حدیث: ابو کبشة السلولی: ان کا نام براء بن قیس ہے اور ثقہ راوی ہیں، مسلم اور ابن ماجہ کے علاوہ دیگر کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

عيينة بن حصن: ان کی کنیت ابو مالک اور اصل نام حذیفہ ہے، عیینہ اصل نام نہیں ہے بلکہ عیینہ کی وجہ تسمیہ تو یہ ہی کہ ان کو لقوہ کی بیماری لاحق ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں ابھر آئی تھیں، عرب سرداروں میں سے تھے، ابو حاتم سجستانی نے کتاب الوصایا میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے والد حصن بن حذیفہ کو کرز بن عامر نے نیزہ مار کر زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے جب وہ قریب الموت ہوئے اور زخم کی شدت بڑھنے لگی تو انھوں نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا جن کی تعداد دس تھی، اور ان بیٹوں سے کہا کہ: ''الموت أريح مما أنا فيه فأيكم يطيعني؟'' یعنی اس زخم کی تکلیف سے زیادہ آرام دہ تو موت ہی ہے، لہٰذا اس بارے میں تم میں سے کون میری اطاعت کرے گا؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے ہر ایک آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہے، چناں چہ حصن نے سب سے پہلے بڑے بیٹے سے کہا کہ تلوار کو میرے سینے پر گاڑھ کر دباؤ یہاں تک کہ کمر سے نکل جائے، بیٹے نے کہا کہ کیا کوئی بیٹا اپنے والد کو قتل کر سکتا ہے؟ حصن نے ہر ایک بیٹے سے یہی کہا مگر ہر ایک یہی جواب دیتا رہا، اخیر میں جب عیینہ کی باری آئی تو اس نے کہا کہ: آپ کی اطاعت ہی میرے لیے ضروری ہے اور آپ کی اطاعت ہی میں آپ کے لیے راحت بھی ہے اس لیے آپ جو کہیں میں کرنے کے لیے تیار ہوں، حصن نے جواب دیا کہ میں تو آپ لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم میں میری زندگی میں میرا کون زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، یقیناً جو زندگی میں میرا زیادہ مطیع ہوگا وہ مرنے کے بعد بھی مطیع ہوگا، اس لیے اے عیینہ! آج ہی سے تم میرے بعد قوم کے سردار ہو اور میری ریاست تمہارے لیے ہے، اور قوم کو بھی ان کی سرداری کی اطلاع کر دی، بعد میں انھوں نے ہی اپنے والد حصن کے قاتل کرز بن عامر عقیلی کو قتل کیا۔

فتح مکہ کے بعد اسلام لائے ہیں اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے ہیں، مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، اور سخت مزاج تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔ اور طلیحہ الاسدی کے ساتھ ہو گئے مگر دور ابوبکر صدیق میں ہی قید ہو کر لائے گئے تو مدینہ کے بچوں نے انکو کہا: أكفرت بعد إيمانك؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ: ''ما آمنت بالله طرفة عين'' کہ اب تک میں ایمان لایا ہی نہیں تھا، اس کے بعد پھر مسلمان ہو گئے اور حالتِ اسلام ہی میں وفات ہوئی ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''الأحمق المطاع'' بے وقوف سردار فرمایا تھا۔

أقرع بن حابس: أَقْرَع ان کا لقب ہے اصل نام فراس ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی ساداتِ عرب میں شمار ہوتے تھے اور زمانہ اسلام میں بھی شرفاء میں سمجھے جاتے تھے، قبیلہ بنو تمیم کے سردار تھے، لوگ ان کے فیصلہ کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی عجیب ہے جس کا اختصار یہ ہے کہ یہ وفد بنو تمیم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے قبیلہ کا فخر اور بڑائی بیان کی، نظم میں بھی اور نثر میں بھی؛ لیکن مسلمانوں کی طرف سے حضرت حسان بن

ثابتؓ نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف اور خوبیوں کو بیان کیا اور پھر اسلام کی حقانیت کو اجاگر فرمایا، کافی دیر تک مناظرہ کی سی یہ شکل رہی یہاں تک حضرت اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور کہا: ''يا هؤلاء ما أدري ماهٰذا الأمر، تكلم خطيبنا فكان خطيبهم ارفع صوتًا، وتكلم شاعرنا فكان شاعرهم أرفع صوتًا واحسن قولاً'' اور پھر پیغمبر علیہ السلام کے قریب جا کر کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہو گئے، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور طائف میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے؛ حنین کے مال غنیمت میں سے ان کو سو اونٹ ملے تھے، ۳۱ھ میں وفات ہوئی ہے۔

تشریح حدیث: عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لیے آئے، پیغمبر علیہ السلام نے اپنے کاتب حضرت معاویہؓ کو حکم فرمایا کہ ان کے لیے فلاں عامل کے نام میری جانب سے تحریر لکھ کر دے دو کہ عیینہ کو اتنا دے دیں، اور اقرع کو اتنا، حضرت معاویہؓ نے تحریر لکھ کر دے دی کہ اس کو لے کر فلاں عامل زکوٰۃ کے پاس چلے جاؤ اور اس میں لکھا ہوا مال وصول کر لو، اقرع بن حابس نے تو اس تحریر کو اپنے عمامہ میں رکھ لیا اور جس عامل کے پاس بھیجا اس کے پاس چلے گئے، لیکن عیینہ بن حصن کو اس تحریر پر اعتماد نہ ہوا تو اس تحریر کو لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں اپنی قوم کے پاس ایسی تحریر لے کر جاؤں جس کے بارے میں مجھے معلوم بھی نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے، یہ تو ایسی تحریر ہے جیسا کہ ''صحيفة متلمس'' تھا۔

صحیفۂ متلمس ایک مثل تھی جو عربوں کے یہاں بڑی مشہور تھی ایسے موقع پر بولی جاتی تھی جب کوئی شخص خود ہی اپنی موت کی سعی اور کوشش کر رہا ہو اس مثل کا پس منظر یہ تھا۔

صحیفۂ متلمس:

طرفہ بن العبد اور جریر بن عبدالمسیح ''المتلمس'' دو شاعر تھے، انھوں نے بادشاہ عمرو بن ہند کی ہجو کی، جس کی اطلاع بادشاہ کو ہو گئی تو اس نے ان دونوں کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا کہ اس کو عامل بحرین کے پاس لے جاؤ اور ان سے انعام لے لینا، حالاں کہ بادشاہ نے خط میں عامل کے نام یہ لکھا تھا کہ ان دونوں کو قتل کر دینا، یہ دونوں شاعر خوشی خوشی اپنے اپنے خط کو بحرین کی طرف لے کر روانہ ہو گئے، نجف میں ان کی ملاقات ایک بوڑھے شخص سے ہوئی، اس کی حالت عجیب تھی کہ وہ ایک وقت میں تین کام کر رہا ہے، استنجاء بھی کر رہا ہے، ایک ہاتھ سے روٹی کھا رہا ہے اور ایک ہاتھ سے اپنے کپڑوں کی جوئیں مار رہا ہے، متلمس نے اس کو دیکھ کر کہا: ''مارأيت كاليوم شيخا أحمق'' کہ میں نے آج کی طرح بے وقوف بوڑھے کو نہیں دیکھا، اس بوڑھے نے کہا کہ اس میں حماقت کی کیا بات ہے ''أخرج خبيثًا، وأدخل طيبًا،

واقتل عدواً" کہ میں گندی چیز کو اپنے اندر سے نکال رہا ہوں، اچھی چیز کو داخل کر رہا ہوں اور دشمن کو قتل کر رہا ہوں۔
متلمس نے اس بوڑھے کی بات سے اپنے بارے میں کچھ شبہ محسوس کیا اور اپنے خط کو کھولا تو اس میں لکھا تھا "أما بعد: فإذا أتاك المتلمس بكتابنا هٰذا، فاقطع يديه ورجليه، وادفنه حيًا" یعنی بادشاہ نے عامل بحرین کے نام یہ لکھا تھا کہ جب متلمس شاعر تمہارے پاس آئے تو اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینا اور زندہ دفن کر دینا، متلمس نے خط کو پھاڑ کر نہر میں ڈال دیا اور نجات پا گیا۔
پھر اس نے اپنے ساتھی طرفہ سے کہا کہ متہارے خط میں بھی یہی لکھا ہوگا اس لیے اس کو دیکھ لو، طرفہ نے کہا کہ میں نہیں کھولوں گا چناں چہ متلمس تو ملک شام کی طرف چلا گیا اور نجات پا گیا اور طرفہ بحرین پہنچا اور عامل بحرین کو خط پیش کیا، اس نے خط پڑھا تو اس میں بھی طرفہ کے قتل کا حکم لکھا تھا چناں چہ طرفہ کو قتل کر دیا گیا۔
یہ ہے وہ صحیفۂ متلمس کا واقعہ جس کی طرف عیینہ بن حصن نے اشارہ کیا ہے۔

قوله: "فأخبر معاويةُ بقوله رسول الله صلى الله عليه وسلم" حضور اکرم ﷺ کو صحیفۂ متلمس کا مطلب معلوم نہ تھا تو حضرت معاویہؓ نے آپ ﷺ سے متلمس جس کا ذکر عیینہ بن حصن نے کیا تھا کا مطلب بیان کر دیا، معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ اس ضرب المثل کلام کا مطلب جانتے تھے تب ہی تو انھوں نے حضور ﷺ کے سامنے اس کی تشریح پیش فرمائی۔

قوله: "فإنما يستكثر من النار" یعنی یہ سائل بلا ضرورت کے لوگوں سے سوال کر کے مال جمع کرتا ہے جس کی وجہ سے مستحق دخول نار ہوتا ہے۔

قوله: "وقال النفيلي في موضع أخر من جمرجهنم" یعنی مصنفؒ کے استاذ عبداللہ النفیلی نے اس حدیث کو دو مرتبہ بیان کیا ہے، ایک مرتبہ الفاظ یہ تھے: "فإنما يستكثر من النار، فقالوا: وما يغنيه؟ فقال صلى الله عليه وسلم: قدرما يغديه ويعشيه" اور دوسری مرتبہ الفاظ یہ تھے: "من سأل وعنده ما يغنيه فإنما يسكتثر من جمر جهنم ، فقالوا: وما الغني الذي لاينبغي معه المسالة؟ فقال: أن يكون له شبع يوم وليلة، أوليلة ويوم"۔

قوله: "شبع يوم وليلة" شین کے کسرہ کے ساتھ کھانے کی وہ مقدار جو آدمی کو دن بھر کے لیے کافی ہو جائے۔

قوله: "وكان حدثنا به مختصراً" یعنی نفیلی نے اس حدیث کو امام ابوداؤد سے ہر مرتبہ میں مختصر اً ہی بیان فرمایا ہے جیسا کہ الفاظ ماقبل میں مذکور ہوئے؛ لیکن مسند احمد (۲۹/۱۶۵/حدیث: ۱۷۶۲۵ طبع موسسۃ الرسالۃ) میں یہ روایت مفصل ہے۔

۱۶۳۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ، أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ، فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا، قَالَ: فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ، حَتَّى حَكَمَ فِيهَا هُوَ، فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ.

ترجمہ: حضرت زیاد بن حارث صدائی سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے بیعت کی اور طویل قصہ بیان کیا پھر یہ کہا ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا صدقہ میں سے مجھے بھی کچھ دیجیے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی صدقہ کے بارے میں کسی پیغمبر وغیرہ کے حکم پر راضی نہیں ہوا بلکہ خود ہی اسکا حکم دیا ہے اور آٹھ قسم کے آدمیوں پر صدقہ کو تقسیم کیا اگر تو ان آٹھ آدمیوں میں سے کسی قسم میں شامل ہے تو میں تجھے دوں گا اور وہ تیرا حق ہوگا۔

تشریح حدیث: یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے، طویل روایت امام مزیؒ نے نقل کی ہے جو تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے۔

قوله: "فبايعته" حضرت زیاد صدائیؓ فرمارہے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی اور یہ عہد کیا کہ میں اسلام کے تمام احکامات پر عمل کروں گا، اطاعت اور فرماں برداری کروں گا۔

قوله: "إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره الخ" یعنی زکوۃ کی تقسیم کا معاملہ اللہ تعالی نے نبی یا غیر نبی کے ہاتھ اور اختیار میں نہیں رکھا ہے کہ جس کو چاہیں دے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، بلکہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب قرآن پاک میں مستحقین زکوۃ کی اقسام کو از خود بیان فرمادیا ہے، اللہ کی بیان کردہ انھیں اقسام میں زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے ان اصناف ثمانیہ کے علاوہ میں مثلاً مساجد کی تعمیر، راستوں کی پختہ کاری وغیرہ میں مال زکوۃ خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے، اللہ رب العزت نے جن آٹھ اقسام زکوۃ کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے وہ سب اس آیت میں جمع ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ (توبہ/۶۰)

۱۶۳۰- تفرد بہ ابو داؤد

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا، محتاجوں کا، صدقات پر متعین کارکنان کا، جن کی دل جوئی کرنا منظور ہے ان کا، غلاموں کی گردن چھڑانے میں، قرضداروں کے قرضہ میں، جہاد میں، مسافروں میں، یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم صدقات مفروضہ یعنی زکوۃ کے معاملہ میں پیغمبر علیہ السلام پر طعن کیا گیا تو اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوگئی کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ کار خدا کا مقرر کیا ہوا ہے، اس نے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی ہے، اللہ کی عطا کردہ اسی فہرست کے مطابق رسول اللہ ﷺ تقسیم فرمایا کرتے تھے، کسی کی خواہش کے تابع نہیں تھے، ان مصارف ثمانیہ کا اجمال یہ ہے:

(۱) فقراء، جن کے پاس کچھ نہ ہو۔

(۲) مساکین، جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو۔

(۳) عاملین، جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں۔

(۴) مؤلفۃ القلوب، جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہو، اکثر علماء کے نزدیک یہ مصرف منسوخ ہے۔

(۵) رقاب، یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کئے جائیں، یا اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرایا جائے۔

(۶) غارمین، جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بارے میں دب گئے۔

(۷) سبیل اللہ، جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے۔

(۸) ابن السبیل، مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو کو مکان پر دولت رکھتا ہو۔

یہ ہیں وہ آٹھ مصارف زکوۃ جن کی طرف سے حضور ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ اے سائل! اگر تم ان میں سے کسی میں شامل ہو تو میں تم کو مال زکوۃ دے سکتا ہوں۔

۱۶۳۱- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ، وَلَكِنَّ الْمِسْكِينَ الَّذِي

۱۶۳۱- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: قول الله تعالى: {لا يسألون الناس إلحافا} (۱۴۷۶)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: المسكين الذي لا يجد غنى ولا يفطن له فيتصدق عليه (۱۰۳۹)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: تفسير المسكين

لَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا، وَلَا يَفْطِنُونَ بِهِ فَيُعْطُونَهُ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں ہے جو در بدر پھرتا ہے اور ایک ایک دو دو کھجور اور ایک ایک دو لقمے پاتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور نہ لوگ اسکے حال سے واقف ہیں کہ اسکو کچھ دیں۔

لغاتِ حدیث: تَرُدُّہ: باب نصر سے بمعنی ہٹانا، یعنی اس کو ایک دو لقموں کا مل جانا دروازہ سے ہٹا دیتا ہے۔

الأُكْلَةُ: بضم الہمزہ وسکون الکاف بمعنی لقمہ، اور ''الأکلتان'' اس کا تثنیہ ہے۔

یفطنون: یہ باب کرم، نصر اور سمع سے آتا ہے، بمعنی جان لینا سمجھ لینا۔

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیت: إنما الصدقات للفقراء والمساکین الخ میں مسکین سے مراد فقط وہی نہیں ہے جو عرفِ عام میں مسکین جانے جاتے ہوں اور جن کا پیشہ ہی گداگری اور بھیک مانگنا ہو، جو در در پھر کر صدا لگاتے ہیں یا لوگوں کی گذرگاہوں پر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دست سوال دراز کرتے ہیں اور جنھیں ایک دو کھجور یا روٹی کا ایک آدھ ٹکڑا دے کر رخصت کر دیا جاتا ہے، یا کوئی ادنیٰ سکہ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے، بلکہ آیت میں مسکین سے مراد وہ ہے جو ضروریات بشری کی احتیاج رکھنے کے باوجود شرم وحیا اور عفت نفس کی وجہ سے اپنی ضرورت مندی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتا اور لوگوں سے سوال نہیں کرتا، لہٰذا تلاش وجستجو کر کے ایسے باغیرت ضرورت مندوں کو زکوٰۃ دینا چاہیے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ اور مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ مسکین وہی ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، قرآن پاک میں ''أو مسکینا ذا متربة'' میں بھی اسی کی تائید ہے۔

حدیث میں اس محتاج کی مدح اور تعریف ہے جو حیاء کی وجہ سے سوال نہیں کرتا، نیز ایسے ہی محتاج کو زکوٰۃ دینے کی ترغیب بھی ہے۔

۱۶۳۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَبُو كَامِلٍ الْمَعْنَى، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِثْلَهُ، قَالَ: وَلَكِنَّ الْمِسْكِينَ الْمُتَعَفِّفُ ،

۱۶۳۱- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: قول الله تعالى: {لايسألون الناس إلحافا} (۱۴۷۶)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: المسكين الذي لايجد غنى ولا يفطن له فيتصدق عليه (۱۰۳۹)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: تفسير المسكين

زَادَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ: لَيْسَ لَهُ مَا يَسْتَغْنِي بِهِ، الَّذِي لَا يَسْأَلُ وَلَا يُعْلَمُ بِحَاجَتِهِ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ فَذَاكَ الْمَحْرُومُ ، وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ: الْمُتَعَفِّفُ الَّذِي لَا يَسْأَلُ ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَجَعَلَا الْمَحْرُومَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ، وَهُوَ أَصَحُّ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا (جیسا کہ پہلی حدیث میں گذرا) لیکن مسکین متعفف (یعنی بچنے والا مسکین) مسدد نے اپنی حدیث میں اسکی تعریف یوں کی ہے کہ جس کے پاس اتنا مال نہیں جو اسکی محتاجی کو رفع کر سکے لیکن وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور نہ اسکی ضروریات کا لوگوں کو علم ہے کہ اسکے پاس صدقہ آئے اسی کو محروم کہتے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ محمد بن ثور اور عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا کہ المحروم زہری کا قول ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ابو صالح تھے اور اس میں ابو سلمہ ہیں، ابو سلمہ کی اس روایت میں حدیث کے دوسرے جزء: "ولكن المسكين" سے الفاظ کچھ الگ ہیں ار ابو صالح کے الفاظ الگ تھے۔

پھر ابو سلمہ کی نقل کردہ روایت کو مصنفؒ کے تین اساتذہ نے بیان کیا ہے، مسدد، عبیداللہ اور ابو کامل نے ان میں سے عبیداللہ اور ابو کامل کے الفاظ تو یہ ہیں:

"ولكن المسكين المتعفف الذي لا يسأل الناس ولا يعلم بحاجته فيتصدق عليه، فذاك المحروم"

اور مسدد کے الفاظ یہ ہیں:

"ولكن المسكين ليس له مايستغني به ولايعلم بحاجته فيتصدق عليه فذاك المحروم" یعنی مسدد نے "المتعفف الذي لايسأل الناس" کی جگہ "ليس له مايستغني به" نقل کیا ہے۔

پھر مصنفؒ نے ایک اختلاف معمر کے تلامذہ کا اور بیان کیا ہے کہ معمر کے دو شاگردوں محمد بن ثور اور عبدالرزاق نے اس کلام "فذاك المحروم" کو زہری کا کلام قرار دیا ہے، اور مصنفؒ اس کو کلامِ زہری ہونا ہی صحیح قرار دے رہے ہیں۔

علی کل حال حاصل روایت کا یہ ہے کہ اصل مسکین وہ ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ صدقہ سے محروم رہ جاتا ہے؛ کیوں کہ اس کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے لوگ اس کی حاجت کو جان نہیں پاتے کہ اس کو صدقہ دیں۔

۱۶۳۲ - أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: تفسير المسكين (۵/ ۸۶).

۱۶۳۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ: أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَهُوَ يُقَسِّمُ الصَّدَقَةَ، فَسَأَلَاهُ مِنْهَا، فَرَفَعَ فِينَا الْبَصَرَ وَخَفَضَهُ، فَرَآنَا جَلْدَيْنِ، فَقَالَ: إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا، وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ، وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عدی بن الخیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے مجھے خبر دی کہ ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ صدقہ بانٹ رہے تھے انہوں نے آپ ﷺ سے مانگا آپ ﷺ نے نگاہ اٹھا کر انکو دیکھا پھر نظر جھکالی آپ ﷺ نے پایا کہ یہ دونوں آدمی تندرست جوان ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو صدقہ دے دوں گا لیکن صدقہ میں اس شخص کا کوئی حق نہیں جو غنی ہو یا صحت مند ہو اور کمانے کے لائق ہو۔

رجال حدیث: عبید اللہ بن عدی بن الخیار: ابن سعد نے الطبقات میں تابعی قرار دیا ہے، علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے سال یہ چھوٹے تھے، اس لیے ان کو بعض نے حضراتِ صحابہ میں شمار کیا ہے۔

الرجلان: ان دونوں کا نام معلوم نہیں ہے، لیکن صحابی ہیں؛ اس لیے ان کی جہالت مضر نہیں ہے۔

تشریح حدیث: حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مالِ زکوۃ تقسیم فرمارہے تھے کہ دو آدمی طاقت ور آئے اور انھوں نے بھی اس مالِ زکوۃ میں کچھ مانگا، ان دونوں حضرات کا بیان تھا کہ ہمارے مانگنے پر آں حضرت ﷺ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک سرتا پیر دیکھا، جب ہم دونوں کا قوی اور توانا ہونا آپ ﷺ کے ملاحظہ میں آیا تو فرمایا: اگر تم دونوں کچھ لینا ہی چاہتے ہو تو کہو میں تم کو دے دیتا ہوں، لیکن یہ سمجھ لو کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں مستحق زکوۃ نہیں ہو اور زکوۃ کے اس مال میں نہ تو غنی کا حصہ ہے اور نہ ہی اس نادار قوی کا جو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کمانے پر قادر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کے لیے صدقہ کھانا ہی حرام ہے اور آپ ﷺ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ اگر تم حرام ہی کھانا چاہو تو کہو تمھیں دے دوں گا، گویا آپ ﷺ نے یہ بات ان سے زجر وتوبیخ کے طور پر فرمائی ہے جب کہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو توانا اور تندرست نادار، محنت کر کے کما سکتا ہو اس کا زکوۃ لینا اگر چہ جائز ہے، مگر مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر ان کے لیے اخذ زکوۃ حرام ہوتا تو پیغمبر علیہ السلام دینے کو ان کے اختیار پر معلق نہ فرماتے، پس حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے سوال کرنے کی تو اجازت نہیں لیکن اگر بغیر سوال کے مالِ زکوۃ مل جائے تو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا" أن عليهم صدقة تؤخذ من

۱۶۳۳- أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: مسألة القوي المكتسب (۵/ ۱۰۰).

أغنيائهم وترد في فقرائهم '' جس سے واضح ہوتا ہے کہ اغنیاء پر زکوۃ ہے اور فقراء اگر چہ قوی اور توانا ہوں مستحق زکوۃ ہیں۔(المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۶۴)

فقه الحديث: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کے سوال کرنے کی حرمت کی دلیل ہے۔

۱۶۳۴-حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى الْأَنْبَارِيُّ الْخُتُّلِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ رَيْحَانَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، كَمَا قَالَ إِبْرَاهِيمُ. وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ قَالَ: لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ ، وَالْأَحَادِيثُ الْأُخَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضُهَا: لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ، وَبَعْضُهَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ زُهَيْرٍ: أَنَّهُ لَقِيَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو، فَقَالَ: إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِقَوِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ

ترجمه: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ حلال نہیں ہے غنی کے واسطے اور طاقتور مضبوط آدمی کے واسطے۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ اسکو سفیان نے سعد بن ابراہیم سے اس طرح روایت کیا ہے جسے ابراہیم نے روایت کیا ہے اور شعبہ نے سعد سے روایت کرتے ہوئے لذی مرۃ قوی کہا ہے اور نبی ﷺ سے بعض دوسری روایات میں لذی مرة قوی ہے اور بعض میں لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ ہے عطاء بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ الفاظ ذکر کئے إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِقَوِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ۔

تشريح حديث: حدیث پاک میں دو آدمیوں کے لیے مال زکوۃ کو غیر حلال بتایا گیا ہے۔

(ا) غنی: غنی کے معنی ہیں مالدار، صاحب حیثیت، ملا علی القاریؒ نے زکوۃ کے حوالہ سے غنی کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں: ایک وہ مالدار جس پر زکوۃ کا نکالنا فرض ہوتا ہے یعنی وہ جو کہ نامی نصاب یا اس سے زیادہ کی مالی حیثیت کا مالک ہو اور نصاب پر پورا سال گزر گیا ہو، دوسرے وہ جو ایسی مالیت کا مالک ہو جس کے لیے زکوۃ کا لینا حرام ہوتا ہے، اور جس کے لیے صدقہ فطر کا نکالنا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے، یعنی وہ شخص جس کے پاس دو سو درہم کے برابر ضروریات اصلیہ سے زائد سامان موجود ہو، یعنی وہ صاحب نصاب ہو لیکن حولانِ حول کی شرط نہ ہو، تیسرے وہ شخص ہے جس کے لیے سوال کرنا تو حرام ہے مگر بے مانگے زکوۃ کا لینا حلال ہے، اور ایسا آدمی وہ ہے جس کے پاس ایک دن کا بدر کفایت غذائی سامان اور ستر ڈھکنے کی بقدر کپڑا موجود ہو۔(مرقاۃ المفاتیح: ۴/ ۲۹۵)

۱۶۳۴-أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: من لا تحل له الصدقة (۶۵۲).

(۲) دوسرا شخص جس کے لیے زکوٰۃ کا حلال نہ ہونا مذکور ہے وہ ہے جس کو ''ذي مرّة سويّ'' سے تعبیر کیا گیا ہے ''مرّة'' بکسر المیم بمعنی قوی اور طاقت ور، اور ''سويّ'' بکسر الواؤ بمعنی تندرست، صحیح الاعضاء پس جو شخص غنی تو نہیں ہے؛ لیکن ایسا قوی اور توانا اور تندرست ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بقدر کفایت روزی کما سکتا ہے اس کے لیے اگر چہ زکوٰۃ لینا بغیر سوال کیے ہوئے جائز تو ہے کیوں کہ وہ مالک نصاب نہیں ہے، مگر مناسب نہیں ہے کہ محنت مزدوری کی باعزت روزی چھوڑ کر زکوٰۃ لینے کی ذلت اٹھائے۔

البتہ شوافع حضرات نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے کہ وہ نادار جو کمانے پر قادر ہو اس کے لیے بغیر مانگے بھی زکوٰۃ لینا حلال نہیں ہے۔

ہمارا استدلال ان روایات سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نادار صحابہ کو زکوٰۃ وصدقہ کا مال دیتے تھے؛ اگر چہ وہ توانا اور تندرست ہوتے تھے اور اخیر تک آپ کا یہ عمل رہا ہے اور یہ حدیث تو کمالِ حلت کی نفی پر محمول ہے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: ورواه سفيان عن سعد بن إبراهيم كما قال إبراهيم'' اس قَالَ ابوداؤد کا مطلب یہ ہے کہ ریحان بن یزید کے شاگرد سعد بن ابراہیم سے نقل کرنے والے تین حضرات ہیں، ایک خود ان کے بیٹے ابراہیم بن سعد، دوسرے سفیان ثوری اور تیسرے شعبہ، اب مصنفؒ نے متن میں جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ ابراہیم بن سعد کے ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ کے الفاظ متن میں نہیں ہیں لیکن مصنفؒ نے ان کی وضاحت فرمائی کہ سفیان ثوریؒ نے تو ابراہیم بن سعد کی طرح ہی الفاظ نقل کیے ہیں اور کہا ہے: لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سويّ جب کہ شعبہ نے الفاظ کے نقل کرنے میں فرق کیا ہے اگر چہ فرق بہت زیادہ نہیں بلکہ صرف کلمہ ''سَوِيّ'' کی جگہ کلمہ ''قَوِيّ'' نقل کیا ہے، باقی الفاظ مساوی ہیں۔

مگر صاحبِ منہل نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک اختلاف ان تینوں (ابراہیم بن سعد، سفیان ثوری، اور شعبہ) میں یہ بھی ہے کہ شعبہ نے اس روایت کو سعد بن ابراہیم سے موقوفاً بھی نقل کیا ہے، چناں چہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ''قد روي شعبة عن سعدبن إبراهيم هٰذا الحديث بهٰذا الإسناد ولم يرفعه'' (سنن ترمذی، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقه، حدیث/ ۶۵۲) امام طحاویؒ نے بھی شعبہ کی روایت کو موقوفاً ہی نقل کیا ہے۔

قوله: ''والأحاديث الأخر عن النبي صلى الله عليه وسلم بعضها لذي مرة قوي وبعضها لذي مرة سويّ'' یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث کے علاوہ دیگر صحابہ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عدی بن خیارؓ وغیرہ کی روایات میں سے بعض میں ''لذي مرة قوي'' ہے اور بعض میں ''لذي مرة سويّ''

ہے، بلکہ بعض میں دونوں کو جمع ہی کر دیا گیا ہے، جیسا کہ سنن دارقطنی کی روایت میں ہے: ''إنها لا تصلح لغني ولا لصحيح سوي، ولا لعامل قوي'' (سنن دارقطنی: ۲/ ۲۳، حدیث/ ۱۹۹۳)

قوله: قال عطاء بن زهير الخ: عطاء بن زہیر نے جب صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انھوں نے بھی ''قَوِيّ'' اور ''سَوِيّ'' دونوں ہی جملہ استعمال فرمائے، اب یہاں یہ واضح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً یہ دونوں کلمات نقل کیے یا موقوفاً۔ واللہ اعلم

خلاصة الباب: اس باب میں مصنف رحمہ اللہ نے کل نو احادیث نقل فرمائی ہیں، جن سے مجموعی طور پر ایک تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بغیر حاجت اور ضرورت کے سوال کرنا کراہت سے خالی نہیں اور دوسرے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ زکوۃ میں جن لوگوں کا حق نہیں ہے ان کو نہیں دینی چاہیے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے (مانگنے) سے متعلق پانچ احکامات ہیں:

(۱) جو آدمی غنی ہو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔

(۲) ضرورت مند ہو لیکن سوال کرنے میں اصرار کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے۔

(۳) جو کسب معاش سے عاجز ہو اور بغیر اصرار کے سوال کرے اس کے لیے سوال کرنا مباح ہے۔

(۴) مضطر شخص کے لیے احیاء نفس کی وجہ سے سوال کرنا واجب ہے۔

(۵) باحیاء پاک باز انسان جو فقیر و محتاج ہو لیکن شرم و حیاء کی وجہ سے سوال نہیں کرتا تو کوئی دوسرا شخص لوگوں سے اس کے لیے سوال کرے تو یہ مندوب اور مستحب ہے؛ جیسا کہ مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کے لیے سوال کیا جاتا ہے۔ (ملخص از المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۶۶)

بَابُ مَنْ يَجُوزُ لَهُ أَخْذُ الصَّدَقَةِ وَهُوَ غَنِيٌّ

وہ شخص جس کے لیے باوجود مال دار ہونے کے صدقہ لینا جائز ہے

۱۶۳۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ،

۱۶۳۵- أخرجه ابن ماجة: ۱/ ۵۹۰، كتاب الزكاة: باب من تحل له الصدقة، حديث/ ۱۸۴۱، وأحمد: ۳/ ۵۶، والدارقطني: ۲/ ۱۲۱، كتاب الزكاة: باب بيان من يجوز له أخذ الصدقة، حديث/ ۲، ۳، والحاكم: ۱/ ۴۰۷، ۴۰۸، كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة ومن يجوز له أخذها، حديث: ۲۹، عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار مرسلا. وقال الحاكم عن الطريق الموصول: صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه لإرسال مالك إياه عن زيد بن أسلم ثم ساقه من طريق مالك، وقال: هو صحيح يعني الموصول فقد يرسل مالك الحديث ويصله أو يسنده ثقة والقول فيه قول الثقة الذي يصله ويسنده. ووافقه الذهبي.

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِينٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِينِ، فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِينُ لِلْغَنِيِّ ،

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہ رسول ﷺ نے فرمایا غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر پانچ طرح کے لوگوں کے لیے (یعنی انکے باوجود غنی ہونے کے صدقہ لینا جائز ہے) ایک راہ خدا میں جہاد کرنے والا، دوسرے زکوۃ کی وصول یابی پر مامور شخص، تیسرے مقروض، چوتھا وہ شخص جو اپنے صدقہ کو مال کے ذریعے سے خرید لے، پانچواں وہ شخص جسکا ہمسایہ مسکین ہو اور اس نے مسکین کو صدقہ دیا اور اس مسکین نے وہ مال کسی غنی کو ہدیہ میں دے دیا۔

مقصد ترجمہ: اصل تو زکوۃ کا مستحق غنی اور مالدار شخص نہیں ہے، بلکہ فقراء ہیں، لیکن پانچ طرح کے اغنیاء کے لیے زکوۃ کا لینا یا استعمال کرنا حلال ہے، اس حدیث میں ان پانچ لوگوں کا بیان ہے، ہم ان پانچوں کی تفصیل ترتیب وار نقل کرتے ہیں۔

(۱) لغازٍ في سبيل الله: اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے والے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے اگر چہ یہ مجاہد مالدار کیوں نہ ہو، حضرات ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں کہ جہاد کرنے والے ہر غنی کو زکوۃ دینا درست ہے اور اس کے لیے لینا جائز ہے لیکن احناف کے یہاں اس حدیث کا مصداق وہ غنی مجاہد ہے جو حاجت مند ہو اور حاجت مندی کی صورت یا تو یہ ہو کہ اس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہیں، اگر چہ وہ اپنے گھر پر مالدار ہو یا یہ ہے کہ اس کے پاس اسباب جہاد کا فقدان ہو اور ان اسباب جہاد کی فراہمی کے لیے اس کو مالی مدد کی ضرورت لاحق ہو، احناف بلا قید ہر مجاہد کو زکوۃ دینا اس لیے درست نہیں کہتے ہیں کہ دوسری احادیث میں غنی کو زکوۃ دینے سے منع کیا گیا ہے، اور صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ زکوۃ کا لینا غنی کے لیے حلال نہیں ہے، چناں چہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے زکوۃ لوں اور تمہارے فقراء کی طرف لوٹا دوں۔ (فتح القدیر ابن ہمام: ۲/ ۱۷)

(۲) لعاملٍ عليها: جو شخص اسلامی حکومت کی طرف سے زکوۃ وصدقات اور عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہو تو اس کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے، اگر چہ وہ غنی ہو؛ کیوں کہ اس عامل کو صدقات اور زکوۃ میں سے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بہ حیثیت صدقہ نہیں بلکہ حق الخدمت اور معاوضۂ عمل کے طور پر دیا جاتا ہے اور وہ جو کچھ لیتا ہے اپنے کام کی اجرت اور تنخواہ لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق محنت اور اجرت عمل حاصل کرنے میں غنا اور فقر کی تفریق نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ کی مدات میں سے صرف یہی ایسی مد ہے جس میں رقم زکوٰۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضۂ خدمت کے دیا جائے اور اگر کسی غریب کو کوئی خدمت لے کر مالِ زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالِ زکوٰۃ کو معاوضۂ خدمت میں کیسے دیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عامل زکوٰۃ فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے تو جب زکوٰۃ عامل نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب جو رقم بطورِ حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ عامل زکوٰۃ کے لیے مذکر، عاقل، بالغ آزاد مسلمان ہونا شرط ہے، کیوں کہ ولایت کے لیے یہ تمام اوصاف ضروری ہوا کرتے ہیں اور عامل ہونا بھی ایک قسم کی ولایت ہی ہے۔ (ملخص از معارف القرآن)

(۳) غارم: اس کے معنی مدیون یعنی قرض دار کے ہیں اور مراد اس سے وہ غنی ہے جس کے ذمہ کوئی ایسا مالی مطالبہ ہو جو اس کے پاس موجود مال سے بھی زیادہ ہے اور جس کا پورا ادا کرنا اس کی مالی حیثیت سے باہر ہو، مثلاً: اس نے کسی جائز کام (جیسے علاج) کے لیے قرض لے رکھا ہو اور قرض اتنا زیادہ ہے کہ اپنا پورا مال بھی اس کی ادائیگی میں صرف کرے تو پورا قرضہ ادا نہ ہو، پس ایسے شخص کا مال چوں کہ کالعدم ہے اس لیے زکوٰۃ کا لینا اور دینا اس کے حق میں بالاتفاق درست ہے۔

(۴) رجل اشتراها بماله: یعنی وہ غنی اور مالدار جس نے کسی غریب مسکین کو دی گئی زکوٰۃ کا مال پیسے دے کر خرید لیا ہو، یہ صرف صورت کے اعتبار سے زکوٰۃ کا لینا ہوا اور نہ حقیقتاً اس مالدار کے لیے یہ مالِ زکوٰۃ ہے ہی نہیں کیوں کہ اس نے فقیر سے خریدا ہے اور فقیر چوں کہ اس مال کا مالک ہو گیا تھا اس لیے وہ دوسرے کو بطور مبیع دے رہا ہے نہ کہ بطور زکوٰۃ۔

پھر یاد رہے کہ غنی کے مالِ زکوٰۃ کو خریدنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی دوسرے کی دی ہوئی زکوٰۃ کو فقیر سے خریدے، دوسرے یہ کہ اپنی دی ہوئی زکوٰۃ ہی کسی فقیر سے خود خرید لے، اس دوسری صورت کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں البتہ دوسری صورت میں کراہت ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پہلی صورت تو جائز ہے ہی البتہ دوسری صورت جائز نہیں ہے۔

(۵) رجل کان له مسکین الخ: یعنی وہ غنی جس کو کسی فقیر آدمی نے حاصل شدہ زکوٰۃ کا مال بطور ہدیہ تحفہ میں پیش کیا ہو، تو یہ مالِ زکوٰۃ اس مالدار کے لیے حلال اور درست ہے؛ کیوں کہ یہ زکوٰۃ اس کے حق میں زکوٰۃ ہی نہیں ہے بلکہ ہدیہ ہے۔

شراح حدیث نے چوتھے اور پانچویں نمبر والوں کے لیے جواز اخذ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب زکوٰۃ ایک مرتبہ

اپنے محل میں پہنچ گئی تو ادا ہوگئی، اب یہ فقیر اس میں جو تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے اس کا اپنا مال ہے اور وہ جس کو بھی دے گا بطورِ زکوٰۃ نہیں دے گا، اس لیے کہ اوّل تو فقیر پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر ہو بھی جائے تو مال کا زکوٰۃ ہونا موقوف ہے نیت زکوٰۃ پر اور وہ یہاں نہیں ہے۔

فقه الحديث: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ صرف ان پانچ اغنیاء کے لیے حلال ہے ان کے علاوہ مالداروں کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے اگر ان کے علاوہ کو زکوٰۃ دی گئی اور ان کے غنی ہونے کا علم بھی ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں اگر فقیر سمجھ کر کسی کو زکوٰۃ دی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو غنی تھا تو احناف اور حنابلہ کے نزدیک ادا ہو جائے گی، جب کہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

حدیث سے مال زکوٰۃ کی فروختگی کا جواز بھی ثابت ہوا، فقیر کے لیے جائز ہے کہ غنی اور مالدار کو ہدیہ پیش کرے مالدار کے لیے غریب آدمی کا ہدیہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔ (المنھل العذب المورود: ۹/ ۲۷۱)

۱۶۳۶- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِمَعْنَاهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ زَيْدٍ، كَمَا قَالَ مَالِكٌ: وَرَوَاهُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الثَّبْتُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمه: ابوسعید حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا حدیث سابق کے مثل:
ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو ابن عیینہ نے زید سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک ثقہ راوی نے نبی ﷺ سے حدیث بیان کی۔ جیسے مالک نے روایت کیا ہے اور سفیان ثوری نے زید سے روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں مدار سند زید بن اسلم راوی ہیں، ان سے نقل کرنے والے چار حضرات ہیں: (۱) مالک (۲) معمر (۳) سفیان بن عیینہ (۴) سفیان ثوری۔ اب ان میں سے مالک اور سفیان بن عیینہ نے تو اس حدیث کو مرسلاً نقل کیا ہے عطاء بن یسار کے بعد صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا، اور معمر نے اس کو مسنداً متصلاً نقل کیا ہے کیوں کہ معمر کی روایت میں عطاء بن یسار کے بعد حضرت ابوسعید خدری ؓ کا واسطہ موجود ہے، جب کہ زید بن اسلم کے چوتھے شاگرد سفیان ثوری نے بھی اس کو مرسلاً نقل کیا ہے صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا مگر انھوں نے عطاء بن یسار کا نام بھی ذکر نہیں کیا بلکہ ''الثبت'' سے تعبیر کیا ہے؛ اگرچہ ''ثبت'' کا مصداق بھی عطاء بن یسار ہی ہیں۔

۱۶۳۶- أخرجه ابن ماجة: كتاب الزكاة، باب: من تحل له الصدقة (۱۸۴۱)

مصنفؒ زید بن اسلم کے انھیں چاروں تلامذہ کے اختلاف کو بیان کرنے کے لیے یہ عبارت لائے ہیں۔

۱۶۳۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ، حَدَّثَنَا الْفِرْيَابِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ الْبَارِقِيِّ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ ابْنِ السَّبِيلِ، أَوْ جَارٍ فَقِيرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَيُهْدِي لَكَ أَوْ يَدْعُوكَ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ فِرَاسٌ، وَابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے مگر جو جہاد میں شریک ہو، یا مسافر ہو، یا ایک محتاج ہمسایہ ہو جسکو کوئی چیز صدقہ میں ملے اور وہ تجھے بطور ہدیہ میں دیدے یا تیری دعوت کرے۔

ابوداود کہتے ہیں کہ اسکو فرس اور ابن ابی لیلی نے بروایت عطیہ بواسطہ ابوسعید نبی ﷺ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

رجال حدیث: الفریابي: بکسر الفاء وسکون الراء، یہ محمد بن یوسف بن واقد فریابی ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

سفیان: یہ سفیان ثوری ہیں۔

عمران البارقي: مقبول درجہ کے راوی ہیں ابوداؤد میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں تین قسم کے مالداروں کے لیے زکوۃ کی حلت کی بات کہی گئی ہے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے، دوسرے مسافر کے لیے جس کے پاس حالت سفر میں اتنا مال نہ رہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکے، اگر چہ وہ اپنے گھر میں غنی ہو، لیکن یہ شخص صرف اتنا مالِ زکوۃ لینے کا مجاز ہوگا جس سے وہ اپنے گھر تک پہنچ سکے، اس سے زیادہ لینا حلال نہ ہوگا، لیکن بہتر اس کے لیے یہی ہے کہ اگر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے کر کام چلالے، اور تیسرا وہ شخص ہے جس کو اس کا فقیر پڑوسی مال زکوۃ میں سے بطور ہدیہ پیش کردے۔

سابقہ روایت میں پانچ اغنیاء کے لیے زکوۃ کی حلت کی بات کہی گئی تھی اور اس میں تین کے لیے، دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ عدد قلیل عدد کثیر کے منافی نہیں ہے۔

قوله: فیهدي لك أو یدعوك: یعنی غریب پڑوسی یا تو مالِ زکوۃ میں سے کچھ مالدار پڑوسی کے گھر بطور ہدیہ بھیج دے، یا اس مالدار کو اپنے گھر بلا کر دعوت کھلادے، تو دونوں صورتوں میں غنی کے لیے حلال ہے، کیوں کہ یہاں تملیک پائی گئی۔

۱۶۳۷-أخرجه أحمد في مسنده: (۱۱۹۲۹/۳۱۶/۱۸)

قوله: ''قال أبوداؤد: رواه فراس وابن أبي ليلى عن عطية عن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم'': سند میں عطیہ سے نقل کرنے والے عمران البارقی تھے، جو مقبول درجہ کے راوی ہیں جو قلیل الحدیث ہوتے ہیں ان کی احادیث عموماً ایک سے دس تک کے درمیان ہوتی ہیں، ان کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے اب مصنفؒ عمران البارقی کی حدیث کی تائید فرمارہے ہیں کہ اس حدیث کو نقل کرنے میں وہ متفرد نہیں ہیں، بلکہ عطیہ سے فراس اور ابن ابی لیلیٰ نے بھی نقل کیا ہے، لہٰذا کلمہ ابن السبیل کے نقل کرنے والے تین افراد ہو گئے۔

فراس کی روایت مسند احمد (۳/ ۴۰) مسند ابوداؤد طیالسی (۳/ ۶۴۶، حدیث/ ۲۳۰۸) اور مسند ابویعلی موصلی (۲/ ۴۹۳، حدیث/ ۱۳۳۳) میں ہے، اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت مسند احمد (۳/ ۳۱) اور شرح معانی الآثار: (۲/ ۱۹) میں ہے۔

بَابُ كَمْ يُعْطَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ مِنَ الزَّكَاةِ

کسی شخص کو کس قدر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

۱۶۳۸- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، زَعَمَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَاهُ بِمِائَةٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ - يَعْنِي - دِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي قُتِلَ بِخَيْبَرَ

ترجمه: حضرت بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے ان کو خبر دی جس کا نام سہل بن ابی حثمہ تھا کہ رسول ﷺ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے ان کو سو اونٹ دیے دیت میں یعنی اس انصاری کی دیت میں جو خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا۔

مقصد ترجمه: مصنفؒ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے صرف اتنا مسئلہ بیان کرنا ہے کہ ایک شخص کو کتنا مالِ زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے، پھر اس باب کے تحت جو روایت نقل فرمائی ہے اس سے اپنے رجحان کو ظاہر فرمادیا کہ ایک آدمی کو اتنا مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے جس سے اس کی حاجت اور ضرورت پوری ہو جائے، خواہ یہ مال کتنا ہی ہو، چناں چہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ نے مال زکوٰۃ میں سو اونٹ دیے اور جس کو دیئے ہیں وہ مستحق زکوٰۃ ہی تھا، بلکہ قرآن پاک میں بیان کردہ مصارف ثمانیہ میں سے چوتھے مصرف غارمین میں اس کا شمار تھا، اس کے ذمہ دیت کا بھاری بوجھ تھا، معلوم یہ ہوا کہ ایک

۱۶۳۸- أخرجه البخاري: كتاب الصلح، باب: الصلح مع المشركة (۲۷۰۲)، مسلم: كتاب القيامة، باب: القيامة (۱۶۶۹)، الترمذي: كتاب الديات، باب: في القيامة (۱۴۲۲)، النسائي: كتاب القيامة، باب: تبرئة أهل الدم في القيامة يهم/ ۶، ۵) ابن ماجة: كتاب الديات، باب: القيامة (۶۷۷)

آدمی کو اتنی زکوۃ دی جاسکتی ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔

تشریح حدیث: یہ روایت یہاں مختصر ہے کتاب الحدود میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل ؓ اور محیصہ بن مسعود ؓ مدینہ سے خیبر آئے، سیر کرنے کے لیے کھجور کے باغ میں گئے اور ٹہلتے ٹہلتے دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے، ایک کسی اور سمت چلا گیا اور دوسرا کسی اور سمت چلا گیا، چناں چہ عبداللہ بن سہل کو اکیلا پاکر کسی نے قتل کردیا جب محیصہ اپنی جگہ لوٹ کر آئے تو عبداللہ بن سہل کو کھجور کے درخت کے نیچے مقتول پڑا ہوا دیکھا۔

اس حادثہ کے بعد مقتول کے حقیقی بھائی عبدالرحمن بن سہل، اور حویصہ بن مسعود، محیصہ بن مسعود جو مقتول کے چچازاد بھائی تھے تینوں یہ مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہود خیبر پر قتل کرنے کا شبہ ظاہر کیا، حضور ﷺ نے حسب ضابطہ فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے قاتل کے بارے میں گواہی دیں، انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہاں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا، جو گواہی دے سکے، اس پر آپ ﷺ نے قسامت کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: پچاس یہودی قسم کھا کر تمہارے اس شبہ سے تمھیں پاک کردیں گے یعنی وہ یہ قسم کھالیں گے کہ مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا ہے، انھوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! وہ تو کافر ہیں ان کی قسموں کا کیا اعتبار وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرأت کر لیتے ہیں جیسے انبیاء کو قتل کردینا کتاب اللہ میں تحریف کردینا وغیرہ۔

چناں چہ پیغمبر ﷺ نے فتنہ دفع کرنے کے لیے مقتول (عبداللہ بن سہل) کے ورثاء کو اپنی طرف سے خون بہا ادا کردیا، اور اس خون بہا میں آپ ﷺ نے سو اونٹ ورثاء کو دیئے، یہ ہے پورا واقعہ جس کی طرف اس حدیث باب میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قوله: "وداه بمائة من الإبل": ابھی تفصیل سے معلوم ہوا کہ مقتول کی دیت ان کے ورثاء کو دی گئی، جب کہ حدیث میں یہاں پر "وداه" کی ضمیر راجع ہے سہل بن ابی حثمہ کی طرف، جو مقتول (عبداللہ بن سہل) کے ورثاء میں نہیں ہیں؛ لہٰذا یہ جملہ محتاج تشریح ہوا، صاحب منہل ؒ نے اس کی تاویل یہ کی کہ یہاں مضاف محذوف ہے، "أي أعطى قومه..." یعنی سہل بن ابی حثمہ کو دینے سے مراد ان کی قوم کو دینا ہے، کیوں کہ مقتول انصاری ہیں اور سہل بن ابی حثمہ بھی انصاری ہیں، لہٰذا کوئی اشکال نہیں، اس تاویل کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "وَدَاهُمْ" آیا ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۲۷۳)

قوله: "من إبل الصدقة" یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتول کے ورثاء کو زکوۃ کے سو اونٹ دیت میں دے دیئے، یہاں پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ دیت تو مصارف زکوۃ میں سے نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے دیت میں زکوۃ

کے اونٹ کیوں کر دیئے؟

امام خطابیؒ فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ غارمین کے سہام سے دیئے ہوں، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے فتنہ کے خاتمہ کے لیے دیت اپنے ذمہ لی ہو اور پھر غارمین کے سہام سے یہ اونٹ لے کر ان انصار کو دے دیئے ہوں، جس کو تحمل حمالہ بھی کہا جاتا ہے۔ (معالم السنن للخطابي: ۲/۵۵)

دوسری توجیہ صاحب منہل نے یہ کی ہے آپ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کے سہام سے یہ اونٹ دیئے تھے۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۲۷۴)

تیسری توجیہ صاحب بذل المجہود نے قسطلانی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ اپنی طرف سے ان کو دیئے تھے، البتہ اس وقت آپ کے پاس موجود نہ تھے تو آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے خرید لیے ہوں گے اور ثمن بیت المال میں جمع فرما دیا ہوگا۔ (بذل المجہود: ۶/ ۴۸۸، ارشاد الساری: ۱۰/ ۶۳)

حضرت محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے مال سے بطورِ قرض یہ اونٹ لیے ہوں تاکہ بعد میں مالِ فئ سے ادا کر دیں۔ واللہ اعلم

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:

فقہ الامام ابوداؤدؒ کے لحاظ سے حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے اس طرح مناسبت ہوسکتی ہے کہ تحمل حمالہ کے طور پر شخص واحد کو اس کی ضرورت کے مطابق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور پیغمبر ﷺ نے مالِ زکوٰۃ سے بطور تحمل حمالہ کے ہی یہ سو اونٹ دیئے ہیں اور حمالہ کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ، لہٰذا مصنف کا مقصد ثابت ہوگیا کہ شخص واحد کو اتنی زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے، قرض چاہے کم ہو یا زیادہ۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا تَجُوزُ فِيهِ الْمَسْأَلَةُ

سوال کرنا کب جائز ہے؟

۱۶۳۹- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ الْفَزَارِيِّ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمَسَائِلُ

۱۶۳۹- أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة (۶۸۱)، النسائي: كتاب الزكاة، باب مسألة الرجل ذا سلطان (۵/ ۱۰۰)

كُدُوحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ، إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ، أَوْ فِي أَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا سوال کرنا اپنے منہ پر زخم لگانا ہے اب جسکا دل چاہے (قیامت کے دن) منہ پر داغ برداشت کرے یا سوال کرنا چھوڑ دے البتہ اس شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جو بے حد مجبور ہو یا جو شخص حاکم وقت سے سوال کرے۔

مقصد ترجمہ: جاننا چاہیے کہ سنن ابوداود کے بعض نسخوں میں یہ ترجمۃ الباب موجود نہیں ہے؛ لیکن یہاں اس کا ہونا ہی زیادہ موضوع اور مناسب ہے۔

مصنفؒ نے اس باب میں تین روایتیں نقل فرمائی ہیں اور مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ انسان کے لیے کن حالات میں سوال کرنا درست ہے، قدرے مشترک کے طور پر ان تینوں روایات الباب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انتہائی مجبوری کے عالات ہی میں سوال کرنا چاہیے۔

رجال حدیث: النمری: بفتح النون والمیم، نمر بن عثمان کی طرف منسوب ہے، ثقہ راوی ہیں، لیکن حدیث بیان کرنے کی اجرت لیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بعض محدثین نے ان کو پسند نہیں کیا۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ سوال کرنا اپنے چہرے کو داغ دار بنانا ہے، یعنی سوال انسان کی عزت اور آبرو میں بٹا لگاتا ہے، سوال کرنے والا اپنی حیثیت اور پہچان کو مجروح کر لیتا ہے، پس جو شخص اپنے چہرے کی سلامتی اور اپنی عزت اور آبرو کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو وہ مانگنے کو شرم وغیرت کے منافی سمجھ کر اس سے باز رہے، اور جو آدمی اپنی عزت کو باقی نہیں رکھنا چاہتا تو سوال کر لے آپ کے اس ارشاد کا مقصد اختیار دینا نہیں بلکہ بطریق تہدید سوال سے روکنا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر...**"۔

"کُدُوح" "کَدْحٌ" کی جمع ہے، چہرہ کے زخم کو کہتے ہیں، مانگنا آخرت میں انسان کے چہرے پر خراش ہوگی، زخم ہوگا، آدمی سوال کر کے اپنا چہرہ چھیلتا اور زخمی کرتا ہے۔

قولہ: **إلا أن یسأل الرجل ذا سلطان:** یعنی اگر کسی کو سوال کرنا ہی ہے تو وہ اس شخص سے سوال کرے جس پر اس کا حق ہے، یعنی بادشاہ جس کے تصرف میں بیت المال ہے اس سے اپنا حق مانگے، اگر وہ مانگنے والا مستحق ہوگا تو بیت المال سے اس کو حق مل جائے گا۔

اس حدیث کے ذیل میں امام طیبیؒ رقم طراز ہیں: کہ عطائے سلطانی کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کو لینا

درست ہے یا نہیں؟ محتاط رائے اس بارے میں یہ ہے کہ بادشاہ کے پاس اگر حرام مال غالب ہو تو لینا حرام ہے اور اگر حرام کا غلبہ نہ ہو تو مباح ہے۔ (شرح طیبی: ۴/ ۷۵)

بادشاہ سے مانگنے کی جو اجازت دی جارہی ہے وہ اس لیے ہے کہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہے۔

قوله: أوفي أمر لايجد منه بدًا: یعنی ایسی مشکل اور پریشانی لاحق ہوگئی کہ بغیر مانگے کام ہی نہ چل سکے تو اس صورت میں سوال کرنے کی اجازت ہے، اور غیر ذی سلطنت سے بھی مانگ سکتا ہے، مثلاً کسی کا ضامن ہو گیا اور ضمانت ادا کرنے کا مقدور نہ ہو، یا کسی آفت نے کاروبار کو تباہ کر دیا ہو تو اس طرح کی صورت میں سوال کرنا جائز ہوتا ہے، بلکہ حالت اضطرار میں سوال کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف کا منشاء بغیر ضرورت کے سوال کی مذمت کو بیان کرنا ہے، اور ضرورت میں سوال کے جواز کو بتانا ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۲۷۵)

۱۶۴۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هَارُونَ بْنِ رِئَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي كِنَانَةُ بْنُ نُعَيْمٍ الْعَدَوِيُّ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ، قَالَ: تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَقِمْ يَا قَبِيصَةُ حَتَّى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ، فَنَأْمُرَ لَكَ بِهَا ، ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةُ! إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ:

رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، فَسَأَلَ حَتَّى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ.

وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَاجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، فَسَأَلَ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - أَوْ قَالَ: سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ -.

وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، حَتَّى يَقُولَ: ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَى مِنْ قَوْمِهِ قَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا الْفَاقَةُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، فَسَأَلَ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - أَوْ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ - ثُمَّ يُمْسِكُ.

وَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ، يَا قَبِيصَةُ، سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی سے روایت ہے کہ میں ایک قرضہ کا ضامن ہوا پس میں رسول اللہ ﷺ

۱۶۴۰- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: من لاتحل له المسألة رقم (۱۰۴۴)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: الصدقة لمن تحمل بحمالة (۵/ ۹۰)، وباب: فضل من لايسأل الناس شيئا (۵/ ۹۶).

کی خدمت میں (سوال کرنے کی غرض) سے حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: اے قبیصہ! انتظار کرو یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے تو ہم تم کو اس میں سے دے دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! تین طرح کے لوگوں کے علاوہ کسی کے لیے سوال کرنا درست نہیں:

ایک وہ شخص جس پر ضمانت کا بوجھ ہو (اور ادا کرنے سے قاصر ہو) جب تک ضمانت سے چھٹکارہ نہ پالے، اس کے بعد باز رہنا چاہیے۔

دوسرا وہ شخص جس کو ایسی مصیبت پیش آئے جس میں اس کا مال تباہ ہو گیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ وہ ایسا سرمایا حاصل کرے جو اس کے گزر بسر کے لائق ہو۔

تیسرے وہ شخص جس کو کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جس کے متعلق اس کی قوم کے کم از کم تین ذمہ دار افراد یہ کہنے لگیں کہ واقعی وہ مصیبت میں مبتلا ہے، اس کے لیے بھی سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ گزر بسر کے لائق پیدا کرلے پھر سوال کرنے سے باز رہے۔

اے قبیصہ! ان صورتوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے، جو شخص سوال کر کے کھائے وہ حرام کھاتا ہے۔

لغات حدیث: حمالة: اسم ہے، اپنے ذمہ لیا ہوتاوان یا خون بہا، جمع حُمُلٌ: اس کے ذریعہ فریقین کے درمیان صلح کرانا اور نزاع ختم کرنا ہوتا ہے۔

تحمّل، الحمالَةَ: کسی کی طرف سے دیت یا جرمانہ کا ضامن ہونا، کسی کام کی ذمہ داری لینا۔

جائِحة: مصیبت، آفت، حادثہ، وہ مصیبت جو آدمی کے مال و متاع کو بالکلیہ تباہ کر دے، جمع: جوائح، اور فقہاء کی اصطلاح میں اس آفت سماوی کو کہتے ہیں جس کے باعث کل یا بعض پھل ضائع ہو جائیں۔

حَلَّتْ: حَلَّ الشَّیْءُ حلالاً از باب ضرب بمعنی جائز اور مباح ہونا۔

مَسْأَلَةٌ: اسم مصدر ہے بمعنی طلب و فرمائش۔

اجتاحت: اجتاحت الجائحةُ المالَ: آفت کا مال کو تباہ کر دینا، صفایا کر دینا۔

قِوَامًا: بکسر القاف و بفتح الواو بمعنی بقدر کفایت روزی، بقائے حیات کے لیے ضروری سامان، ہر وہ چیز جس پر کسی چیز کے وجود اور بقاء کا انحصار ہو۔

عیش: مصدر ہے عَاشَ عَیْشًا سے بمعنی زندگی، گزر بسر۔

سِدَادٌ: بکسر السین و فتح الدال بمعنی بندش، روک، سِدَادٌ من عیش بمعنی حاجت روائی، تکمیل ضرورت۔

الحجي: بکسر الحاء بمعنی عقل، دانائی، ہوشیاری، جمع أحجاء.

سُحتٌ: ناجائز اور حرام کمائی، جیسے رشوت وغیرہ، اس کو حاء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، جمع أسخات مال حرام کو سحت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ برکت کو کھینچ لیتا ہے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لیے سوال کرنے اور مانگنے کی اجازت کا بیان ہے۔

(۱) اس شخص کے لیے جو دَین کا ضامن ہوگیا ہو، مثلاً دو گروہ آپس میں برسرپیکار تھے، ایک بااثر شخص نیک مقصد سے آگے آیا اور اس نے ان دونوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لیے مقتولین کی جن دیتوں کا دینا ان لڑنے والوں پر لازم تھا اس شخص نے اپنے ذمہ لے لیا، اس طرح اس ضمانت کی وجہ سے وہ قرض دار ہوگیا، پس دیت وغیرہ کی جو ذمہ داری دوسرے کے سر تھی اس ذمہ داری کو اپنے سر لے لینا تحمل حمالہ ہوا، ایسے شخص کے لیے سوال کرنے کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ایک تو مانگنے میں مبالغہ سے کام نہ لے، دوسرے یہ کہ سوال کو اسی حد تک محدود رکھے جس میں اس ضمانت کے ادا کرنے کی بقدر مال یا رقم مل جائے، اس قدر مل جانے کے بعد سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسرے اس شخص کے لیے سوال کرنے کی اجازت ہے جس کو کسی آسمانی آفت نے مثلاً قحط سالی، نے آگھیرا ہو اور اس کی وجہ سے اس کی مالی حالت ختم ہوگئی ہو۔

(۲) دوسرے اس شخص کے لیے جس کو قحط وغیرہ نے آگھیرا ہو جس کی وجہ سے اس کی مالی حالت تباہ ہوگئی ہو تو اس کے لیے اس حد تک سوال کرنا درست ہے جس سے اس کے گزارے کا بندوبست ہو جائے۔

(۳) جو شخص خوش حالی کی زندگی بسر کر رہا ہو لیکن اچانک مفلسی نے اس کو آگھیرا یہاں تک کہ اس کا مفلس اور فاقہ کش ہونا اس کے محلہ اور برادری کے لوگوں میں بھی مشہور ہوگیا ہو، اس طور پر کہ اس کی قوم کے تین شخص باخبر عقلمند یہ گواہی دیں کہ ہاں واقعی فلاں شخص آج کل فاقہ میں مبتلا ہے، اس کی اپنی قوم کی قید اس لیے ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ لوگ زیادہ واقف حال ہوتے ہیں۔

اور یاد رہے کہ یہ چیز حقیقتاً گواہی اور شہادت کی صورت پر محمول نہیں ہے، بلکہ تحقیق حال کی قبیل سے ہے اور بطریق استحباب ہے ورنہ کسی بھی شخص کی تنگ دستی کا ثبوت تو صرف دو اشخاص کی گواہی سے ہو جائے گا، صاحب المنهل العذب المورود فرماتے ہیں: ”واعتبار الثلاثة للاحتياط والمبالغة في إثبات الفاقة، وليكون قولهم أدل على براءة السائل من التهمة في ادعائه الحاجة وأدعي إلى سرعة إجابته، وخصوا بكونهم من قومهم لأنهم هم العاملون بحاله وأخبر بباطن أمره، وهذا من باب تبيين الحال وتعرف الأمر لا من باب

الشهادة، لأنه لا مدخل لعدد الثلاثة من الرحال في شي من الشهادات''(المنہل:۹/۲۷۶)

امام خطابیؒ کی رائے:

امام خطابیؒ نے معالم السنن میں اس حدیث کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کے لیے سوال کرنا حلال ہے، ان میں سے ایک تو غنی ہے اور دو فقیر ہیں، پس صاحب حمالہ تو غنی ہوتا ہے لیکن دوسروں کے درمیان صلح کرانے کی وجہ سے وہ اپنے ذمہ بار اٹھالیتا ہے جس کے لیے وہ زکوٰۃ جمع کر سکتا ہے اور فقیروں میں پہلی قسم تو ان کی ہے جن کا مال کسی آسمانی مصیبت میں تباہ ہوگیا ہو، جیسا کہ سیلاب میں آگ زنی میں اس کا مال ومتاع، کھیتی باڑی غرق یا جل کر تباہ ہوگئی ہو، اور یہ ایسی چیز ہے جس کا نقصان لوگوں پر مخفی نہیں ہوتا لہٰذا جو شخص ایسی مصیبت کا شکار ہوگیا ہو تو لوگوں پر واجب ہے کہ بغیر کسی کی گواہی کے اس کی مدد کریں اس کے فقر ومحتاجگی کے ثبوت کے لیے گواہوں کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

اور فقیروں کی دوسری قسم ان کی ہے جو خوشحال تھا لیکن مثلاً چوری وغیرہ کی وجہ سے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس وقت میں محتاج ہوں اور عام لوگوں کے مشاہدہ میں یہ چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کے معاملہ میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں، اس سے بچنے کے لیے تین آدمیوں کی گواہی کی بات کہی گئی ہے۔ (معالم السنن خطابی:۲/۵۷)

مسئلہ: ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا درست ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے قول: ''أقم حتي تأتينا الصدقة فنأمر لك بها'' سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: سوال کی اجازت کی حد کفایت ہے، جب محتاج کی ضرورت پوری ہونے کی بقدر مال مل گیا تو اب سوال کرنا ممنوع ہوجاتا ہے اور یہ ہر انسان کی حالت کے اعتبار سے الگ الگ ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۴۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَخْضَرِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْحَنَفِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: أَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ؟ قَالَ: بَلَى، حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ: ائْتِنِي بِهِمَا ، قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا،

۱۶۴۱-أخرجه الترمذي: كتاب البيوع، باب: ما جاء في بيع من يزيد (۱۲۱۸)، النسائي: كتاب البيوع، باب: البث فيمن يزيد (۷/۲۶۲)، ابن ماجه: كتاب التجارات، باب: بيع المزايدة (۲۱۹۸)

فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: مَنْ يَشْتَرِي هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ: أَنَا، آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ: مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا ، قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ.

وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ، وَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ، وَقَالَ: اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ، ، فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُودًا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ، وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا ، فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا، وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا.

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ:
لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ،
أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ،
أَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سوال کرنے کی غرض سے آیا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ وہ بولا: کیوں نہیں ایک کمبل ہے جس کا ایک حصہ ہم بچھا لیتے ہیں اور ایک حصہ اوڑھ لیتے ہیں، اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ، وہ گیا اور اپنی دونوں چیزیں لے آیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: ان کا خریدار کون ہے؟ ایک شخص بولا: میں ایک دینار میں خریدتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دینار سے زائد کون دیتا ہے، (اور اس طرح آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا) ایک شخص نے کہا: میں ان دونوں چیزوں کو دو درہم میں لینے کے لیے تیار ہوں، پس آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس کے حوالہ کر دیں۔

اور اس سے دو درہم لے کر اس انصاری شخص کو دے دیئے اور فرمایا: ایک درہم کی کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر گھر میں ڈال لے اور ایک درہم میں ایک کلہاڑی خرید لے، وہ کلہاڑی لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے اس میں ایک لکڑی اپنے دست مبارک سے ٹھونکی اور فرمایا: جا لکڑیاں کاٹ کر لا اور بیچ، اور پندرہ دن تک میں تجھے یہاں نہ

دیکھوں، پس وہ شخص چلا گیا، وہ لکڑیاں کاٹتا اور ان کو بیچتا، کچھ دنوں بعد وہ شخص آیا اور اس نے دس درہم کمائے تھے، جس میں سے اس نے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا کھانے پینے کا سامان۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے حق میں یہ بہتر ہے اس بات سے کہ قیامت کے دن تیرے منہ پر ایک داغ لگا ہو (نیز آپ ﷺ نے فرمایا) سوال کرنا درست نہیں؛ مگر تین طرح کے آدمیوں کے لیے:

ایک وہ جو نہایت مفلس ہو، خاک میں لوٹتا ہو۔

دوسرے وہ جو پریشان کن قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو۔

تیسرے وہ جس نے کوئی قتل کر ڈالا ہو اور اب اس پر دیت لازم آئی ہو۔

رجال حدیث: الأخضر بن عجلان: یہ شیبانی بصری ہیں، امام نسائیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، ابو حاتم، ابن معین نے لکھا ہے: یکتب حدیثه، اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے البتہ امام ازدیؒ نے ان کو ضعیف کہا ہے؛ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "صدوق" لکھا ہے۔

أبوبكر الحنفي: ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ الکبیر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے: "لا يعرف حاله"۔

حل لغات: حِلْسٌ: بکسر الحاء وسکون اللام بمعنی ٹاٹ، دری جو زمین پر بچھالیا جاتا ہے، جمع أحلاس آتی ہے۔

قَعْبٌ: بڑا اور موٹے دل کا پیالہ جمع قِعَابٌ آتی ہے۔

قَدُومٌ: بڑھئی کا تیشہ، بسولہ جس سے لکڑی تراشی جاتی ہے، جمع قَدَائِم وقُدُمٌ آتی ہے۔

مُدْقِعٌ: صیغہ اسم فاعل ہے بطور صفت استعمال ہوا ہے، أَدْقَعَ: زمین اور مٹی سے لگ جانا، ذلیل و رسوا ہونا، انتہائی غریب ہو جانا، فَقْرٌ مُدْقِعٌ کا ترجمہ ہوگا، رسوا کن غریبی، انتہا درجہ کی غربت۔

غُرْمٌ: بضم الغین بمعنی تاوان، وہ مال جس کا ادا کرنا ضروری ہو۔

مُفْظِعٌ: صیغہ اسم فاعل ہے، أَفْظَعَ الأَمْرُ: ناگفتہ بہ ہونا بھیانک ہونا، انتہائی برا ہونا، "غُرْمٌ مُفْظِعٌ" کا ترجمہ ہوگا بھاری تاوان، برا تاوان۔

مُوْجِعٌ: یہ بھی صیغہ اسم فاعل ہے، بمعنی المناک، دردناک، دل سوز۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو محنت کشی کی تعلیم دی ہے اور اس بات سے روکا ہے کہ کوئی بھیک مانگ کر ذلت و رسوائی کا سامنا کرے، چناں چہ حدیث میں مذکور واقعہ اس کی روشن مثال ہے۔

ایک انصاری صحابی جن کا نام معلوم نہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور آپ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کیا ایک موٹی کملی ہے جس میں سے ہم کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھالیتے ہیں، آپ نے ان دونوں چیزوں کو منگوایا اور نیلامی کر کے دو درہم ان انصاری صحابی کو دیئے اور یوں فرمایا کہ ایک درہم کا گھر والوں کے لیے غلہ وغیرہ خرید کر رکھ دو اور ایک درہم کی کلہاڑی لے کر آؤ، چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے اس کلہاڑی کے ذریعہ محنت کر کے لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا حکم فرمایا، جب حسب الحکم پندرہ دن کے بعد یہ صحابی اپنی جدو جہد اور محنت سے دس درہم کما کر لائے تو آپ نے ان کے اس عمل کی تحسین بھی فرمائی اور ساتھ میں یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے سوال نہ کیا جائے۔

اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے تین لوگوں کی نشان دہی فرمائی جن کے لیے سوال کرنا جائز ہے:

(۱) ''لذي فَقْرٍ مُدْقِعٍ'' ایسے شخص کے لیے جس کو اس کا فقر مٹی میں ملا دینے والا ہو، گویا وہ انتہائی درجہ کا غریب ہو کہ اس کے پاس مٹی کے سوا کچھ نہ ہو۔

(۲) ایسے مدیون شخص کے لیے جس کا دَین شدید ہو کہ فقدانِ اسباب کی وجہ سے اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو۔

(۳) ایسے خون والے کے لیے جس کو اس کا دم بے چین کرنے والا ہو، مثلاً کسی قتل کے معاملہ میں بغرض صلح بین الفریقین ایک شخص نے اپنے اوپر دیت لے لی، اب اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ اس کو ادا کر سکے، اب اگر دیت ادا نہیں کرتا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا جس سے اس کا ذمہ لینے والے کو تکلیف ہوگی۔

فقه الحديث: حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کے مکارم اخلاق تواضع کمال شفقت اور فقراء کے لیے خیر خواہی کا بیان ہے، نیز حدیث میں نیلامی کی بیع کے جواز کا بھی بیان ہے جیسا کہ بلاضرورت شدیدہ سوال کرنے کی مذمت کا بھی ذکر ہے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ

سوال کرنے اور مانگنے کی مذمت کا بیان

۱۶۴۲- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَبِيبُ الْأَمِينُ - أَمَّا هُوَ إِلَيَّ فَحَبِيبٌ، وَأَمَّا هُوَ عِنْدِي فَأَمِينٌ - عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ،

۱۶۴۲- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: كراهية المسألة (۱۰۴۳)، النسائي: كتاب الصلاة، باب: البيعة على الصلوات الخمس (۱/ ۲۲۸)، ابن ماجه: كتاب الجهاد، باب: البيعة (۲۸۶۷).

قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةً أَوْ ثَمَانِيَةً أَوْ تِسْعَةً، فَقَالَ: أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَكُنَّا حَدِيثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ، قُلْنَا: قَدْ بَايَعْنَاكَ، حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ، فَعَلَامَ نُبَايِعُكَ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَتُصَلُّوا الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَتَسْمَعُوا وَتُطِيعُوا ، وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً، قَالَ: وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا ، قَالَ: فَلَقَدْ كَانَ بَعْضُ أُولٰئِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُهُ فَمَا يَسْأَلُ أَحَدًا أَنْ يُنَاوِلَهُ إِيَّاهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَدِيثُ هِشَامٍ لَمْ يَرْوِهِ إِلَّا سَعِيدٌ .

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے پوچھا کہ: کیا تم رسولِ خدا سے بیعت نہیں کرتے ہو؟ حالانکہ ہم نے کچھ عرصہ قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم تو آپ سے بیعت کر چکے ہیں (پھر از سر نو بیعت کی کیا ضرورت ہے) ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا، ہم لوگوں نے اپنے ہاتھ (بیعت کے لیے) آگے بڑھا دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ ایک شخص بولا: یارسول اللہ! ہم تو آپ سے پہلے ہی بیعت کر چکے ہیں، اب ہم کس بات پر بیعت کریں؟ فرمایا: اس بات پر کہ اللہ کی بندگی کروگے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے اور پانچوں نمازیں پڑھو گے اور بات کو سنو گے اور اس پر عمل کروگے اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو گے۔ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کسی کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے (اس کے اٹھانے میں) مدد طلب نہ کرتا؛ بلکہ خود ہی اٹھاتا، ابوداؤد کہتے ہیں کہ حدیث ہشام کو سعید کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔

مقصد ترجمہ: اس باب کے قائم کرنے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مانگنا اور سوال کرنا شریعت کی نظر میں مذموم اور برا ہے، ایک بندۂ مومن کو حتی الامکان اس مذموم عمل سے بچنا چاہیے اور پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

رجال حدیث: أبو إدريس الخولاني: یہ عائذ اللہ بن عبداللہ خولانی ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں، امام ذہبیؒ نے الکاشف میں لکھا ہے "أحد الأعلام" وابوحاتم، نسائی اور ابن سعد نے "ثقہ" لکھا ہے۔

أبومسلم الخولاني: یہ عبداللہ بن ثوب ہیں کبار تابعین میں شمار ہوتا ہے، ثقہ راوی ہیں، یہ دمشق کے قریب مقام داریا میں رہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی مدینہ منورہ تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

الحبيب الأمين: یہ عوف بن مالک ہیں، ثقہ راوی ہیں، ابومسلم خولانی ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہہ رہے ہیں کہ یہ مجھے محبوب اور پسند بھی ہیں اور میرے نزدیک امین بھی ہیں، آگے سند میں عوف بن مالک بدل ہے یا عطف بیان ہے ''الحبيب الامين'' کا۔

تشریح حدیث: صحابیٔ رسول حضرت عوف بن مالکؓ فرمارہے ہیں کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، اسی دوران آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ لوگ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر عہد نہ کروگے، ان حاضرین مجلس نے چوں کہ نیانیا ایمان قبول کیا تھا، اور ترکِ کفر پر بیعت کی تھی اس لیے عرض کرنے لگے ہم تو آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کرچکے ہیں پھر مزید بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن پیغمبر علی الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ بیعت کرنے کی بات فرمائی تو ان حضرات نے بیعت کے لیے اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھایا اور چند چیزوں پر بیعت کی، ان چند چیزوں میں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت۔

شرک سے اجتناب۔

پانچوں وقت کی نماز کی پابندی۔

اور امور دین میں رسول اللہ ﷺ کی سمع وطاعت کو راویٔ حدیث نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

پھر راوی فرماتے ہیں کہ چند چیزوں پر بیعت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ایک بات آہستہ سے ارشاد فرمائی جس کو سب حاضرین نے نہیں سنا، بلکہ بعض نے سنا اور بعض نے نہیں، اور آہستہ سے کہی جانے والی بات یہ تھی کہ: لوگوں سے کسی چیز کا سوال مت کرو، یہ بات آپ ﷺ نے خفیہ طریقہ سے اس لیے بیان فرمائی کہ سوال کی ممانعت کا حکم سب کے لیے عام نہیں ہے؛ کیوں کہ کبھی کبھی لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لیے سوال کرنا ضروری ہوتا ہے۔

قوله: وأسرّ كلمة خُفْيَةً: خفية بضم الخاء المعجمه وفتح الباء التحتيه یہ مصدر اسرارًا کے معنی میں ہے اور ترکیب میں مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے، ''أي أسرّ كلمةً إسرارًا'' کہ آپ ﷺ نے ایک کلمہ چھپایا (آہستہ کہا) آہستہ کہنا۔

اس واقعہ کے بعد ان سات آٹھ صحابہ کرام کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ شدت احتیاط اور سوال سے غایت اجتناب کے پیش نظر کسی سے اپنی معمولی ضرورت کا سوال بھی نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوڑا اگر گیا تو اس کو بھی سواری سے اتر کر خود ہی اٹھایا کرتے تھے، حالاں کہ اپنی گری ہوئی چیز کسی سے اٹھوا لینا مذموم سوال میں داخل نہیں ہے، لیکن ان

حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کو بالکل ظاہر پر محمول کر کے عمل کیا۔

قوله: ''قال أبوداؤد: حديث هشام لم يروه إلاّ سعيد'' اس قال ابوداؤد سے مصنفؒ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ ''ربيعه بن يزيد عن ابي ادريس عن عوف'' سے اس حدیث کے متن کو نقل کرنے میں سعید بن عبدالعزیز کا تفرد ہے، سعید کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ربیعہ سے اس کو نقل نہیں کرتا، ہاں البتہ سعید سے نقل کرنے والے متعدد حضرات ہیں، چناں چہ اس سند میں سعید سے نقل کرنے والے ولید بن مسلم ہیں اور صحیح مسلم میں مروان بن محمد دمشقی ہیں، اور سنن نسائی میں ابومسہر ہیں، لیکن یاد رہے کہ روایت میں سعید بن عبدالعزیز کا یہ تفرد کوئی مضر نہیں ہے اس لیے کہ وہ ثقہ راوی ہیں۔ واللہ اعلم

فقه الحديث: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کی تبلیغ اور احکام کی دعوت کے باب میں کس قدر حریص تھے کہ ہمہ وقت احکام شرع کی پابندی کی طرف راہ نمائی فرمایا کرتے تھے۔

نیز حدیث شریف سے بلاضرورت سوال کرنے اور مانگنے کی مذمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ساتھ ہی حضرات صحابہ کرامؓ کا طریقہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے ہر ارشاد پر عمل کرنے کو اپنے لیے موجب نجات سمجھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۶۴۳- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ ثَوْبَانَ - قَالَ: وَكَانَ ثَوْبَانُ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَكَفَّلَ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا، فَأَتَكَفَّلَ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟ ، فَقَالَ ثَوْبَانُ: أَنَا، فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا

ترجمه: حضرت ابوالعالیہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا تو میں بھی اس کو ضمانت دیتا ہوں کہ اس کو جنت ملے گی۔ ثوبان بولے کہ: میں ضمانت دیتا ہوں (کہ میں لوگوں سے سوال نہیں کروں گا) اس کے بعد حضرت ثوبان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے تھے۔

تشريح حديث: قوله: ''من تكفل لي'' تکفّل کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عہد لینا، گارنٹی دینا، یعنی جو شخص مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں سے کبھی کچھ نہیں مانگے گا، کسی کے آگے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں

۱۶۴۳- أخرجه أبو داود الطيالسي في مسنده (۲/۳۴۴/۱۰۸۷).

کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت کرتا ہوں، "فاتکفّل" کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ایک روایت میں یہ "أتكفل" ہے۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضمانت لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کسی عذاب کا سامنا کیے بغیر شروع ہی میں جنت میں جائے گا۔

پس اس حدیث میں جہاں سوال سے بچنے کی تاکید اور بلاضرورت مانگنے کی مذمت ہے وہیں پر اس شخص کے لیے خاتمہ بالخیر کی بشارت ہے جو سوال کرنے سے پرہیز کرتا ہے، لوگوں سے مانگنے کی برائی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے؛ سوائے اس صورت کے کہ جب بن مانگے کھانے کو کچھ میسر نہ ہو اور بے کھائے موت کا خوف لاحق ہو، اس لیے یہ استثناء اس وجہ سے ہے کہ ضرورت اور مجبوری ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے، بلکہ جس کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو اور وہ کسی سے نہ مانگے یہاں تک کہ نہ کھانے کی وجہ سے مرجائے تو وہ گنہ گار مرے گا۔

صاحبِ عون المعبودؒ فرماتے ہیں: " واستثني منه إذا خاف على نفسه الموت؛ فإن الضرورات تبيح المحظورات، بل قيل: إنه لو لم يسأل حتى يموت يموت عاصيًا" (عون المعبود: ۵/ ۳۹)

قوله: "فقال ثوبان: أنا": حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو سن کر حضرت ثوبانؓ اسی بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا کہ کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی، اگرچہ آپ کو کتنی شدت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۸۱)

بَابٌ فِي الِاسْتِعْفَافِ

سوال سے بچنے کا بیان

۱۶۴۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ، حَتَّى إِذَا نَفِدَ عِنْدَهُ قَالَ: مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ، فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ.

۱۶۴۴- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: الاستعفاف عن المسألة (۱۴۶۹)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: فضل التعفف والصبر (۱۰۵۳)، والترمذي: كتاب البر، باب: ماجاء في الصبر (۲۰۲۵)، والنسائي: كتاب الزكاة، باب: الاستعفاف عن المسألة (۵/ ۹۶/ رقم/ ۲۵۸۸).

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا (یعنی آپ ﷺ سے کچھ مانگا) پس آپ نے ان کو دے دیا۔ انھوں نے پھر مانگا، آپ نے پھر دے دیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ ﷺ کے پاس تھا ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جو کچھ بھی ہوگا میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا؛ لیکن جو شخص سوال سے بچنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے کی ذلت سے بچائے گا اور جو شخص غنی بننا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنی کردے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے صبر (کی توفیق) چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی دولت سے نواز دے گا اور اللہ تعالیٰ نے صبر سے بڑھ کر کوئی نعمت کسی کو نہیں دی۔

مقصد ترجمہ: استعفاف کہتے ہیں غربت کے باوجود سوال کرنے کی ذلت سے بچنا اور پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا، لہٰذا مصنفؒ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوا کہ آدمی کو سوال کرنے کی ذلت سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور پاک دامنی اختیار کر کے عزت کی زندگی اختیار کرنی چاہیے، اس مقصد کے ثبوت کے لیے مصنفؒ نے باب میں کل چھ حدیثیں نقل فرمائی ہیں، پہلی حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہے جو سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، امام بخاری اور امام مسلمؒ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''ومن يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ الله'' یعنی جو شخص اپنے نفس سے عفت عن السوال کا طالب ہو اور اللہ تعالیٰ سے عفت کو طلب کرے تو اللہ رب العزت اس کو لوگوں کا محتاج ہونے سے بچاتا ہے، لہٰذا جو کوئی بہت تھوڑے پر بھی گزارہ کرے گا، اور قناعت کا دامن تھامے رہتا ہے، تو اللہ رب العزت اس کے لیے قناعت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں، اور ممنوع چیزوں سے اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔

قوله: ''ومن يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ الله'' جو شخص دوسروں کے مال سے بے نیازی ظاہر کرتا ہے اور سوال کرنے سے پرہیز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی کر دیتے ہیں، جیسا کہ مسند احمد (۲ / ۲۴۳) میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ليس الغني عن كثرة العرض ، إنما الغني غني النفس'' یعنی غنی اور مالداری کثرت ساز وسامان سے نہیں، غنی تو دل کے مستغنی ہونے سے ہوتی ہے۔

قوله: ''وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ الله'' جو شخص مصیبتوں اور پریشانیوں میں برداشت سے کام لیتا ہے، صبر کا اظہار کرتا ہے، لوگوں کے اموال میں اشرافِ نفس کرنے سے صبر سے کام لے کر سوال کرنے سے اپنے آپ کو بہ تکلف یعنی نہ چاہتے ہوئے بھی بچا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

قوله: ''وما أعطي أحد مِن عطاءٍ أوسعَ من الصبر'': کہ صبر سے زیادہ وسیع تر کوئی چیز کبھی کسی کو عطا نہیں

ہوئی؛ کیوں کہ صبر کا مقام تمام مقامات سے بڑھ کر ہے، تمام احوال اور مکارم صفات کو جامع ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان کو منازل حیات میں سے ہر منزل میں کوئی نہ کوئی ناگوار بات پیش آتی ہی ہے اور اس کا بہترین علاج صبر ہی ہے۔

یاد رہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں، ایک صبر علی الطاعہ، یعنی اپنے آپ کو اطاعت پر جمانا، دوسرے: صبر عن المعصیۃ، یعنی اپنے نفس کو گناہ سے روکنے کی کوشش کرنا، اس حدیث میں جس صبر کا بیان ہے وہ صبر عن المعصیۃ ہی ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس حدیث باب میں صبر کو وسیع ترین عطیہ کہا گیا ہے، جس سے صبر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حالاں کہ مسند احمد (۵/ ۲۳۵) میں حضرت معاذؓ کی حدیث اس کے معارض ہے؛ کیوں کہ اس میں صبر کی دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصیبت کے نزول سے قبل صبر کی دعا کرنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے اور مصیبت کے بعد صبر کی دعا مانگنا محمود و پسندیدہ ہے، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صفت صبر پر عامل ہونا محمود ہے اور صبر کو طلب کرنا غیر محمود ہے۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایک سائل کو متعدد بار دینا بھی جائز ہے۔

سائل کے سامنے نہ دینے کا عذر پیش کرنا بھی درست ہے، ضرورت کے وقت سوال کرنا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن صبر کرنا بہتر ہے یہاں تک کہ بغیر مانگے حاصل ہوجائے۔

انسان کو صبر اور حسنِ توکل کے ذریعہ استغنیٰ کی کوشش کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم (بذل المجهود:٦/ ٤٩٧، المنهل العذب المورود:٩/ ٢٨٢)

۱۶۴۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيبٍ أَبُو مَرْوَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَهَذَا حَدِيثُهُ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ سَيَّارٍ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ طَارِقٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ، لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللَّهِ، أَوْشَكَ اللَّهُ لَهُ بِالْغِنَى: إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ، أَوْ غِنًى عَاجِلٍ.

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو فاقہ ہو اور پھر وہ لوگوں سے اس

۱۶۴۵- أخرجه الترمذي: كتاب الزهد، باب: الهم في الدنيا (٢٣٢٧).

کو ظاہر کرتا پھرے تو ہرگز اس کی فاقہ کشی نہ جائے گی، اور جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو غنا سے نواز دیگا یا تو مرکر سب مصیبتوں سے چھٹکارہ پائے گا یا پھر جلد ہی مال والا ہو جائے گا۔

تشریح حدیث: قوله: ''من أصابته فاقة'' یعنی جس شخص کو فقر و فاقہ یا سخت حاجت پیش آئے، معیشت میں تنگی کا سامنا کرنا پڑے، پھر وہ اس فقر و فاقہ کو بطریق شکایت لوگوں کے سامنے ظاہر کرے، اور ان سے حاجت روائی کا طالب ہو تو اس کی حاجت روائی نہ ہوگی، بلکہ اگر اس کے اس عمل کے ذریعہ کبھی کوئی ضرورت پوری بھی ہوگئی تو دوسری حاجت کا شکار ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس نے اپنے جیسے عاجز پر اعتماد کیا اور اللہ پر بھروسہ چھوڑا۔

قوله: ''ومن أنزلها بالله أوشك الله له بالغني'': یعنی جس شخص نے اپنے فقر و فاقہ اور سخت حاجت کو توکل اور اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا اور صرف اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کا خواست گار رہا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ہی اس کو غنی کردیں گے۔

یہاں حدیث میں ''الغني'' میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ''غنی'' بکسر الغین والقصر ہے، جس کے معنی ہیں مالداری اور تونگری اور دوسرا احتمال (جیسا کہ مصابیح کے نسخہ میں ہے) یہ کہ بفتح الغین والمد ہو جس کے معنی کفایہ اور حاجت روائی کے ہیں، پھر حدیث شریف میں اس تونگری یا کفایہ کی دو شکلیں بیان فرمائی گئی ہیں، ایک ''موت عاجل'' دوسری ''غناء عاجل''۔

(۱) بموتٍ عاجل: یعنی مستقبل قریب میں اس کے کسی قریبی عزیز کو موت دے کر اس کی میراث سے اس حاجت مند کو بہرہ ور فرما دیتے ہیں اور اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے اور موت عاجل کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس حاجت مند کا وقت آچکا ہوتا ہے تو اس کو موت سے ہمکنار کر کے حاجت مندی کے جنجال سے چھٹکارا دے دیا جاتا ہے۔

(۲) غنًی عاجلٍ: دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو سر دست کسی بھی ذریعہ سے فوراً ہی غنا عطا فرما دیں گے، اور جلد ہی اس کی حاجت مندی کا ازالہ ہو جائے گا، یہ تو مطلب ہے سنن ابوداؤد میں مذکور جملہ ''غنًی عاجل'' کا، لیکن مشکوٰۃ المصابیح میں یہ جملہ ''غِنًی اٰجِلٍ'' بالہمزۃ منقول ہے، اور اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو غنی کردیں گے'' کچھ مدت بعد آنے والی مالداری کے ذریعہ'' یعنی اس کو اس وقت تک کے لیے صبر و استقامت عطا فرما دیتے ہیں جب کچھ مدت بعد اس کو تونگری دینا مقصود ہوتا ہے۔

مگر سنن ابوداؤد والی روایت ہی کو ملا علی القاریؒ نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس حدیث رسول کا مصداق اللہ رب العزت کا یہ ارشاد ہے: ''وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فهو حسبه'' (سورۃ

طلاق: ۲/ ۳) اس آیت قرآنی کا مفہوم یہی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور اس کو حاجت روا مانتا ہے خواہ اس کو کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو اللہ رب العزت تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے، اور سختیوں میں گزارہ کا سامان کر دیتا ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۸۳)

فقه الحديث: انسان کو نہ تو مخلوق سے سوال کرنا چاہیے اور نہ ہی خدا کو چھوڑ کر غیر پر اعتماد و توکل کرنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ اس کو لوگوں سے مستغنی کر دیتا ہے لوگوں سے مانگنے سے فقر و فاقہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۴۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ مَخْشِيٍّ، عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ، أَنَّ الْفِرَاسِيَّ، قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسْأَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، وَإِنْ كُنْتَ سَائِلًا لَا بُدَّ، فَسَلِ الصَّالِحِينَ .

ترجمه: ابن فراسی سے روایت ہے کہ فراسی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: کیا میں لوگوں سے سوال کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، ہاں اگر تجھ کو ضرورت پیش آ جائے مانگنے کی تو نیک لوگوں سے سوال کرنا۔

رجال حديث: مسلم بن مخشي: بفتح الميم وسكون الخاء والشين المعجمة المكسورة، ابومعاویہ بصری ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں مقبول لکھا ہے، مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔

ابن الفراسي: یہ مجہول راوی ہیں۔

الفراسي: بکسر الفاء وتخفیف الراء وکسر السین، یہ بنو فراس بن مالک بن کنانہ سے ہیں، نام ان کا معلوم نہیں ہے، امام بغوی اور ابن حبان نے نسبت کے ساتھ ہی نقل کیا ہے، الاصابہ میں لکھا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ (الاصابہ، ترجمہ/ ۶۹۶۴)

تشريح حديث: ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرورت کے وقت میں کسی سے سوال کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، اس لیے کہ لوگوں سے مانگنے میں ذلت ہے، پس اللہ ہی سے سوال کرو اور اسی پر توکل کرو۔

ہاں اگر ایسی سخت ضرورت پیش آ جائے کہ بغیر سوال کیے کوئی چارہ نہ ہو پھر خیال رکھو کہ اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو، اور اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرنے میں کئی وجوہات ہیں:

۱۶۴۶- أخرجه النسائي كتاب الزكاة، باب الاستعفاف، رقم (۲۵۸۷)، وأحمد في المسند (۴/ ۳۳۴).

(۱) ان کے پاس مال حلال ہوتا ہے۔
(۲) دے کر احسان نہیں جتلاتے۔
(۳) اگر ہوتا ہے تو دے ہی دیتے ہیں؛ نامراد واپس نہیں کرتے۔
(۴) اگر دینے کے لیے نہیں ہوتا تو پھر حسن اخلاق کے ساتھ معذرت کر دیتے ہیں، غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔
(۵) ضرورت مند کے لیے اللہ تعالیٰ سے تونگری کی دعا بھی کر دیتے ہیں اور ان کی دعا قبول بھی ہوتی ہے۔
(۶) سائل کی عزت کا لحاظ کر کے اس کے سوال کی پردہ پوشی بھی کرتے ہیں۔
ان وجوہات کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے صالحین سے سوال کرنے کی تعلیم فرمائی ہے، اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد اولیت پر محمول ہے، ورنہ غیر صالحین سے بھی بہ وقت ضرورت سوال کی اجازت ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۷۴)

۱۶۴۷- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَنِي عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَأَدَّيْتُهَا إِلَيْهِ، أَمَرَ لِي بِعُمَالَةٍ، فَقُلْتُ: إِنَّمَا عَمِلْتُ لِلَّهِ وَأَجْرِي عَلَى اللَّهِ، قَالَ: خُذْ مَا أُعْطِيتَ، فَإِنِّي قَدْ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِي، فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُعْطِيتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَهُ، فَكُلْ وَتَصَدَّقْ .

ترجمہ: ابن الساعدی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے صدقہ کا عامل بنایا، جب میں اس سے فارغ ہوا اور مال ان کے حوالہ کیا تو انھوں نے مجھے اس کا حق محنت دینے کا حکم کیا، میں نے عرض کیا کہ: میں نے یہ کام محض خدا کی خوشنودی کے لیے کیا ہے میرا اجر بھی اللہ ہی پر ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: جو میں دے رہا ہوں وہ لے لو؛ میں نے بھی حضور کے زمانہ میں یہ کام کیا تھا، جب آپ ﷺ نے مجھے کچھ دینا چاہا تب میں نے بھی تیری ہی جیسی بات کہی تھی، اس پر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: کہ جب کوئی چیز تجھے بغیر مانگے ملے تو اس کو کھا اور صدقہ کر۔

رجال حدیث: ابن الساعدی: یہ عبداللہ بن السعدی ہیں، ابومحمد کنیت ہے، ان کو سعدی بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ بنوسعد میں مسترضع (دودھ پینے والے) تھے، رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت عمرؓ سے حدیث عُمالہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب: ۵/ ۲۳۵)

تشریح حدیث: قولہ: "استعملني": استعمله استعمالاً: عامل بنانا، شاہی کاموں میں سے کسی کام کے

۱۶۴۷- أخرجه البخاري: كتاب الأحكام، باب: رزق الحاكم والعاملين عليها (۷۱۶۳)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: إباحة الأخذ لمن أعطي من غير مسألة ولا إشراف (۱۰۴۵)، والنسائي: كتاب الزكاة، باب: من آتاه الله مالا من غير مسألة (۲۶۰۴).

لیے مقرر کرنا، مثلاً زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

قوله: "أمرلي بعمالة": بضم العین بمعنی عامل کی اجرت، یعنی حضرت عمرؓ نے مجھے زکوٰۃ کی وصولیابی کا عامل بنایا، جب میں زکوٰۃ کو جمع کر کے لایا اور حضرت عمرؓ کے حوالہ کیا تو انھوں نے مجھے میرے اس کام کی اجرت دینے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا کہ یہ کام تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا ہے عمل کی اجرت لینے کے لیے نہیں؟ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنا واقعہ سنایا، کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مجھے بھی عامل بنایا گیا تھا اور آپ ﷺ نے میرے کام کا معاوضہ مجھے دینے کا جب ارادہ فرمایا تو میں نے بھی یہی کہا تھا جو تم نے ابھی کہا، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جو کچھ تم کو بغیر سوال کے ملے اس کو قبول کر کے کھاؤ اور اس میں سے جتنا تمہاری حاجت سے بچ جائے اسکو صدقہ کرو۔

قوله: فَكُلْ وتَصَدَّقْ: یعنی اگر تمھیں ضرورت ہو تو خود استعمال کرلو اور اگر ضرورت نہ ہو تو صدقہ کردو۔

فقه الحديث: حدیث باب سے معلوم ہوا کہ حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے جس کو کسی بھی فریضہ کی انجام دہی کے لیے مامور کیا جائے اگر چہ وہ قضا و احتساب یا تعلیم وتدریس ہی کا کام ہو تو اس کا معاوضہ بیت المال سے لینا جائز ہے، بل کہ حکومت پر واجب ہے کہ وہ ان مامورین کا اور ان کا جو بیت المال سے وظیفہ پانے کا استحقاق رکھتے ہیں، ان کا حق محنت اور وظیفہ بیت المال ادا کرنے میں تساہلی نہ کریں۔

حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی حلال چیز بغیر طمع ولالچ اور بغیر مانگے مل رہی ہو تو اس کو قبول کرنا مباح بلکہ مستحب ہے۔ (بذل المجهود: ٦/٥٠١)

١٦٤٨- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ، وَالتَّعَفُّفَ مِنْهَا، وَالْمَسْأَلَةَ -: الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى السَّائِلَةُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: اخْتُلِفَ عَلَى أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، فِي هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ عَبْدُ الْوَارِثِ: الْيَدُ الْعُلْيَا الْمُتَعَفِّفَةُ، وَقَالَ أَكْثَرُهُمْ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ: الْيَدُ الْعُلْيَا: الْمُنْفِقَةُ، وَقَالَ وَاحِدٌ عَنْ حَمَّادٍ: الْمُتَعَفِّفَةُ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا - اور آپ ﷺ اس وقت منبر پر تشریف

١٦٤٨- اخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: لا صدقة الا عن ظهر غنى (١٤٢٩)، مسلم: كتاب الزكاة، باب: بيان أن اليد العليا خير (١٠٣٣)، والنسائي: كتاب الزكاة، باب: أيهما اليد العليا (٥/٦١/٢٥٣٣).

فرماتے تھے اور صدقہ کا بیان فرمار ہے تھے اور صدقہ سے پرہیز اور سوال سے باز رہنے کا بھی ذکر فرمار ہے تھے-: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ وہ ہے جو دیتا ہے اور نیچے والا ہاتھ وہ ہے جو سوال کرتا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ نافع سے اس حدیث میں ایوب پر اختلاف ہے، عبدالوارث نے اَلْيَدُ الْعُلْيَا: اَلْمُتَعَفِّفَةُ روایت کیا ہے، اور اکثر رواۃ نے بواسطہ حماد بن زید ایوب سے اَلْيَدُ الْعُلْيَا: اَلْمُنْفِقَةُ نقل کیا ہے اور حماد سے صرف ایک راوی نے المتعففة ذکر کیا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''وهو على المنبر'': واؤ حال کے لیے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل ارشاد اس حال میں فرمایا کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما تھے، اور مالداروں کو صدقہ کرنے، غریبوں کو سوال سے بچنے کی ترغیب اور بلا ضرورت سوال کرنے کی مذمت بیان فرمار ہے تھے، اسی دوران آپ ﷺ نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے، نیچے والا ہاتھ سوال کرنے والا ہے۔

قوله: الصدقة والتعفف منها والمسألة: یہ تینوں کلمات منصوب ہیں، پہلے دو ''یذکر'' کا مفعول واقع ہونے کی وجہ سے اور تیسرا فعل محذوف ''یذم'' کی وجہ سے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں ''والتعففَ عن المسألة'' ہے، یعنی آپ ﷺ سوال سے بچنے کی ترغیب فرمار ہے تھے۔

قوله: ''اليد العليا خير من اليد السفلى'': یہ قال کا مقولہ ہے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اس لیے کہ وہ عالی، سخی اور معزز ہے، برخلاف نیچے والے ہاتھ کے کہ وہ دوسروں کی عطا کا منتظر ہوتا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ''ید علیا'' اور ''ید سفلی'' کی تفسیر خود بیان فرمائی کہ ''ید علیا'' خرچ کرنے والا ہے اور ''ید سفلی'' مانگنے والا ہے یہ تفسیر مدرج نہیں ہے۔

قال أبوداؤد: اختلف على أيوب عن نافع في هذا الحديث: اس قال ابوداؤد سے مصنفؒ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ ''الید العلیا'' کی تفسیر میں ایوب سختیانی کے تلامذہ کا اختلاف ہے، کسی نے ''الید العلیا'' کی تفسیر ''المنفقه'' سے کی ہے اور کسی نے ''المتعففه'' سے۔

مصنفؒ کے بیان کردہ اختلاف کی تشریح یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار نافع پر ہے پھر نافع کے تین شاگرد ہیں (۱) مالک (۲) ایوب (۳) موسیٰ بن عقبہ، مالک کے تلامذہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب نے ''الید العلیا'' کی تفسیر ''منفقه'' سے کی ہے، جب کہ ایوب اور موسیٰ بن عقبہ کے تلامذہ کی روایت ہیں اختلاف ہے، بعض نے (جیسے سلیمان بن حرب، عارم، حفص بن میسرہ فضیل) نے تو الید العلیا کی تفسیر ''منفقه'' ہی سے کی ہے اور بعض (جیسے ابوالربیع، مسدد،

عبدالوارث، ابراہیم بن طہمان) نے الید العلیا کی تفسیر "المتعففه" سے کی ہے، رواۃ کے اس اختلاف کا شجرہ یہ ہے:
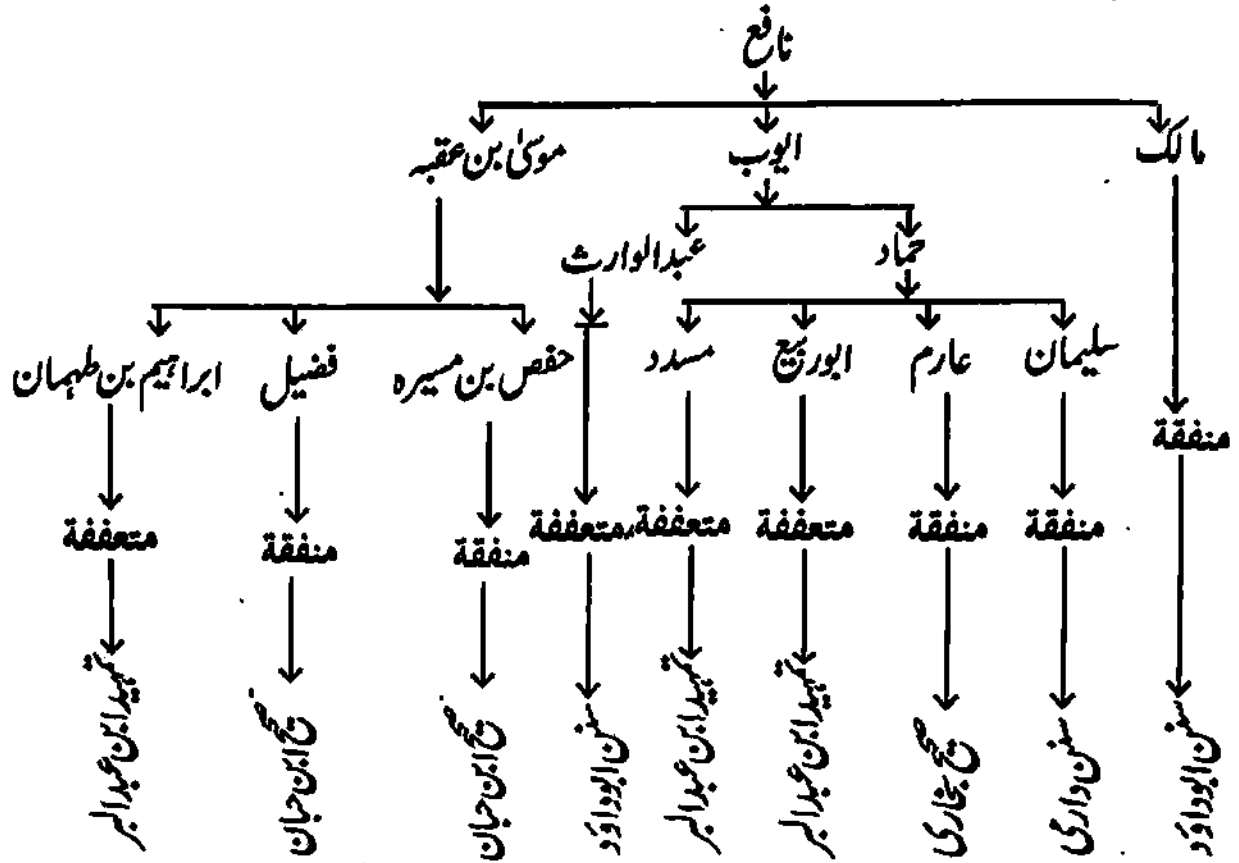
اب "الید العیا" کی تفسیر میں رواۃ کا یہ اختلاف محض لفظی ہے ورنہ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل منشاء خرچ کرنے کی ترغیب اور سوال کرنے سے بچے رہنا کو ہی بیان کرنا ہے، لیکن اصول کی روشنی میں "منفقه" کے ساتھ تفسیر زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ نسائی وغیرہ کی روایت میں یہ ہے: "يد المعطي العليا" گویا ید علیا کی تفسیر ید معطی سے کی جا رہی ہے، اور یہی مفہوم "منفقه" کا بھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

لطیفہ: حضرت شیخ زکریاؒ نے بذل المجہود کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت اس حدیث سے تو غنی کی فقیر پر فضیلت اور ترجیح معلوم ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا: جی ہاں ایسے ہی ہے؛ اس لیے کہ غنی اس وقت (خرچ کرنے کے وقت) میں اپنے سے دنیا کو دور کرتا ہے اور فقیر اس کو اپنے لیے قبول کرتا ہے۔

(بذل المجہود: ۶/ ۵۰۲)

فقه الحديث: حدیث شریف میں تین چیزوں کا بیان ہے۔

(۱) صدقہ کرنا باعث اجر و فضیلت ہے۔

(۲) سوال پر بچنا ضروری ہے۔

(۳) غیر اللہ سے مانگنا اور سوال کرنا مذموم ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۴۹-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ التَّيْمِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو الزَّعْرَاءِ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَيْدِي ثَلَاثَةٌ: فَيَدُ اللَّهِ الْعُلْيَا، وَيَدُ الْمُعْطِي الَّتِي تَلِيهَا، وَيَدُ السَّائِلِ السُّفْلَى؛ فَأَعْطِ الْفَضْلَ، وَلَا تَعْجِزْ عَنْ نَفْسِكَ .

ترجمه: حضرت مالک بن نضلہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاتھ تین قسم کے ہیں، ایک ہاتھ تو اللہ کا ہے جو سب سے بلند ہے، دوسرے صدقہ دینے والے کا ہاتھ جو اللہ کے ہاتھ سے قریب تر ہے، تیسرے لینے والے کا ہاتھ جو نیچے ہے؛ پس جو چیز ضرورت سے زائد ہو اسکو صدقہ میں دیدے اور اپنے نفس کا کہا مت مان۔

رجال حدیث: أبوالزعراء: یہ عمرو بن عمرو بن عامر الجشمی الکوفی ہیں، امام احمد، امام نسائی، امام عجلی اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے، ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے: "أجمعوا على أنه ثقة"۔

أبوالاحوص: یہ عوف بن مالک جشمی ہیں اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

مالك بن نضله: بنون ومعجمہ ساکنہ، یہ ابوالاحوص کے والد ہیں، اور صحابی ہیں۔

تشریح حدیث: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ لینے اور دینے کے اعتبار سے ہاتھ تین قسم کے ہیں، اس لیے کہ معطی کی دو قسمیں ہیں: ایک معطی حقیقی، دوسرے معطی ظاہری، معطی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے؛ اس لیے کہ وہی ہر چیز کا مالک ہے، اور معطی ظاہری وہ انسان ہے جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ خرچ کرادے، پس اللہ رب العزت کا ہاتھ سب سے بلند ہاتھ اللہ ہی کا ہے، اس کے بعد درجہ ہے اس کا جو اللہ کے عطا کیے ہوئے مال کو خرچ کرے، رہا مسئلہ سائل کا تو ظاہر ہے کہ سوال کرنے میں ذلت ہے اس لیے اس کا درجہ سب سے نیچے ہے۔

قوله: فاعط الفضل: یعنی اپنے اور اپنے اہل وعیال جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے، سے جو بچ جائے اس کو اللہ کے لیے فقراء ومساکین کو دے دو، حضور ﷺ کا یہ امر ندب اور استحباب پر محمول ہے۔

قوله: ولا تعجز عن نفسك: یعنی خرچ کر اور مال کے حریص نفس کا مقابلہ کرنے سے عاجز مت ہو، نفس تو بخل کا حکم کرتا ہی ہے، صاحب منہل نے اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ سارا مال خرچ نہ کرو کہ بعد میں سوال کے محتاج ہو جاؤ۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۹۰)

تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ ید منفقہ کا درجہ سب سے بلند ہے پھر ید متعففہ کا اور پھر ید سائلہ کا۔ واللہ اعلم

۱۶۴۹-أخرجه أحمد في مسنده (۳/ ۴۷۳) وابن خزيمة (۲۴۴۰).

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ

بنی ہاشم کو صدقہ دینے کا بیان

۱۶۵۰-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ، فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ: اصْحَبْنِي فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا، قَالَ: حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ، فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَإِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ

ترجمہ: حضرت ابن ابی رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مخزوم میں سے ایک شخص کو صدقہ کی وصولیابی کے لیے بھیجا، اس نے ابورافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ رہو تمہیں بھی کچھ مل جائے گا، میں نے کہا: پہلے میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کرلوں، جب آپ ﷺ کے پاس آ کر پوچھا تو فرمایا: کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اس قوم میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے (لہذا تیرے لیے بھی جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ تو ہمارا آزاد کردہ غلام ہے)۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداودؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غنی اور مالدار شخص کو زکوۃ نہیں دینی چاہیے اسی طرح نسبی اعتبار سے جس کو برتری حاصل ہے۔ وہ بھی مستحق زکوۃ نہیں، جیسا کہ قبیلۂ بنو ہاشم اب اس کا مصداق کون لوگ ہیں، ان کی تفصیلات کیا ہیں مناسب ہے کہ احادیث کی تشریح سے قبل ان کو بیان کردیا جائے۔

بنو ہاشم کا مصداق:

ہاشم حضور ﷺ کے پرداوا کا نام ہے جن کے بیٹے عبدالمطلب تھے، پھر عبدالمطلب کے بارہ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک حضور ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، دوسرے عباسؓ، تیسرے: حمزہؓ، چوتھے ابوطالب پانچویں، حارث، چھٹے: ابولہب، ساتویں ضرار، آٹھویں: زبیر، نویں مقوم، دسویں قثم، گیارہویں: مصعب، اور بارہویں مغیرہ ہیں.

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے گیارہ چچا ہیں، ان گیارہ اعمام میں سے سات کی نسل موجود نہیں ہے، بلکہ شروع کے پچاس سالوں میں ہی ان کی نسل ختم ہوگئی تھی، چار اعمام کی نسل باقی ہیں، پھر ان چار میں سے ابولہب (عبدالعزی) نے

۱۶۵۰-أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: ماجاء في كراهية الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم وأهل بيته ومواليه (۶۵۷)، والنسائي: كتاب الزكاة، باب: مولى القوم منهم (۵/۱۰۷).

حضورﷺ سے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے، اس لیے اس کو حضورﷺ سے قرابت قریبہ کے باوجود شرافت کے درجہ سے باہر کر دیا گیا، اب باقی رہے تین چچا یعنی عباس، ابوطالب اور حارث، ان میں سے حضرت عباسؓ تو خود بھی ایمان لائے اور ان کی نسل بھی ایمان لائی، اور ابوطالب وحارث اگر چہ خود ایمان نہیں لائے لیکن حضورﷺ کی بائیکاٹ کے زمانہ میں مکمل حمایت اور نصرت کی اور ان دونوں کی نسل ایمان لائی، اس لیے ان تین اعمام عباس، ابوطالب اور حارث کی اولاد بنو ہاشم کا مصداق ہے۔

اب تینوں کی اولاد کو زکوۃ اور صدقہ دینا جائز نہیں ہے، علونسبی اور شرف اصلی کے احترام میں شریعت نے ان کو مصرف زکوۃ نہیں ٹھہرایا ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ ہاشم کے بارہ پوتوں میں سے تین کی اولاد پر صدقہ حرام ہے، سات پوتوں کی نسل ہی باقی نہیں، اور ایک پوتے (ابولہب) کو دشمنی کی وجہ سے اس شرف سے محروم کر دیا گیا اگر چہ اس کی نسل آج بھی موجود ہے اور ایمان والی ہے، لیکن وہ اس اعزاز کی مستحق نہیں؛ حنفیہ کا یہی مذہب ہے اگر چہ دوسرے فقہاء کا خیال ہے کہ ابولہب کی اولاد میں جو اسلام لے آئے وہ بھی اس میں داخل ہیں، جیسے عتبہ اور معتب، جو کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لے آئے تھے، بنو ہاشم یا آل محمد جن پر صدقہ حرام ہے اس کا مصداق یہ ہوئے:

(۱) آل عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم

(۲) آل ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم

(۳) آل حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم

اور ان تینوں کی مسلمان اولاد پر سادات کا اطلاق ہوتا ہے۔

بنو المطلب کا مصداق اور حکم:

حضورﷺ کے جد ثالث: عبد مناف کے چار لڑکے تھے، ہاشم، مطلب، نوفل، عبد شمس، ان چاروں کے چار خاندان ہوئے، ان میں سے بنو ہاشم کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے؛ اس لیے کہ خود حضورﷺ اسی خاندان میں سے ہیں، پھر باقی تین خاندانوں میں سے بنو المطلب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انھوں نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں بنو ہاشم کی نصرت اور حمایت کی ہے، چناں چہ بزمانہ مقاطعہ قریش شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کے ساتھ صرف بنو المطلب ہی تھے، اسی لیے حضورﷺ نے خمس غنیمت کی تقسیم میں سہم ذوی القربیٰ کو بنو ہاشم اور بنو المطلب میں تقسیم فرمایا، جس پر بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے بعض افراد نے آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا شکوہ بھی کیا کہ آپ نے بنو ہاشم کے ساتھ صرف بنو المطلب کو شامل فرمایا ہے باقی دو قبیلوں کو چھوڑ دیا ہے، حالاں کہ جو رشتہ آپ سے بنو المطلب کا ہے وہی ہمارا بھی

ہے، سب ایک دادا (عبدمناف) کی اولاد ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "إنا وبني المطلب لا نفترق في جاهلية ولا إسلام" یعنی یہ توضیح ہے کہ تینوں خاندان (بنوالمطلب، بنونوفل، بنوعبدشمس) میرے ساتھ قرابت میں برابر ہیں، لیکن نصرت اور تعاون کے لحاظ سے صرف بنوالمطلب ہمارے (بنوہاشم) کے ساتھ ہیں۔

یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ حرمتِ صدقہ کے باب میں بنوالمطلب تقسیم سہم ذوی القربی میں شرکت کی طرح بنو ہاشم کے ساتھ ہیں یا نہیں؟۔

دو بڑے امام: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بنوالمطلب، بنوہاشم کے ساتھ نہیں ہیں، بنوالمطلب کے لیے صدقہ حلال ہے، جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حرمت صدقہ کے باب میں بھی برابر ہیں دونوں ہی کے لیے زکوۃ جائز نہیں، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سہم ذوی القربی دونوں ہی کو دیا ہے اور یہ بدل ہے اس کا کہ ان دونوں قبیلوں کو صدقات میں سے نہیں دیا جاسکتا، ہم کہتے ہیں کہ بنوالمطلب کو نصرت وحمایت کی وجہ سے دیا گیا ہے، اور نصرت وحمایت اخذ زکوۃ سے مانع نہیں ہے، اس سے مانع صرف قرابت ہے، اور قرابت میں اقرب الی النبی صرف بنوہاشم ہیں اس لیے بنوالمطلب، بنونوفل اور بنوعبدشمس تینوں خاندانوں کے لیے اخذ زکوۃ حلال ہے اور حضور ﷺ کے خاندان بنوہاشم کے لیے اخذ زکوۃ جائز نہیں ہے۔

ذیل میں ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے جس میں بنوہاشم، بنونوفل، بنوالمطلب اور بنوعبدشمس کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، اسی طرح بنوہاشم کی تفصیل بھی اس نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھی جاسکتی ہے، نقشہ یہ ہے:

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

قصی
عبد مناف
ہاشم
مطلب
نوفل
عبد شمس
عبدالمطلب
(۱) عبداللہ
محمد رسول اللہ
(۲) عباس
اسلم
باقی نسل
صدقہ حرام
(۳) حمزہ
اسلم
(۴) ابوطالب
نسل باقی
صدقہ حرام
(۵) الحارث
نسل باقی
صدقہ حرام
(۶) عبدالعزی (ابولہب)
نسل باقی
حلال
(۷) ضرار
(۸) زبیر
(۹) مصعب
(۱۰) مقوم
(۱۱) قثم
(۱۲) مغیرہ
وهم بنو هاشم عند الإطلاق
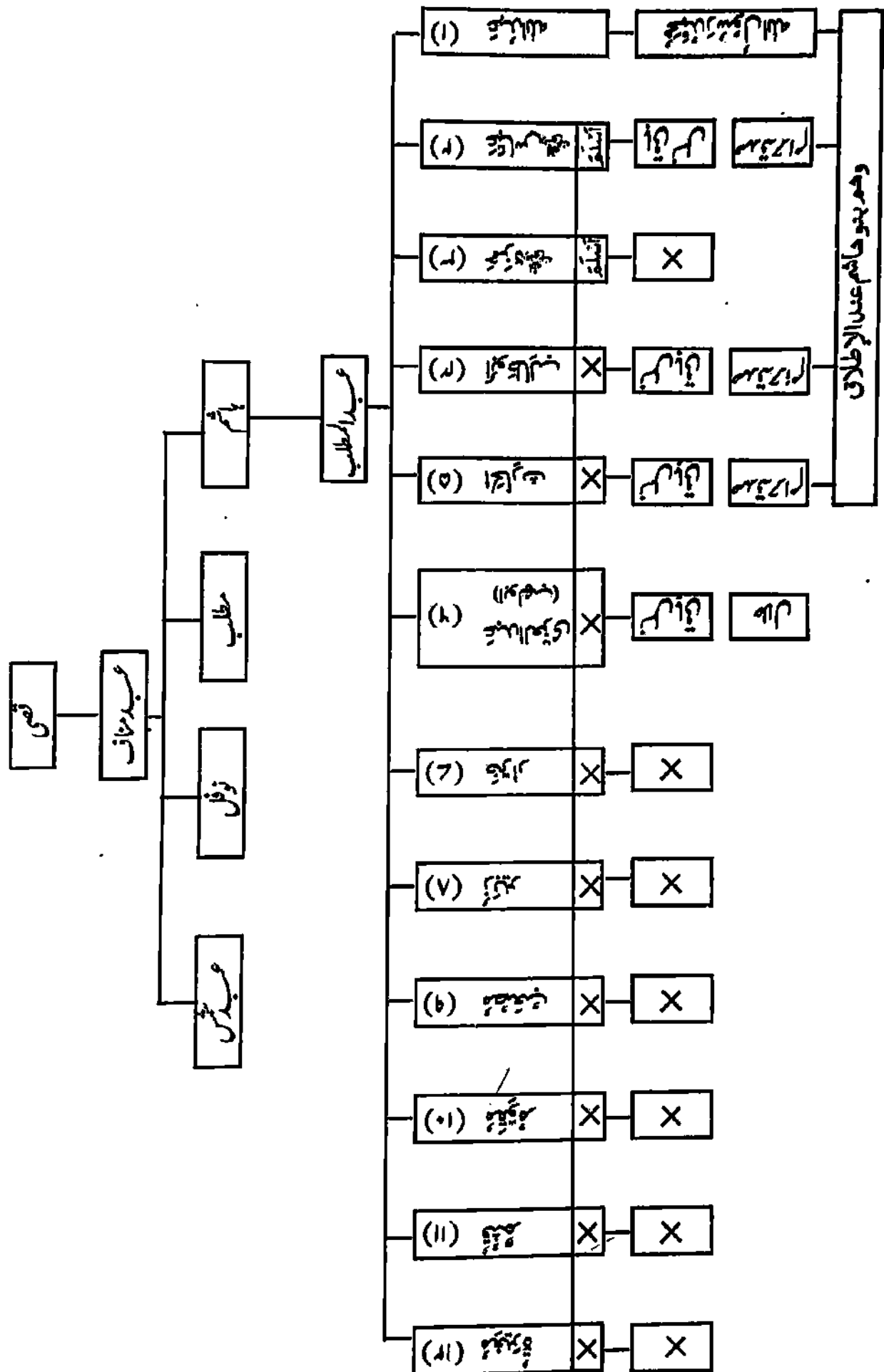
موالی بنو ہاشم کا حکم:

جس طرح صدقہ اور زکوۃ بنو ہاشم کے لیے حرام ہے، کیا اسی طرح ان کے موالی یعنی آزاد کردہ غلاموں کے لیے بھی حرام ہے؟ اس سلسلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تو یہی ہے کہ ان کے موالی بھی اس حکم میں ان کے ساتھ ہیں، اور صدقہ وزکوۃ ان کے لیے حلال نہیں، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک وہ اس حکم میں داخل نہیں، حاشیۃ الدسوقی میں ہے: ''وجاز إعطاؤها لمولاهم أي لعتيق بني هاشم'' (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۱/ ۴۹۴، دار الفکر)

حضرات ائمہ ثلاثہ کا استدلال حدیث باب سے ہے۔

ازواج مطہرات کا حکم:

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے؛ لیکن صاحب مغنی نے المغنی میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''إنا آل محمد لاتحل لنا الصدقة''، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ازواج مطہرات کے لیے بھی صدقہ حرام تھا، شیخ تقی الدین یعنی ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی رائے بھی یہی ہے فرماتے ہیں:
''يحرم عليهن الصدقة وأنهن من أهل بيته في أصح الروايتين'' (کشف القناع: ۲/ ۲۹۲)

بنو ہاشم کے لیے نفلی صدقہ کا حکم:

بنو ہاشم کے لیے نفلی صدقہ بھی حرام ہے یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) جواز مطلقاً، یہ حنفیہ اور شافعیہ کا ایک قول ہے، اور دلیل یہ ہے کہ صدقۂ نافلہ اوساخ الناس میں سے نہیں ہے۔

(۲) عدم جواز مطلقاً: یہ حنفیہ اور شافعیہ کا دوسرا قول ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ایک روایت ہے، اس لیے کہ صدقہ سے ممانعت کی روایات عام ہیں، مفروضہ اور نافلہ دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہوں گی۔

(۳) جواز مع الکراہیۃ، مالکیہ کا مذہب یہی ہے۔

اس تفصیل کے بعد حدیث کی تشریح پیش خدمت ہے:

تشریح حدیث: حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ اپنا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا اس شخص کا نام ابراہیم تھا، جب یہ زکوۃ وصول کرنے جانے لگے تو انھوں نے ابورافعؓ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تا کہ تم کو بھی بہ حیثیت عامل زکوۃ کے کچھ مال

زکوٰۃ مل جائے، ابورافع نے کہا کہ پہلے میں اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے معلوم کر لیتا ہوں کہ تمہارے ساتھ جاؤں یا نہ جاؤں، چناں چہ ابورافع نے حضور ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ مالِ زکوٰۃ ہم بنوہاشم کے لیے حلال نہیں ہے، اور کسی بھی قوم کے موالی حکم زکوٰۃ کے اس قوم میں سے ہیں اور تم ہمارے موالی میں سے ہو، اس لیے زکوٰۃ کا لینا اور کھانا جس طرح ہمارے لیے درست نہیں ہے اسی طرح تمہارے لیے بھی درست نہیں ہے۔

حدیث بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بنوہاشم کے غلاموں کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں ہے، خواہ وہ غلام ان کی ملکیت میں ہوں یا آزاد کر دیئے گئے ہوں، اور خواہ وہ زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور ہوں یا محتاج وفقیر ہوں کسی حال میں بھی مال زکوٰۃ ان کے لیے درست نہیں۔

ہاشمی کی زکوٰۃ ہاشمی کے لیے:

حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ ہاشمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ دوسرے ہاشمی کو دے دے اور دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''مابني هاشم: إن الله كره لكم غسالةَ أيدي الناس وأوساخهم وعوّضكم منها بخمس الخمس'' اس میں ''الناس'' سے مراد غیر ہاشمی ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاشمی کی زکوٰۃ درست ہے اور حلال ہے۔ (الموسوعة الفقهيه الكويتيه:۱/ ۱۰۴)

۱۶۵۱- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُرُّ بِالتَّمْرَةِ الْعَائِرَةِ، فَمَا يَمْنَعُهُ مِنْ أَخْذِهَا، إِلَّا مَخَافَةَ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً.

ترجمه: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی ایسی کھجور کے پاس سے جاتے جس کا مالک معلوم نہ ہوتا تو اس کو محض اس خیال سے نہ لیتے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو۔

تشریح حدیث: عائرہ ساقطہ کے معنی میں ہے، یعنی زمین پر پڑی ہوئی وہ کھجور جس کا مالک معلوم نہ ہو، اس حدیث سے جناب رسول اللہ ﷺ کا کمالِ تقویٰ معلوم ہوتا ہے اور آپ ﷺ کے اس عمل میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لیے جس چیز کی اباحت معلوم نہ ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھجور اور اس جیسی معمولی چیز جس کے بارے میں ظن غالب ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کرنے نہیں آئے گا، اگر راستہ میں پڑی ہوئی ملے

۱۶۵۱-أخرجه أحمد في مسنده (۳/ ۲۹۱).

تو اس کا اٹھانا درست ہے، بلکہ نعمت رزق کی قدر کا تقاضہ ہے کہ اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالے۔ (معالم السنن خطابی: ۱/ ۵۱۰)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ثابت ہوگئی کہ صدقہ آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھا، اسی وجہ سے آپ اس کھجور کو اٹھا کر استعمال کرنے سے گریز فرماتے تھے۔

۱۶۵۲- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ تَمْرَةً، فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا .

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ هَكَذَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک کھجور ملی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو میں اس کو کھا لیتا۔

ابوداؤد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ہشام نے قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت انس ؓ کی حدیث مصنف ؒ نے تین طرق سے پیش کی ہے، اور مدار تینوں سندوں کا قتادہ بن دعامہ پر ہے، پہلی سند میں ان سے نقل کرنے والے حماد بن سلمہ تھے، دوسری میں خالد بن قیس اور تیسری میں ہشام دستوائی تھے، پھر ان تینوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ حماد کی روایت میں حضور ﷺ کا عمل مذکور ہے کہ آپ ﷺ اس خوف سے پڑی ہوئی کھجور نہیں اٹھاتے تھے کہ کہیں یہ کھجور صدقہ کی نہ ہو، جب کہ خالد اور ہشام کی روایت میں حضور ﷺ کا قول منقول ہے کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہے تو میں اس کو اٹھا کر کھا لیتا۔

۱۶۵۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَنِي أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلٍ، أَعْطَاهَا إِيَّاهُ مِنَ الصَّدَقَةِ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا وہ اونٹ لینے کے لیے جو آپ ﷺ نے ان کو صدقہ میں دیئے تھے۔

۱۶۵۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ

۱۶۵۲- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱۰۷۱). (۲) النسائي في الكبرى، كتاب الصلاة.

۱۶۵۳- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۷/ ۲۸، رقم/ ۱۳۲۳۷).

۱۶۵۴- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۷/ ۲۸، رقم/ ۱۳۲۳۷).

ابْنِ عَبَّاسٍ، نَحْوَهُ، زَادَ: أَبِي يُبْدِلُهَا لَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری سند کے ساتھ اسی طرح مروی ہے، اس میں أَبِي يُبْدِلُهَا لَهُ کی زیادتی ہے۔

تشریح حدیث: مصنفؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو بھی دو سندوں سے نقل فرمایا ہے، پہلی سند میں کریب سے نقل کرنے والے حبیب بن ابی ثابت ہیں، اور دوسری سند میں سالم ہیں، سالم کی روایت میں ''أبي يبدلها له'' کا اضافہ ہے، اس اضافہ کی تشریح ابھی چند سطروں کے بعد آرہی ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ضرورت پڑنے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے چند اونٹ بطور قرض کے لیے لیے تھے، پھر جب آپ ﷺ کے پاس زکوۃ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ان اونٹوں کے ذریعہ اپنے چچا کا قرض ادا کردیا، یقیناً حضرت عباسؓ کے لیے یہ اونٹ زکوۃ نہیں تھے بلکہ ان کے لیے تو اپنا قرض تھا جو واپس ملا، لیکن پھر بھی غایت احتیاط کی وجہ سے حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو یہ اونٹ واپس لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ اگر زکوۃ کے اونٹوں کے علاوہ نفلی تبرعات کے اونٹ ہوں تو ان سے میرا قرض ادا کردیا جائے، طریق ثانی میں ''یبدلها'' کا یہی مطلب ہے۔

ہماری بیان کردہ تشریح سے اس حدیث میں یہ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ واقعہ بنو ہاشم پر صدقہ کی حرمت سے پہلے کا ہے، کیوں کہ یہ اونٹ حضرت عباسؓ کے حق زکوۃ تھے ہی نہیں بلکہ ان کو تو ان کے قرض کی ادائیگی میں یہ اونٹ واپس ملے تھے، اگرچہ غایت احتیاط کی وجہ سے ان کو بھی حضرت عباسؓ نے غیر زکوۃ کے اونٹوں سے بدلوالیا، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ کوئی غنی آدمی مال زکوۃ کو اپنے مال کے ذریعہ خرید لے۔

قولہ: ''زاد: أبي يبدلها له'': ''زاد'' کی ضمیر سالم کی طرف راجع ہے، اور ''له'' کی ضمیر عباس کی طرف، یعنی کریب کے دسرے شاگرد سالم نے اپنی روایت کے اخیر میں ''أبي يبدلها له'' کا اضافہ کیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو میرے والد حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کی خدمت اپنے اونٹوں کو بدلنے کے لیے بھیجا تھا۔

چوں کہ حضرت عباسؓ کا قرض حضور ﷺ نے زکوۃ کے اونٹوں سے ادا کردیا تھا اور حضرت عباسؓ یہ چاہتے تھے کہ میرا قرضہ زکوۃ کے اونٹوں سے ادا نہ کیا جائے بلکہ نفلی امداد میں آئے ہوئے اونٹوں سے میرا قرض ادا ہوتا کہ کسی بھی اعتبار سے میں زکوۃ کے مال کو استعمال نہ کروں۔

خلاصہ باب:

اس باب میں حضرت امام ابوداوُدؒ نے کل تین صحابہ کی روایات کو پانچ سندوں سے بیان فرمایا ہے، حضرت ابورافعؓ کی روایت کو ایک سند سے، حضرت انسؓ کی روایت کو دو سندوں سے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو دو سندوں سے ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ وصدقات حلال نہیں ہیں، اور صحیح قول کے مطابق بنو ہاشم کا مصداق، آل عباس، آل ابی طالب اور آل حارث ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ الْفَقِيرِ يُهْدِي لِلْغَنِيِّ مِنَ الصَّدَقَةِ

فقیر صدقہ کے مال سے غنی کو تحفہ دے سکتا ہے

د۱۶۵۵- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ، قَالَ: مَا هَذَا؟ ، قَالُوا: شَيْءٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کے پاس گوشت آیا، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ گوشت کیسا ہے؟ گھر والوں نے کہا: یہ وہ گوشت ہے جو بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صدقہ میں ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے (بریرہ رضی اللہ عالیٰ عنہا کی طرف سے) تحفہ ہے۔

مقصد ترجمہ: ماقبل میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث آئی تھی کہ پانچ قسم کے مالداروں کے لیے صدقہ حلال ہے، ان میں سے ایک وہ غنی ہے جس کو اس کا غریب پڑوسی مال زکوٰۃ میں سے بطور ہدیہ کے کچھ دے دے، کیوں کہ تبدیل ملک کی وجہ سے یہ چیز اس مالدار کے لیے زکوٰۃ نہ رہی بلکہ ہدیہ ہے جو کہ حلال ہے، بالکل یہی صورت مصنفؒ یہاں بھی بیان فرمارہے ہیں کہ ہاشمی کے لیے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی مستحق زکوٰۃ مال زکوٰۃ لے کر اس میں سے کچھ بطور ہدیہ کے کسی ہاشمی کو دے دے تو پھر ہاشمی کے لیے اس کا لینا حلال ہے؛ کیوں کہ یہ مال اب زکوٰۃ کا نہیں ہے بلکہ ہدیہ کا ہے۔

صدقہ اور ہدیہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ صدقہ میں ثواب آخرت مقصود ہوتا ہے اور ہدیہ میں سامنے والے (جس کو

۱۶۵۵- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: إذا تحولت الصدقة (۱۴۹۵)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ولبني هاشم وبني عبد المطلب (۱۰۷۴)، والنسائي: كتاب الزكاة، باب: إذا تحولت الصدقة (۵/۱۰۷).

دیا جارہا ہے) کا اکرام و اعزاز مقصود ہوتا ہے، صدقہ لینے میں کچھ نہ کچھ ذلت کا پہلو ہے، اور ہدیہ میں عزت کا پہلو ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور صدقہ کو قبول نہیں کرتے تھے۔

تشریح حدیث: باب کے تحت مصنفؒ نے جو حدیث پیش کی ہے یہ صحیحین کی مشہور حدیث ہے، اور یہاں یہ روایت کچھ مختصر ہے صحیح مسلم میں مفصل ہے، جس کا مضمون یہاں نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بریرہؓ کے تعلق سے تین شرعی احکام ظاہر ہوئے ہیں:

(۱) جب وہ آزاد ہوئیں تو ان کو اپنے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا یعنی حضرت بریرہؓ باندی تھیں، حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تو ان کو خیار عتق ملا، اور انھوں نے حضرت مغیثؓ سے کنارہ کر لیا۔

(۲) وَلاء یعنی میراث کا حق آزاد کرنے والے کو ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ بریرہؓ ایک یہودی کی باندی تھیں جس نے ان کو "مکاتبہ" کر دیا تھا، بدل کتابت کی ادائیگی کے سلسلہ میں وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اپنے مالکوں سے بات کر لو اگر وہ تجھے بیچنا چاہیں تو میں تجھے خرید لوں گی، چناں چہ بریرہؓ نے اپنے مالکوں سے بات کی انھوں نے بیچنے کو منظور کر لیا، مگر یہ شرط لگادی کہ بریرہؓ کے "مال ولاء" کے حقدار ہم ہوں گے، حضرت عائشہؓ نے یہ تفصیلات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ! اس بریرہؓ کو خرید و اور آزاد کر دو، اس کا حق ولاء تمہارے لیے ہے، ان یہود کی شرط باطل ہے۔

(۳) یہ کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے، پھر جب آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ گھر والوں نے عرض کیا کہ یہ گوشت صدقہ کا ہے، جو بریرہؓ کو ملا ہے اور آپ ﷺ صدقہ نہیں کھاتے ہیں، فرمایا وہ گوشت اس کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ صدقہ کی جو چیز مستحق کو دی گئی تھی جب اس تک پہنچ کر اس کے مالکانہ قبضہ میں آگئی تو صدقہ کی معنویت پوری ہوگئی، اب وہ مستحق صدقہ اپنی مالکانہ حیثیت کے ساتھ وہ جس کسی کو بھی دے گا خواہ وہ غنی اور ہاشمی ہی کیوں نہ ہو تو وہ چیز ہدیہ ہوگی، اس کو صدقہ نہیں مانا جائے گا۔

فقہ الحدیث: حدیث باب سے اربابِ اصول نے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ تبدل ملک مملوک کے اندر مؤثر ہوتا ہے، اور اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے اگر اس کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے اور وہ مستحق زکوٰۃ اس مال کو اپنے مالکانہ قبضہ میں لینے کے بعد رضامندی سے کسی ایسے شخص کو دے دے جو زکوٰۃ کا مستحق

نہیں ہے تو وہ مال اس کے لیے حلال ہے؛ کیوں کہ وہ مال اس مستحق زکوۃ کی ملکیت ہے، اب وہ جس کسی کو دے روا ہے۔

یہ مسئلہ اپنی تفصیلات کے ساتھ "مسئلہ تملیک" یا "حیلہ تملیک" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مظاہر حق: ۲/ ۶۱۶)

صاحب منہل نے لکھا ہے کہ صدقہ سے وصف صدقہ مستحق کے قبضہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے، اور جس کے لیے صدقہ حرام ہے (خواہ غنی ہونے کی وجہ سے حرام ہو یا ہاشمی ہونے کی وجہ سے) اس کے لیے بطور ہدیہ کے لینا درست ہو جاتا ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۲۹۶)

بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا

کوئی شخص صدقہ کرنے کے بعد پھر اسی چیز کو وراثت میں پائے تو اسکے لیے درست ہے

۱۶۵۶- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ بُرَيْدَةَ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِوَلِيدَةٍ، وَإِنَّهَا مَاتَتْ وَتَرَكَتْ تِلْكَ الْوَلِيدَةَ، قَالَ: قَدْ وَجَبَ أَجْرُكِ، وَرَجَعَتْ إِلَيْكِ فِي الْمِيرَاثِ

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور بولی میں نے اپنی ماں کو صدقہ میں ایک لونڈی دی تھی اب میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور ترکہ میں وہی لونڈی چھوڑ گئی ہیں (اب میں اسکا کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا صدقہ کا تجھے ثواب ملے گا اور وہ لونڈی ترکہ میں تیرے پاس لوٹ آئی ہے۔

مقصد ترجمہ: کسی چیز کو زکوۃ یا نفلی صدقہ کے طور پر دے دینے کے بعد واپس لینے کا ایک طریقہ تو حقیقتاً ہو سکتا ہے اور ایک طریقہ صرف صورتاً یعنی ظاہراً ہو سکتا ہے، حقیقتاً واپس لینا تو یہ ہے کہ زکوۃ یا صدقہ کے طور پر جو مال کسی مستحق کو دے دیا ہے اس کو لوٹا لے یعنی واپس لے لے، یہ تو حرام ہے اور صورتاً واپس لینے کی ایک مثال یہ ہے کہ جو مال کسی کو نفلی صدقہ کے طور پر دیا ہے وہ بطور میراث کے دینے والے کو مل جائے، یہ صورتاً اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینا ہوا اس باب میں مصنفؒ اسی کو بیان فرمارہے ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت بریدہؓ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں قدرے تفصیلی ہے، کہ "ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون آئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک لونڈی (نفلی) صدقہ کے طور پر اپنی ماں کو دی تھی،

۱۶۵۶- أخرجه مسلم رقم (۱۱۴۹) وابن ماجه رقم (۱۷۵۹)

اب میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا میں اس کو لے سکتی ہوں اور وہ لوٹ کر میری ملکیت میں آجائے گی یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: صدقہ اور صلہ رحمی کرنے کا تمہارا اجر ثابت ہوگیا یعنی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جاچکا ہے، اور اس لونڈی کو میراث نے تمھیں لوٹا دیا"۔

مطلب آپ ﷺ کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لونڈی کو میراث کے ذریعہ تمھیں لوٹا دیا ہے، میراث میں ملنے کے سبب جو کہ حلال اور جائز ذریعہ ہے وہ لونڈی پھر سے تمہاری ملکیت میں آگئی۔

فقه الحديث: حدیث سے ثابت ہوا کہ جو چیز صدقہ میں دی جا چکی ہے اور پھر وہی چیز وراثت کے ذریعہ اس صدقہ دینے والے کو مل جائے تو اس کا شمار عود فی الصدقہ (دیا ہوا صدقہ واپس لینے) میں نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ امر اختیاری نہیں ہے، یہی ترجمۃ الباب کا مقصد بھی ہے۔

بَابٌ فِي حُقُوقِ الْمَالِ

مال کے حقوق کا بیان

۱۶۵۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْمَاعُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَارِيَةَ الدَّلْوِ وَالْقِدْرِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ماعون ڈول اور دیگچی وغیرہ دینے کو سمجھتے تھے۔

مقصد ترجمه: اس ترجمۃ الباب سے مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ انسان کے مال میں دو طرح کے حقوق ہیں، ایک حقوق لازمہ جیسے زکوٰۃ اور حقوق غیر لازمہ جیسے صدقات نافلہ مصنفؒ یہاں اسی عموم کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمارہے ہیں کہ ہم لوگ قرآن پاک کی آیت "ویمنعون الماعون" میں "ماعون" سے مراد معمولی اشیاء ڈول اور دیگچی وغیرہ کو لیا کرتے تھے۔

"ماعون" کے اصل لفظی معنی شئ قلیل اور حقیر کے ہیں، اس لیے ماعون اسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادتاً ایک دوسرے کو عاریتاً دی جاتی ہیں، اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت کا تقاضہ سمجھا جاتا ہے اور جو اس میں دینے سے بخل

۱۶۵۷- أخرجه النسائي في الكبرى: كتاب التفسير رقم (۱۱۷۰۱).

کرے وہ بڑا کنجوس کمینہ سمجھا جاتا ہے، جیسے: کلہاڑی، پھاوڑا یا کھانے پکانے کے برتن جن کا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، اور جو انہیں دینے سے بخل کرے وہ معاشرہ میں بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، حدیث باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی ''ماعون'' کے معنی اور تفسیر انھیں معمولی اشیاء سے کی ہے۔

لیکن مصنفؒ اس حدیث کو کتاب الزکاۃ میں شاید اس وجہ سے لائیں ہیں کہ اکثر اہل علم جیسے حضرت علیؓ ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، قتادہ، ضحاک وغیرہ نے اس کی تفسیر زکوۃ سے کی ہے اور زکوۃ کو ''ماعون'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبتاً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ۔

اور قرآن پاک میں ''ماعون'' کے نہ دینے پر جو عذاب کی وعید مذکور ہے وہ بھی ترکِ فرض (یعنی ترک زکوۃ) ہی پر ہوسکتا ہے، استعمال اشیاء کا دوسروں کو دینا بہت بڑا ثواب اور انسانیت ومروّت کے لحاظ سے ضروری صحیح مگر فرض وواجب نہیں، جس کے روکنے پر جہنم کی وعید ہو۔

رہا مسئلہ یہ کہ جب ''ماعون'' سے مراد زکوۃ ہے تو پھر حضرت ابن مسعودؓ نے ماعون کی تفسیر استعمال کی اشیاء اور برتنوں سے کیوں کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں درحقیقت ان لوگوں کی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوۃ تو کیا دیتے استعمالی اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں، تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۵۸- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ، لَا يُؤَدِّي حَقَّهُ، إِلَّا جَعَلَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَتُكْوَى بِهَا جَبْهَتُهُ وَجَنْبُهُ وَظَهْرُهُ، حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا، إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، فَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ، وَلَا جَلْحَاءُ، كُلَّمَا مَضَتْ أُخْرَاهَا، رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى

۱۶۵۸- أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: إثم مانع الزكاة (۹۸۷).

النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا، إِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، فَتَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، كُلَّمَا مَضَتْ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس مال ہے اور وہ پھر بھی اس کا حق ادا نہیں کرتا (یعنی زکوۃ نہیں دیتا) تو قیامت کے دن اسی مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس کی پیشانی، پسلی اور پیٹھ کو داغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالی فیصلہ کرے اس دن جو تمہارے اس دنیاوی حساب سے پچاس ہزار برس کا ہوگا، اس کے بعد اس کو اپنی راہ معلوم ہوگی جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف، اسی طرح جو بکریوں والا ان کی زکوۃ نہ دے گا تو قیامت کے روز وہ شخص ان بکریوں کے سامنے ایک صاف چٹیل میدان میں ڈال دیا جائے گا اور وہ بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی اور کھروں سے کچلیں گی اور ان بکریوں میں کوئی بکری ٹیڑھے سینگ کی یا بے سینگ کی نہ ہوگی۔ جب ایک مرتبہ یہ بکریاں مار چکیں گی تب پھر دوبارہ سے پہلی والی بکری آئے گی (اور مارنا شروع کرے گی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جو تمہارے حساب سے پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا اس کے بعد اس کو اپنی راہ معلوم ہوگی کہ جنت کی طرف ہے یا دوزخ کی طرف اسی طرح جو اونٹ والا اپنے اونٹوں کی زکوۃ نہ دے گا قیامت کے دن وہ اونٹ لائے جائیں گے اور ان کے مالک کو میدان میں بٹھا دیا جائے گا اور وہ اونٹ اس کو اپنے پیروں سے روندیں گے جب ایک گذر جائے گا تو دوسرا آ جائے گا (اور اس کو روندے گا) اور پھر پہلا والا آ جائے گا (اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اپنے بندوں کے درمیان اس دن جو پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا اس کے بعد اس کو اپنی راہ معلوم ہوگی کہ جنت کی طرف ہے یا دوزخ کی طرف۔

تشریح حدیث: یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، لیکن صحیح مسلم میں زیادہ مطول ہے، ہماری ابوداؤد کی روایت میں صرف تین قسم کے زکوۃ نہ دینے والوں کے بارے میں عذاب کی وعید ہے، یعنی صاحب نقدین (سونا، چاندی، اور تمام کرنسیوں کے مالک) دوسرے صاحب غنم اور تیسرے صاحب ابل کہ اگر یہ لوگ زکوۃ نہیں دیں گے تو ان کو ایسی ایسی سزا ملے گی، جس کا بیان آ رہا ہے جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں گائے بھینس اور گھوڑوں کی زکوۃ نہ دینے والوں کے بارے میں بھی وعید مذکور ہے۔

قولہ: ”ما من صاحب كنز لايؤدي حقه“ کنز اصل میں زمین میں مدفون خزانہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں

حدیث میں کنز سے مراد ہر وہ مال ہے جس میں زکوٰۃ فرض ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جب کسی مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو وہ کنز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں گزرا ہے۔ "مابلغ أن تؤدّي زكوٰته فزكّي فليس بكنزٍ" (سنن ابوداؤد، كتاب الزكاة، باب الكنز ماهو؟ وزكاة الحلي، حدیث/ ۱۵۶۴)

قوله: "إلاّ جعله الله يوم القيامة يحمي عليها في نار جهنم" جعله میں ضمیر منصوب صاحب کنز کی طرف راجع ہے، اسی طرح "يُحْمٰى" فعل مجہول میں نائب فاعل بھی صاحب کنز ہی ہے، اور "عليها" اور "بها" میں "ها" ضمیر کا مرجع کنز ہے، لیکن مؤنث اس اعتبار سے لایا گیا ہے کہ کنز "اموال" کے معنی میں ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ "ها" ضمیر کا مرجع مقدر ہو یعنی "صفائح" (آگ تختیاں) اور تقدیری عبارت یہ ہو: "إلا جعل الله الكنزَ صفائح يوقد عليها في نار جهنم فتكوى بها جبهته الخ" مسلم کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

پھر یہاں پر حدیث میں آیا کہ آگ کے تختوں سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا، ان تین اعضاء کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ جب بخیل آدمی سے زکوٰۃ کا سوال کیا جاتا ہے تو اولاً اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، پھر اگر دوبارہ اس سے سوال کیا جائے تو وہ پہلو تہی کرتا ہے اور پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے، عامۂ بخیل کی عادت یہی ہوتی ہے۔

قوله: حتى يقضي الله بين عباده: یعنی اس طرح داغے جانے کا سلسلہ اس پورے دن جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یوم حساب میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے تو عذاب میں مبتلا ہوں گے، جب کہ باقی مخلوق مرحلۂ حساب میں ہوگی۔ اور یہ یوم الحساب کافروں کو تو پچاس ہزار سال کی طرح بھاری اور دراز معلوم ہوگا اور حدیث کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ مانعین زکوٰۃ کے حق میں بھی اسی قدر دراز ہوگا، اور باقی گنہ گاروں کو ان کے گناہ کے بقدر بھاری اور دراز معلوم ہوگا، لیکن یہی دن کامل مومنین کے لیے اتنا ہلکا اور مختصر ہوگا کہ دنیا میں دو رکعتوں کی ایک فرض نماز پڑھنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس سے بھی کم معلوم ہوگا، جیسا کہ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث میں ہے "قيل لرسولِ الله صلى الله عليه وسلم: يومًا كان مِقْدَارُه خمسين ألفَ سنةٍ، مَا أَطْوَلَ هٰذا اليومَ؟ فقالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده إنه لَيُخَفَّفُ علَى المؤمن حتى يكون أَخَفَّ مِن صلاةٍ مكتوبةٍ يُصَلِّيهَا فى الدنيا" (مسند احمد: ۱۸/ ۲۴۶، رقم الحدیث/ ۱۱۷۱۷)

قوله: "ثم يرى سَبِيْلَهُ إما إلى الجنة وإما إلى النار" "يَرَى" کو بصیغۂ معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، مجہول پڑھنے کی صورت میں "سبيلُه" کو مرفوع پڑھا جائے گا، اور مطلب ہوگا کہ اس کو دو راستوں (جنت

کا یا جہنم کا) میں سے ایک راستہ متعین کر دکھا دیا جائے گا، اور جب ''یری'' کو صیغہ معروف پڑھیں گے تو ''سبیلہ'' کو مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا، یعنی یہ شخص خود اپنا راستہ جنت یا جہنم کی طرف دیکھے گا۔

اور مطلب آپ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ ہے کہ اس شخص کے ذمہ سوائے ترک زکوۃ کے اور گناہ نہ ہوں گے تو یہ عذاب اس کے ترک زکوۃ کے گناہ کے لیے کفارہ ہوگا اور وہ شخص جنت میں چلا جائے گا، اور اگر اس کے ذمہ اس ترک زکوۃ کے گناہ کے علاوہ اور گناہ بھی ہوں گے تو ان دیگر گناہوں کی سزا پانے کے لیے جہنم میں جائے گا۔

قوله: أَوْ فَرَمَا كَانَتْ: ''أوفر'' مضاف ہے، ''ما'' مصدریہ کی طرف اور منصوب ہے ''جاءت'' کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ جن بکریوں کی زکوۃ نہیں دی گئی تھی وہ بکریاں قیامت کے روز اس حال میں آئیں گی کہ گنتی اور مٹاپے میں کامل تر ہوں گی جس طرح وہ دنیا میں کبھی بہت اچھی حالت میں رہی ہوں گی اسی حالت میں آج آئیں گی، تا کہ اپنے مالک کو خوب اچھی طرح روند سکیں۔

قوله: فيبطع لها بقاء قَرْقَرٍ: ''يُبْطَح'': بصیغہ مجہول ہے، بَطَحَهُ (ف) بَطْحًا: منہ کے بل گرانا، اور ''قاع'' کے معنی ہیں: پست ہموار پہاڑوں سے دور والی زمین، جمع ''أقواع'' اور ''قيعان'' آتی ہے۔ ''قَرْقَر'' پست اور نرم زمین، جمع ''قَرَاقِر'' آتی ہے اور ''قاع'' کی تاکیدی صفت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''قاع'' مطلق زمین کو کہتے ہیں اور ''قرقر'' نرم اور ہموار زمین کو ایسی صورت میں تاکید ماننے کی ضرورت نہیں ہے، ''تَنْطَحُ'' باب ضرب اور فتح سے آتا ہے، بمعنی سینگوں سے مارنا، ''قرون'' جمع ''قرن'' کی بمعنی سینگ، ''تطؤه'': وَطِئَ يَطأُ (س) وَطأَ الشئ: پیر سے روندنا، أظلاف جمع ہے، ظِلْف کی بمعنی پھٹے ہوئے کھر، اور حافر وہ ہے جو بیچ میں سے چرا ہوا نہ ہو جیسے گھوڑے کا کھر۔

مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ زکوۃ نہ دینے کی وجہ صاحب غنم کو اوندھے منہ ہموار زمین پر ڈالا جائے گا اور وہ بکریاں اس کو اپنے کھروں سے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی۔

قوله: ''ليس فيها عقصاء ولا جلجاء'' ''عَقْصَاءُ'' بروزن ''فَعْلَا'' وہ بکری جس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں، ''عَقِصَ'' (س) ''عَقَصًا التَّيسُ'' مینڈھے کا پیچھے مڑے ہوئے سینگ والا ہونا، جمع ''عُقص'' آتی ہے، ''جَلْحَاءَ'' یہ بھی فعلاء کے وزن پر ہے ''جُلَحَ'' (س) ''جَلَحًا'' بے سینگ والا ہونا، جمع ''جُلحان وجُلْعٌ'' آتی ہے، یعنی ان میں کی کوئی بکری ایسی نہیں ہوگی جس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں، یا بن سینگوں والی ہو یا جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں، بلکہ بکریوں کے سینگ پوری طرح سلامت ہوں گی، تا کہ اپنے سینگوں سے خوب ماریں اور اپنے کھروں سے خوب روندیں اور زکوۃ نہ دینے والے کو خوب تکلیف ہو۔

قوله: ''كلما مضت أخراها ردت أولاها'': یعنی جب بکریوں کا آخری حصہ روندتے ہوئے اس مالک کے اوپر سے گزر جائے گا تو ان کا پہلا حصہ پھر سے اس کے اوپر گزارنے کے لیے لایا جائے گا، یعنی یہ بکریاں گول دائرے کی شکل میں جمع ہوں گی، جب ان کا ایک چکر پورا ہوگا، تو پھر دوبارہ ان کو گھمایا جائے گا، جب بھی آخری بکری گزرے گی تو پھر پہلی اس پر چلنے لگے گی، کیوں کہ آخری کے گزرنے سے ان کا ایک چکر پورا ہو جائے گا، اسی کو صاحب بذل نے لکھا ہے: ''فيكون مرورها عليه بطريقِ الدائرة'' (بذل المجهود: ٦/ ٥١٤)

البتہ صحیح مسلم میں اس کے برعکس الفاظ یہ ہیں، ''كلما مرّ عليه أولاها رُدَّ عليه أخراها'' کہ جب ان کا پہلا حصہ گزرے گا تو دوسرا لوٹا دیا جائے گا، اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ یہ تمام بکریاں ایک قطار میں کھڑی کی جائیں گی وہ یکے بعد دیگرے اس کے اوپر سے روندتے کچلتے ہوئے گزریں گی ہر اگلی کے بعد پچھلی بکری گزرے گی، جب انتہا کو پہنچ جائیں گی تو اب دوسری مرتبہ اخیر والی بکری سے سلسلہ شروع کیا جائے گا، صاحب بذل اور صاحب منہل نے یہ توجیہ ملا علی القاریؒ سے نقل کی ہے۔ (بذل: ٦/ ٥١٤، والمنهل العذب المورود: ٩/ ٣٠١، ومرقاة المفاتيح: ٤/ ٢٦٤)

لیکن قاضی عیاض نے مسلم کی روایت میں قلب اور تصحیف کی بات لکھی ہے، ہمارے محشی نے بھی قاضی عیاض کی بات ہی کو اختیار کیا ہے اور ابو داؤد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

١٦٥٩- حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، قَالَ: فِي قِصَّةِ الْإِبِلِ بَعْدَ قَوْلِهِ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا قَالَ: وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی حدیث سابق کی طرح مروی ہے لیکن اونٹ کے قصہ میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ اُن کا حق ادا نہ کرتا ہو حدیث ابو ہریرہؓ میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے کہ: ان کے حق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی باری پر پانی پینے آئیں تو ان کا دودھ دوہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں ا سالح سے نقل کرنے والے سہیل بن ابی صالح تھے اور اس میں زید بن اسلم ہیں، مصنفؒ ان دونوں کی روایت میں ایک رق بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ زید بن اسلم نے جب اونٹوں کی زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر نقل کیا تو یہ بھی نقل کیا: ''ومن حقها حلبها يوم وردها'' کہ اونٹوں کا حق یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی باری پر پانی پینے آئیں تو ان کا دودھ نکالے اور فقراء کو تقسیم کرے، یہ اضافہ سہیل بن

١٦٥٩- انظر التخريج المتقدم.

ابی صالح کی روایت میں نہیں تھا۔

اور مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ لوگ اس زمانہ میں ہر تیسرے چوتھے دن اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے پانی کی جگہوں یعنی گھاٹوں اور تالابوں وغیرہ پر لے جاتے ہیں، چناں چہ عرب میں معمول تھا کہ جس جگہ پانی پلانے کے لیے اونٹ لائے جاتے تھے، وہاں غریب لوگ جمع ہوجایا کرتے تھے، اور اونٹوں کے مالک اپنی اونٹنیوں کا دودھ دوہ کر ان غریب لوگوں کو پلاتے تھے، پس اونٹوں کا واجب حق اگر چہ یہی ہے کہ اگر وہ نصاب کے بقدر ہیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے، مگر ایک مستحب حق یہ بھی ہے کہ جس دن اونٹ گھاٹ پر پانی پینے جائیں اس دن مالک ان کا دودھ نکال کر غرباء اور مساکین کو پلائے، اگر چہ یہ مستحب ہے؛ لیکن از راہِ مروّت اور ادائے شکرِ حق کے طور پر گویا "واجب" کا حکم رکھتا ہے، اس لیے آں حضرت ﷺ نے اس طرح فرمایا کہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حق کے ادا نہ کرنے پر بھی عذاب ہوسکتا ہے بلکہ قاضی عیاض مالکیؒ نے تو اس کو حقوق واجبہ میں سے قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ وجوب زکوٰۃ سے قبل کا قصہ ہے، جب زکوٰۃ کا حکم آگیا تو یہ حق منسوخ ہوگیا۔

البتہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے یہ درحقیقت قحط کے زمانہ کی حالت کا بیان ہے کہ جب لوگ اضطرار کی حالت میں ہوں تو ان کو دودھ نکال کر دینا واجب ہے۔ (المنهل العذب المورود:۹/ ۳۰۲)

"وِردها" واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی پانی پر اونٹوں کو لے جانا، یا وہ پانی جس پر اونٹوں کو لے جایا جائے۔ (عون المعبود:۳/ ۵۳)

۱۶۶۰- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي عُمَرَ الْغُدَانِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذِهِ الْقِصَّةِ، فَقَالَ لَهُ - يَعْنِي لِأَبِي هُرَيْرَةَ -: فَمَا حَقُّ الْإِبِلِ؟ قَالَ: تُعْطِي الْكَرِيمَةَ، وَتَمْنَحُ الْغَزِيرَةَ، وَتُفْقِرُ الظَّهْرَ، وَتُطْرِقُ الْفَحْلَ، وَتَسْقِي اللَّبَنَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے پھر یہی قصہ بیان کیا جو پہلے گذرا، راوی نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا: کہ اونٹوں کا حق کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اچھا اونٹ صدقہ میں دینا، اور زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی بخش دینا، اور سواری کے لیے دینا، اور جفتی کے لیے نر کو مفت دے دینا، اور لوگوں کو دودھ پلانا۔

رجال حدیث: ابو عمر الغداني: بضم الغين المعجمه وتخفيف الدال المهملة یہ نسبت ہے قبیلہ تمیم کی شاخ غدانہ کی طرف، ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التهذیب

۱۶۶۰-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: سقوط الزكاة عن الخلل إذا كانت رسلا لأهلها ولحمولتهم (۵/ ۲۵/ ۲۴۴۲).

میں لکھا ہے: ''مقبول''۔

تشریح حدیث: سابقہ حدیث میں جو منع زکوۃ پر وعید بیان ہوئی تھی اور پورا قصہ بیان ہوا تھا اسی کا یہ حصہ ہے۔

قوله: فقال يعني لأبي هريرة الخ: قائل حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد عباس ہیں، جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے معلوم کیا کہ اونٹ کا حق کیا ہے؟ جواب میں حضرت ابو ہریرہؓ نے پانچ چیزیں شمار کرائیں کہ یہ اونٹ کا حق ہیں۔

(۱) تعطي الكريمة: کریمہ کے معنی عمدہ، نفیس، یعنی زکوۃ میں عمدہ اور شاندار قسم کی اونٹنی دو۔

(۲) تمنح الغزيرة: ''مَنَحَ الدابةَ وَنحوَهَا'' کسی کو بشرط واپسی کسی ضرورت کے لیے جانور وغیرہ دینا، کہ وہ ضرورت پورا ہونے کے بعد لوٹا دے، اور ''غزیرۃ'' بروزن فعیلۃ بمعنی کثیرۃ اللبن، یعنی دودھ والی بکری یا اونٹنی کو عاریۃً کسی ضرورت مند کو دے دو تا کہ وہ غریب اور اس کے اہل خانہ اس کے دودھ سے منتفع ہو سکیں، عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنی اونٹنی جو دودھ والی ہوتی چند دنوں کے لیے کسی غریب کو عاریۃً دے دیا کرتے تھے، یہاں اسی کی ترغیب ہے۔

(۳) تفقر الظهر: أَفْقَر فلانًا دَابَّتَهُ: کسی کو اپنی سواری مستعار دینا اور ''ظهر'' کے معنی سواری، یعنی اونٹ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنی سواری کسی ضرورت مند کو عاریۃً سوار ہونے کے لیے دے دیا کرو۔

(۴) تطرق الفحل: أَطْرَقَ فُلانًا فَحلاً: کسی کو عاریۃً جفتی کے لیے اونٹ دینا، مطلب یہ ہے کہ کسی ضرورت مند کو جفتی کے لیے عاریۃً بلا اجرت کے اپنا نر اونٹ دے دیا کرو۔

(۵) تسقي اللبن: بھوکے اور حاجت مند کو اپنی اونٹنی کا دودھ پلا دیا کرو۔

یہ پانچ قسم کے حقوق ہیں جن کی اونٹ گائیں اور بکریاں پالنے والوں کو پاسداری رکھنی چاہیے۔

۱٦٦١- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا حَقُّ الْإِبِلِ؟ فَذَكَرَ نَحْوَهُ زَادَ وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا .

ترجمہ: حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! اونٹ کا حق کیا ہے؟ پھر حدیث سابق کا مضمون بیان کیا اور اس حدیث میں یہ اضافہ ہے پانی پلانے کا ڈول عاریۃً دینا (اسکا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ دودھ پلانے کے لیے تھنوں کو عاریۃً دینا)۔

۱٦٦١- أخرجه مسلم في صحيحه (رقم: ۹۸۸).

تشریح حدیث: عبید بن عمیر کبار تابعین میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی جن کا نام یہاں مذکور نہیں، نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے معلوم کیا کہ اونٹوں کا کیا حق ہے، تو آپ ﷺ نے انھیں چیزوں کا ذکر کیا جو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سابق میں گزرا ہے، البتہ اس میں "إعارة دلوها" کا اضافہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں نہیں تھا، اور "إعارة دلوها" کا مطلب ہے کہ کنویں سے پانی نکالنے کے لیے کسی کے پاس ڈول نہ ہو تو اس کو اپنا ڈول دے دو تا کہ وہ اس ڈول سے کنویں سے پانی نکال کر اپنے اونٹ کو سیراب کر سکے، یا پھر "دلو" سے مراد اونٹنی کا تھن ہے اور مطلب یہ ہے کہ دودھ پینے کے لیے اپنی اونٹنی کسی کو عاریۃً دے دو۔

مصنفؒ نے یہ جو روایت پیش کی ہے اس کو لانے کے یہاں دو فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ ما قبل میں حضرت ابوہریرہؓ نے اونٹ کے حقوق کے تعلق سے جو پانچ چیزیں شمار کرائی تھیں وہ اپنی طرف سے نہیں تھیں؛ بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کی ہوں گی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے تو صرف پانچ چیزیں نقل کی تھیں اور اس حدیث میں جو ایک نامعلوم صحابی سے مروی ہے، ایک چھٹی چیز "إعارة دلوها" کا اضافہ ہے، ان دو فوائد کی وجہ سے مصنفؒ یہ روایت لے کر آئیں ہیں۔

۱۶۶۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ مِنْ كُلِّ جَادٍّ عَشْرَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ، بِقِنْوٍ يُعَلَّقُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَسَاكِينِ .

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جو شخص دس وسق کھجور کو کاٹے تو وہ ایک خوشہ مسجد میں مسکینوں کے لیے لٹکا جائے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں کھجور کے باغات کے مالکان کو ایک استحبابی حکم کی ترغیب دی جارہی ہے کہ دس وسق کھجور میں سے ایک خوشہ کھجور مسجد میں لٹکانا چاہیے تا کہ ضرورت مند لوگ اس سے کھا سکیں، ماشاء اللہ عرب ممالک میں لوگوں کو آج بھی اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قوله: "أمر من كلّ جادّ عشرة أوسق بقنو" اس جملے میں "جادّ" صیغہ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول "مجدود" ہے جَدَّهُ (ن) جدًّا: کاٹنا، توڑنا، بولا جاتا ہے: "هٰذا زمن الجداد" یہ پھلوں کے توڑنے کا زمانہ اور

۱۶۶۲- أخرجه أحمد في مسنده (۳/ ۳۵۹).

موسم ہے، یہاں اس کلمہ "جاد" کے اعراب میں دو احتمال ہیں۔

ایک تو یہ کہ اس کو مابعد کی طرف مضاف مانا جائے اور "عشرة اوسق" کو مضاف الیہ، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے ہر دس وسق توڑی ہوئی کھجوروں سے ایک خوشہ مسجد میں لٹکانے کا حکم فرمایا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ کلمہ "جادّ" اپنے حقیقی معنی اسم ہی کے معنی میں ہے، البتہ اس سے پہلے حرف "من" زائد ہے، اور "عشرة اوسق" منصوب ہے، مفعولیت کی وجہ سے، یعنی "مِن كُلِّ جادٍّ عَشْرَةَ أَوْسُق" اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس شخص کو جو دس وسق کھجور توڑنے والا ہو یہ حکم فرمایا کہ ان میں سے ایک خوشہ مسجد میں لٹکائے۔

دوسری بات یہاں پر یہ ہے کہ کلمہ "جادّ" بالجیم وتشدید الدال المہملہ ہے، البتہ بعض نسخوں میں "جاذّ" بالذال المعجمہ بھی ہے اور معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں۔

فقه الحديث: حدیث شریف میں جو حکم مذکور ہے کہ ہر دس وسق توڑی ہوئی کھجور کے بالمقابل ایک خوشۂ کھجور مسجد میں لٹکایا جائے یہ حکم استحبابی ہے کوئی وجوبی نہیں، اس لیے کہ وجوبی حکم زکوٰۃ کا ہے، اور زکوٰۃ میں اگر زمین عشری ہے تو عشر واجب ہوگا خوشہ کے وجوب کا کوئی معنی نہیں ہے۔

۱۶۶۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخُزَاعِيُّ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ، فَجَعَلَ يُصَرِّفُهَا يَمِينًا وَشِمَالًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ.

ترجمه: حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور وہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں گھمارہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری کا جانور ہو تو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس فاضل توشہ ہو تو اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہیں ہے؛ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کسی کو ضرورت سے زائد چیز رکھنے کا حق نہیں ہے۔

تشريح حديث: قوله: "فجعل يصرفها يمينا وشمالاً" اس آنے والے شخص کا اپنی سواری کو دائیں

۱۶۶۳-أخرجه مسلم: كتاب اللقطة، باب: استحباب المؤاخاة بفضول المال (۱۷۲۸).

بائیں کو موڑنا سواری کے کمزور اور تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے تھا، اس نے ایسا اس لیے بھی کیا ہوگا کہ اس سواری کے ضعف کو رسول اللہ ﷺ دیکھ لیں۔ اور پھر اس کو بدل دیں، یا دوسرے لوگوں سے مدد کرا دیں، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حالت کو دیکھا اور دوسرے لوگوں سے مدد کرا دی، فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۳۰۶)

اور دوسرا احتمال یہاں یہ بھی ہے کہ اس شخص کا سواری کو دائیں بائیں پھیرنا اور موڑنا سواری کے کمزور ہونے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ اس کی سواری بہت اچھی تھی، اور اس کے پاس دوسرے اونٹ بھی تھے، تو اس کا دائیں بائیں جھکنا بلکہ جھومنا بطور فخر کے ہو، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیے کہ وہ زائد سواری اس کو ہبہ کر دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور اپنی زائد سواری کے ذریعہ دوسروں پر اظہار فخر نہ کرے۔ (بذل: ٦/ ٥١٨)

لیکن ہماری رائے میں پہلا مطلب ہی اقرب الی الصواب ہے۔

قوله: "فَلْيَعُدْ بِهِ" "عَادَ" (ن) "بِمَعْرُوْفِه عَوْدًا" بمعنی دوسرے پر احسان کرنا، انعام کرنا، مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس زائد سواری یا زائد توشہ ہو تو دوسرے پر احسان کرے جس کے پاس سواری یا توشہ نہیں ہے۔

قوله: "حتى ظننا أنه لاحق لأحدمنا في الفضل": آپ ﷺ کی ترغیب ونصیحت سے ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی اس چیز پر کوئی حق نہیں ہے جو اس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہے بلکہ اس چیز کا حقیقی مستحق وہ شخص ہے جو اس وقت اس چیز سے محروم ہے۔

فقه الحديث: حدیث باب میں رسول اللہ ﷺ کے بلند اخلاق کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کس قدر ضرورت مند لوگوں کی ضرورت کا خیال رکھا کرتے تھے۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز انسان کی ضرورت سے زائد ہے اس کو لوگوں کے لیے صدقہ کر دینا چاہیے، ایسا کرنا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن بہتر ضرور ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۳۰۶)

۱۶۶۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا غَيْلَانُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ

۱۶۶۴- أخرجه الحاكم في المستدرك ۲/ ۳۳۳، كتاب التفسير: باب خير مايكنز المرء المرأة الصالحة. وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي.

هَذِهِ الْآيَةُ: {وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ}، قَالَ: كَبُرَ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ، فَانْطَلَقَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هَذِهِ الْآيَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ، إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيثَ لِتَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ، فَكَبَّرَ عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ؟ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ (التوبہ:۳۴) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت شاق ہوئی، حضرت عمرؓ نے کہا: میں تمہاری مشکل حل کرتا ہوں اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے نبی ﷺ یہ آیت آپ کے اصحاب پر بہت شاق ہو رہی ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اس لیے فرض کی تا کہ تمہارا باقی مال پاک ہو جائے (لہذا وہ مال جسکی زکوۃ دیدی جائے وہ کنز میں شامل نہیں ہے) اور اللہ نے میراث مقرر کی تا کہ بعد والے لوگوں کو مال ملے، یہ سن کر حضرت عمرؓ سے فرمایا: کیا میں تجھ کو وہ چیز نہ بتاؤں جو سب چیزوں سے بہتر ہے، فرمایا: وہ نیک عورت ہے کہ جب مرد اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب کسی بات کا حکم دے تو اس کی تعمیل کرے اور مرد کی عدم موجودگی میں اس کے حقوق کی حفاظت کرے۔

رجال حدیث: یحییٰ بن یعلی المحاربی: یہ ابوزکریا کوفی ہیں اور ثقہ راوی ہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں ''ثقة'' لکھا ہے۔

غیلان: یہ ابن جامع بن اشعث المحاربی ابوعبداللہ کوفی ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

تشریح حدیث: قولہ: لما نزلت هٰذه الآية: یعنی جب سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۴، کا یہ حصہ: ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' نازل ہوئی اور اس آیت میں سونا چاندی جمع کرنے والوں کے لیے سخت وعید بیان ہوئی، نیز آگے آیت نمبر ۳۵ میں اس عذاب شدید کی تفصیل بیان ہوئی: ''يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ'' یعنی سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور جتلایا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

پس جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرات صحابہ کرامؓ کو سخت فکر دامن گیر ہوئی، کیوں کہ انھوں نے آیات کے ظاہر سے یہ سمجھا کہ مطلق مال کا جمع کرنا منع ہے، حالاں کہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہوتا ہی ہے۔

قوله: "أنا أفرج عنكم": "فَرَّجَ عَنْ" کے معنی آتے ہیں غم اور پریشانی کو دور کرنا، زائل کرنا، یعنی عام صحابہ کی پریشانی اور فکرمندی دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: میں تم سے تمہاری پریشانی کو زائل کروں گا، کیوں کہ دین میں تنگی نہیں ہے، چناں چہ حضرت عمرؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان آیات کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی فکرمندی اور پریشانی کا ذکر کیا۔

قوله: "إن الله لم يَفْرِض الزكاة إلا ليطيب مابقي من أموالكم": یعنی حضرات صحابہؓ کی پریشانی کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو اسی لیے فرض کیا ہے کہ باقی ماندہ مال پاکیزہ ہو جائے، اور "ولا ينفقونها في سبيل الله" میں انفاق سے مراد اعطاء زکوۃ ہے نہ کہ سارا مال خرچ کرنا، لہٰذا زکوۃ کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال کو جمع کرنا اور جوڑ کر رکھنا ممنوع نہ ہوگا۔

قوله: "وإنما فرض المواريث لتكون لمن بعدكم" یعنی اللہ نے میراث کو اسی لیے فرض کیا ہے کہ تمہارے بعد کے لوگوں یعنی تمہارے وارثوں کو پاکیزہ مال ترکہ میں مل جائے، معلوم ہوا کہ اگر مطلق مال کا جمع کرنا ممنوع ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ زکوۃ فرض کرتا اور نہ ہی میراث۔ صاحب منہل لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کے بعد میراث کا ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت واضح ہو جائے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ مال کا جمع کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے کیوں کہ اگر پھر بھی ممنوع ہوتا تو اللہ تعالیٰ میراث کی تقسیم کے مسائل کو ذکر نہ فرماتے، اللہ تعالیٰ مال حرام کی تقسیم اور حصص کی تعیین نہیں فرماتے، اللہ کا مالِ میراث کے احکامات کی تفصیل بیان کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے بعد جو بھی مال جمع کرے گا وہ حلال ہوگا۔

قوله: "فكبر عمر أي فرحًا وسرورًا" یعنی حضرت عمرؓ نے پیغمبر علیہ السلام کے جواب کو سن کر مسرت کا اظہار کیا جس کے لیے انھوں نے زور سے اللہ اکبر کہا، کیوں کہ ان کی پریشانی اس سے زائل ہو گئی تھی۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۳۰۸)

قوله: ألا أخبرك بخير ما يكنز المرء: پیغمبر علیہ السلام نے جب یہ واضح فرما دیا کہ مال کا جمع کرنا اس وقت ممنوع نہیں ہے جب تک اس کی زکوۃ ادا کی جاتی رہے، پھر آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ صحابہ اس وضاحت سے پوری طرح مطمئن اور مسرور ہو گئے ہیں تو صحابہ کو اس چیز کی طرف توجہ دلائی جو قابل رغبت ذخیرہ کی جانے والے اموال سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور وہ عورت ہے جو نیک صورت بھی اور نیک سیرت بھی، آپ ﷺ کا اشارہ اس طرف تھا کہ خوش آئند مال تو

تمھیں اس صورت میں نفع پہنچائے گا۔ جب کہ وہ خرچ ہو کر تمہارے پاس سے چلا جائے، اس کے برخلاف نیک وحسین بیوی کہ وہ جب تک تمہارے ساتھ رہے تمہاری رفیق اور تمہاری دم ساز ہے، وہ جب بھی تمہارے سامنے آتی ہے تمھیں فرحان اور شاداں کر دیتی ہے، اس کے ذریعہ تمہاری حاجت پوری ہوتی ہے، وہ اطاعت اور فرماں برداری میں جب چاہو حاضر رہتی ہے، تم جب گھر سے باہر رہتے ہو تو تمہارے گھر اور تمہاری اولاد کی نگہبانی کرتی ہے، پھر یہ کہ تمہارے لیے اولاد کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتی ہے، جو زندگی میں تمہاری قوت بازو بنتی ہے اور زندگی کے بعد تمہاری جانشیں ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے مفاد و مقاصد اس کے ذریعہ پورے ہوتے ہیں، جیسا کہ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ جس نے نکاح کیا اس نے اپنا دو تہائی دین مضبوط کر لیا۔

حدیث شریف میں نیک بیوی کی تین صفات بیان کی گئی ہیں:

(۱) خاوند جب اس کی طرف دیکھے تو وہ عورت اس کو اپنی خوش اخلاقی کے ذریعہ خوش کر دے۔

(۲) جب وہ اس کو حکم دے تو وہ اس کی فرماں برداری کرے۔

(۳) اور جب شوہر غیر موجود ہو تو اس کے گھر اور مال و اولاد کی حفاظت کرے، نیز اپنی بھی حفاظت کرے۔

خلاصة الباب: مصنفؒ نے اس باب میں کل آٹھ روایتیں نقل فرمائی ہیں، جن سے قدرے مشترک کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنے اموال سے متعلق حقوق کی ادائیگی کرنی چاہیے، خواہ یہ حقوق زکوۃ ہوں یا اس کے علاوہ صدقات نافلہ وغیرہ

بَابُ حَقِّ السَّائِلِ

سائل کے حق کا بیان

۱۶۶۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ أَبِي يَحْيَى، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلسَّائِلِ حَقٌّ، وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ .

ترجمه: حضرت علیؓ کے صاحبزادے حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سائل کا حق ہے اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

۱۶۶۵-أخرجه أحمد في مسنده (۱/ ۲۰۱/ ۱۷۳۰).

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب کا مقصد سائل کے حق کو بیان کرنا ہے کہ سائل کا حق یہ ہے کہ جب وہ سوال کرے تو اس کو خالی ہاتھ واپس نہ کیا جائے؛ بلکہ جو کچھ میسر ہو وہ اس کو دے دیا جائے، اگر چہ اس سائل کے ظاہر حال سے اس کا محتاج ہونا معلوم نہ ہوتا ہو۔

رجال حدیث: يعلي بن أبي يحيى: یہ حجازی مدنی ہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور ابو حاتم رازی نے مجہول لکھا ہے، امام ذہبیؒ نے الکاشف میں لکھا ہے: ''مجهول وثق'' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی تقریب التہذیب میں مجہول ہی لکھا ہے۔

انھیں یعلی بن ابی یحییٰ کی وجہ سے حافظ سراج الدین قزوینی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، لیکن حافظ العلائی نے ان پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب ابن حبان نے ان کی توثیق کر رکھی ہے تو ان کی جہالت عینی ختم ہوگئی اور ان کے پاس زیادتی علم ہے لہٰذا اس کا اعتبار ہوگا اور یہ سند حسن درجہ کی ہوگی۔

نیز حضرت حسینؓ کا سماع اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اگر حضرت حسینؓ کا سماع ثابت نہ بھی ہو تو یہ مرسل صحابی ہوگی جو حجت ہے اس کے علاوہ دوسرے طریق میں انھوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے سماع کی صراحت بھی کر رکھی ہے، لہٰذا یہ حدیث کم از کم حسن ہوگی نہ کہ موضوع۔ (بذل المجہود: ۶/ ۵۲۳)

تشریح حدیث: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی سائل سوال کرے تو اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ واقعی یہ ضرورت مند ہے، اگر ضرورت مند نہ ہوتا تو سوال کی ذلت نہ اٹھاتا، اگر چہ اس کی ظاہری حالت سے اس کا ضرورت مند ہونا معلوم نہ ہوتا ہو مثلاً وہ گھوڑے پر سوار ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے یہ گھوڑا عاریۃ کا ہو، اس نے معذور ہونے کی وجہ سے لے رکھا ہو، اور ممکن ہے کہ اس کے اہل خانہ محتاج ہوں جن کے گزران کے لیے یہ مانگ رہا ہے، یا اس نے تحمل حمالہ کر رکھا ہو، حاصل یہ ہے کہ اس سائل کے ساتھ بدگمانی کر کے اس کو محروم نہیں کرنا چاہیے۔

بذل المجہود میں لکھا ہے: وهذا لعله باعتبار القرون الأولى، وأما في هٰذا الزمان فنشاهد كثيراً من الناس اتخذوا السوالَ حِرفةً لهم، ولهم فضول أموالٍ، فحينئذٍ يحرم لهم السؤال ويحرم على الناس إعطاؤهم، والله أعلم، یعنی یہ خیر القرون کی باتیں ہیں، اس زمانہ میں تو بہت سے لوگوں نے مانگنے ہی کو پیشہ بنالیا ہے، حالاں کہ ان کے پاس ضرورت سے زائد اموال ہوتے ہیں اس صورت میں سوال بھی حرام ہے اور ایسے پیشہ ور بھکاریوں کو دینا بھی حرام ہے کیوں کہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے۔ (بذل المجہود: ۶/ ۵۲۳)

لیکن احقر کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حدیث پاک کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو زیادہ نہ دیکر

ایک دوروپیہ دے دیا جائے۔

لطیفہ: یہ حدیث اہل بیت کی مرویات میں سے ہے، علامہ سیوطیؒ نے اس کو الہاشمیات میں شمار کیا ہے، نیز یہ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اربعین اہل بیت میں بالسند المسلسل مروی ہے۔

۱۶۶۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ شَيْخٍ - قَالَ: رَأَيْتُ سُفْيَانَ عِنْدَهُ - عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهَا، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت علیؓ نے بھی رسول ﷺ سے اسی طرح کی حدیث روایت کی ہے۔

رجال حدیث: الشیخ : شاید ان شیخ سے مراد یعلی بن ابی یحییٰ ہیں، جو کہ اس سے پہلی سند میں تھے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے مرقاۃ الصعود میں لکھا ہے۔

قولہ: رأیت سفیان عندہ: زہیر بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو ان شیخ کے پاس دیکھا ہے، مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ یہ شیخ سفیان ثوری کی موجودگی میں حدیث بیان کیا کرتے تھے، جس سے ان کی توثیق ہوتی ہے، اس لیے کہ سفیان ثوری جیسے بڑے محدث کا ان کے پاس بیٹھنا اور ان کی حدیث کو سننا اور ان کو ثابت رکھنا، انکار نہ کرنا یہ توثیق کا درجہ رکھتا ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: ''مثلہ'' یعنی زہیر نے شیخ (یعلی بن ابی یحییٰ) سے اسی طرح روایت کی جیسا کہ پہلے طریق میں مصعب بن محمد نے کی تھی۔

اب حضرت امام ابوداؤد اس سے کیا بیان کرنا چاہتے ہیں تو صاحب منہلؒ نے لکھا ہے کہ مصنفؒ کی غرض حدیث سابق کی تقویت بیان کرنا ہے اور ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ (المنہل: ۹/ ۳۱۴)

۱۶۶۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ بُجَيْدٍ، وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ، الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي، فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ

۱۶۶۶-أخرجه أحمد في مسنده (۱/ ۲۰۱/ ۱۷۳۰).

۱۶۶۷-أخرجه الترمذي: كتاب الزكاة، باب: في حق السائل (۱۶۶۵)، النسائي: كتاب الزكاة، باب: رد السائل (۵/ ۸۲).

لَمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِينَهُ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا، فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ .

ترجمہ: حضرت ام بجید سے روایت ہے اور ام بجید نے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی کہ انہوں عرض کیا: یارسول اللہ! مسکین میرے دروازے پر آ کھڑا ہوتا ہے اور میرے پاس اس کو دینے کو کوئی چیز نہیں ہوتی (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیرے پاس دینے کو کچھ نہ ہو سوائے ایک جلے ہوئے کھر کے تو اس کے ہاتھ میں وہی پکڑا دے۔

تشریح حدیث: حضرت ام بجید جن کا نام حوا بنت یزید ہے فرما رہی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب کوئی مسکین یعنی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے تو اس وقت مجھے بہت شرم آتی ہے کیوں کہ میں اس کو دینے کے لیے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پاتی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دے دیا کرو، اگرچہ بکری وغیرہ کا جلا ہوا کھر ہی ہو، آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ:

سائل کا سوال پورا کرنے کے قابل کوئی چیز اگر تمہارے پاس نہ ہو تب بھی کوشش یہی کرو کہ وہ تمہارے پاس سے خالی ہاتھ واپس نہ جائے، جہاں تک ہو سکے اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے دو، چاہے وہ کیسی ہی معمولی اور حقیر شئ کیوں نہ ہو، گویا یہ الفاظ "ولو ظلفاً محرقاً" مبالغہ کے طور پر ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، کیوں کہ جلا ہوا کھر نا قابل انتفاع چیز ہے، اس کے دینے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ (بذل المجہود: ۶/ ۵۲۵)

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ مراد حقیقت ہی ہے کیوں کہ لوگ مجبوری کی حالت میں جلے ہوئے کھر کو استعمال کر لیتے ہیں۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۳۱۵)

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ

کافر کو صدقہ دینے کا بیان

۱۶۶۸-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ وَهِيَ رَاغِمَةٌ مُشْرِكَةٌ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ، وَهِيَ رَاغِمَةٌ مُشْرِكَةٌ، أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصِلِي أُمَّكِ .

۱۶۶۸- أخرجه البخاري: كتاب الهبة، باب: الهدية من المشركين (۲۶۲۰)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: فضل الصدقة (۱۰۰۳).

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میری والدہ میرے پاس آئیں جو قریش کے دین (شرک) کی طرف مائل تھیں اور اسلام سے نفرت کرتی تھیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس میری والدہ آئیں ہیں مگر وہ مشرکہ ہیں اور اسلام سے نفرت کرتی ہیں، تو کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کر۔

مقصد ترجمہ: اہل ذمہ سے مراد وہ ہیں جو مسلمان نہ ہوں، خواہ وہ ذمی ہوں یا غیر ذمی، جیسا کہ حدیث سے معلوم ہورہا ہے، حضرت امام ابوداوُدؒ اس حدیث سے یہ بیان فرمارہے ہیں کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے کافر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ انسانی ہمدردی ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک مشرک بھائی کو کپڑا ہدیہ کیا تھا۔

لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مشرک کو زکوۃ اور صدقات واجبہ نہیں دیئے جائیں گے، بلکہ صرف صدقات نافلہ ہی دیئے جائیں گے۔

حضرت امام ابوداوُدؒ نے ''صدقه علي اهل الذمه'' کا عنوان اس لیے قائم کردیا ہے کہ اسماء کی والدہ مدینہ منورہ میں صلح کے زمانہ میں آئی تھیں اس لحاظ سے وہ ذمیہ ہوئیں۔

تشریح حدیث: قولہ: قدمت علي أمي: ان کا نام قتیلہ بنت عبدالعزی تھا، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت اسماء کی حقیقی والدہ تھیں، نہ کہ رضاعی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو زمانہ جاہلیت ہی میں طلاق دے دی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اسماء بنت ابی بکر انھیں کے بطن سے ہیں۔

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ ان کی یہ والدہ اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس صلح کے زمانہ میں مدینہ طیبہ آئیں اور اپنے ساتھ اسماء کے لیے کچھ ہدایا بھی لائی تھیں، لیکن حضرت اسماءؓ نے ان ہدایا کے قبول کرنے سے بھی انکار کردیا اور اپنے گھر آنے سے بھی روک دیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرلیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اپنی والدہ (اگرچہ وہ مشرکہ ہیں) کو اپنے گھر بلاؤ اور ان کا ہدیہ قبول کرو۔

قولہ: ''وَهِيَ رَاغِبَةٌ'' یہ منصوب ہے ''اُم'' سے حال واقع ہونے کی وجہ سے، یعنی میری والدہ میرے پاس اس حال میں آئی کہ ان کو مجھ سے صلہ رحمی کی توقع اور حسن سلوک کی امید ہے، لیکن اسلام کو ناپسند کرنے والی ہیں۔

قولہ: في عهد قريش: یہ متعلق ہے ''قَدِمَتْ'' سے، یعنی ان کی آمد قریش کے معاہدہ کے زمانہ میں ہے، اسی سے امام ابوداوُد نے سمجھا ہے کہ حضرت اسماء کی یہ والدہ ذمیہ کے حکم میں ہیں۔

قولہ: ''وهي راغمة'': أي كارهة للإسلام یعنی وہ اسلام میں رغبت اور دلچسپی کی وجہ سے نہیں آئی ہیں،

بلکہ وہ تو اسلام کو ناپسند کرتی ہیں، مشرکہ ہیں، بس مجھ سے ملنے آگئی ہیں، اس جملہ سے ان لوگوں کی تردید ہوجاتی ہے جو ان کو مسلمانوں میں شامل مانتے ہیں۔

قوله: ''فصلي امك'' یعنی اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، بخاری کی روایت میں اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ''لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ''

فقه الحديث: کافر رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی شرعاً درست بلکہ محبوب ہے۔ اور اس صلہ رحمی سے وہ مودّت لازم نہیں آتی جس سے قرآن پاک میں منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ آدمی کافر کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتا ہے حالاں کہ اس کے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

امام خطابیؒ معالم السنن میں فرماتے ہیں کہ کافر رشتہ دار کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ زکوٰۃ مسلمان کا حق ہے، اور والدہ تو اگر مسلمان بھی ہو تو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں، اس لیے کہ اس کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہے البتہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ کفار کو دیے جاسکتے ہیں، بلکہ احناف کے نزدیک تو صدقۂ فطر بھی کافر رشتہ دار کو دے سکتے ہیں، اگرچہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ (شرح عینی: ۴/ ۴۷۳)

حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا بھی درست ہے، حضرت امام بخاریؒ نے تو اس پر عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ ''باب الهدية للمشركين''، نیز مشرک کو ہدیہ دیا بھی جاسکتا ہے۔ (المنہل: ۹/ ۳۱۵)

حدیث سے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر اپنی والدہ تک کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کی، یہ حضور ﷺ کے ارشاد: ''لا يؤمن أحدكم حتى اكون أحب إليه من والده وولده'' کی بہترین مثال ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مَنْعُهُ

جس چیز کا روکنا درست نہیں

۱۶۶۹- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ مَنْظُورٍ، رَجُلٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا: بُهَيْسَةُ، عَنْ أَبِيهَا، قَالَتْ:

۱۶۶۹-أخرجه أحمد في المسند: ۳/ ۴۸۰ و ۴۸۱ وفي سنده من لا يعرف.

اسْتَأْذَنَ أَبِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَمِيصِهِ، فَجَعَلَ يُقَبِّلُ وَيَلْتَزِمُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: الْمَاءُ ، قَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: الْمِلْحُ ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ؟ قَالَ: أَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَكَ .

ترجمہ: حضرت بہیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کے متعلق روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، جب آئے تو آپ ﷺ کی قمیص اٹھا کر آپ ﷺ کا بدن مبارک چومنے لگے اور (جوش مسرت میں) آپ ﷺ سے لپٹنے لگے، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا چیز ہے جس کا روکنا درست نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانی، اس کے بعد پھر پوچھا: کہ یا نبی اللہ! وہ کیا چیز ہے جس کا روکنا درست نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نمک، اس کے بعد پھر پوچھا کہ: اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ کیا چیز ہے جس کا روکنا درست نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو جتنی بھی نیکی کرے گا وہ تیرے حق میں بہتر ہی ہوگی۔

مقصد ترجمہ: جس طرح زکوۃ کا منع کرنا حلال نہیں ہے اسی طرح چند چیزیں ہیں اخلاقی طور پر ان کا منع کرنا بھی درست نہیں، اب یہ چند چیزیں کیا ہیں؟ ان کو بیان کرنے کے لیے مصنفؒ نے یہ باب قائم کیا ہے اور اس میں ایک روایت لائے ہیں، جو حضرت بہیسہ سے مروی ہے، اگر چہ سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، لیکن اس کا مضمون دیگر روایت سے مؤید ہے اور حضرت امام ابوداودؒ نے اس پر سکوت بھی اختیار کیا ہے، اس لیے قابل استدلال ہے۔

رجال حدیث: سیار بن منظور: یہ بصری ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، عبدالحق الاشبیلی نے مجہول لکھا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں "مقبول" کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ کے مقبول کہنے کا مطلب ہے کہ یہ راوی قلیل الحدیث ہے، اور ان کے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کی حدیث چھوڑ دی جائے، بلکہ اس کی حدیث حسن لذاتہ کے درجہ کی ہوتی ہے۔

أبيه: منظور بن سیار الفزاری البصری ہیں، یہ بھی مقبول درجہ کے راوی ہیں۔

بُهَيْسَة: بضم الباء مصغراً ہے ابن القطان نے ان کو بھی مجہول کہا ہے اور تقریب میں لکھا ہے لا تعرف، لیکن ابن حبان نے لکھا ہے "لها صحبة" کہ یہ صحابیہ ہیں۔

أبوها: یہ عمیر ابو بہیسہ ہیں، بنو فزارہ سے ہیں، صحابی ہیں، قلیل الراویہ ہیں۔

تشریح حدیث: قوله: "استاذن أبي الخ": بہیسہ کہہ رہی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے

اس بات کی اجازت طلب کی کہ وہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو بلا حائل چھونا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، چناں چہ انھوں نے اپنے بدن کو رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک سے اچھی طرح ملایا، "**فدخل بينه وبين قميصه**" سے مراد بلا حائل بدن سے بدن ملانا ہے انھوں نے ایسا غلبہ عشق ومحبت میں کیا، اور اس لیے کہ ان کا جسم رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے مل کر جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے۔

قوله:ثم قال: يارسول الله! ماالشيء الذي لايحل منعه؟ یعنی ترک کے حصول کے بعد انھوں نے پیغمبر علیہ السلام سے چند بار یہ سوال کیا کہ وہ چیز کیا ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ کے سوال کے جواب میں فرمایا۔

"**الماء**"، یعنی ضرورت مند کو پانی دینے سے منع کرنا حلال نہیں ہے جمہور کے نزدیک یہ حکم مملوکہ تالابوں کنوؤں اور نہروں کے پانیوں پر محمول ہے، ان کے مالکان کو چاہیے کہ اپنی ضروریات سے بچا ہوا پانی فروخت نہ کریں، بلکہ لوگوں کو مفت لینے کی اجازت دے دیں، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مالکان پر ضرورت سے زائد پانی کو تقسیم کرنا اور لوگوں کو استعمال کی اجازت دینا واجب ہے، البتہ وجوب کی چند شرائط ہیں:

(۱) دوسرے لوگوں کو اپنی جانوروں کے لیے دوسرا مباح پانی موجود نہ ہو۔

(۲) یہ پانی مویشیوں کے لیے لیا جارہا ہو۔

(۳) قریب میں کوئی چراگاہ ہو اور یہ پانی اس کے قریب ہو۔

صاحبِ منہلؒ نے اس جگہ بڑی عمدہ اور مفصل بحث کی ہے جس کا اختصار ہم یہاں نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ پانی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ پانی جو کسی کا مملوک نہ ہو، جیسے بڑی نہروں اور چشموں کا پانی، ایسے پانی سے ہر شخص کے لیے انتفاع جائز ہے، خواہ اپنے مویشیوں کو پلائے، یا کھیتوں کو سیراب کرے صاحب "المغنی" نے نہر نیل اور نہر فرات سے اس کی مثال دی ہے۔

(۲) چھوٹی نہریں جو بڑی نہروں سے نکال کر لائی جائیں، یہ نہریں ان لوگوں کی ملک ہیں جنھوں نے اپنے صرفہ سے ان کو نکالا اور جاری کیا، ان کا حکم یہ ہے کہ جس طرح آدمی ان نہروں سے خود منتفع ہوتا ہے دوسرے لوگ اور ان کے مویشی بھی ان سے منتفع ہو سکتے ہیں، منع کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس پانی سے دوسرے لوگ اپنے باغات اور کھیت بغیر اجازتِ مالک سیراب نہیں کر سکتے۔

(۳) وہ پانی جس کو کوئی شخص اپنے برتن، ٹینک، یا حوض وغیرہ میں بھر لے اور محفوظ کر لے تو اس میں کسی دوسرے کے لیے تصرف کرنا درست نہیں ہے، اور حدیث میں ممانعت کا مصداق یہ شخص نہیں ہے۔

قوله: الملح: اس سے وہ نمک مراد ہے جو غیر مملوک زمین میں کان کے اندر موجود ہو اس میں سب کا حق وابستہ ہے اور اگر وہ اپنی مملوکہ زمین میں ہو یا ایسا نمک ہو جس کو آدمی نے اپنے قبضہ اور ملک میں محفوظ کر رکھا ہے تو اس کو منع کرنا درست ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس سے حق شرعی کا بیان مقصود نہیں ہے بلکہ یہ حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کی قبیل سے ہے، اور بخل سے روکنا مقصود ہے۔

قوله: أن تفعل الخير خير لك: یہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہے، جس کا فائدہ کثرت سوال سے روکنا ہے اور یہ ترغیب دینا ہے کہ خیر کے جتنے بھی کام ہو سکتے ہیں ان سب کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کسی ضرورت مند کی مدد کرنے میں تم جو بھی دینا چاہو دو۔

فقه الحديث: ایمان والوں کو آپس میں باہمی تعاون اور خیر خواہی کا عمل کرنا چاہیے اور جو چیزیں عام انسانی ضرورت کی ہیں ان میں بخل سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمَسْأَلَةِ فِي الْمَسَاجِدِ

مسجد کے اندر سوال کرنا

١٦٧٠- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَطْعَمَ الْيَوْمَ مِسْكِينًا؟ ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا أَنَا بِسَائِلٍ يَسْأَلُ، فَوَجَدْتُ كِسْرَةَ خُبْزٍ فِي يَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فَأَخَذْتُهَا مِنْهُ فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهِ.

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہو؟ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: میں مسجد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک فقیر مانگ رہا ہے میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا جو عبدالرحمن کے ہاتھ میں تھا لے کر اس کو دیدیا۔

١٦٧٠- أخرجه الحاكم في المستدرك (١/٤١٢).

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ہر سائل کو دے دینا چاہیے اگر چہ وہ مسجد ہی میں کیوں نہ سوال کر رہا ہو، سائل کو محروم نہیں کرنا چاہیے؛ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سائل کو محروم نہیں کیا۔

رجال حدیث: مبارک بن فضالہ: یہ ابوفضالہ القرشی ہیں، مختلف فیہ رواۃ میں سے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں: ''صدوق مدلس'' لکھا ہے۔

اکثر محدثین نے اس حدیث کے پہلے حصہ ''هل كان فيكم أحد أطعم اليوم مسكينا'' کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے بعد والے حصہ کو ضعیف۔

تشریح حدیث: حدیث کا مضمون واضح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک سائل کو مسجد میں یا مسجد کے دروازے پر دیکھا کہ وہ سوال کر رہا ہے تو فوراً ہی اپنے بیٹے عبدالرحمن سے روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس سائل کو دے دیا، مصنفؒ کا مقصد اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ مسجد میں بھی سائل سوال کرے تو دے دینا چاہیے۔

فقه الحديث: علامہ زرکشی نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے نقل کیا ہے کہ مختار یہ ہے کہ اگر سائل مسجد میں لوگوں کے سامنے کو نہیں گزرتا، لپٹ کر سوال نہیں کرتا اور تخطی رقاب بھی نہیں کرتا تو پھر اس کا سوال کرنا بھی جائز ہے اور اس کو دینا بھی جائز ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی مساجد میں سوال کیا جاتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے رکوع کی حالت ہی میں صدقہ کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی اور آیت نازل ہوئی ''ويؤتون الزكاة وهم راكعون'' (سورۂ مائدہ: آیت/۵۵) اور اگر یہ سائل مسجد میں نمازیوں کے سامنے کو گزرتا ہے اور تخطی رقاب کرتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے ایذاء مسلم میں تعاون ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۶/۲۲۱)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''المختار ان السائل إذا كان لايمربين يدي المصلي، ولا يتخطي رقاب الناس، ولا يسأل الناس إلحافا، ويسأل لأمرٍ لابد منه، لا بأس بالسؤال والإعطاء، ولا يحل إعطاء سوال المسجد إذا لم يكونوا على تلك الصفة المذكورة'' (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۴۸)۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ بِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالَى

اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے مانگنے کی کراہت کا بیان

۱۶۷۱- حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْقِلَّوْرِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ

۱۶۷۱-أخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ۴/۱۹۹.

بْنِ مُعَاذٍ التَّمِيمِيِّ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللَّهِ، إِلَّا الْجَنَّةُ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کے نام پر کوئی چیز نہ مانگی جائے سوائے جنت کے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ ”آداب سوال میں سے ایک ادب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے وسیلہ سے اس حقیر دنیا کا سوال نہ کیا جائے، مثلاً یہ نہ کہا جائے کہ اللہ کے لیے مجھے فلاں چیز دے دو، اللہ تعالیٰ کی ذات کا وسیلہ دے کر مانگنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

رجال حدیث: ابوالعباس: نام محمد بن عمرو بن العباس ہے، لقب قلّوري ہے، ثقہ راوی ہیں، ۲۵۳ھ میں وفات ہے۔

یعقوب بن إسحاق: یہ ابومحمد البصری ہیں، مختلف فیہ رواۃ میں سے ہیں، ابوحاتم راوی اور امام احمد نے صدوق لکھا ہے البتہ امام ذہبیؒ نے الکاشف میں ثقہ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صدوق لکھا ہے۔

سلیمان بن معاذ: اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، والد کا نام قَرْم ہے، امام نسائی اور ابن معین نے تشیع کی طرف میلان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، ابوحاتم نے بھی ”لیس بالمتین“ لکھا ہے، حافظ نے بھی ”سیء الحفظ یتشیع“ لکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۲/ ۴۱۸، وتقریب التہذیب: ص/۴۱۱)

رواۃ کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ہی اکثر محدثین نے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

تشریح حدیث: **قولہ**: ”لا يسأل بوجه الله الا الجنة“: ”یسأل“ بصیغہ مجہول ہے، اور ”لا“ نافیہ ہے، یا ناہیہ ہے، اور ”الجنة“ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور ایک نسخہ میں ”لا تسأل“ بصیغہ معروف وخطاب بھی ہے اس صورت میں ”الجنة“ منصوب ہوگا مفعولیت کی بنا پر اور ”وجه الله“ سے اللہ کی ذات مراد ہے۔

پھر حدیث کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے صرف جنت مانگی جائے، اس لیے کہ اللہ کی ذات باعظمت ہے، اور عظیم ذات سے شئ عظیم ہی مانگی چاہیے اور وہ جنت ہے کیوں کہ جنت ہی مومن کا عظیم ترین مطلوب ہے، لہٰذا اللہ کی ذات کریم سے متاع دنیا کو نہ مانگا جائے بلکہ صرف اللہ کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے۔

(۲) دوسرا مطلب وہ ہے جو ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو وسیلہ بنا کر لوگوں سے

کوئی چیز نہ مانگی جائے، کسی سے یوں سوال نہ کیا جائے کہ اللہ کی ذات کے لیے مجھے فلاں چیز دے دو یا اللہ کے واسطہ مجھے فلاں چیز دے دو، لوگوں سے اس طرح سوال کرنا اس لیے ممنوع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے عظمت کے شایان شان نہیں کہ اس کے ذریعہ دنیا کی چیز مانگی جائے، بلکہ اس کی ذات اور اس کے نام کے طفیل سے جس چیز کا مانگنا مناسب ہے وہ آخرت کی نعمت عظمیٰ جنت ہے۔ (المنهل العذب المورود: ۹/ ۳۲۳، دعون المعبود)

صاحب منہل نے اس جگہ لکھا ہے کہ بوجہ اللہ سوال کرنے کی کراہت اس وقت ہے جب کہ مسئول سوال سے اکتاتا ہو اور اگر مسئول اللہ کا واسطہ دینے سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی لاج رکھ کر سائل کو دے دیتا ہے تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔

رہا مسئلہ یہ کہ اگر کوئی اللہ کا واسطہ دے کر مانگے تو اس کو دے دینا بہتر ہے یا نہ دینا؟ تو اس سلسلہ میں اگلے باب کی حدیث آرہی ہے کہ اگر اللہ کے واسطے سے سوال کیا جائے تو سائل کو دے دیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ عَطِيَّةِ مَنْ سَأَلَ بِاللَّهِ

جوشخص اللہ کے نام پر مانگے اس کو دینے کا بیان

۱۶۷۲- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللَّهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللَّهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ، فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے تو اس کو پناہ دو، اور جوشخص اللہ کے نام پر تم سے کچھ مانگے اس کو دو، اور جوشخص تمہاری دعوت کرے اس کو قبول کرو، اور جوشخص تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کرے تو تم اس کو اس کا بدلہ دو، اگر اس کا بدلہ چکانے کی طاقت نہ ہو تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تم محسوس کرو کہ اس کا بدلہ پورا ہو گیا۔

مقصد ترجمہ: عطیہ مصدر ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جوشخص تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے اس کو دے دو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے وسیلہ سے اس سائل کا سوال کرنا غلط تھا لیکن تم کو یہ نصیحت ہے

۱۶۷۲- أخرجه البخاري كتاب النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدعوة رقم (۵۱۷۳)، ومسلم كتاب النكاح باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة رقم (۱۴۲۹).

کہ ایسے سائل کو بھی دے دو، اس کے علاوہ حدیث میں اور چند نصائح کا بھی بیان ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''من استعاذ بالله فاعيذوه'' یعنی جو شخص یا خود تمہارے شر سے یا کسی اور کے شر سے عافیت کا خواہاں ہو اور تم سے تحفظ اور پناہ طلب کرے، اور اس طرح کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنا کر تم سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے اس شر سے بچاؤ، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی تعظیم اور توقیر کے لیے اس کی گزارش کو منظور کرو اور اس سے وہ شر دور کرو کیوں کہ کسی پریشان حال کی فریاد کو سننا واجبات ایمان میں سے ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں: ''فإن إغاثة الملهوف من واجبات الإيمان''۔

یہاں یہ احتمال ہے کہ: ''بالله'' میں حرف ''ب'' کلمہ ''استعاذ'' کا صلہ ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کسی آفت اور پریشانی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ رہا ہو تو اس سے تعرض نہ کرو بلکہ اس کو پناہ اور تحفظ دینے کی کوشش کرو تا کہ اس کی وہ پریشانی دور ہو جائے جس سے وہ پناہ اور تحفظ مانگ رہا ہے۔ (المنہل: ۹/ ۳۲۴، مظاہر حق: ۲/ ۶۷۹)

صاحبِ بذل المجہود نے اس کے مطلب میں ''في غير الحدود'' کی قید لگائی ہے، یعنی حدود اللہ میں اس کی فریادرسی نہ ہوگی۔

قوله: ''ومن سال بالله فاعطوه'': یہی جملہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے، کہ جو شخص تم سے دنیا و آخرت کی کسی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے اس کو ضرور دے دو، سائل نے جب اللہ تعالیٰ کا وسیلہ دے دیا تو وہ دیئے جانے کا زیادہ مستحق ہو گیا۔

قوله: ومن دعاكم فاجيبوه: یعنی جو شخص تمہاری دعوت کرے کھانے پر بلائے تو اس کی دعوت قبول کرو، مثلاً دعوت ولیمہ کرے بشرطیکہ کوئی جسمانی اور شرعی عذر نہ ہو۔

قوله: ''ومن صنع إليكم معروفا فكافئوه'': یعنی جو شخص تمہارے ساتھ قولی یا فعلی احسان کرے تو تم اس کو اس کا بدلہ دو کہ اس کے احسان کے بدلہ میں تم بھی اس کے ساتھ احسان کرو، اور اگر تم اس کا بدل نہ کر سکو، تمہارے پاس میں کوئی چیز میسر نہیں ہے جس کے ذریعہ اس کے احسان کو اتار سکو تو اپنے اس محسن کے لیے دعا کرو اور یہ دعا اس وقت تک کرتے رہو جب تک کہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا بدلہ تم نے اتار دیا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''هل جزاء الإحسان إلاّ الإحسان'' ایک روایت میں ''صنع'' کی جگہ ''أهدى'' بھی ہے کہ اگر تمھیں کوئی ہدیہ دے تو اس کے ہدیہ کا بدلہ دے دو۔

مثلاً: کسی آدمی نے مالی تعاون کے ذریعہ تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہو اور تم ایسی استطاعت نہیں رکھتے کہ بدلہ میں ویسا ہی کوئی مالی احسان تم بھی اس کے ساتھ کرو تو تم اس کے حق میں خیر و عافیت کی دعا کرو، اور وہ دعا ایک دو بار ہی نہیں

بلکہ بار بار کرو، اور اس وقت تک کرتے رہو جب تک تم یہ نہ سمجھ لو کہ اس کے احسان کا جو حق تم پر ہے اس کو تم نے ادا کر دیا۔

تاہم ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس کے ساتھ احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے کو یوں دعا دی: ”جزاك الله خيرًا“ تو اس نے اپنے محسن کی پوری طرح تعریف و تحسین کردی، کیوں کہ اس نے احسان کا بدلہ اتارنے میں اپنے آپ کو عاجز جانا اور اس کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا پس اس کا یہ جملہ ایک بار کہنا بار بار دعا کرنے کے قائم مقام ہوگیا۔

صاحب ”منہل“ لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی ان کے در پر کھڑا ہو کر صدا لگاتا اور ان کے لیے دعا کرتا تو پہلے اس سائل کے لیے اسی طرح کی دعا کرتیں پھر اس کو جو کچھ دینا ہوتا دیتیں، لوگوں نے سوال کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اگر میں اس کے لیے دعا نہ کروں تو اس کو خیرات دینے کی صورت میں جو حق اس پر قائم ہو سکتا ہے اس سے بڑا اس کا حق دعا کی صورت میں مجھ پر قائم ہو جاتا ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۹/ ۳۲۴)

بَابُ الرَّجُلِ يُخْرِجُ مِنْ مَالِهِ

تمام مال صدقہ کرنے کی ممانعت کا بیان

۱۶۷۳- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ بِمِثْلِ بَيْضَةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَصَبْتُ هَذِهِ مِنْ مَعْدِنٍ، فَخُذْهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ، مَا أَمْلِكُ غَيْرَهَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ، فَقَالَ: مِثْلَ ذَلِكَ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْسَرِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ خَلْفِهِ، فَأَخَذَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَذَفَهُ بِهَا، فَلَوْ أَصَابَتْهُ لَأَوْجَعَتْهُ، أَوْ لَعَقَرَتْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي أَحَدُكُمْ بِمَا يَمْلِكُ، فَيَقُولُ: هَذِهِ صَدَقَةٌ، ثُمَّ يَقْعُدُ يَسْتَكِفُّ النَّاسَ، خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى.

۱۶۷۳- أخرجه الدارمي في سننه، كتاب الزكاة، باب النهي عن الصدقة بجميع ما عند الرجل رقم (۱۷۰۰) وأحمد في مسنده (۱۴۵۳۱ و ۱۴۷۲۸).

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، اتنے میں ایک شخص ایک انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ انڈہ مجھے سونے کی کان سے ملا ہے، آپ اس کو لے لیجیے یہ صدقہ ہے، اور اس کے علاوہ میرے پاس کچھ مال نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر وہ شخص آپ ﷺ کے داہنی طرف آیا اور سونا قبول کرنے کی درخوست کی، آپ ﷺ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر وہ بائیں طرف سے آیا، آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا، پھر وہ آپ ﷺ کے پیچھے سے آیا، آپ ﷺ نے اس سے سونا لے کر پھینک دیا، اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کو زخمی کر دیتا یا اس کو چوٹ پہنچاتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص اپنا سارا مال لے کر چلا آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے، پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، بہتر صدقہ وہ ہے جس کا مالک صدقہ دینے کے بعد بھی مال دار رہے۔

مقصد ترجمہ: ترجمۃ الباب میں اپنے تمام مال سے نکلنا کنایہ ہے تمام مال کے تصدق سے اور مصنفؒ گویا سوال قائم کرر ہے ہیں کہ کسی شخص کے لیے اپنے تمام مال کا تصدق درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مصنفؒ نے دو ابواب قائم کیے ہیں، پہلے باب سے ممانعت ثابت ہوتی ہے اور دوسرے باب سے اباحت، دونوں میں تطبیق کی صورت افراد کے تقوے اور ان کے احوال کا اختلاف ہے، یعنی کسی کے اندر کمالِ تقویٰ ہوتا ہے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کا صدقہ کرنا بھی درست ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور اگر کسی کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کر کے لوگوں سے سوال کرتا پھرے گا تو اس کے لیے ممانعت ہے کہ وہ اپنے سارے مال کو صدقہ کرے، مصنفؒ نے دو باب قائم کر کے یہی وضاحت فرمائی ہے۔

تشریح حدیث: مضمون حدیث تو واضح ہے، لیکن چند جملوں کی تشریح یہ ہے:

قوله: "إذجاء رجل": ایک نسخہ میں "إذ جاءه رجل" ہے اور اس رجل کا مصداق کون ہے اس کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔

قوله: "من قبل ركنه الأيمن": یعنی جب انھوں نے حضور ﷺ کے سامنے اس سونے کو پیش کیا تو آپ نے قبول کرنے سے اعراض کر لیا، پھر یہ ادبادائیں طرف سے لے کر آئے، پھر بھی آپ نے قبول نہیں فرمایا، پھر بائیں جانب سے لائے، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا، انھوں نے سوچا کہ شاید میرے پیش کرنے کا طریقہ مناسب نہیں ہے اس لیے ادبا پیچھے کی جانب سے پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس سونے کے ڈھیلے کو لے کر پھینک دیا، گویا آپ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ تم جیسے ضرورت مند اور محتاج شخص کے لیے اس طرح اپنی کل پونجی کا تصدق صحیح نہیں ہے، بلکہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرو، اگر ضرورت پوری ہونے کے بعد بچ جائے تو پھر صدقہ کر دینا۔

قوله: ’’فخذفه‘‘ یہ لفظ حاء اور خاء دونوں طرح ہے، اور دونوں کے معنی پھینکنے کے ہیں۔

قوله: ’’یستکف الناس‘‘ ’’استکفّ الناسَ اسکفافًا: لوگوں کے آگے بھیک مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلانا۔

قوله: خیر الصدقة ماکان عن ظهرِ غنًی: اس میں لفظ ’’ظهر‘‘ یا تو زائد ہے، یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی حالت میں ہو، اور تصدق کے بعد اتنا مال باقی رہے جس سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفایت ہو جائے۔

یا ’’ظهر‘‘ زاید نہیں ہے بلکہ اس کی اضافت غنی کی طرف اضافت بیانیہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آدمی جس طرح پشت اور کمر کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے جس سے اس کو راحت وآرام ملتا ہے، اسی طرح جس صدقہ کے بعد غنی (مالداری جو اہل وعیال کے نفقہ کے لیے کافی ہو) باقی ہو وہ غنی اس کے لیے بمنزلہ کمر اور پشت کے ہوگی، کیوں کہ صدقہ کے بعد اس کا سہارا اس غنی پر ہوگا۔

پھر یہاں غنی سے مراد عام ہے خواہ یہ غنی مالی ہو یا غنی قلبی ہو، یعنی صدقہ کے بعد یا تو اخراجات کے لیے کچھ مال موجود ہو جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کر سکے اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، یا غنی قلبی ہو یعنی دل کا استغناء اسے حاصل ہے کہ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے بعد بھی دست سوال کسی کے سامنے دراز نہیں کرتا یہ تو ہوا حدیث شریف کا مطلب، اب یہاں ایک فقہی مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا صدقہ کرنا بہتر ہے؟

بہترین صدقہ:

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اس کو غنائے نفس میسر ہو یا غنائے مال باقی رہے، غنائے نفس کی صورت اللہ کے ان کامل بندوں پر منطبق ہوتی ہے جو کمال یقین وتوکل اور صبر وقناعت کا وصف رکھتے ہوں وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے پاس سے کیا گیا اور کیا باقی رہا، وہ جذبۂ ایثار وسخاوت کے تحت امور خیر میں اپنا دھن اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو ان کا دل پوری طرح غنی ہوتا ہے، اور اپنے اور اپنے اہل خانہ کے مستقبل کی طرف سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں، اور صبر وتوکل ہی کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں، اس درجہ کامل یقین رکھنے والے اور صبر وتوکل کی راہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگانے والے کے لیے اجازت ہے کہ وہ کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، جیسا کہ آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے غزوۂ تبوک کے موقع پر انھوں نے اپنا کل مال لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا۔

اور جو لوگ کمال یقین وتوکل اور صبر وثبات میں پختہ نہ ہوں ان کے حق میں یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی

ضروریات کے بقدر باقی رکھ کر صدقہ اور خیرات کریں اسی کو غنائے مال کہا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صدقہ کے بعد غنی باقی رہے خواہ غنائے قلبی ہو یا غنائے مالی ہو۔

۱۶۷۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، زَادَ: خُذْ عَنَّا مَالَكَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهِ .

ترجمہ: حضرت ابن اسحاق نے بھی اسی سند و مفہوم کی روایت بیان کی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا مال لے جا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

تشریح حدیث: پہلی سند میں محمد بن اسحاق کے شاگرد حماد بن سلمہ تھے اور اس میں عبداللہ بن ادریس ہیں، مصنفؒ نے دونوں کی روایت میں فرق بیان کر دیا کہ عبداللہ بن ادریس نے اپنی روایت میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان صحابی سے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنا مال لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے، حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ نہیں تھا۔

۱۶۷۵- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ، سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَطْرَحُوا ثِيَابًا فَطَرَحُوا، فَأَمَرَ لَهُ بِثَوْبَيْنِ، ثُمَّ حَثَّ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَجَاءَ، فَطَرَحَ أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ، فَصَاحَ بِهِ، وَقَالَ: خُذْ ثَوْبَكَ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے کپڑے اتارنے کا حکم دیا (یعنی ضرورت سے زائد کپڑوں کو صدقہ کرنے کا حکم کیا) پس لوگوں نے کپڑے اتارے، آپ ﷺ نے ان میں سے دو کپڑے اس شخص کو مرحمت فرمائے، پھر ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی تو وہی شخص آیا اور دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ میں دینا چاہا، آپ ﷺ نے بگڑ کر فرمایا: اپنا کپڑا اپنے پاس رکھ۔

تشریح حدیث: یہ واقعہ ہے حضرت سلیک غطفیانؓ کا، اس سے پہلے ابواب الجمعہ میں بھی یہ واقعہ بالتفصیل گزر چکا ہے، خلاصہ اس واقعہ کا یہ ہے کہ حضرت سلیک غطفانیؓ کی خستہ حالی کو لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ خطبۂ جمعہ کے دوران ان سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھو اور آپ ﷺ نے خطبہ میں حاضرین کو ترغیب دی کہ ان کو صدقہ دیں، چناں چہ لوگوں نے بہت سے کپڑے وغیرہ صدقہ میں پیش کیے، رسول اللہ ﷺ نے ان

۱۶۷۴- انظر تخريج الحديث السابق. ۱۶۷۵- أخرجه النسائي كتاب الزكاة، باب: إذا تصدق وهو محتاج إليه هل يرد عليه؟ رقم (۲۵۳۶) والترمذي: كتاب الصلاة، باب: في الركعتين والإمام يخطب (۵۱۱)

میں دو کپڑے حضرت سُلیک ؓ کو دیئے، اس کے بعد جب اگلا جمعہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر صدقہ کی ترغیب دی، اس موقع پر جس طرح اور لوگوں نے صدقہ میں کپڑے وغیرہ دیئے اسی طرح حضرت سلیک غطفانی ؓ نے بھی ان دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کیا جو ان کو گزشتہ جمعہ کو رسول اللہ ﷺ نے دیئے تھے، اسی پر رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور بلند آواز سے فرمایا کہ اپنا کپڑا واپس لو، آپ ﷺ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ تم خود ضرورت مند ہو پھر کیوں صدقہ کر رہے، تمہارا اس طرح صدقہ کرنا کل کو پھر سوال کرنے پر مجبور کرے گا۔

۱۶۷۶- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى، أَوْ تُصُدِّقَ بِهِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہتر صدقہ وہ ہے جو صدقہ دینے والے کو مفلس نہ بنائے؛ بلکہ مال دار رہنے دے اور صدقہ کا آغاز اپنے اہل وعیال میں سے کرے۔

تشریح حدیث: بہترین صدقہ وہی ہے جس کے بعد آدمی خود قلاش نہ ہو جائے، اتنا مال باقی رہے جس سے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کی جائز ضروریات پوری کرنے کی فکر دامن گیر نہ ہو جائے، بیوی بچوں کے خرچہ سے جو فاضل ہو اس کو صدقہ کرے، "وابدأ بمن تعول" سے آپ نے اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ انفاق میں پہلے اپنے اور اپنے زیر کفیل افراد کی طرف دھیان دو، جو ان سے بچے اس کو دوسروں پر خرچ کرو۔

انسان کے ذمہ کس کا نفقہ واجب ہے؟:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آدمی پر اپنا، اپنی بیوی، ایک ہو یا زائد، اپنی نابالغ اولاد اور اولاد میں بھی مذکر کا بالغ ہونے تک اور مؤنث کا شادی ہونے تک، اپنے بوڑھے والدین کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح وہ اولاد جو اگرچہ بالغ ہوگئی لیکن اپاہج ہے تو اس کا نفقہ بھی آدمی کے ذمہ واجب ہے۔

البتہ اگر والدین کے پاس اپنے ذرائع آمدنی موجود ہیں اور اولاد کے مال کی ان کو ضرورت نہیں ہے تو پھر اولاد پر ایسے والدین کا نفقہ ضروری نہیں ہے۔

۱۶۷۶ -اخرجه البخاري كتاب الزكاة: باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، حديث (۱۴۲۶)، ومسلم، كتاب الزكاة: باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى (۱۰۴۲) والنسائي: كتاب الزكاة، باب: أي الصدقة أفضل (۲۵۴۴).

صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں:

وذهب الجمهور إلى أن الواجب أن ينفق عليهم (أي على الأولاد) حتى يبلغ الذكر أو تتزوج الأنثى، ثم لا نفقة إلا إذا كانوا زمني، فإن كانت لهم اموال فلا وجوب على الأب، وألحق الشافعي ولد الولد وإن سفل بالولد في ذٰلك. (بذل:۶/۵۳۹)

بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

تمام مال صدقہ کرنے کی اجازت

۱۶۷۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: جُهْدُ الْمُقِلِّ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مال جو کم مال والا تکلیف اٹھا کر دے اور صدقہ کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کرے۔

مقصد ترجمہ: باب سابق میں مصنفؒ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ آدمی کو تصدق بجمیع المال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اتنا مال صدقہ کرے جس کے بعد اپنے اور اپنے اہل خانہ کے اخراجات کے لیے بھی کچھ باقی رہ جائے، اور اس باب میں مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ بعض افراد کے لیے تصدق بجمیع المال بھی درست ہے، جن کی تفصیل اور ضابطہ ہم نے باب سابق میں بیان کر دیا تھا۔

تشریح حدیث: قوله: ''جهد المقل'' بضم الجیم وسکون الہاء بمعنی وسعت، طاقت، محنت ومشقت، ''مُقِلّ'' صیغہ اسم فاعل ہے، بمعنی قلیل المال، نادار، مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ نادار اور کم مال والا آدمی محنت ومشقت برداشت کر کے کمائے اور اس کمائی سے بقدر استطاعت صدقہ کرے، تو وہ صدقہ افضل ہے، اور اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ ہے۔

اس حدیث کا مصداق درحقیقت وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر وقناعت عطا کی گئی ہو، وہ شخص دل کے اعتبار سے غنی ہو، ایسے دل کے غنی نادار مسلمان کا صدقہ کرنا اگرچہ وہ مقدار میں کتنا ہی قلیل ہو مالدار کے صدقہ کرنے

۱۶۷۷- أخرجه أحمد في مسنده (۱۴/ ۳۲۴/ رقم: ۸۷۰۲) وابن خزيمة في صحيحه (۴/ ۹۹/ ۲۴۴۴).

سے افضل ہے، اگرچہ اس مالدار کا صدقہ مقدار میں بہت زیادہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے: ''سبق درهم مائة الف درهم، قالوا: وكيف؟ قال: لرجل درهمان تصدق بأحدهما، وانطلق رجل إلى عُرضِ مالِه فأخذ منه ماة ألف درهم فتصدق به'' (أخرجه النسائي، كتاب الزكوٰة، باب: جهد المقل، حدیث/ ۲۵۲۸) یعنی کبھی کبھی ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے، حضرات صحابہ نے عرض کیا: کیسے؟

فرمایا: ایک شخص جس کے پاس صرف دو درہم ہیں وہ ان میں سے ایک درہم صدقہ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جس کے پاس دراہم کا انبار ہے وہ ان میں سے ایک لاکھ اٹھا کر صدقہ کرتا ہے، (تو اس کا ایک درہم کا صدقہ اس کے ایک لاکھ درہم کے صدقہ سے بڑھ جاتا ہے۔ (المنہل: ۹/ ۳۲۸)

۱۶۷۸- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَهَذَا حَدِيثُهُ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ، فَوَافَقَ ذَلِكَ مَالًا عِنْدِي، فَقُلْتُ: الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ ، قُلْتُ: مِثْلَهُ، قَالَ: وَأَتَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ: لَا أُسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اتفاق سے ان دنوں میرے پاس مال تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا اگر کبھی بڑھ سکتا ہوں گا؛ لہذا میں اپنے تمام مال کا نصف لے کر حاضر خدمت ہوا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: میں جتنا لایا ہوں اسی قدر میں نے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دیا ہے، اس کے بعد ابوبکرؓ اپنا تمام اثاثہ لے کر حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے بھی پوچھا: کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ انہوں نے جواب دیا: ان کے لیے تو میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں، میں نے دل میں کہا: ابوبکر! میں تم سے کبھی کسی معاملہ میں نہ بڑھ سکوں گا۔

۱۶۷۸- أخرجه الترمذي: كتاب المناقب، باب: (۱٦)، رقم (۳٦۷۵).

تشریح حدیث: قولہ: فوافق ذٰلك مالاً عندي: یعنی رسول اللہ ﷺ کا صدقہ کا حکم فرمانا میرے پاس مال کے وجود کے موافق ہو گیا، ادھر آپ ﷺ نے صدقہ کا حکم فرمایا ادھر میرے پاس مال موجود تھا، میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ آج میں صدقہ کر کے ابوبکر صدیقؓ پر سبقت کر جاؤں گا، چناں چہ میں اپنا آدھا مال پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں لایا حدیث کے الفاظ سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے مال کا جو آدھا حصہ لے کر آئے تھے وہ شاید مالیت ومقدار کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مال واسباب سے زیادہ تھا، لیکن اس اعتبار سے کہ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال تو گھر والوں کے لیے چھوڑ آئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑے بغیر سب مال لے کر آگئے تھے، افضلیت کا مقام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی حاصل ہے، کیوں کہ اصل قیمت جذبۂ ایثار کی ہوتی ہے۔

قولہ: أبقيتُ لهم الله ورسوله: اس جواب کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا اور خوشنودی ہی میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے دونوں جہان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اس سرمایہ کے مقابلہ میں دنیاوی مال واسباب کی بڑی سے بڑی پونجی بے وقعت ہے، یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرے گھر میں جو کچھ مال واسباب تھا وہ سب میں لے آیا ہوں اور اللہ کی راہ میں پیش کر دیا ہے جہاں تک گھر والوں کی ضروریات کا سوال ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان، اس کی رزاقیت اور اس کے رسول کی امداد واعانت کا یقین اس کے لیے کافی ہے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام مال حضرت عمر کے آدھے مال سے زیادہ تھا تو اس میں حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت واضح ہے ہی اور اگر ان کا مال حضرت عمرؓ کے مال سے کم تھا تو فضیلت انھیں ہی حاصل ہے کہ انھوں نے ایثار کے جذبہ کے تحت اپنا سب کچھ لا کر پیش کر دیا۔

قولہ: لا أسابقك إلى شيء أبداً: دراصل اس موقع پر جب کہ حضرت عمرؓ کے پاس مال موجود تھا، سوچا تھا کہ ہر نیک کام میں ابوبکر مجھ پر سبقت لے جاتے ہیں آج ایسا موقع ہے کہ میں ان کو پیچھے چھوڑ دوں گا، مگر جب انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کامل جذبۂ ایثار واطاعت دیکھا تو بول اٹھے کہ سبقت لے جانے کا اتنا بھرپور ذریعہ موجود ہونے کے باوجود اگر میں آج بھی ان سے پیچھے رہ گیا ہوں تو یقین ہے کہ اب کبھی بھی ان پر سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع کا ہے۔

ہمارے مصنفؒ کو اس واقعہ سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر کسی کے اندر کامل درجہ کا یقین وتوکل موجود ہو تو پھر اس کے لیے درست ہے کہ اپنے تمام مال کا راہ خدا میں صدقہ پیش کر دے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عمل ہے اور پھر اس

پر رسول اللہ ﷺ کی تقریر بھی ثابت ہے۔

اسی طرح حضرت کعب بن مالک ؓ کی جب توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے اپنے تمام مال کے راہِ خدا میں تصدق کی نذر مان لی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے کوئی نکیر بھی نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

پانی پلانے کی فضیلت

۱۶۷۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعْدًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْجَبُ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْمَاءُ .

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیب ؒ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ صدقہ کون سا ہے؟ فرمایا: پانی پلانا۔

مقصد ترجمہ: صدقات وخیرات کے بیان میں پانی پلانے کی فضیلت کو مصنف ؒ نے اس لیے بیان فرمایا ہے کہ اس سے عام انسانی ضرورت وابستہ ہے، بنو نوع انسانی کی حیات کا مدار اسی پر ہے، بلکہ ہر جاندار ہی اس کا محتاج نہیں اس کی ضرورت حیوانات اور غیر حیوانات سبھی کو ہے، باب میں مصنف ؒ نے دو صحابہ کی روایات کو نقل کیا ہے، حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی روایت کو تین سندوں سے اور حضرت ابوسعید خدری ؓ کی حدیث کو ایک سند سے، سب کا مفاد یہی ہے کہ لوگوں کو پانی پلانا دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی روایت ہے کہ مصنف ؒ نے اس کو تین سندوں سے بیان کیا ہے، مضمون اس کا یہ ہے کہ حضرت سعد ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا کہ میں اپنی والدہ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ کے نزدیک کون سی چیز کا صدقہ بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانی کا صدقہ بہتر ہے، پانی کے صدقہ کے بہتر ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پانی مخلوق خدا کی عام حاجت وضرورت کی چیز ہے اس کی نفع رسانی بہت زیادہ ہے، دنیا کے کاموں مثلاً: سیرابی ذآب پاشی کی ضرریات بھی پوری کرتا ہے، اور دین کے کاموں مثلاً: وضو اور غسل کی صورت میں پاکی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ اور وسیلہ ہے، جو علاقے گرم ہیں اور جہاں پانی کی قلت ہے وہاں پانی مہیا

۱۶۷۹- أخرجه النسائي: كتاب الوصايا، باب: ذكر الاختلاف على سفيان (۳۶۶۶)، وابن ماجه: كتاب الأدب، باب: فضل صدقة الماء (۳۶۸۴).

کرانا کتنا بڑا کار خیر ہے اس کا اندازہ بہ خوبی کیا جا سکتا ہے.

چناں چہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوا دیا، اور کہا کہ یہ کنواں ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے۔

حضور ﷺ کا پانی کے تصدق کی رائے دینا یقینا اس عمل کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۸۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَالْحَسَنِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہؓ سے (ایک دوسری سند کے ساتھ) اسی طرح مروی ہے۔

تشریح حدیث: پہلی سند میں قتادہ سے نقل کرنے والے ہمام بن یحییٰ تھے اور اس میں شعبہ ہیں، دونوں کی روایت ہم معنی ہیں، لفظی فرق صرف اتنا ہے کہ ہمام کی روایت میں حضور ﷺ کا اتنا ارشاد مذکور تھا: ''قال الماء'' جب کہ شعبہ کی روایت میں ''سقي الماء'' کے الفاظ ہیں۔

سند میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ ہمام کی روایت میں قتادہؓ کے ایک استاذ صرف سعید بن المسیب کا نام مذکور تھا اور شعبہ کی روایت میں قتادہ کے دو استاذ ہیں ایک تو سعید بن مسیب اور دوسرے حسن بصری۔

۱۶۸۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟، قَالَ: الْمَاءُ، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ: هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ.

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے (اس کے ایصال ثواب کی غرض سے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، راوی کا بیان ہے کہ حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا: یہ ام سعد کے (ایصال ثواب کے) لیے ہے۔

تشریح حدیث: حضرت سعد بن عبادہؓ کی حدیث کا یہ تیسرا طریق ہے، اس میں سعد بن عبادہؓ سے نقل کرنے والے رجل مجہول ہیں، ہو سکتا ہے کہ رجل کا مصداق سعید بن المسیب ہی ہوں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب

۱۶۸۰- انظر تخريج الحديث السابق.

۱۶۸۱- أخرجه النسائي: كتاب الوصايا، باب: فضل الصدقة على الميت (۳۶۶۴)، وابن ماجه: كتاب الأدب، باب: صدقة الماء (۳۶۸۴)، أحمد (۲۲۴۵۸).

التہذیب میں لکھا ہے۔

اور متن کے اعتبار سے یہ روایت سابقہ دونوں روایتوں سے زیادہ واضح ہے، اس میں صراحت ہے کہ حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے لیے صدقہ کی نیت سے افضل ترین صدقہ کا سوال کیا تھا، حضورﷺ نے ان کو جورائے اور مشورہ دیا اس پر انھوں نے عمل کیا اور کنواں کھدوا کر اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے وقف بھی فرمادیا۔

فقه الحديث: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح دیگر عبادات مالیہ کا بھی، البتہ عبادات مدینہ میں سے دعا کا ثواب تو بالاتفاق پہنچتا ہے، اور دیگر عبادات بدنیہ کے ثواب کے بارے میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک تو پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم (بذل المجہود: ۶/ ۵۴۳)

۱۶۸۲- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِشْكَابَ، حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ - الَّذِي كَانَ يَنْزِلُ فِي بَنِي دَالَانَ - عَنْ نُبَيْحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ، كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ، أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ، سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ.

ترجمه: حضرت ابوسعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو مسلمان کسی ننگے کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا ہرا لباس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے کو پانی پلائے تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت کی شراب پلائے گا۔

تشريح حديث: قوله: ''ايما مسلم'': ای ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے، اور ''ما'' اس میں زائدہ ہے، اور کلمہ ''مسلم'' مضاف الیہ ہے، اور ''عری'' مصدر ہے، جس کے معنی بے لباس ہونا، ننگے بدن ہونا، لیکن یہاں مراد مطلقاً کپڑے کا ضرورت مند ہے خواہ ستر چھپانے کے لیے ہو، یا گرمی اور سردی کے لیے ہو یا عید و جمعہ وغیرہ میں تجمل کی غرض سے ہو۔

قوله: ''كساه الله من خضر الجنة'': یہ جملہ محل رفع میں ہے ''ای'' کی خبر واقع ہونے کی وجہ سے، اور ''خضر'' بضم الخاء وسکون الضاد جمع ہے ''اخضر'' کی، اور یہ درحقیقت صفت ہے اس کا موصوف ''ثیاب'' ہے، یعنی سبز کپڑے، اور مطلب یہ ہے کہ جو کسی محتاج ضرورت مند کو لباس دے کر اس کی بے لباسی کو دور کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اگرچہ جنتی کو سبز لباس تو ہر حال میں ملے گا لیکن جو شخص مذکورہ صفت کے ساتھ متصف ہوگا تو اس کو

۱۶۸۲-أخرجه الترمذي رقم(۲۴۴۹)، وأحمد رقم(۱۱۱۰۱).

اوروں سے اعلیٰ قسم کا سبز لباس دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ویلبسون ثیابًا خضرًا من سندس واستبرقٍ"۔

قوله: علی ظَمَاءٍ: بفتح الظاء والمیم عَطَشٌ کے وزن پر ہے اور اسی کے معنی میں ہے۔

قوله: "الرحیق المختوم": جنت کی خاص شراب کو رحیق مختوم کہا جاتا ہے، رحیق کے معنی ہیں خالص شراب جو بالکل صاف شفاف ہو جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو، اور "مختوم" کے معنی ہیں سر بمہر (بند کر کے مہر لگایا ہوا، جسے سیل بند کر دیا گیا ہو، مطلب یہ ہوا کہ وہ شراب سر بمہر ہونے کی وجہ سے کسی بھی تغیر و تبدل سے محفوظ ہوگی، اور جس کے لیے مخصوص ہوگی اس کے سوا اور کوئی اس میں سے نہیں پی سکتا۔

قرآن پاک کی آیت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اس شراب طہور کے برتن کے منہ کو مشک لگا کر بند کیا گیا ہوگا، "یسقون من رحیق مختوم ختٰمه مسك" (سورۂ تطفیف: آیت/ ۲۵) ترجمہ: ان کو خالص شراب پلائی جائے گی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر حاصل یہ ہے کہ جنت کی یہ شراب طہور غایت درجہ کی نفیس ہوگی اور یہ ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو پیاسے مسلمان کو پانی پلائیں گے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي الْمَنِيحَةِ

(کسی کو کوئی چیز) عاریۃً دینے کا بیان

۱۶۸۳- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى - وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ وَهُوَ أَتَمُّ - عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ، مَا يَعْمَلُ رَجُلٌ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا، وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الْجَنَّةَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ مُسَدَّدٍ، قَالَ حَسَّانُ: فَعَدَدْنَا مَا دُونَ مَنِيحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَنَحْوَهُ، فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَبْلُغَ خَمْسَةَ عَشَرَ خَصْلَةً.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چالیس خصلتیں ہیں، جن میں سب

۱۶۸۳- اخرجه البخاري: كتاب الهبة، باب: فضل المنيحة (۲۶۳۱).

سے بہتر خصلت بکری کا مستعار دینا ہے (دودھ پینے کے لیے)، جو شخص ان خصلتوں میں سے کسی کو ثواب کی امید رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا جان کر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہا کہ مسدد کی حدیث میں حسان کا بیان ہے کہ ہم نے ان خصلتوں کو شمار کیا مثلاً: سلام اور چھینک کا جواب دینا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا، وغیرہ تو ہم پندرہ خصلتوں تک نہ پہنچ سکے۔

مقصد ترجمہ: منیحة بروزن فعیلة بمعنی عطیہ، عارضی ضرورت اور استفادہ کے لیے اپنے متعلق کو بشرط واپسی دی جانے والی زمین، سواری یا کوئی اور چیز، مِنحَة بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اب مصنفؒ اس باب کو قائم کر کے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ کسی ضرورت مند کو بشرط واپسی بھی اپنی کوئی چیز دینا صدقہ کے ثواب سے خالی نہیں ہے، بالخصوص وہ چیز جس سے کسی غریب کی روزی روٹی کا انتظام ہو سکتا ہو، مثلاً: دودھ دیتی اونٹنی، گائے، بھینس، بکری وغیرہ کسی کو دے دی جائے کہ جب تک یہ دودھ دیتی رہے اس کو اپنے پاس رکھو اور اس کا دودھ استعمال کرتے رہو، جب دودھ دینا بند کر دے تو واپس کر دینا، یہ بھی بہترین صدقہ ہے اور دخول جنت کا سبب ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "أربعون خصلة": یہ مبتدا ہے، اور "أعلاهن" مبتدا، ثانی ہے، اور "منیحة العنز" مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتدا خبر سے مل کر پھر خبر ہے، مبتدا اوّل "أربعون خصلة" کی "رجاءَ" تعلیل کی وجہ سے منصوب ہے، اسی طرح "تصدیق موعودها" بھی منصوب ہے۔

مفہوم حدیث کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چالیس خصلتیں اور نیک کام ایسے ہیں کہ جو کوئی ان کاموں کو یا ان میں سے کسی کو ثواب کی امید اور اللہ و رسول کے وعدے کی تصدیق کے ساتھ اختیار کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور ان چالیس خصلتوں میں سے اعلیٰ خصلت بکری کا عطیہ ہے، اور یہ اس طرح کہ دودھ دیتی بکری کسی ضرورت مند کو بشرط واپسی دے دی جائے کہ جب تک یہ بکری دودھ دیتی رہے اس وقت تک اس کو اپنے پاس رکھو اور جب دودھ دینا بند کر دے تو واپس کر دینا۔

باقی انتالیس خصلتیں اور نیک کام اس سے کم درجہ کے ہیں، لیکن وہ باقی کام کیا ہیں، حدیث میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قال أبوداؤد: "في حديث مسدد الخ": اب حضرت امام ابوداؤدؒ فرما رہے ہیں کہ میرے استاذ مسدد کی حدیث میں دوسرے استاذ ابراہیم بن موسیٰ کی حدیث کے مقابلہ میں یہ زیادتی ہے کہ حسان بن عطیہ نے کہا کہ ہم نے بکری کے عطیہ سے کم درجہ والی خصلتوں کو شمار کیا یعنی دیگر احادیث کی روشنی میں تو تلاش کے باوجود پندرہ خصلتیں بھی ہمیں نہ مل

سکیں، اور جو ملی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: سلام کا جواب دینا، یرحمک اللہ کہنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا وغیرہ۔

مگر راوی حدیث حسان بن عطیہ کو پندرہ خصلتوں سے زیادہ نہ ملنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کسی اور کو بھی یہ خصلتیں نہ مل سکیں، ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ مل جائیں، صاحب منہل نے ابن بطال کے حوالہ سے المنہل میں اکتیس خصلتیں نقل کی ہیں، لیکن پھر ان شمار کردہ خصلتوں کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ ان میں یہ کہاں صراحت ہے کہ یہ منیحة العنز سے کم درجہ کی ہیں، ہوسکتا ہے کہ شمار کردہ یہ خصلتیں اس سے اعلیٰ درجہ کی ہوں یا برابر درجہ کی ہوں۔

اس سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان چیزوں کو شمار نہیں کرایا اور تعیین نہیں فرمائی تو پھر ہمیں بھی تعیین کی کوشش کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو کار خیر ہمارے سامنے آئے اسی پر عمل کی کوشش کریں۔

بَابُ أَجْرِ الْخَازِنِ

خزانچی کے ثواب کا بیان

۱۶۸۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْخَازِنَ الْأَمِينَ الَّذِي يُعْطِي مَا أُمِرَ بِهِ كَامِلًا مُوَفَّرًا، طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ، حَتَّى يَدْفَعَهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ.

ترجمه: حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امانت دار خازن جو کہ حکم کے موافق خوشی خوشی پوری امانت اس شخص کے حوالہ کردیتا ہے جس کے لیے حکم ہوا ہے تو وہ دو صدقہ دینے والوں میں سے ایک ہے۔

مقصد ترجمه: مصنف کا مقصد کسی مالدار آدمی کے منیجر اور خزانچی کی فضیلت کو بیان کرنا ہے کہ اگر خزانچی جو کہ خود اپنے ذاتی مال سے صدقہ نہیں کررہا ہے بلکہ وہ دوسرے کے مال کا محافظ اور نگراں ہونے کی حیثیت سے صدقہ دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی صدقہ کرنے والوں میں شمار کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ خزانچی کے لیے اس فضیلت کو حاصل کرنے کی شرائط کو حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: إن الخازن الأمين: یہاں مالک کے مال سے صدقہ یا کسی اور کار خیر میں دینے کے

۱۶۸۴- أخرجه البخاري: كتاب: الإجارة، باب: استئجار الرجل الصالح، وقول الله تعالى: {إن خير من استأجرت القوي الأمين} (۲۲۶۰)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: أجر الخازن الأمين، والمرأة إذا تصدقت من بيت زوجها غير مفسدة، (۱۰۲۳).

لیے کارندے کے حوالہ سے اس حدیث میں چار شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) یہ خازن اور کارندہ امین ہو، خیانت کرنے والا نہ ہو، اس لیے کہ خائن گنہگار رہتا ہے، دینے کی مقدار میں کمی کرنا بھی خیانت ہی ہے۔

(۲) مالک نے جو دینے کے لیے کہا ہے اس کا پورا پورا دے کمی ہرگز نہ کرے۔

(۳) دل کی خوشی کے ساتھ دے، کیوں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مالک جو دلوانا چاہتا ہے خزانچی اس کے دینے میں کشادہ دلی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

(۴) اسی کو دے جس کے لیے دینے کا مالک نے حکم دیا ہے۔

پس اگر خزانچی ان شرائط کے مطابق عمل کرے گا تو ثواب اور تعریف کا مستحق ہوگا۔

صحیح بخاری کی روایت میں "مسلم" کی قید اور لگی ہوئی ہے، جس سے کافر نکل گیا کیوں کہ کافر کی تقریب کی نیت ہی معتبر نہیں۔

قوله: كاملاً موفراً: یہ دونوں کلمات یا تو "يعطي" کے مفعول سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، اور تقدیری عبارت ہے: "أي يعطي المحتاج ما أمربه المتصدق كاملاً وافرًا" یا پھر یہ دونوں کلمات مصدر محذوف کی صفت ہیں، "أي يُعطي عَطَاءً كاملاً تامًا" اور کلمہ "موفرًا" میں بھی دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ صیغہ اسم مفعول ہے، دوسرا یہ کہ بکسر الفاء صیغۂ اسم فاعل ہے۔

قوله: "طيبة به نفسه": صحیح بخاری کی روایت میں "طيب به نفسه" ہے، ابوداود کی روایت کے مطابق "طيبةً" منصوب ہے "الخازن" سے حال واقع ہونے کی وجہ سے "نفسه" مرفوع ہے، اور بخاری کی روایت کے اعتبار سے "طيب" مرفوع ہے مبتدا محذوف کی خبر واقع ہونے کی وجہ سے "أي وهو طيب النفس به" یا "نفسه" مبتدا مؤخر ہے اور "طيب" خبر مقدم ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ خازن جو صدقہ دے رہا ہے خوش دلی کے ساتھ دے، اگر بددلی اور کراہت کے ساتھ دیتا ہے تو پھر مستحق ثواب نہ ہوگا۔

قوله: "أحد المتصدقين" "متصدقين" کا لفظ یہاں تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے، یعنی صدقہ دینے والے دو آدمی ہیں، ایک تو مالک کہ حقیقتاً صدقہ دینے والا وہی ہے اور ایک یہ خازن یا کارندہ جو مذکورہ شرائط کے ساتھ متصف ہو، یہ بھی صدقہ دینے والے ہی کی طرح ہے، لہٰذا ترجمہ ہوگا: خازن دو صدقہ دینے والوں میں سے ایک ہے۔

اور ایک نسخۂ صحیحہ میں یہ لفظ بصیغۂ جمع بھی ہے اور اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ اس خازن کا شمار بھی صدقہ دینے

والوں میں ہے۔

اور مراد یہاں پر اصل ثواب میں شرکت کو بیان کرنا ہے کہ دونوں ہی اصل ثواب میں شریک ہیں، اس شرکت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا ثواب برابر ہو، ہوسکتا ہے کہ مالک کو زیادہ ثواب ملے اور خازن کو اس سے کم ثواب حاصل ہو اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے مثلاً مال بہت زیادہ ہے اور تقسیم کرنے میں بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس صورت میں خازن کا ثواب مالک کے ثواب سے بڑھ جائے۔

فقه الحديث: حدیث شریف میں جہاں صدقہ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے وہیں پر امانت داری، حسنِ نیت اور تعاون وہمدردی کا بھی بیان ہے۔"دل الحدث على الترغيب في الأمانة، وحسن النية في الطاعة، والتعاون في الخير، لما يترتب على ذلك من المشاركة في الأجر" (عمدۃ القاری:۶/ ۳۱۷، والمنہل:۹/ ۳۳۶)

بَابُ الْمَرْأَةِ تَتَصَدَّقُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا

عورت کا اپنے شوہر کے مال سے صدقہ دینے کا بیان

۱۶۸۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا أَجْرُ مَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُ مَا اكْتَسَبَ، وَلِخَازِنِهِ مِثْلُ ذَلِكَ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ .

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر عورت اپنے شوہر کے گھر (یعنی مال) سے خرچ کرے گی اور اس کی نیت میں کوئی فساد نہ ہوگا تو اس کو بھی ثواب ملے گا خرچ کرنے کا اور اس کے شوہر کو ثواب ملے گا کمانے کا اور جسکی تحویل میں ہے اس کو بھی ثواب ملے گا اور کسی کا ثواب کم نہ ہوگا۔

مقصد ترجمه: مصنفؒ کا مقصد مشارکہ فی الثواب کو بیان کرنا ہے کہ شوہر مال کماتا ہے، لیکن بیوی اس کے کمائے ہوئے مال میں سے کچھ صدقہ اور خیرات کرے تو اس کی اجازت ہے اور اجر وثواب میں دونوں ہی شریک ہوں

۱۶۸۵- أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب: أجر المرأة إذا تصدقت أو اطعمت من بيت زوجها غير مفسدة (۱۴۳۹)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: أجر الخازن الأمين والمرأة إذا تصدقت من بيت زوجها غير مفسدة بإذنه الصريح والعرفي (۱۰۲۴)، والترمذي: كتاب الزكاة، باب: في نفقة المرأة من بيت زوجها (۶۷۲).

گے، بس شرط یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے بیوی کو صدقہ کرنے کی اجازت عرفاً یا صراحتاً یا دلالۃً حاصل ہو، یعنی یا تو شوہر نے اس کو صاف طور سے اجازت دے رکھی ہو کہ وہ گھر میں موجود اشیاء میں سے اتنی چیز خیرات کر سکتی ہے، یا قرائن سے اس کو معلوم ہو کہ اگر میں نے اتنی چیز خیرات کی تو شوہر کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر میں سے صدقہ دینے کی اجازت کا بیان ہے، لیکن یہ اجازت ایک قید کے ساتھ مقید ہے کہ اس تصدق کا مقصد شوہر کے گھر میں فساد پیدا کرنا نہ ہو، گھر کی بربادی مقصد نہ ہو، اور ایسی چیز نہ دیتی ہو جس کا عرف وعادت نہیں ہے، نیز صحیح بخاری کی روایت میں "طعام بيتها" کی قید ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے گھر میں موجود اشیاء خوردنی میں سے کچھ صدقہ دے سکتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس روایت میں اجازت کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ شوہر نے بیوی کو اجازت بھی دی ہے یا نہیں بلکہ یہ روایت مطلق ہے، لیکن چوں کہ دوسری روایات میں اجازت لینے کا ذکر ہے کہ عورت کو اپنے شوہر سے اجازت لے کر خرچ کرنا چاہیے، اس لیے مطلق روایات کو مقید روایات پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ تقیید اصول وضوابط کے موافق ہے، اور اگر شوہر کی جانب سے عدم اجازت کی تصریح ہو تو پھر عورت کو مال زوج سے انفاق جائز ہی نہ ہوگا، بلکہ یہ انفاق تو آخرت میں وبالِ جان ہوگا۔

قوله: "لا ينقص بعضهم أجر بعض" یہاں اجر زوج اور اجر خازن کو جو اجر امرأۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وہ اجر وثواب میں مساوات بیان کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ جس طرح ان میں سے ایک اجر کا مستحق ہوگا اسی طرح دوسرے بھی مشارک فی الطاعات ہونے کی بنا پر اجر کے مستحق ہوں گے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس کا مبنی اہل حجاز کا دستور ہے کہ ان کے یہاں اپنی بیویوں اور خادموں کو کھلی اجازت ہوتی ہے کہ وہ مہمانوں کی ضیافت کریں، سائلوں اور ہمسایوں کو صدقہ کریں، پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ترغیب دی ہے کہ اس اچھے دستور کو اختیار کریں۔

ہمارے یہاں بھی عرف وعادت یہی ہے کہ خواتین فقراء اور سائلین کو گھر میں سے دس پانچ روپئے دیتی رہتی ہیں اور شوہر اس پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا ہے جو ایک قسم کی اس کی جانب سے اجازت ہی ہے۔

۱۶۸۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ

۱۶۸۶ - أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۴/ ۳۲۳/ ۷۸۵۱)، والحاكم في المستدرك على الصحيحين (۴/ ۱۴۹/ ۷۱۸۵) وقال: على شرط الشيخين.

عُبَيْدٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، عَنْ سَعْدٍ، قَالَ: لَمَّا بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءُ، قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَأَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّا كَلٌّ عَلَى آبَائِنَا، وَأَبْنَائِنَا - قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأُرَى فِيهِ: وَأَزْوَاجِنَا - فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ؟ فَقَالَ: الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِينَهُ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الرَّطْبُ: الْخُبْزُ وَالْبَقْلُ وَالرُّطَبُ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ عَنْ يُونُسَ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ جب عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو ایک قدر ومرتبہ والی عورت کھڑی ہوئی، وہ قبیلہ مضر کی عورت لگتی تھی، بولی: اے اللہ کے نبی! ہم تو اپنے ماں باپ اور بیٹوں (ابوداؤدؒ نے کہا: کہ میرا خیال ہے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ اور اپنے شوہروں) کے تابع ہوتی ہیں، تو ہم کو ان کے مال میں سے کیا چیز درست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تروتازہ کھا سکتی ہو اور ہدیہ دے سکتی ہو، امام ابوداؤدؒ نے کہا کہ: رطب سے مراد روٹی، سبزی ترکاری اور تازہ چھوہارہ ہے، امام ابوداؤدؒ نے کہا: کہ اس کو ثوری نے بھی یونس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: لما بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم النساء الخ: یعنی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو شرک نہ کرنے، چوری نہ کرنے، زنا نہ کرنے وغیرہ امور پر بیعت کیا، قرآن پاک میں بھی اس بیعت کی طرف اشارہ ہے: "أن لايشركن بالله شيئًا ولا يسرقن ولا يزنين الخ"

قوله: قامت امرأة جليلة: اس سے مراد یا تو بڑے مرتبہ والی عورت ہے یا قدوقامت اور بدن کے لحاظ سے بھاری بھرکم عورت مراد ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبیر السن یعنی بوڑھی عورت مراد ہو، دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسا کہ وہ قبیلہ مضر کی عورت ہے، اس جملہ سے تو اشارہ اس کے بدن کے بھاری بھرکم ہونے ہی کی طرف ہے، کیوں کہ اس قبیلہ کی عورتیں ہی قدوقامت میں بھاری بھرکم ہوا کرتی تھیں۔

قوله: إنا كَلٌّ على آبائنا الخ: "كَلٌّ" بفتح الکاف وتشدید اللام، بمعنی بوجھ، جیسے قرآن پاک میں ہے: "هُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ" مطلب یہ تھا کہ ہم عورتیں تو اپنے والد، بیٹوں اور شوہروں پر بوجھ ہیں، ہمارا سارا خرچہ وہی اٹھاتے ہیں، ہم خود تو کماتی نہیں کہ ہمارے پاس اپنا کچھ مال ہو اور اس میں سے صدقہ یا ہدیہ کے طور پر کسی کو کچھ دیں، تو ان کی اجازت کے بغیر ان کے اموال میں سے ہمارے لیے کیا جائز ہے جس کو ہم صدقہ کر سکیں یا ہدیہ کر سکیں؟

قوله: "وأرى فيه وأزواجنا" أُرى بصیغۂ مجہول ہے أظن کے معنی میں ہے، اس قال ابوداؤد کا مطلب یہ ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس میں "وأزواجنا" کی زیادتی بھی ہے، اس عورت نے گویا یہ کہا تھا کہ ہم اپنے والد، بیٹوں اور

شوہروں پر بوجھ ہیں، جب کہ ایک روایت میں صرف "آبائنا وأبنائنا" مذکور ہے۔

قوله: "الرطب تأكلنه وتهدينه" "الرطب" بفتح الراء اور سکون الطاء ہے، جو یابس کی ضد ہے یعنی تازہ وتر اشیاء، مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اٹھا کر ذخیرہ بنا کر نہیں رکھا جاسکتا، کیوں کہ وہ بہت جلد خراب ہوجاتی ہیں، جیسے: سبزیاں، پھل، روٹی، سالن وغیرہ، پس ایسی چیزوں میں صدقہ یا ہدیہ دینے کے لیے شوہر کی اجازت درکار نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ عام دستور اور معمول یہ ہے کہ لوگ ایسی چیزوں کے دینے سے منع نہیں کرتے، اور اس طرح شوہر کی دلالۃً اجازت بیوی کو حاصل ہوتی ہے البتہ جو چیزیں خشک ہوں اور اٹھا کر رکھی جاسکتی ہوں تو ان میں شوہر کی اجازت ہونا ضروری ہے۔

قوله: "قال أبوداؤد: وكذا رواه الثوري عن يونس" مصنف فرمارہے ہیں کہ جس طرح اس روایت کو یونس بن عبید سے عبدالسلام بن حرب نے نقل کیا ہے اسی طرح سفیان ثوریؒ نے بھی نقل کیا ہے اب اس بات سے مصنفؒ کی غرض کیا ہے؟ صاحبِ منہل لکھتے ہیں کہ مصنفؒ کا مقصد روایت کو تقویت دینا ہے اور بتانا ہے کہ یہ روایت دو سندوں سے مروی ہے؛ اور چوں کہ عبدالسلام بن حرب پر بعض ائمہ جرح وتعدیل نے کلام بھی کیا ہے اس لیے مصنفؒ نے ان کی متابعت بھی پیش کردی کہ ان پر اگرچہ بعض ائمہ جرح وتعدیل کا کلام ہے لیکن ان کے متابع سفیان ثوری موجود ہیں۔

۱۶۸۷- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ، فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے گی تو اس کو آدھا ثواب ملے گا۔

تشریح حدیث: اس حدیث کا مختصر اور جامع مطلب یہ ہے کہ اگر عورت نے شوہر کی اس اجازت سے جو اسے دلالۃً یا عرفاً حاصل ہوئی ہو بغیر امر صریح کے انفاق کیا تو اس کو نصف اجر ملے گا، اگر دلالۃً یا عرفاً اجازت کے ساتھ ساتھ شوہر کا امر صریح بھی حاصل ہوجائے تو پھر اجر کامل کی مستحق ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب (شرح عینی ابوداؤد: ۶/ ۴۴۱)

۱۶۸۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ،

۱۶۸۷- أخرجه البخاري: كتاب البيوع، باب: قول الله تعالى: {أنفقوا من طيبات ما كسبتم} (۲۰۶۶)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: ما أنفق العبد من مال مولاه (۱۰۲۶).

۱۶۸۸- أخرجه البخاري: كتاب البيوع، باب: قول الله تعالى: {أنفقوا من طيبات ما كسبتم} (۲۰۶۶)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: ما أنفق العبد من مال مولاه (۱۰۲۶).

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي الْمَرْأَةِ تَصَدَّقُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ قُوتِهَا، وَالْأَجْرُ بَيْنَهُمَا، وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَصَدَّقَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هٰذَا يُضَعِّفُ حَدِيثَ هَمَّامٍ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا عورت اپنے خاوند کے گھر میں سے صدقہ کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، البتہ اپنے خرچ میں سے دے سکتی ہے اور ثواب دونوں کو ہوگا اور یہ بات عورت کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ دے۔ ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حدیث ہمام کو ضعیف کر دیتی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''في المرأة تصدق'': یہ اصل میں ''تتصدق'' تھا ایک ''تا'' کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر میں سے خرچ کر سکتی ہے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا: نہیں، ہاں وہ اپنے مخصوص خرچ میں سے دے سکتی ہے، شوہر جو خرچہ عورت کو دیتا ہے اس میں سے کچھ دے دے، اور اگر وہ شوہر کے مال سے دینا چاہتی ہے تو اس کی اجازت ضروری ہے، اور پیچھے تفصیل سے گزرا کہ یہ اجازت صریح ہو یا دلالۃً یا عرفاً۔

قال أبوداؤد: ''هٰذا يضعف حديث همام'': یعنی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ موقوف روایت ہمام بن منبہ کی سابقہ روایت (نمبر ۱۶۸۷) جو انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے کو ضعیف کر دیتی ہے؛ کیوں کہ یہ حدیث موقوف حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ ہے جو کہ ان کی نقل کردہ حدیث مرفوع کے خلاف ہے، اور جب راوی اپنی مروی کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی مروی کے معلول ہونے کی دلیل ہوتا ہے، حدیث مرفوع میں تو یہ تھا کہ عورت اگر شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو آدھا ثواب ملتا ہے جس کا مطلب ہوا کہ بغیر اجازت کے بھی خرچ کر سکتی ہیں اور فتویٰ یہ ہے کہ بغیر اجازت کے خرچ نہیں کر سکتی، یہ ہے مطلب اس قال ابوداؤد کا۔

لیکن بذل المجہود میں یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت (۱۶۸۷) اور اس موقوف روایت میں مخالفت کا دعویٰ ہی غیر مسلم ہے؛ اس لیے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع میں ''من غير أمره'' سے مراد امر صریح ہے کہ عورت اپنے شوہر کے امر صریح کے بغیر خرچ کرے تو اس کو نصف اجر ملے گا، اگر چہ دلالۃً وعرفاً اس کو اجازت ہو، اور ان کے اس فتویٰ میں اذن سے مراد مطلق ہے خواہ اذن صریح ہو یا دلالۃً یا عرفاً لہٰذا اب حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث اور فتویٰ میں کوئی تعارض نہ ہوگا، اور جب تعارض نہیں رہا تو پھر یہ کہنا کہ ان کے فتویٰ کی وجہ سے ان کی مرفوع

روایت ضعیف یا معلول ہو جاتی ہے۔ (بذل المجہود: ۶/ ۵۵۴)

بَابٌ فِي صِلَةِ الرَّحِمِ

صلہ رحمی کا بیان

۱۶۸۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَى رَبَّنَا يَسْأَلُنَا مِنْ أَمْوَالِنَا، فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ أَرْضِي بِأَرِيحَاءَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلْهَا فِي قَرَابَتِكَ ، فَقَسَمَهَا بَيْنَ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: بَلَغَنِي عَنِ الْأَنْصَارِيِّ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَبُو طَلْحَةَ زَيْدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ الْأَسْوَدِ بْنِ حَرَامِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ، وَحَسَّانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ حَرَامٍ، يَجْتَمِعَانِ إِلَى حَرَامٍ وَهُوَ الْأَبُ الثَّالِثُ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَتِيكِ بْنِ زَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ، فَعَمْرٌو يَجْمَعُ حَسَّانَ، وَأَبَا طَلْحَةَ، وَأُبَيًّا، قَالَ الْأَنْصَارِيُّ: بَيْنَ أُبَيٍّ وَأَبِي طَلْحَةَ سِتَّةُ آبَاءٍ.

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ جب آیت لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا الخ۔ (آل عمران: ۹۲) نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ نے کہا: کہ یا رسول اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا پروردگار ہم سے ہمارے مالوں کا طالب ہے؛ لہذا میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی زمین جو مقام اَریحاء میں ہے اللہ کو دیدی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے عزیزوں میں تقسیم کردے، انہوں نے حضرت حسان بن ثابت ؓ اور حضرت ابی بن کعب ؓ کے درمیان تقسیم کردی۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن عبداللہ انصاری سے یہ بات پہنچی ہے کہ ابوطلحہ زید بن سہل بن الاسود بن حرام عمرو بن زید، مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام ہیں، پس ابوطلحہ ؓ اور

۱۶۸۹-أخرجه مسلم: كتاب الزكاة، باب: فصل النفقة والصدقة على الأقربين (۹۸۸)، والنسائي: كتاب الإحباس، باب: كيف يكتب الحبس؟ (۳۶۰۲).

حسان حرام بن عمرو پر جمع ہوجاتے ہیں، جو ان کے تیسرے باپ ہیں اور حضرت ابی بن کعب بن قیس بن عتیک بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار ہیں، پس عمرو بن مالک حضرت حسان اور حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب کو جمع کر دیتا ہے، انصاری نے کہا کہ حضرت ابی اور حضرت ابوطلحہ کے درمیان چھ آباء ہیں۔

مقصد ترجمہ: صلة مصدر ہے اور اس کی اصل ''وَصْلٌ'' ہے، واؤ کو حذف کیا گیا اور اس کے عوض گول تاء (ۃ) کا اضافہ ہوا تو ''صِلَةٌ'' ہوگیا، اس کے لغوی معنی ملانا اور پیوند لگانے کے ہیں، لیکن اصطلاح میں ''صلہ'' کہتے ہیں: اپنے اعزاء و اقارب کے ساتھ احسان اور اچھے سلوک کا معاملہ کرنا اور ان کو عطاو بخشش اور اپنی مالی مدد و اعانت کے ذریعہ راحت و آرام پہنچانا۔

اور ''رحم'' بفتح الراء و بکسر الحاء بمعنی رشتہ داری و قرابت، اگر چہ لغت میں ''رحم'' عورت کی بچہ دانی کو کہا جاتا ہے، لیکن چوں کہ رشتہ داروں کا مخرج ایک ہی رحم ہوتا ہے اس لیے مطلق رشتہ داری کے اوپر رحم کا اطلاق ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے کتاب الزکوۃ میں ''صلہ رحمی'' کا باب اس لیے قائم کردیا ہے کہ اپنی زکوۃ و صدقات سے رشتہ داروں کی اعانت کی جائے تاکہ دوہرا اجر و ثواب حاصل ہو۔

اس باب میں کل نو احادیث ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کی زکوۃ و صدقات کا اولین مستحق اس کے اعزاء و اقرباء ہیں اگر ان میں کوئی غریب و مستحق ہے تو پہلے انھیں کو دینا چاہیے۔

تشریح حدیث: قولہ: لما نزلت ''لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون'': ہرگز نہ پہنچو گے نیکی (جنت) کو جب تک تم اپنی محبوب چیز سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کروگے۔ حضرات مفسرین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کرام احکام قرآنی کی تعمیل والہانہ انداز میں کرتے تھے، اس لیے اس آیت کے نازل ہونے پر ان میں سے ایک ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سامنے درخواستیں ہونے لگیں، حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا واقعہ تو اس حدیث میں بیان ہوا، دوسرے صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے کہ ان حضرات نے بھی اپنی اپنی املاک میں سے محبوب چیزوں کو صدقہ کیا۔

آیت کریمہ میں ''برّ'' سے مراد راجح قول کے مطابق جنت ہے۔ اگر چہ تقویٰ، اجر و ثواب اور توسع فی الخیر کو بھی البر میں شمار کیا گیا ہے۔

یہاں سنن ابوداؤد میں یہ روایت کچھ مختصر ہے، صحیح مسلم میں تفصیل کے ساتھ ہے، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ صحیح مسلم کی

روایت کا مضمون یہاں نقل کر دیں تا کہ تشریح میں معاون ثابت ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انصار مدینہ میں کھجوروں کی پیداوار کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار ابوطلحہؓ تھے اوران کو اپنی زمین میں سب سے زیادہ محبوب وہ باغ تھا جس کا نام بَیْرحَاء تھا، (یہ نام اس لیے تھا کہ اس میں اس نام کا کنواں تھا جس کی مناسبت سے اس باغ کا نام ہی بیرحاء ہو گیا تھا) اور یہ باغ مسجد نبوی کے بالمقابل قبلہ کی جانب میں تھا؛ اور رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کنویں کا پانی پیتے تھے، جو بہت اچھا تھا، اب جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”لَن تنالوا البر حتي تنفقوا مماتحبون“ اور چوں کہ اپنے مال ومتاع میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اس لیے میں اسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ اس صدقہ کے ذریعہ اس نیکی کو پہنچوں گا جو اس آیت میں مذکور ہے اور یہ کہ یہ صدقہ اللہ کے نزدیک میرے لیے آخرت کا ذخیرہ ثابت ہوگا، یارسول اللہ! اس کا جو مصرف اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے یعنی آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرمادیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ عمدہ کام تم نے کیا یہ باغ تو بہت نفع بخش ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس باغ کو اپنے غریب اور ضرورت مند قرابت داروں میں تقسیم کر دو تا کہ تمھیں صدقہ کا بھی ثواب ملے اور صلہ رحمی کا بھی، ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ میں آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کروں گا، چناں چہ انھوں نے اس باغ کو اپنے قرابت داروں اور چچازادوں میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث/۹۸۸)

قوله: ”باریحاء“: بفتح الباء بعدها الف وبكسر الراء وسكون الياء وحاء المهملة والف ممدوده، یہ ”أرضي“ سے بدل ہے، یا اس کا عطف بیان ہے، جن لوگوں نے اس کو ”با“ کے کسرہ اور ہمزہ کے فتح کے ساتھ نقل کیا ہے ان کو وہم ہوا ہے، اور بخاری اور مسلم میں یہ ”بیرحاء“ بفتح الباء وسكون الياء وفتح الراء منقول ہے اور امام باجی نے اسی کو زیادہ راجح قرار دیا ہے۔

قوله: اجعلها في قرابتك: یہی جملہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے، قرابت کا اطلاق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس ذی رحم محرم پر ہوتا ہے جو والدین (اب، جد، ام، جدہ) اور اولاد (بیٹا، پوتا) کے علاوہ ہو۔

حضور ﷺ کے مشورہ کا منشاء یہ تھا کہ ابوطلحہ تم اپنا یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں صدقہ کر دو تا کہ تم کو دوہرا اجر حاصل ہو جائے، چناں چہ انھوں نے آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل فرمائی۔

قوله: ”فقسمها بين حسان بن ثابت وأبيّ بن كعب“: حضرت ابوطلحہؓ نے اس باغ کو حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان تقسیم کر دیا تھا کیوں کہ یہ دونوں حضرات ابوطلحہؓ کے بنو اعمام میں آتے ہیں، جیسا

کہ آگے خود مصنفؒ نے ان کے درمیان رشتہ داری کو بیان فرمایا ہے اور حضرت ابوطلحہؓ کا یہ باغ ان حضرات کو دینا بطور وقف کے نہ تھا، بلکہ ان کو مالک ہی بنادیا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنا حصہ امیر معاویہؓ کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کردیا تھا اگر یہ وقف ہوتا تو فروخت نہ کر سکتے تھے۔ واللہ اعلم

قوله:"قال أبوداؤد: بلغني عن الأنصاري محمد بن عبدالله الخ": یہاں سے مصنفؒ حضرت حسان بن ثابتؓ اُبی بن کعب اور حضرت ابوطلحہؓ کے درمیان قرابت یعنی رشتہ داری کو بیان فرمارہے ہیں، وہ اس طرح کہ حضرت حسانؓ تو حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ تیسرے پشت یعنی حرام بن عمرو میں جاکر مل جاتے ہیں اور حضرت اُبی بن کعبؓ حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ ساتویں پشت عمرو بن مالک میں مل جاتے ہیں، پھر تینوں (ابوطلحہ، حسان، ابی بن کعب) کا اجتماع عمرو بن مالک بن نجار میں جاکر ہوجاتا ہے ان تینوں حضرات کا شجرہ اس طرح ہوگا۔

	ابوطلحه	حسان	أبي	
(۱)	سهيل	ثابت	كعب	(۱)
(۲)	اسود	منذر	قيس	(۲)
(۳)	حرام	حرام	عتيك	(۳)
(۴)	عمرو	عمرو	زيد	(۴)
(۵)	زيد	زيد	معاويه	(۵)
(۶)	عدي	عدي	عمروبن مالك	(۶)
(۷)	عمروبن مالك	عمروبن مالك		

اس شجرہ سے معلوم ہوا کہ ابوطلحہ اور حسان تو تیسری پشت میں مل جاتے ہیں، جب کہ تینوں کا اجتماع عمرو بن مالک میں پہنچ کر ہوتا ہے، اگرچہ عمرو بن مالک ابوطلحہ اور حسان کی ساتویں پشت میں ہیں اور ابی بن کعب کی چھٹی پشت ہیں۔

قوله:"قال الأنصاري: بين أبي بن كعب وأبي طلحة ستة آباء": محمد بن عبداللہ انصاریؒ جو مصنفؒ کے اساتذہ میں ہوتے ہیں وہ بیان فرمارہے ہیں کہ ابی بن کعبؓ اور ابوطلحہؓ کے درمیان چھ پشتوں کا فصل ہے، ساتویں

پشت میں دونوں مل رہے ہیں، اور ساتویں پشت ہے عمرو بن مالک کی، گویا فرمار ہے ہیں کہ عمرو بن مالک اور ابوطلحہ کے درمیان چھ پشت ہیں اور اسی طرح عمرو بن مالک اور ابی بن کعب کے درمیان بھی چھ پشت ہیں، لیکن ابھی ہم نے جو شجرہ بنایا تھا اس سے واضح ہو گیا کہ ابوطلحہ اور عمرو بن مالک کے درمیان تو چھ پشت کا ہونا صحیح ہے، مگر ابی بن کعب اور عمرو بن مالک کے درمیان واسطے چھ نہیں ہیں بلکہ صرف پانچ ہیں؛ اس لیے ''ستة أباء'' کہنا ابوطلحہ کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے، ابی بن کعب کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے، چناں چہ صاحب منہل بھی یہی فرماتے ہیں کہ:

''وهذا ظاهر بالنسبة لأبي طلحة، أما أبيّ فليس بينه وبين عمرو إلا خمسة آباء، ففي العبارة شيء من التسامح'' (المنهل العذب المورود: ۱۰/ ۶)

ہمارے مصنف کو تو صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت ابوطلحہ نے اپنے رشتہ داروں پر تصدق فرمایا اور یہ رشتہ دار حضرت ابوطلحہ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے۔ واللہ اعلم

۱۶۹۰- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ عَبْدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَتْ لِي جَارِيَةٌ فَأَعْتَقْتُهَا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: آجَرَكِ اللَّهُ، أَمَا إِنَّكِ لَوْ كُنْتِ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ

ترجمہ: حضرت میمونہ زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ میری ایک باندی تھی پس میں نے اس کو آزاد کر دیا، پس نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کا اجر عطا فرمائے؛ لیکن اگر اس باندی کو تو اپنے ننھیال کے لوگوں کو دیدیتی تو اس کا ثواب زیادہ ہوتا (یعنی اس میں صلہ رحمی مزید ہوتی)

تشریح حدیث: قولہ: فاخبرته: حضرت میمونہ نے باندی کو آزاد کرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی جس سے معلوم ہوا کہ عورت اپنی مملوکہ چیز کو شوہر کی اجازت کے بغیر آزاد کر سکتی ہے اور تصرف کی حقدار بھی ہے البتہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر سے اجازت لے کر تصرف کرے۔

قولہ: آجرك الله: یہ باب نصر، ضرب اور افعال تینوں سے استعمال ہوتا ہے اور کاف ضمیر خطاب کی ہے، مقصد

۱۶۹۰- أخرجه البخاري: كتاب الهبة، باب: هبة المرأة لغير زوجها، وعتقها إذا كان لها زوج (۲۵۹۲)، ومسلم: كتاب الزكاة، باب: فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج والأولاد والوالدين (۹۹۹).

آپ ﷺ کا دعا دینا تھا کہ میمونہ تم نے بہت اچھا کام کیا اللہ تم کو اس کا اجر نصیب فرمائے۔

قوله: أما انك: بفتح الهمزه وتخفيف الميم اور كلمه ''ان'' بھی بفتح الهمزه ہے، اور ''اما'' کے معنی یہاں پر حقًا یعنی ''بہر حال'' کے ہیں، اگر یہ ''اما'' استفتاحیہ ہوتا ہے تو ''ان'' کا ہمزہ مسکور ہوتا، جیسا کہ ''الا'' کے بعد کا ہمزہ مسکور ہوتا ہے۔

قوله: ''أخوالك'' جمع ہے ''خال'' کی بمعنی ماموں اصیلی کی روایت میں یہ کلمہ ''أخواتك'' بالتاء ہے، اور یہ ''اخت'' کی جمع ہے بمعنی بہنیں، خواہ حقیقی مراد ہوں یا رشتہ کی، مفہوم دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں پر ہبہ کرتی تو زیادہ باعث اجر وثواب ہوتا، کیوں کہ رشتہ داروں کو دینے میں صلہ رحمی بھی ہے، اور صدقہ بھی ہے۔

فقه الحديث: حدیث سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں پر صدقہ کرنا آزاد کرنے سے اولی اور بہتر ہے، مگر جب ہی جب کہ رشتہ دار فقیر اور ضرورت مند ہوں، اور اگر رشتہ دار محتاج وضرورت مند نہ ہوں تو آزاد کرنا ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۹۱-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّدَقَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عِنْدِي دِينَارٌ، فَقَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ - أَوْ قَالَ: زَوْجِكَ -، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ ، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: أَنْتَ أَبْصَرُ .

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو صدقہ کا حکم دیا، وہ بولا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے کام میں لا، وہ بولا: میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے بیٹے کو دیدے، اس شخص نے پھر کہا: کہ میرے پاس اس کے علاوہ بھی دینار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنی بیوی کو دیدے، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور بھی دینار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے خادم کو دے، وہ بولا: ایک اور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اب تو جان۔

تشريح حديث: قوله: تصدق به على نفسك: یہاں تصدق کے معنی ''انفق'' کے ہیں کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، چناں چہ ایک روایت میں ''تصدق'' کے بجائے ''انفقه'' کے الفاظ ہیں، اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ انسان اپنے کمائے ہوئے مال کا خود زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

۱۶۹۱-أخرجه النسائي: كتاب الزكاة، باب: الصدقة عن ظهر غنى (۲۵۳۵).

دوسرے نمبر پر آپ ﷺ نے اولاد پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا اس لیے کہ تمام رشتہ داروں میں اولاد ہی اقرب ہے اور اولاد ہی کو زیادہ ضرورت بھی ہوتی ہے، نیز اولاد اگر نابالغ ہے تو اس کا نفقہ واجب بھی ہے، رہا مسئلہ بیوی کا تو اگر چہ اس کا نفقہ بھی کا شوہر کے ذمہ واجب ہے لیکن اس کو اولاد کی بہ نسبت احتیاج بھی کم ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر آدمی کے پاس بیوی کے نفقہ کا بندوبست نہیں ہوتا ہے تو پھر وہ اس کو چھوڑ سکتا ہے تا کہ بیوی کے والد یا دوسرا شوہر اس پر خرچ کرے، جب کہ اولاد کا نفقہ ایسے نسبی حق کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

اور غلام کا معاملہ تو یہ ہے کہ اگر غلام پر خرچ کرنے کے لیے اس کے پاس نہیں ہے تو غلام کو فروخت کر دے، کیوں کہ غلام کا رکھنا کوئی امر ضروری تو ہے نہیں۔

قوله: "أنت أبصر" یعنی میں نے تو تمہارے سامنے اصول مصارف کو بیان کر دیا ہے اور یہ وضاحت کر دی ہے کہ اقارب زیادہ مستحق ہیں اباعد کے مقابلہ میں، اب اس سے آگے کا معاملہ تم خود زیادہ جانتے ہو کہ کس کس کو دینا ہے کس طرح دینا ہے، کون ان میں سے زیادہ ضرورت مند ہے اور کون نہیں۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اقارب پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ اس میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۶۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ وَهْبِ بْنِ جَابِرٍ الْخَيْوَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کو گناہ گار بنا دینے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ضائع کر دے ان کو جن کی روزی اس پر ہے۔

رجال حدیث: وهب بن جابر: یہ وہب بن جابر ہمدانی کوفی ہیں، یحییٰ بن معین اور امام عجلی نے ثقہ کہا ہے، ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں نقل کیا ہے، البتہ نسائی اور علی بن المدینیؒ نے مجهول کہا ہے، اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التهذیب میں مقبول لکھا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک مقبول کا مطلب ہے کہ اس کی احادیث کم ہیں، عموماً ایک سے دس تک کے درمیان ہوتی ہیں، اور حکم کے اعتبار سے حسن لذاتہ کے درجہ کی ہوتی ہیں۔

اور "الخیواني" بفتح الخاء وسکون الیاء یہ یمن کے ایک شہر خَیْوَانَ کی طرف نسبت ہے۔

۱۶۹۲- أخرجه النسائي في الكبرى، كتاب: عشرة النساء (۱٦٧).

تشریح حدیث: "کفي بالمرء اثمًا ان يضيع من يقوت" میں "المرء" مفعول ہے اور "باء" زائدہ ہے، اور "ان یضیع" مصدر کی تاویل میں ہوکر "کفی" کا فاعل ہے، اصل تقدیری عبارت ہوگی "کفی المرء إثمًا تضييع من يقوته بترك النفقة عليه"۔

اب حدیث شریف کے مفہوم میں دو احتمال ہیں:

ایک تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے سب مال کو خرچ کرنا چاہتا ہے کہ اس کو آخرت کا اجر مل جائے، ایسے شخص سے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اہل وعیال جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ ہے اس کو چھوڑ کر جمیع مال کا تصدق انسان کو گنہ گار بنا دیتا ہے، لہٰذا پہلے جن کا نفقہ ضروری ہے ان پر خرچ کرے، پھر صدقہ کرے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرے یا نہ کرے اس سے کوئی بحث نہیں بلکہ ان لوگوں پر خرچ نہیں کرتا جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے، جس کی وجہ سے یہ اہل وعیال اور غلام وغیرہ ضائع ہوجاتے ہیں؛ اس دوسرے مفہوم کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا وکیل ان کے پاس آیا آپ نے اس سے معلوم کیا کہ غلام کو اس کی روزی دے دی یا نہیں؟ وکیل نے جواب دیا کہ ابھی نہیں، اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "كفي بالمرء إثما أن يحبس عمن يملك قوته"۔

اس حدیث سے بھی رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت واہمیت ہی معلوم ہوتی ہے۔

۱۶۹۳- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَيَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ، وَهَذَا حَدِيثُهُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کی روزی میں برکت ہو اور عمر دراز ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے (یعنی اپنے عزیز واقارب کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے)۔

تشریح حدیث: یعنی جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشائش ہو اور عمر میں درازی ہو، اس کو رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا چاہیے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہر ایک کو عزیز ہیں، لہٰذا اس کے حصول کے سبب یعنی حسن سلوک کو اختیار کرنا چاہیے۔

۱۶۹۳- أخرجه البخاري: كتاب الأدب، باب: من بسط له في الرزق لصلة الرحم (۲۰٦٧)، ومسلم: كتاب البر والصلة والآداب، باب: صلة الرحم وتحريم قطيعتها (۲۵۵۷).

قوله: ينسأله في أثره: بصیغہ مجہول ہے، نسأالله في عمره وعُمره (ف) اللہ کا کسی کی موت کو مؤخر کرنا یعنی اس کی عمر دراز کرنا، اور یہاں کلمہ "أثر" عمر کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ صلہ رحمی کرنے والا اقارب کی بقا کا سبب بنتا ہے، اس لیے "الجزاء من جنس العمل" کے قاعدہ کے مطابق اللہ نے اس کا انعام بھی اسی کی مانند مقرر کیا ہے یعنی مال میں برکت اور عمر میں اضافہ۔

عمر میں اضافہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کی عمر میں برکت ہوگی، کم وقت میں زیادہ کام ہوگا، اور جو کچھ بھی کام ہوگا وہ دیرپا اور کارآمد ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں ام الکتاب میں جو عمر لکھی ہے وہ نہ کم ہوتی ہے نہ زیادہ، اور اسی کا نام قضاء مبرم ہے، لیکن نیچے کے درجہ میں یہ تفصیل ہوتی ہے کہ اگر مثلاً صلہ رحمی کرے گا تو عمر اتنی ہوگی اور نہیں کرے گا تو اتنی ہوگی اور اس کو قضاء معلق کہتے ہیں، گویا یہ تبدیلی فرشتوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، علم باری تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں۔

- الغرض حدیث کا ترجمۃ الباب سے مکمل ربط اور تعلق ہے کیوں کہ حدیث میں صلہ رحمی کی ترغیب ہے، پھر ہر شخص درازی عمر کا خواہش مند ہے، نیکوکار بھی اور بدکار بھی، تو اس کی راہ بتلادی گئی کہ صلہ رحمی کیا کرو۔ واللہ اعلم (المنهل العذب المورود: ۱۰/۱۱)

۱۶۹۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ: أَنَا الرَّحْمَنُ وَهِيَ الرَّحِمُ، شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنَ اسْمِي، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ.

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میرا نام رحمن ہے اور وہ (چیز جو صلہ کو واجب کرتی ہے) رحم ہے؛ اسی لیے میں نے اپنا ایک نام (رحمٰن) تجویز کیا ہے، پس جو اس کو ملائے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) تو میں اس کو (اپنی رحمت سے) ملاؤں گا، اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو (اپنی رحمت خاص سے) کاٹ دوں گا (محروم رکھوں گا)۔

تشریح حدیث: قوله: "أنا الرحمن": رحمن مشتق ہے "رحمة" سے، جس کے لغوی معنی رقت قلبی کے ہیں، اور مراد یہاں اس کے لازمی معنی ہیں، یعنی میں صفت رحمت کے ساتھ متصف ہوں۔

قوله: "وهي الرحم": یعنی وہ چیز جس کو جوڑنا ضروری ہے رشتہ داری ہے۔

۱۶۹۴ أخرجه الترمذي: كتاب البر والصلة، باب: ما جاء في قطيعة الرحم (۱۹۰۷).

قوله: ''شققت لها اسمًا من اسمي'' میں نے اس کے نام کا لفظ اپنے نام ''رحمن'' سے نکالا ہے، معلوم ہوا کہ رحم یعنی رشتہ ناتے کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور خاص تعلق حاصل ہے، جس کی رعایت کرنا واجب ہے، جیسا کہ حدیث کے اگلے جملہ میں اس کا بیان ہے۔

''من وصلها وصلته'' لہٰذا جو شخص رحم کو جوڑے گا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق کو ادا کرے گا رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کرے گا تو میں اس کو اپنی رحمت کے ساتھ جوڑ لوں گا، اور جو شخص رحم کو توڑے گا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق کو ادا نہیں کرے گا تو میں بھی اس کو اپنی رحمت خاص سے جدا کر دوں گا۔

یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قطع رحم متحقق ہوتا ہے ترکِ احسان سے، اگر چہ آدمی رشتہ دار کے ساتھ کوئی برائی نہ کرے، اس لیے کہ تمام احادیث میں قطع رحمی کی ممانعت ہے اور صلہ رحمی یعنی احسان کرنے کا حکم ہے، لہٰذا جب بھی ترکِ احسان ہوگا تو قطع رحمی لازم آئے گی۔

حدیث پاک میں صلہ رحمی رشتہ ناتے کو جوڑنے کی بڑی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، یوں نہ اس سے باری تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے، اور اس کے بالمقابل قطع رحمی کی مضرت اور نقصان کی بھی خبر ہے کہ قطع رحمی ایسی بری چیز ہے جو انسان سے باری تعالیٰ کی رحمت کے رکنے کا ذریعہ اور سبب بن جاتی ہے۔

١٦٩٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ الرَّدَّادَ اللَّيْثِيَّ أَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: ردّاد لیثی نے بھی حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انھوں نے رسول ﷺ سے، اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حدیث سابق ہی کا طریقہ ثانی ہے، پہلے طریق میں زہری سے نقل کرنے والے سفیان بن عیینہ تھے اور اس طریق میں معمر ہیں، سفیان اور معمر کی روایت میں متن کے لحاظ سے تو کوئی فرق نہیں ہے، البتہ سند میں فرق ہے، وہ یہ کہ سفیان کی روایت میں ابو سلمہ اور عبد الرحمن بن عوف کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، جب کہ معمر کی روایت میں ابو سلمہ اور عبد الرحمن بن عوف کے درمیان ردّاد لیثی کا واسطہ ہے، اب ہمارے مصنفؒ نے کوئی فیصلہ تو نہیں کیا کہ واسطہ والی روایت صحیح ہے یا بغیر واسطہ کی؛ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں واسطہ والی روایت کو

١٦٩٥ -أخرجه أحمد في المسند(١/١٩٤/ ١٦٥٩).

درست قرار دیا ہے، صاحب منہلؒ نے بھی لکھا ہے کہ واسطہ ہونا ہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ ابوسلمہ نے اپنے والد حضرت عبدالرحمن بن عوف سے نہیں سنا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۳/۲۷۰)

۱۶۹۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ.

ترجمہ: حضرت مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ناطہ توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

تشریح حدیث: قاطع سے مراد قطع رحمی کرنے والا ہے، جیسا کہ بخاری کی کتاب ''الادب المفرد'' میں ہے، پھر جنت میں نہ داخل ہونے کے دو مطلب ہیں:

(۱) قطع رحم کرنے والا نجات یافتہ اور اوّلین لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا، بلکہ اپنے گناہ کی سزا پانے کے بعد داخل ہوگا۔

(۲) دخولِ جنت کی نفی اس شخص کے بارے میں ہے جو قطع رحم کو بلا کسی شبہ وسبب کے حلال سمجھے، کیوں کہ اس صورت میں یہ ایک حرام چیز کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر قرار پائے گا، جس کی وجہ سے مخلد فی النار ہوگا۔ (شرح نووی علی صحیح مسلم: ۸/۳۵۶)

۱۶۹۷- حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، وَفِطْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو - قَالَ: سُفْيَانُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُلَيْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَفَعَهُ فِطْرٌ، وَالْحَسَنُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلَكِنْ هُوَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ناطہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو احسان کے بدلہ میں احسان کرے؛ بلکہ ناطہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے ناطہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑے۔

شرح السند: سند میں سفیان ثوری کے تین استاذ ہیں (۱) سلیمان اعمش، حسن بن عمرو، فطر، ان میں سے سلیمان اعمش کی روایت موقوف ہے، اور حسن وفطر کی روایت مرفوع ہے، صاحب منہل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مرفوعاً ہونا ہی صحیح ہے۔ (المنہل العذب المورود: ۱۰/۱۴)

۱۶۹۶- أخرجه البخاري: كتاب الأدب، باب: إثم القاطع (۵۹۸۴)، ومسلم: كتاب البر والصلة والأدب، باب: صلة الرحم وتحريم قطعها (۲۵۵۶)، والترمذي: كتاب البر والصلة، باب: ما جاء في صلة الرحم (۱۹۰۹).

۱۶۹۷- أخرجه البخاري: كتاب الأدب، باب: ليس الواصل بالمكافي (۵۹۹۱)، والترمذي: كتاب البر والصلة، باب: في صلة الرحم (۱۹۰۸).

تشریح حدیث: ''المكافي'' صیغہ اسم فاعل ہے، ''كَافَأَهُ عَلَى الشيء مكافاة'' بدلہ دینا اور ''واصل'' بھی صیغۂ اسم فاعل ہے، ''وَصَلَ رَحِمَهُ وَصْلاً وَصِلَةً'' صلہ رحمی کرنا، اپنے نسبی یا ازدواجی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، ان کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرنا اور ''قُطِعَت'' بصیغۂ مجہول ہے۔

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا، بدلہ دینے والا نہیں ہے، کہ اگر اس کے ساتھ احسان کیا جائے تو وہ بھی بدلہ میں احسان کرے، بلکہ حقیقی صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع رحمی کی جائے تو وہ اس کو وڑنے کا کام کرے۔

صاحب منہل لکھتے ہیں: ''والحديث محمول على الكمال في الوصل'' یعنی ''مكافاة'' کا معاملہ کمالِ صلہ نہیں ہے، اگرچہ فی نفسہ صلہ کی تعریف میں شامل ہے، آگے لکھتے ہیں کہ اس باب میں لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) واصل: جو شخص اپنے رشتہ داروں پر اس وقت پر احسان کرے جب کہ وہ اس پر احسان نہ کر رہے ہوں۔

(۲) مكافي: وہ شخص کہ جتنا احسان اس پر کیا جائے اتنا ہی وہ بھی کرے، اپنی طرف سے احسان میں زیادتی نہ کرے۔

(۳) قاطع: وہ شخص ہے جو اپنے اقرباء پر احسان ہی نہ کرے، ان کی خبر گیری نہ کرے۔

خلاصة الباب: اس باب میں مصنفؒ نے کل نو روایات پیش کی ہیں، تمام روایات کا مضمون صلہ رحمی کی تاکید اور قطع رحمی سے اجتناب پر مشتمل ہے۔

بَابٌ فِي الشُّحِّ

بخل (کی مذمت) کا بیان

۱۶۹۸- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ، أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: حرص سے بچو؛ کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی حرص کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے ہیں، حرص نے ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کو اختیار کر لیا، اور حرص نے جب ان سے ناطہ توڑنے کا کہا تو ناطہ توڑ بیٹھے، اور جب حرص نے فسق و فجور پر ابھارا تو اس کے مرتکب ہوئے۔

۱۶۹۸-اخرجه احمد في المسند (۲/۱۵۹/۶۴۸۷)

مقصد ترجمہ: شحّ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، اگر چہ معنی اس کے بخل اور کنجوسی کے ہیں، لیکن مفہوم کے تعلق سے کہا گیا ہے کہ شح بخل سے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور قباحت میں زیادہ بری ہے، بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ بخل خاص ہے مال میں کنجوسی کو بخل کہتے ہیں، اور شح عام ہے مال اور معروف میں کنجوسی کا نام ہے، جب کہ بعض شراح حدیث نے لکھا ہے کہ شح نفس کی ایسی صفت راسخہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی بھی طرح کے خرچ کو انجام دینا اور حسن سلوک کرنا مشکل ہوتا ہے، بلکہ جس آدمی میں یہ ضعف ہوتی ہے وہ دوسرے کے مال کا حریص ہوتا ہے۔

اب مصنف ؒ کتاب الزکوۃ کے اختتام پر اس باب کو قائم کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ بندۂ مؤمن کو اس بری صفت سے گریز کرنا چاہیے تا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی مانع پیش نہ آئے۔

تشریح حدیث: قولہ: ”إياكم والشح“ یہ تحذیر ہے کہ انتہائی درجہ کے بخل سے ڈرو اور بچو، کیوں کہ یہ بخل ایسی بری چیز ہے جو کہ امم سابقہ کی ہلاکت کا سبب بنی، چناں چہ اسی کی وجہ سے وہ لوگ دنیا میں بھی ہلاک ہوئے اور آخرت میں بھی ہلاک ہوں گے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اپنا مال اپنے متعلقین پر خرچ کرنا اور اپنے روپے پیسے کے ذریعہ مسلمان بھائیوں کی خبر گیری کرنا اور ان کی جائز انفرادی واجتماعی ضروریات میں معاونت کرنا، باہمی محبت اور آپس کے میل ملاپ کا وسیلہ ہے، جب کہ بخل کرنا، خرچ کرنے سے باز رہنا ترکِ ملاقات اور قطع تعلقات کا راستہ کھولتا ہے، جو آگے چل کر دشمنی کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے، پھر جب دشمنی ٹھن جاتی ہے تو قتل وغارت گری تک کی نوبت آجاتی ہے، پھر اس دشمنی کا دوسرا پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ آدمی اپنے دشمن کی عورتوں کو، ان کی آبرو کو، اور اس کی املاک وغیرہ کو مباح وحلال سمجھ بیٹھتا ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ”فإنّ الشح أهلك مَنْ كان قبلكم، حملهم على أن سفكوا ماءهم واستحلوا محارمهم“۔

قولہ: ”أمرهم بالبخل فبخلوا“: ”أَمَرَهُمْ حَمَلَهُمْ“ کے معنی میں ہے، یعنی یہ حد درجہ کی کنجوسی لوگوں کے بخل اور بر کے کاموں میں مال نہ خرچ کرنے کا سبب بنا اور لوگوں نے مال خرچ نہیں کیا جس کے نتیجہ میں وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے۔

قولہ: ”وأمرهم بالقطيعة فقطعوا“: یعنی ان کی یہ کنجوسی رشتہ داروں اور اقارب کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنے کا سبب بنی اور انھوں نے قطع رحمی کا مظاہرہ کیا۔

قولہ: ”وأمرهم بالفجور ففجروا“ فجور کے معنی گناہ اور معاصی کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حب مال اور مال کی وجہ سے لوگوں پر قتل وغارت گری، غصب اور سرقہ وغیرہ امور کے مرتکب ہوئے۔

فقہ الحدیث: حدیث شریف میں سخاوت کی ترغیب اور بخل کی مذمت ہے، کہ صفت سخاوت کی وجہ سے انسان

زکوۃ ونفقات واجبہ کی ادائیگی کرتا ہے، جب کہ بخل کی صفت اس سے مانع ہے۔

١٦٩٩- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، حَدَّثَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لِي شَيْءٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ بَيْتَهُ، أَفَأُعْطِي مِنْهُ؟ قَالَ: أَعْطِي، وَلَا تُوكِي، فَيُوكَى عَلَيْكِ.

ترجمه: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے جو میرے شوہر زبیر گھر میں لاتے ہیں۔ کیا میں اس میں سے دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دے دو اور مال مت روکو ورنہ تم سے بھی روک لیا جائے گا۔

تشریح حدیث: قوله: ''ولا توكي فيوكي عليك'' یہ ''أَوْكَى يُوْكِيْ إِيكَاءً'' سے ہے، اس کے معنی باندھنے کے ہیں، اور ''وكاء'' اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے مشکیزے کا منہ باندھا جاتا ہے، اور ''فَيُوكِيَ'' صیغۂ مجہول ہے اور منصوب ہے، کیوں نہی کا جواب واقع ہے، اور نہی کے جواب میں جو فاء آتا ہے اس کے بعد ''أَنْ'' مقدر ہوتا ہے۔

مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرو، جتنا صدقہ خیرات کروگی اللہ کی طرف سے اتنا ہی زیادہ عطا کیا جائے گا، کیوں کہ صدقہ کرنا مال میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔

فقه الحديث: اس حدیث میں آیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسماءؓ کو اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، لیکن دیگر روایات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اجازت مشروط تھی اذنِ زوج کے ساتھ، خواہ شوہر کی جانب سے اذن صراحتاً ثابت ہو یا دلالۃً وعرفاً، اور یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذکر کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ شاید آپ ﷺ کو حضرت اسماء کے شوہر کی طبیعت کا حال معلوم ہو۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ تو خاص اپنے حصہ میں جو چیز آئی ہو اس میں سے صدقہ ضرور کر۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خرچ کرنے کو عدم افساد کے ساتھ بھی مقید نہیں کیا، کیوں کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت اسماء ایک دیندار خاتون ہیں، اپنے شوہر کے مال میں غلط تصرف نہیں کریں گی۔

امام خطابیؒ نے لکھا ہے کہ اگر شوہر گھر میں کوئی چیز لے کر آئے اور عورت کے حوالے کردے تو عرف یہ ہے کہ عورت اس میں سے خرچ کرسکتی ہے اور کچھ مستقبل کے لیے بھی رکھ سکتی ہے۔ (معالم السنن: ٢/ ٧١، طبع بیروت)

١٦٩٩- أخرجه البخاري كتاب الزكوة، باب التحريض على الصدقة (١٤٣٣)، ومسلم كتاب الزكوة، باب الحث على الإنفاق وكراهة الإحصاء (١٠٢٩).

۱۷۰۰-حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا ذَكَرَتْ عِدَّةً مِنْ مَسَاكِينَ، قَالَ أَبُودَاوُدَ: وَقَالَ غَيْرُهُ أَوْ عِدَّةً مِنْ صَدَقَةٍ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کئی مسکینوں کو گنایا، امام ابوداود علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دوسری روایت کے الفاظ أَوْ عِدَّةً مِنْ صَدَقَةٍ ہیں یعنی کئی صدقوں کو گنایا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دے اور گن مت ورنہ تجھے بھی گن کر ملے گا۔

تشریح حدیث: قوله: ”إنها ذكرت عدةً من مساكين“: یعنی حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ میرے پاس چند مساکین مانگنے آئے تھے، کیا میں ان کو دے سکتی ہوں؛ آپ ﷺ نے دینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب اور تحریض بھی فرما دی، یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ ”عدة“ کو بکسر العین وفتح الدال المشددہ پڑھا جائے، کیوں کہ ”عدة“ کے معنی متعدد اور چند کے آتے ہیں۔

اور اگر اس کلمہ کو دال کی تخفیف کے ساتھ ”عِدَة“ بروزن ”زِنَة“ پڑھا جائے تو مطلب ہوگا کہ میں نے کچھ مساکین کو صدقہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے، کیا میں ان کو دے سکتی ہوں؟ کیوں کہ ”عِدَة“ کے معنی وعدے کے آتے ہیں۔

قوله: ”قال أبوداؤد: وقال غيره: أو عدةً من صدقة“ اس قال ابوداود کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے دوسرے تلامذہ (عبداللہ بن ابی ملیکہ کے علاوہ) نے ”عِدَّةً مِن مساكين“ کی جگہ ”عدة من صدقة“ کہا ہے، اگر یہاں ”عِدة من صدقة“ ہے تو پھر مطلب یہ ہو جائے گا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے چند صدقات کا ذکر کیا کہ آپ کے پیچھے میں نے فلاں فلاں چیز یا اتنا اتنا صدقہ کیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ صدقات کو شمار کرنے اور گننے کی ضرورت نہیں ہے، اگر تم گن گن کر دو گی تو اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا، راقم عرض کرتا ہے کہ یہی مطلب قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ”لا تحصي فيحصي عليك“ اسی کی طرف مشیر ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے صدقات کی رقم کو شمار نہ کرے، اس لیے کہ جب وہ خرچ کی ہوئی رقم کو شمار کرے گا تو اس کو زیادہ محسوس ہوگی، جو اس انفاق کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہے۔

یہاں سنن ابوداود کی کتاب الزکوۃ الحمد للہ مکمل ہوگئی۔

عبدالرزاق امرودھوی

۱۴/ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ بروز پیر

۱۷۰۰-اخرجه احمد في المسند (۶/۱۰۸/۲۴۳۱۸).

١٠ - كِتَابُ اللُّقَطَةِ

لقطہ (گری پڑی چیز اٹھانے) کا بیان

لقطہ: بضم اللام وفتح القاف وسکونہا، بمعنی: مالک سے گمشدہ چیز کو کہا جاتا ہے۔

اس دین حنیف نے مال ودولت کی دیکھ بھال اور حفاظت کا بھی خیال رکھا ہے اور اس کے بارہ میں احکام بھی بیان کیے ہیں، اور مسلمان کے مال کی حفاظت اور اس کے احترام کو بھی بیان کیا، جس میں لقطہ بھی شامل ہے۔

جب مالک کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ تین حالات سے خالی نہیں ہو سکتی۔

پہلی حالت:

وہ چیز لوگوں کی توجہ کے قابل اور اہم نہ ہو، مثلاً چھڑی، روٹی، جانور ہانکنے والی چھڑی، پھل وغیرہ، لہٰذا یہ اشیاء اٹھا کر استعمال کی جا سکتی ہیں اور انکے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں، جیسا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی بیان ہے، جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (رسول اکرم ﷺ نے چھڑی، رسی، اور کوڑا اٹھانے کی اجازت دی ہے)

دوسری حالت:

وہ چیز چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہو، یا تو اپنی ضخامت کی وجہ سے مثلاً اونٹ، گائے، گھوڑا خرچ، یا وہ اڑ کر اپنی حفاظت کر سکتی ہو، مثلاً اڑنے والے پرندے، یا تیز رفتاری کے سبب مثلاً ہرن، یا پھر اپنی کچلیوں سے اپنا دفاع کر سکتی ہو، مثلاً چیتا وغیرہ۔

دوسرا: اس کے اوصاف وغیرہ یاد رکھے اور اسے بیچ کر اور اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ کر لے۔

تیسرا: اس کی حفاظت کرے اور اپنے مال سے اس پر خرچ کرے لیکن وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی، وہ اس نفقہ سمیت مالک کے آنے پر اسے واپس کی جائے گی۔

اس لیے کہ نبی ﷺ سے جب بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اسے پکڑ لو، اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کی یا پھر بھیڑیا کھا جائے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: بکری کمزور ہے وہ ہلاک ہوجائے گی یا تو اسے آپ پکڑلیں یا پھر کوئی اور پکڑ لے وگرنہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔

ابن قیمؒ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: (اس حدیث میں بکری کے پکڑنے کا جواز پایا جاتا ہے، اگر بکری کا مالک نہ آئے تو وہ پکڑنے والے کی ملکیت ہونے کی بناء پر اسے اختیار ہے کہ وہ اسے فی الحال کھالے اور قیمت ادا کردے، یا پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کرلے، یا اسے اپنے پاس رکھے اور اپنے مال میں سے اسے چارہ کھلائے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کھانے سے پہلے مالک آجائے تو بکری لے جاسکتا ہے)۔

دوسری قسم:

جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو: مثلاً تربوز، اور دوسرے پھل وغیرہ تو اس میں اٹھانے والے کو مالک کے لیے بہتر کام کرنا چاہیے کہ اسے کھالے اور مالک کو قیمت ادا کردے، یا پھر اسے بیچ دے اور مالک کے آنے تک اس کی قیمت محفوظ رکھے۔

تو اس قسم کے جانوروں کو پکڑنا حرام ہے اور اعلان کے باوجود اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے گمشدہ اونٹ کے بارہ میں فرمایا تھا: (آپ کو اس کا کیا اس کے پاس تو پینے کے لیے بھی ہے اور چلنے کی طاقت بھی، پانی پیئے اور درختوں کے پتے کھائے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے) صحیح بخاری وصحیح مسلم۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: جس نے بھی گمشدہ چیز اٹھائی وہ غلطی پر ہے، یعنی اس نے صحیح نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے تو اس حدیث میں یہ حکم دیا ہے کہ اسے پکڑا نہ جائے بلکہ وہ خود ہی کھاتا پیتا رہے گا حتی کہ اس کا مالک اسے تلاش کرلے۔

اور اس قسم میں بڑی بڑی اشیاء بھی ملحق کی جاسکتی ہیں، مثلاً بڑی دیگ، اور ضخیم لکڑیاں اور لوہا، اور وہ اشیاء جو خود ہی محفوظ رہتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے منتقل ہوسکتی ہیں ان کا اٹھانا بھی حرام ہے بلکہ باولی حرام ہے۔

تیسری حالت:

گمشدہ اشیاء مال و دولت ہو: مثلاً پیسے، سامان، اور وہ جو چھوٹے درندوں سے اپنی حفاظت نہ کرسکے، مثلاً بکری، گائے وغیرہ کا بچھڑا وغیرہ، تو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر پانے والے کو اپنے آپ پر بھروسہ ہے تو اس کے لیئے اٹھانا جائز ہے۔

اس کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم: کھانے والے جانور، مثلاً مرغی، بکری، بکری اور گائے کا بچہ وغیرہ، تو اسے اٹھانے والے پر تین امور میں سے کوئی کرنا ضروری ہے:

پہلا: اسے کھالے اور اس حالت میں وہ اس کی قیمت ادا کرے گا۔

تیسری قسم: اوپر والی قسموں کے علاوہ باقی سارا مال: مثلاً نقدی، اور برتن وغیرہ، اس میں ضروری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور یہ اس کے پاس امانت رہے گی اور اسے لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں پر اس کا اعلان کرنا ہوگا۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اس کا تھیلی اور رسی کی پہچان کرلو اور اس کا ایک برس تک اعلان کرتے رہو اگر مالک نہ آئے تو اسے خرچ کرلو لیکن وہ آپ کے پاس امانت ہے اگر اس کا مالک کسی دن تیرے پاس آجائے تو اسے واپس کردو)

اور نبی کریم ﷺ نے بکری کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (اسے پکڑلو اس لیے کہ یا تو وہ آپ کے لیے ہے یا پھر آپ کے بھائی کے لیے اور یا پھر بھیڑیے کے لیے)۔ اور جب نبی ﷺ سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (آپ کو اس سے کیا؟ اس کے پاس پینے کے لیے بھی اور چلنے کے لیے بھی وہ پانی پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھاتا پھرے گا حتی کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے) (صحیح بخاری و مسلم)

مال لقطہ کی پہچان:

نبی ﷺ کے اس فرمان (اس کی تھیلی اور تسمہ کی پہچان کرلو) کا معنی یہ ہے کہ: وہ رسی یا تسمہ جس سے رقم اور پیسے کی تھیلی کو باندھا جاتا ہے، اور عفاص اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں مال ورقم ہوتی ہے۔ اور نبی ﷺ کے فرمان (پھر ایک برس تک اس کا اعلان کرتے رہو) یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں بازاروں اور مساجد کے دروازوں کے باہر اور دوسری جمع ہونے والی جگہوں وغیرہ میں اس کا اعلان کرتے رہو، یعنی پورے ایک سال تک، چیز ملنے کے پہلے ہفتہ میں روزانہ اعلان کرے، اس لیے کہ پہلے ہفتہ میں مالک کے ڈھونڈتے ہوئے آنے کی زیادہ امید ہے، پھر اس ہفتہ کے بعد وہ لوگوں کی عادت کے مطابق اعلان کرتا رہے۔

اور اگر یہ طریقہ گزشتہ ادوار میں جو جو درہا ہے تو اب اسے آج کے دور کے مطابق اعلان کرنا چاہیے اہم یہ ہے کہ مقصد حاصل ہوجائے کہ حتی الامکان اس کے مالک تک پہنچا جاسکے۔

حدیث بالا گمشدہ چیز کے اعلان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور نبی ﷺ کے فرمان (اس کی تھیلی اور تسمیہ پہچان

لو) میں اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان کرنے کے وجوب کی دلیل پائی جاتی ہے، تا کہ جب اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے یہ مال واپس کیا جاسکے اور اگر اس کی بتائی ہوئی نشانی صحیح نہ ہو تو وہ مال اسے دینا جائز نہیں۔

تصرف کا حکم:

نبی ﷺ کے فرمان (اگر اس کے مالک کو نہ پائے تو اسے استعمال کرلو) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چیز اٹھانے والا ایک برس تک اعلان کرنے کے بعد اس کا مالک بنے گا، لیکن وہ اس کی نشانیوں کی پہچان سے قبل اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا، یعنی اسے اس کی تھیلی، باندھنے والی رسی، مال کیمقدار اس کی جنس اور کس طرح کا ہے وغیرہ کی پہچان کرلینی چاہیے، اگر ایک برس کے بعد اس کا مالک آئے اور اس کے مطابق نشانی بتائے تو اسے ادا کردے اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (اگر اس کا مالک کسی بھی روز آجائے تو اسے وہ مال ادا کردو)۔

اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اس سے لقطہ یا گمشدہ چیز کے بارے میں چند ایک امور لازم آتے ہیں:

پہلا: اگر کوئی گری ہوئی چیز پائے تو اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ اور اس کے اعلان کرنے کی قوت نہ ہو تا کہ اس کے مالک تک وہ چیز پہنچ جائے، اور جسے اپنے آپ پر بھروسہ ہی نہیں اس کے لیے اسے اٹھانا جائز نہیں، اگر اس کے باوجود وہ اٹھالے تو وہ غاصب جیسا ہی ہے اس لیے کہ اس نے کسی دوسرے کا مال ناجائز اٹھایا ہے اور پھر اس میں دوسرے کے مال کا ضیاع بھی ہے۔

دوسرا: اٹھانے سے قبل اس کی تھیلی اور تسمیہ اور مال کی جنس اور مقدار وغیرہ کی معرفت و پہچان ضروری ہے، تھیلی سے مراد وہ کپڑا یا بٹوہ ہے جس میں رقم رکھی گئی ہو، اور (وکائھا) سے مراد وہ رسی یا ڈوری ہے جس سے اس تھیلی کو باندھا گیا اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس کی پہچان کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا متقاضی ہے۔

تیسرا: ایک برس تک مکمل اس کا اعلان کرنا ضروری ہے پہلے ہفتہ میں روزانہ اور اس کے بعد عادت کے مطابق اعلان ہوگا، اور اعلان میں یہ کہے کہ: جس کسی کی بھی کوئی چیز گم ہوئی ہو یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ، اور یہ اعلان لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں مثلاً بازار، اور نمازوں کے اوقات میں مساجد کے دروازوں پر اعلان کرے۔

مسئلہ: گمشدہ چیز کا اعلان مساجد میں نہیں کیا جائے گا کیوں کہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں اور نبی ﷺ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے: (جو بھی کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہو اس نے وہ اسے یہ کہے، اللہ تعالیٰ اس چیز کو تیرے پاس واپس نہ لائے)

چوتھا: جب اس کا مالک تلاش کرتا ہوا آئے اور اس کے مطابق صفات اور نشانیاں بتائے تو اسے وہ چیز بغیر کسی قسم اور دلیل کے واپس کرنی واجب ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے یہی حکم دیا ہے۔

اور پھر وہ صفات و نشانیاں قسم اور دلیل کے قائم مقام ہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی صفات بتانا دلیل اور قسم سے بھی سچی اور اظہر ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ اصل چیز کا نفع چاہے وہ متصل ہو یا منفصل واپس کرنا پڑے گا۔

لیکن اگر مالک اس کی صفات اور نشانی نہ بتا سکے تو وہ چیز اسے واپس نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ وہ اس کے پاس امانت ہے جسے مالک کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں۔

پانچواں: ایک برس تک اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو وہ چیز اٹھانے والے کی ملکیت ہوگی لیکن اس میں تصرف سے قبل اس کی صفات اور نشانیوں کی پہچان ضروری ہے تاکہ اگر کبھی اس کا مالک لینے آئے تو اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کی پہچان کرنے کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو واپس کی جائے وگرنہ اس کا بدل یا قیمت ادا کردی جائے اس لیے کہ مالک کے آنے سے اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔

تنبیہ: لقطہ یا گمشدہ چیز کے بارے میں اسلام کا طریقہ اور ہدایت ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور مسلمان کے مال کی حرمت کی بھی حفاظت ہو اور بذاتِ خود اس چیز کی بھی حفاظت ہونی ضروری ہے اور مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے خیر و بھلائی پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے پر ابھارا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں اسلام کی حالت میں ہی موت سے ہمکنار کرے۔ امین یارب العلمین

بَابُ التَّعْرِيفِ بِاللُّقَطَةِ

لقطہ کی تعریف کا بیان

۱۷۰۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ، وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا، فَقَالَا: لِيَ اطْرَحْهُ، فَقُلْتُ: لَا، وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتُ صَاحِبَهُ وَإِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ، فَحَجَجْتُ،

۱۷۰۱- أخرجه البخاري: ۵/ ۹۱، كتاب اللقطة: باب هل يأخذ اللقطة ولا يدعها حديث/ ۲۴۳۷، ومسلم: ۳/ ۱۳۵۰، كتاب اللقطة: حديث/ ۹/ ۲۳/ ۱۷۲۳، والترمذي: ۳/ ۶۵۸، كتاب الأحكام: باب في اللقطة وضالة الإبل، حديث/ ۱۳۷۴، وابن ماجة: ۲/ ۸۳۷، كتاب اللقطة، باب اللقطة، حديث/ ۲۵۰۶.

فَمَرَرْتُ عَلَى الْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقَالَ: وَجَدْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: لَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا فَقَالَ: احْفَظْ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا، وَقَالَ: وَلَا أَدْرِي أَثَلَاثًا قَالَ: عَرِّفْهَا أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ میں زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ساتھ جہاد میں گیا (راستے میں) مجھے ایک کوڑا (سانٹا، ہنٹر) ملا (اور میں نے اٹھالیا) اس پر میرے دونوں ساتھیوں نے کہا کہ اس کو پھینک دے لیکن میں نے اس کو پھینکنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے اس کا مالک مل گیا تو میں اس کو دے دوں گا نہیں تو میں خود اس کو استعمال کروں گا پھر مجھے حج کرنے کا موقع ملا اور میں مدینہ سے گزرا تو میں نے (گری پڑی چیز اٹھانے اور اس کو استعمال کرنے کے متعلق) حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ مجھے بھی ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے تو میں اس کو نبی ﷺ کے پاس لے کر آیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ایک سال تک تشہیر کر، پس میں نے ایک سال تک اس کی تشہیر کی لیکن اس کا مالک نہیں ملا اس لیے میں پھر اس کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ایک سال تک اس کی تشہیر کر، پس میں نے پھر اس کی ایک سال تک تشہیر کی (لیکن اس کا مالک نہیں ملا) پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ایک سال تشہیر کر۔ میں نے ایک سال تشہیر کی اور ایک سال کے بعد میں پھر اس کو لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس کو پہچانے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تب پھر اس میں موجود دینار کی گنتی کر اور اس تھیلی اور اس کے تسمہ کو ذہن میں بٹھالے پس اگر اس کا مالک آجائے تو خیر ورنہ تو ان کو اپنے کام میں لا، سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ سوید بن غفلہ نے، عرفہا، تین مرتبہ ذکر کیا تھا یا ایک مرتبہ۔

مقصد ترجمہ: ماقبل میں مصنفؒ نے زکوۃ، صدقات اور اس سے متعلق مسائل ضروریہ کو بیان کیا تھا یہ لقطہ کے مسائل بھی کتاب الزکوۃ ہی کا تکملہ ہیں، کیوں کہ اگر مال لقطہ کا مالک نہ ملے تو اس کا حکم بھی صدقہ کرنا ہی ہے، اسی مناسبت سے ہمارے مصنفؒ نے کتاب الزکوۃ کے اخیر میں اس کے مسائل کو بیان کیا ہے، پھر ذیلی عنوان قائم کیا ہے کہ مال لقطہ کا اعلان کیا جائے، چھپا کر نہ رکھا جائے، ایک سال کے اعلان کے بعد بھی اٹھانے والا اس کا مالک نہ ہوگا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جیسا کہ ہم نے تمہیدی امور میں لکھا ہے کہ ''لقطہ'' لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، اکثر شراح حدیث نے

اسی کو راجح قرار دیا ہے، اگرچہ عوام اس کو قاف کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور اصطلاح میں ہر اس مال کو مالِ لقطہ کہا جاتا ہے جو غیر محفوظ جگہ میں پڑا ہوا ملے اور اس کے مالک کا پتہ نہ ہو، لقطہ اسی غرض سے اٹھایا جاتا ہے کہ مالک کا پتہ لگا کر اس کی امانت اس کے حوالہ کی جائے لہٰذا جب اس کا مالک معلوم ہو جائے تو اٹھانے والے کو چاہیے کہ اس کے حوالہ کر دے، اسی مقصد کے بیان کے لیے مصنفؒ نے یہ باب قائم کیا ہے۔

تشریح حدیث: قولہ: "وجدت سوطًا" یعنی سوید بن غفلہؓ نے راستہ میں پڑا ہوا ایک کوڑا پایا اور اس غرض سے اٹھالیا کہ اعلان کر کے اس کے مالک کو دے دوں گا، اور اگر مالک نہ ملا تو میں اس کوڑے سے فائدہ اٹھالوں گا، ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن صوحانؓ اور سلمان بن ربیعہؓ نے منع کیا لیکن انھوں نے اس کوڑے کو پھینکنے سے انکار کر دیا۔

پھر جب یہ حضرات سفرِ جہاد سے واپس آ گئے تو سوید بن غفلہؓ حج کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا تو انھوں نے مدینہ منورہ میں مقیم حضرت اُبی بن کعبؓ سے مسئلہ معلوم کیا، اس پر انھوں نے اپنا یہ واقعہ سنایا جو حدیث میں موجود ہے۔

قولہ: "فقال: وجدت صرةً": "صُرَّة" بضم الصاد وتشدید الراء بمعنی تھیلی، بیگ۔ صرۃ نقود بمعنی بٹوا، جمع "صُرَرٌ" آتی ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں مجھے سو دینار کی ایک تھیلی پائی تھی، میں اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عَرِّفْهَا حولاً: سال بھر اس کا اعلان کرو، لقطہ کی تعریف یعنی اعلان کے تعلق سے چار باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۱) مدت تعریف (۲) تعریف کا وقت اور جگہ

(۳) تعریف کی مقدار (۴) تعریف کی کیفیت

ان چاروں چیزوں کی وضاحت حسبِ ذیل ہے:

مدت تعریف:

حضرات ائمہ ثلاثہ: امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ مالِ قلیل وکثیر کے درمیان فرق کیے بغیر فرماتے ہیں کہ ایک سال تک تعریف کی جائے گی، حنفیہ میں حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی رائے بھی یہی ہے، اور دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن خالد جہنیؓ کو بغیر کسی تفصیل کے مطلقاً ایک سال تک تعریف کا حکم فرمایا تھا، ان کی روایت ابوداؤد ہی میں آ رہی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مال لقطہ دس درہم سے کم ہے تو مدت تعریف چند ایام ہے، لقطہ اٹھانے والا جتنے دن اعلان کے لیے کافی سمجھے اور اس کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کا مالک اب اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اتنے دن اعلان کرنا کافی ہے، اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ ہے تو پھر ایک سال تک اعلان کرے گا، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک سال اعلان کا حکم فرمایا (نصب الرایہ: ۳/۴۶۶)

اور اس حدیث باب میں سو دینار کے لیے تین سال اعلان کا حکم فرمایا ہے، اور یعلی بن امیہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک درہم کے لقطہ کے لیے تین دن اور اس سے زیادہ کے لیے سات دن اعلان کا حکم دیا ہے۔ (المغنی: ۶/ ۴)

غالباً انھیں روایات کو سامنے رکھ کر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے لقطہ کی قدر و قیمت کا لحاظ کر کے اعلان کی مدت میں فرق فرمایا ہے۔

لیکن حنیفہ کی ظاہر روایت ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے جیسا کہ امام محمد بن حسن کی کتاب الاصل میں ہے، ابن ہمام فرماتے ہیں: ''وظاهر الرواية: وهو ماذكره محمد في الأصل. بالحول من غير تفصيل بين قليل وكثير'' (فتح القدیر: ۶/ ۲۲، طبع الفکر)

تعریف کا وقت اور جگہ:

مال لقطہ اٹھانے والا دن ہی میں اعلان کرے گا نہ کہ رات میں اس لیے کہ لوگ دن ہی میں ملتے ہیں اور اکٹھا ہوتے ہیں، اور یہ تعریف اسی دن ہوگی جس دن یہ لقطہ اٹھایا تھا، نیز جہاں سے اٹھایا ہے اسی جگہ ہوگی، کیوں کہ مالک عامۃ اسی جگہ تلاش کرنے جاتا ہے جہاں اس کو گرنے کا ظن ہوتا ہے اسی مساجد اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر اعلان کرے گا، لیکن مساجد کے اندر نہیں بلکہ دروازے پر اعلان کرے گا، کیوں کہ داخل مسجد گم شدہ چیز کے اعلان سے منع کیا گیا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار: ۳/ ۳۱۹)

تعریف کی مقدار:

لقطہ اٹھانے والے کے لیے روزانہ تعریف کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ شروع میں تو روزانہ دو مرتبہ اعلان کرے گا، پھر ہر ہفتہ ایک مرتبہ پھر ہر مہینہ دو مرتبہ، پھر ہر مہینہ ایک مرتبہ، البتہ جو چیز زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتی اس کی تشہیر اسی وقت تک کی جائے گی جب تک کہ اس کے خراب ہونے کا خوف نہ ہو۔

تعریف کی کیفیت:

لقطہ کی تعریف میں اس کی جنس، نوع، ملنے کی جگہ اور اٹھانے کی تاریخ بیان کرنی ہوگی، البتہ لقطہ کے تمام اوصاف اور گنتی وغیرہ کو بیان نہ کرے تا کہ کوئی اور نہ لے لے۔

قولہ: "فعرفتها حولاً" یعنی میں حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق تین سال تک تعریف وتشہیر کی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام منذری نے کہا کہ ائمہ میں سے کوئی بھی تین سال تک کی تشہیر کا قائل نہیں ہے، البتہ ایک قول حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے، اگر چہ دوسرا قول ان سے بھی ایک سال کی تعریف ہی کا ہے جمہور نے ایک سال کی تعریف ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ٥/ ٧٩)

قولہ: "احفظ عددها، ووعاءها، ووكاء ها" عدد سے مراد تھیلی میں موجود دراہم کی تعداد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تھیلی اور بٹوے کے روپے وغیرہ کو شمار کر لینا چاہیے اور اس کو یاد بھی رکھنا چاہیے۔

اور "وعاء" بکسر الواو بمعنی ظرف، برتن، تھیلی، خواہ وہ برتن کسی بھی چیز کا بنا ہوا ہو، اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہو تو اسے شناخت میں رکھو۔

اور "وکاء" بکسر الواو، بمعنی وہ دھاگا یا رسی جس سے تھیلے وغیرہ کو باندھا جاتا ہے۔ اور اس کی پہچان کا مطلب یہ ہے کہ اچھی طرح دیکھ لے کہ اس تھیلی میں کتنی گرہ لگی ہیں، اور کیسے بندھا ہوا ہے، تا کہ جب کوئی تشہیر کے بعد دعویٰ کرے تو اس کے دعویٰ کی صداقت کو جانچ سکے اور تا کہ یہ مالِ لقطہ اس کے مال میں مخلوط نہ ہو۔

قولہ: "فإن جاء صاحبها" اس کی جزاء محذوف ہے، "أي فادّها إليه" یعنی اگر اس گمشدہ چیز کا مالک آجائے تو اس کو اس کے حوالے کردو، کیوں کہ یہ اس کے پاس ایک امانت تھی جس کا ادا کرنا واجب ہے۔

قولہ: "وإلاّ فاستمتع بها" یعنی اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس کو اپنے استعمال میں لے آئے۔

لقطہ اٹھانے والے کے لیے لقطہ کے استعمال کا حکم:

اگر سال بھر کے اعلان کے بعد بھی مالک نہ آئے تو کیا لقطہ اٹھانے والا اس چیز کا مالک ہوجائے گا؟ اس سلسلہ میں احناف اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص نے اسے اٹھایا ہے وہ خود غریب اور صدقہ کا مستحق ہے تو اس کے لیے اپنے

آپ پر اس کا استعمال جائز ہے اور اگر وہ خود مالدار اور صدقہ کا مستحق نہیں تھا تو اس کو صدقہ کر دینا واجب ہے، نیز تمام صورتوں میں اگر صدقہ کرنے یا استعمال کرنے کے بعد اصل مالک آجائے تو اگر مالک اس صدقہ کو یا غریب لقطہ اٹھانے والے کے اپنے اوپر لقطہ کے استعمال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے تو وہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر وہ اس لقطہ کا بدل چاہتا ہے تو اسے بدل ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۶/۲۰۲)

اور دلیل اس تفصیل کی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: لَا تَحِلُّ اللُّقَطَةُ مَنِ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً فَإِنْ جَاءَهُ صَاحِبُهَا فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَأْتِ صَاحِبُهَا فَلْيَتَصَدَّقْ بِهَا وَإِنْ جَاءَهُ فَلْيُخَيِّرْهُ بَيْنَ الْأَجْرِ وَبَيْنَ الَّذِي لَهُ (سنن الدارقطنی ۵/۳۲۲/۴۳۸۹)

آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ اگر لقطہ کا مالک آئے تو اسے دے دیا جائے، ورنہ اسے صدقہ کر دیا جائے، پھر اگر مالک آجائے، تو اسے اختیار ہوگا یا تو اپنی چیز لے لے، یا اجر وثواب حاصل کرلے۔

نیز اس حدیث میں بھی اور اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی لقطہ سے متعلق صدقہ کرنے کا حکم ہے، اور جب صدقہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ واجبہ ہی مراد ہوتا ہے، اور صدقہ واجبہ کا مصرف بالاتفاق غریب اور مسکین ہے، مالدار نہیں، لہٰذا مالدار کو لقطہ کا مال اپنے استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا۔

اس کے برخلاف شوافع اور حنابلہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لقطہ اٹھانے والا گو صدقہ کا مستحق نہ ہو پھر بھی مالک کے نہ آنے کی صورت میں مالِ لقطہ کو خود اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ (المغنی: ۶/۷)

ہماری طرف سے جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اس وقت مالدار تھے یا غریب یہ امر متحقق نہیں ہے؛ اس لیے استدلال بھی درست نہیں ہوسکتا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا ہو تو اس وقت یہ غریب ہوں، اس لیے حدیث باب ہمارے خلاف حجت نہیں ہے۔ (المبسوط للسرخسی: ۱۱/۶)

حضرت ابی بن کعبؓ کے مستحق صدقہ ہونے کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو پیچھے گزرا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے بیرحاء باغ کو حضرت حسان اور ابی بن کعبؓ پر ہی صدقہ کیا تھا۔ (بذل المجہود: ۶/۵۷۸)

قوله: ''ولا أدري أثلاثا قال: عرفها ، أو مرةً واحدةً'' شعبہ کے استاذ سلمہ بن کہیل کو اس بارے میں شک ہوا کہ ان کے شیخ نے تین سال کی بات نقل کی تھی یا ایک سال کی، عام روایات میں صرف ایک سال کا ذکر ہے کہ لقطہ اٹھانے والا ایک سال تک تشہیر کرے گا، تین سال کے قول کو جمہور نے نہیں لیا ہے، لہٰذا یہی بات راجح ہوگی کہ مدت

تعریف صرف ایک سال ہے، کیوں کہ وہ یقینی ہے، اور اگر تین سال والی روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے تو وہ احتیاط پر محمول ہوگی، نہ کہ وجوب پر، یعنی اگر کوئی مزید تورع پر عمل کرنا چاہے تو دو تین سال تک اعلان کرسکتا ہے۔ (کذا فی فتح الباری: ۵/۷۹)

۱۷۰۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، بِمَعْنَاهُ قَالَ: عَرِّفْهَا حَوْلًا وَقَالَ: ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالَ: فَلَا أَدْرِي، قَالَ لَهُ: ذَلِكَ فِي سَنَةٍ، أَوْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ .

ترجمہ: شعبہ سے اسی مفہوم کی روایت مروی ہے جس میں (ان کے شیخ سلمہ نے) یوں روایت کیا ہے کہ تشہیر کر ایک سال تک پھر کہا تین مرتبہ سلمہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب سے تین مرتبہ ایک سال میں کہا تھا یا تین سالوں میں۔

تشریح حدیث: حضرت ابی بن کعب ؓ کی حدیث کو مصنف ؒ نے تین سندوں سے بیان کیا ہے اور مدار سند سلمہ بن کہیل ہیں، پھر ان سے نقل کرنے والے دو راوی ہیں: شعبہ اور حماد بن سلمہ، پھر شعبہ سے نقل کرنے والے دو راوی ہیں ایک محمد بن کثیر اور دوسرے یحییٰ بن سعید، اور حماد بن سلمہ سے نقل کرنے والے ایک ہیں، موسیٰ بن اسماعیل، اس طرح سے:
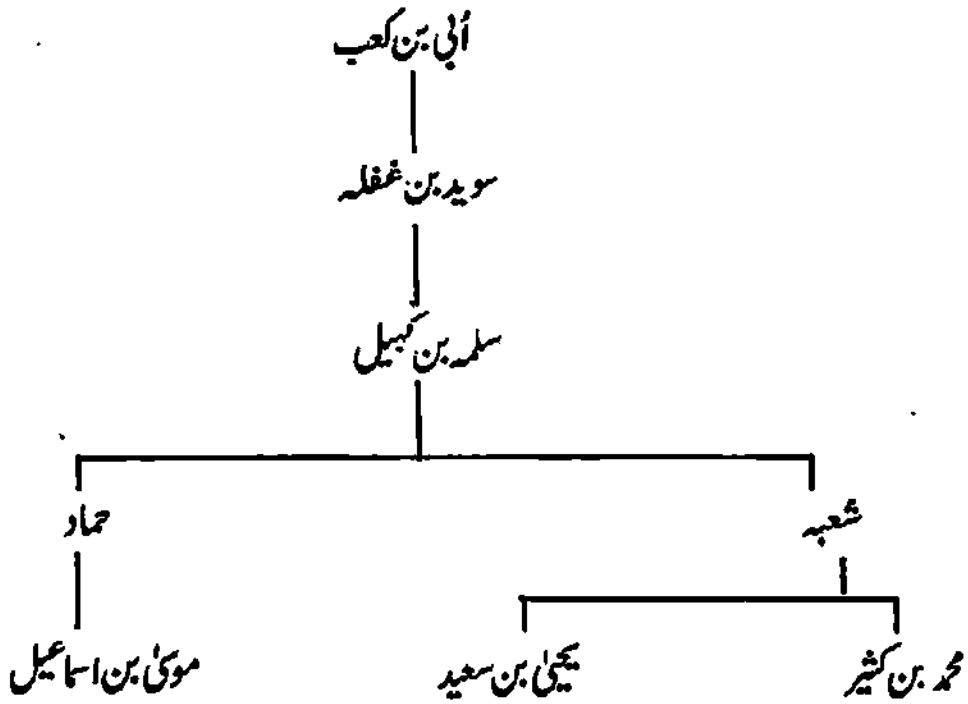
اب مصنف ؒ ان تینوں (محمد بن کثیر، یحییٰ بن سعید، موسیٰ ابن اسماعیل) کی روایت میں فرق بیان فرمارہے ہیں پہلے تو محمد بن کثیر اور یحییٰ بن سعید کی روایت میں فرق بیان کیا ہے، پھر حدیث نمبر (۱۷۰۳) میں موسیٰ بن اسماعیل کی روایت کے

۱۷۰۲- أخرجه البخاري: ۵/ ۹۱، كتاب اللقطة: باب هل يأخذ اللقطة ولا يدعها حديث/ ۲۴۳۷، ومسلم: ۳/ ۱۳۵۰، كتاب اللقطة: حديث/ ۹/ ۲۳/ ۱۷۲۳، والترمذي: ۳/ ۶۵۸، كتاب الأحكام: باب في اللقطة وضالة الإبل، حديث/ ۱۲۷۴، وابن ماجة: ۲/ ۸۳۷، كتاب اللقطة، باب اللقطة، حديث/ ۲۵۰۶.

فرق کو بیان کیا ہے۔

محمد بن کثیر اور یحییٰ بن سعید کی روایت میں تو فرق یہ ہے کہ جب اس روایت کو شعبہ سے محمد بن کثیر نقل کرتے ہیں تو تین سال تک کی تشہیر کو الگ الگ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اس طرح "عرفها حولاً، ثم أتيته فقال: عرفها حولاً، ثم أتيته فقال: عرفها حولاً" جب کہ یحییٰ بن سعید اس روایت کو شعبہ سے نقل کرتے ہیں تو "عرفها حولا" کے کلمہ کو صرف ایک مرتبہ ہی نقل کرتے ہیں، البتہ یہ "ثلاث مرات" کے جملہ کو نقل کرتے ہیں اب یحییٰ کی روایت میں "ثلاث مرات" کے جملہ کے معنی میں دو احتمال ہیں۔

ایک تو یہ کہ "ثلاث مرات" کا مطلب ہے کہ تین سال میں یہ تشہیر کرو، اس صورت میں یہ محمد بن کثیر کی روایت کے موافق ہو جائے گی۔

جب کہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ثلاث مراتٍ" سے مراد ایک سال میں تین مرتبہ اعلان کرنا ہو اس صورت میں یحییٰ بن سعید کی روایت محمد بن کثیر کی روایت کے خلاف ہوگی، البتہ تشہیر کے سلسلہ میں دیگر روایات کے موافق ہوگی، مسند احمد بن حنبل کی روایت بھی اسی دوسرے احتمال کی تائید کرتی ہے کیوں کہ مسند احمد کی روایت میں ہے: "عَرِّفْهَا حَوْلًا ثَلاثَ مَرَّاتٍ" (مسند احمد: ۵/ ۱۲۶)

لیکن شرح معانی الآثار میں امام طحاویؒ کی روایت پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم

قوله: "فلا أدري قال له ذٰلك في سنةٍ أو في ثلاث سنين" یہ سلمہ بن کہیل کا قول ہے وہ مذکورہ دونوں احتمالات کو بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو "ثلاث مرات" یعنی تین کے اعلان کو ایک سال میں کرنے کا حکم دیا تھا، یا تین سالوں میں۔

آگے تیسری روایت موسیٰ بن اسماعیل عن حماد والی ہے، اس تیسری روایت میں "عامين أوثلاثة" شک کے ساتھ ہے، یعنی حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دو یا تین سال تک اعلان کیا موسیٰ بن اسماعیل کی روایت کے پورے الفاظ مسند احمد بن حنبل میں ہیں: "قال: فَعَرَّفْتُهَا عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا" (مسند احمد: ۵/ ۱۲۶)

۱۷۰۳- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ: فِي التَّعْرِيفِ قَالَ: عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً وَقَالَ: اعْرِفْ عَدَدَهَا وَوِعَاءَهَا،

۱۷۰۳- أخرجه البخاري: ۵/ ۹۱، كتاب اللقطة: باب هل يأخذ اللقطة ولا يدعها حديث/ ۲۴۳۷، ومسلم: ۳/ ۱۳۵۰، كتاب اللقطة: حديث/ ۹/ ۲۳/ ۱۷۲۳، والترمذي: ۳/ ۶۵۸، كتاب الأحكام: باب في اللقطة وضالة الإبل، حديث/ ۱۳۷۴، وابن ماجة: ۲/ ۸۳۷، كتاب اللقطة، باب اللقطة، حديث/ ۲۵۰۶.

وَوِكَاءَهَا زَادَ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ يَقُولُ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ إِلَّا حَمَّادٌ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ، يَعْنِي فَعَرَفَ عَدَدَهَا

ترجمہ: حضرت سلمہ بن کہیل سابقہ سند و مفہوم کی روایت کرتے ہوئے تشہیر کے متعلق کہتے ہیں کہ دو سال تک یا تین سال تک پھر فرمایا اس کی گنتی کو اچھی طرح یاد رکھ اور اس کی تھیلی اور سر بندھن کو بھی اگر اس کا مالک آ جائے اور وہ دینار کی تعداد اور سر بندھن کو بتادے تو اس کو دیدے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی حدیث کا تیسرا طریق ہے اس میں سلمہ بن کہیل سے حماد بن سلمہ اور ان سے موسیٰ بن اسماعیل نقل کر رہے ہیں، ہم ماقبل میں اس اختلاف سند کی تشریح تفصیل کے ساتھ نقل کر چکے ہیں۔

البتہ حماد بن سلمہ کی اس روایت میں ایک اضافہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اگر مالِ لقطہ کا مالک آجائے اور لقطہ کے سر بندھن اور اس ظرف وعدد وغیرہ کو پہچان لے تو لقطہ اٹھانے والے کو چاہیے کہ لقطہ کو مالک کے حوالہ کردے، کیوں کہ اس نے اپنے مال کی صحیح تعداد اور پہچان کو بتادیا ہے۔

قولہ: ''قال أبوداؤد: ليس يقول هٰذه الكلمة إلاّ حماد في هذا الحديث'' یعنی یہ بات کہ مالک آکر اپنے لقطہ کے عدد اور ظرف کو بتادے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو مالک کو دے دے، یہ بات صرف حماد بن سلمہ نقل کرتے ہیں، دوسرے رواۃ نقل نہیں کرتے۔

کیا علامات بتانے پر لقطہ اٹھانے والا لقطہ حوالے کردے؟

حدیث کے مذکورہ جملہ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص عفاص اور وکاء کو پہچان لے اور مالِ لقطہ کی تعداد بیان کردے تو اس کو فوراً دے دیا جائے خواہ لقطہ اٹھانے والے کو اس کے سچا ہونے کا ظن غالب ہو یا نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناشد کے علامات بتانے کے بعد اگر لاقط کا دل گواہی دے تو دے سکتا ہے، ورنہ اس کو بغیر گواہوں کے دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ (المغنی لابن قدامہ: ۸/ ۳۰۹)

۱۷۰۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ

۱۷۰۴- أخرجه مالك ۲/ ۷۵۷، كتاب الأقضية: باب القضاء في اللقطة حديث/ ۴۶، والبخاري: ۵/ ۸۴، كتاب اللقطة: باب إذا لم يوجد صاحب اللقطة بعد سنة حديث/ ۲۴۲۹، ومسلم: ۳/ ۱۳۴۶، كتاب اللقطة: باب اللقطة، حديث: ۱/ ۱۷۲۲، والترمذي: ۳/ ۶۵۵، كتاب الأحكام: باب اللقطة وضالة الإبل حديث/ ۱۳۷۲، وابن ماجة: ۲/ ۸۳۶، كتاب اللقطة: باب ضالة الإبل حديث/ ۲۵۰۴.

الرَّحْمَنِ، عَنْ يَزِيدَ، مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ، قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا، وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ فَقَالَ: خُذْهَا، فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَضَالَّةُ الْإِبِلِ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، وَقَالَ: مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا رَبُّهَا .

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے لقطہ (گری پڑی چیز اٹھانے کے) متعلق دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا ایک سال تک تشہیر کر پھر اس کا سر بندھن اور تھیلی یاد رکھ پھر اس کو خرچ ڈال اس کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو لوٹا دے وہ شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ اگر کسی کی گم شدہ بکری ہم کو مل جائے تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو پکڑ لے کیونکہ وہ یا تو تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے یا پھر کسی بھیڑیے کی وہ شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ اگر بھولا بھٹکا اونٹ مل جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سن کر آپ ﷺ کو غصہ آ گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اونٹ سے کیا لینا دینا؟ وہ اپنا جوتا اور اپنا مشکیزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک آ جائے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن خالدؓ کی روایت ہے، جس کو مصنفؒ نے موصولاً و مرسلاً مجموعی طور سے سات سندوں سے نقل کیا ہے، پھر ہر ایک میں جو اختلاف ہے اس کو واضح کیا ہے، حضرت زید بن خالدؓ سے نقل کرنے والے دو حضرات: یزید مولی المنبعث اور بسر بن سعید ہیں، پھر بسر بن سعید سے ضحاک نے اور ان سے محمد بن اسماعیل نے روایت کیا ہے، اور یزید مولی المنبعث سے نقل کرنے والے: ربیعہ، عبداللہ بن یزید اور یحییٰ بن سعید ہیں، پھر یحییٰ بن سعید سے حماد بن سلمہ نے اور عبداللہ بن یزید سے عباد بن اسحاق نے اور ربیعہ سے اسماعیل بن جعفر، مالک بن انس، سفیان ثوری، سلیمان بن بلال، اور حماد بن سلمہ ہیں، سب سے زیادہ اختلاف متن کے الفاظ نقل کرنے میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے پانچ شاگردوں میں ہے اولاً مصنفؒ نے اسی کی تشریح کی ہے، نقشہ یہ ہے۔

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔
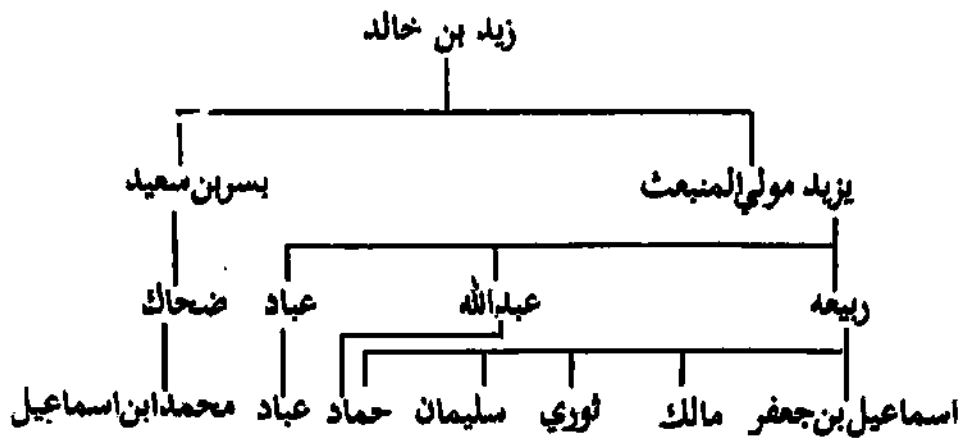
قوله: أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اللقطة: یہاں رجل مبہم کے مصداق میں اختلاف ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ سائل سے مراد یہاں پر سوید الجہنی ؓ ہیں، حمیدی، ماوردی، طبرانی، بغوی اور ابن السکن نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

قوله: "عِفاصها: "عفاص" بکسر العین وتخفیف الفاء، بمعنی وہ برتن جس میں کوئی سامان رکھا جائے، یہاں اس کے معنی تھیلے کے ہیں، کہ جب تم کو کوئی لقطہ ملے تو اس کے سربندھ اور تھیلے کو اچھی طرح پہچان لو تا کہ کسی دعویٰ کرنے والے سے اچھی طرح تحقیق کی جاسکے، اور مال لقطہ اپنے مال سے مخلوط نہ ہو۔

قوله: "ثم استنفق بها" یعنی ایک سال کی تعریف کے بعد بھی مالک نہ آئے تو اس کو خرچ کرلو، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے والا اس کا مالک ہوجائے گا لیکن اس سے اگلا جملہ "فإن جاء بها فادها إليه" نے واضح کردیا کہ یہ مال اس کے پاس امانت تھا، اور اپنے اوپر خرچ کرنے کا حکم بطورِ ملکیت نہ تھا، بلکہ اس صورت پر محمول تھا جب کہ یہ خود محتاج ہو جس کے اوپر تصدق درست ہو؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اوپر خرچ کرنے کے بعد بھی مالک کو واپس کرنے کا حکم دیا یعنی اگر وہ سامان لقطہ موجود ہو تو اسی کو ورنہ اس کے بدل کو اصل مالک کی طرف واپس نہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ "استنفق بها" کا حکم علی سبیل التملیک نہ تھا، ورنہ مالک کے واپس آنے پر دینے کے حکم کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

قوله: "فإنما هي لك أو لأخيك أو للذئب" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آگیا، تو وہ تم سے لے لے گا، لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو یعنی اگر تم ضرورت مند ہو اسی طرح "أو لأخيك" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی دوسرا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا، اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا۔

گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تا کہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہوجائے، اور یہی حکم ہر اس جانور کے

بارے میں ہے جو اپنے مالک کی عدم موجودگی میں بھیڑیئے وغیرہ کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

بھیڑ بکری کا لقطہ:

حدیث کے مذکورہ جملہ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھیڑ بکری کو بطور لقطہ حاصل کرنے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس کی واپسی ضروری نہیں، کیوں کہ اگر وہ نہ لے گا تو بھیڑیا لے جائے گا اور اس صورت میں بھیڑیئے یا درندے پر کوئی تاوان نہیں ہو سکتا، لہٰذا لاقط پر بھی کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ اس کے مالک کو واپس کرے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے "فإنما هي لك" کی تشریح بیان کی کہ اگر تشہیر کے بعد اصل مالک آجائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے، حنفیہ کا مسلک یہی ہے، جہاں تک حدیث سے مالکیہ کے استدلال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے اس میں لام تملیک کا نہیں ہے، کیوں کہ بھیڑیا تو مالک نہیں بن سکتا، لہٰذا لاقط بشرط ضمان ہی مالک قرار پائے گا۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مال لقطہ کے کھانے سے پہلے اس کا مالک آجائے تو اس کی ملک ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مالک دراصل وہی ہے جس کی وہ چیز تھی، ہاں لقطہ اٹھانے والے کو اپنے اخراجات کی وصولی کا حق ہے۔

اونٹ کا لقطہ:

قوله: "فضالة الإبل" سائل نے سوال کیا کہ گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے، یعنی اسے نہ پکڑو، کیوں کہ وہ ضائع ہو جانے والی چیز نہیں ہے، اس لیے اسکو پکڑ لانے کی ضرورت نہیں۔

قوله: "معها حذاؤها وسقاؤها" اونٹ کے موزے سے مراد اس کے قوی اور مضبوط تلوے ہیں، کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے، اور اونٹ کے مشکیزے سے مراد اس کا پیٹ ہے، یعنی اونٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے، جس میں کئی دن کا پانی بھی اکٹھا ہو جاتا ہے اور اتنی رطوبت بھی رہتی ہے جو اس کو ہفتوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے۔

گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے، جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

جب سائل نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اونٹ کے لقطہ کے بارے میں معلوم کیا تو آپ ﷺ غصہ ہوئے جس کی وجہ بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اوٹ بھاگ دوڑ کر درندوں سے بچ سکتا ہے، معمولی درندے شاید اس کے پاس بھی نہ

23

آئیں گے، وہ کئی کئی دن تک بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے، بھیڑ بکری کا مالک تو شاید اس کی تلاش میں سہل انگاری سے کام لے گا؛ مگر اونٹ جیسے قیمتی حیوان کو کوئی بغیر تلاش کے نہیں چھوڑ سکتا، لہٰذا اس کو پکڑنے اور اس سے متعلق مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے یا پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی دلیل یا وحی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سائل دراصل اونٹ کو بطورِ تملیک حاصل کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم (بذل المجہود)

اب حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے جمہور کا خیال یہ ہے کہ اونٹ چاہے گمشدہ ہو اسے لقطہ سمجھ کر قبضہ میں نہیں لایا جا سکتا ہے جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کو بھی محفوظ کر لینا اولیٰ ہے اور حدیث کی نہی کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ اسے مملوک نہ بنایا جائے، نیز اس زمانہ میں لوگوں میں خیر و بھلائی کا غلبہ نہیں ہے بلکہ کچھ بددین لوگ تو دن میں ہی پکڑ کر ذبح کر ڈالتے ہیں، ایسے میں حفاظت کی غرض سے پکڑ لینا ہی افضل ہے۔

۱۷۰۵- حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ زَادَ سِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ وَلَمْ يَقُلْ: خُذْهَا فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ، وَقَالَ فِي اللُّقَطَةِ: عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اسْتَنْفِقْ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ رَبِيعَةَ مِثْلَهُ لَمْ يَقُولُوا خُذْهَا

ترجمہ: حضرت مالک سے بھی اسی سند و معنی کے ساتھ روایت ہے اس میں یہ زیادہ ہے کہ وہ پانی پیتا ہے اور درخت کھاتا ہے اس روایت میں بھولی بھٹکی بکری کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ اس کو پکڑ لے اور لقطہ کے متعلق یہ ہے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کر پس اگر اس کا مالک آجائے تو خیر ورنہ خود اس سے فائدہ اٹھا نیز اس میں لفظ استنفق یعنی خرچ کر ڈال نہیں ہے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اس کو ثوری، سلیمان بن ہلال اور حماد بن سلمہ نے ربیعہ سے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن انہوں نے لفظ خذھا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن خالد کی حدیث کا دوسرا طریق ہے، اس میں ربیعہ سے نقل کرنے والے امام مالکؒ ہیں، ان کی روایت میں ربیعہ کے پہلے شاگرد اسماعیل بن جعفر کی روایت کے مقابلہ میں ''ترد الماء وتأکل

۱۷۰۵- أخرجه مالك ۲/ ۷۵۷، كتاب الأقضية: باب القضاء في اللقطة حديث/ ۴۶، والبخاري: ۵/ ۸۴، كتاب اللقطة: باب إذا لم يوجد صاحب اللقطة بعد سنة حديث/ ۲۴۲۹، ومسلم: ۳/ ۱۳۴۶، كتاب اللقطة: باب اللقطة، حديث: ۱/ ۱۷۲۲، والترمذي: ۳/ ۶۵۵، كتاب الأحكام: باب اللقطة وضالة الإبل حديث/ ۱۳۷۲، وابن ماجة: ۲/ ۸۳۶، كتاب اللقطة: باب ضالة الإبل حديث/ ۲۵۰۴.

الشجر'' کا اضافہ ہے، کہ اونٹ تو پانی تلاش کر کے پی سکتا ہے، اور درختوں کے پتے کھا کر اپنا گزارا کر سکتا ہے۔

دوسرا فرق مالک اور اسماعیل کی روایت میں یہ ہے کہ ضالۃ الغنم کی سلسلہ میں مالک کی روایت میں ''خذھا'' کا کلمہ نہیں ہے جب کہ اسماعیل کی روایت میں تھا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ مالک کی روایت میں لقطہ کی تعریف کے تعلق سے یہ ہے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اگر اس عرصہ میں اس کا مالک آجائے تو بہت اچھا ورنہ خود اس سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی مالک کی روایت میں لقطہ کے مالک کے مدت تعریف میں نہ آنے کی صورت میں صراحت کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم مذکور نہیں ہے، بلکہ مبہم لفظ ''وإلاّ فشأنك بها'' ہے، جب کہ اسماعیل کی روایت میں ''استنفق'' صراحت کے ساتھ ہے۔

قوله: ''فشأنك بها'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''شان'' مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، نصب تو اس لیے کہ اس سے پہلے ''الزم'' محذوف ہے، ''أي: الزم شأنك بها'' اور رفع اس لیے کہ یہ مبتداء ہے اور ''بها'' اس کی خبر ہے اور تقدیری عبارت ہوگی: ''أي شأنك متعلق بها'' اور کلمہ ''شأن'' بمعنی حالت ہے۔

قال أبوداؤد: رواه الثوريُّ وسليمان الخ: مصنفؒ کی غرض ضالۃ الشاۃ کے سلسلہ میں کلمہ ''خذھا'' پر کلام کرنا ہے، کہ ربیعہ سے اس روایت کو سفیان ثوری، سلیمان بن بلال اور حماد بن سلمہ نے بھی نقل کیا ہے؛ لیکن انھوں نے مالک کی طرح ''خذھا'' کا کلمہ نقل نہیں کیا، معلوم ہوا کہ مالک اس کے نقل نہ کرنے میں منفرد نہیں ہے؛ لیکن بہر حال اسماعیل بھی ثقہ راوی ہیں اس لیے اگر وہ نقل کر رہے ہیں تو ان کی زیادتی مقبول ہوگی۔

۱۷۰۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ، وَإِلَّا فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا، وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ كُلْهَا فَإِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ

ترجمه: حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لقطہ (یعنی گری پڑی چیز اٹھانے) کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کر اگر اس کو ڈھونڈنے والا آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس

۱۷۰۶-أخرجه: ۳/۱۳۴۷، کتاب اللقطة: باب اللقطة حديث: ۱۷۲۲/۷، والترمذي: ۶۵۶/۳، کتاب الأحكام: باب ما جاء في اللقطة، وضالة الإبل، حديث/ ۱۳۷۳، وابن ماجة: ۸۳۸/۲، كتاب اللقطة: باب اللقطة حديث/ ۲۵۰۷.

کا ظرف اور سر بندھن کو ذہن نشین کر اور اس کو اپنے مصروف میں لے آ اور پھر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کو لوٹا دے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ کی حدیث کا تیسرا طریق ہے، اس میں حضرت زید بن خالد سے نقل کرنے والے بسر بن سعید ہیں، جب کہ پہلے دو طریق میں یزید مولی المنبعث تھے۔

اس طریق میں اس بات پر بڑی واضح دلیل ہے کہ مال لقطہ اٹھانے والے کے پاس ودیعت ہے، اگر وہ اس میں تصرف کر لیتا ہے تو مالک کے آنے کی صورت میں اصل کو اگر موجود ہو ورنہ اس کے بدل کو دینا ضروری ہے۔

شیخ عبدالمحسن بن احمد لکھتے ہیں کہ ایک سال کی تشہیر کے بعد لقطہ اٹھانے والے نے اگر خود استعمال کر لیا اور مالک آگیا تو بھی واپس کرنا ضروری ہوگا، اگر وہ شئ مال متقوم تھی تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر مال غیر متقوم تھی جیسے روپے اور کاغذی نوٹ وغیرہ تو ان کے مثل کو ادا کرے گا۔ (شرح سنن ابی داؤد: ۱۲/ ۲۰۶)

تنبیہ: ہماری ابوداؤد کی اس روایت کی سند میں ضحاک اور بسر بن سعید کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن طحاوی، صحیح مسلم، مسند احمد وغیرہ کی سندوں میں ان دونوں کے درمیان ابوالنضر کا واسطہ ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں سقوط ہے۔ (بذل المجہود: ٦/ ٥٨٨)

۱۷۰۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ رَبِيعَةَ، قَالَ: وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: تُعَرِّفُهَا حَوْلًا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا دَفَعْتَهَا إِلَيْهِ، وَإِلَّا عَرَفْتَ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ أَفِضْهَا فِي مَالِكَ، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا (اور حدیث ربیعہ یعنی حدیث بالا کی طرح بیان کیا) کہا سوال ہوا لقطہ (گری پڑی چیز اٹھانے) کے بارے میں فرمایا ایک سال تک تشہیر کر اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دیدے نہیں تو اس کا سر بندھن اور ظرف پہچان رکھ پھر اپنے مال میں اس کو شامل کرے اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کو لوٹا دے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن خالدؓ کی حدیث کا چوتھا طریق ہے، اس میں یزید مولی المنبعث سے نقل کرنے والے عبداللہ بن یزید ہیں، اس طریق میں ایک نیا جملہ ہے اگر ایک سال کی تشہیر کے بعد بھی مالک نہ آئے تو پھر

۱۷۰۷- أنظر الحديث رقم/ ۱۷۰۴.

اس کو تم اپنے مال میں شامل کرلو، یعنی اس کے بارے میں وہی سب تصرفات کر سکتے ہو جو کہ اپنے ذاتی مال میں کرتے ہو، لیکن اگر تصرف کے بعد بھی مالک آجائے تو پھر بھی اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

قوله: ''ثم اقبضها في مالك'' ہمارے نسخہ میں تو ''اقبضها'' ہے، جب کہ بیروت کے نسخوں میں ''افضها'' ہے، امام خطابیؒ نے بھی معالم السنن میں اسی کو درست قرار دیا ہے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

۱۷۰۸- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَرَبِيعَةَ، بِإِسْنَادِ قُتَيْبَةَ وَمَعْنَاهُ وَزَادَ فِيهِ فَإِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ . وقَالَ حَمَّادٌ: أَيْضًا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ الَّتِي زَادَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، فِي حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَرَبِيعَةَ، إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً وَحَدِيثُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَرِّفْهَا سَنَةً

ترجمه: حضرت یحییٰ بن سعید ور بیعہ نے قتیبہ کی سند ومفہوم کے ساتھ روایت کرتے ہوئے اتنا زائد ذکر کیا ہے کہ اگر اس کا تلاش کنندہ آجائے اور تھیلی اور تعداد بتادے تو اس کو دیدے نیز حماد نے بطریق عبداللہ بواسطہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نبی ﷺ سے اسی طرح ذکر کیا ہے ابوداؤدؒ کہ یہ زیادتی جو حماد بن سلمہ نے، سلمہ بن کہیل۔ یحیی بن سعید، عبداللہ اور ربیعہ کی حدیث میں کی ہے کہ اگر اس کا مالک آجائے اور تھیلی اور تعداد بتادے تو اس کو دیدے محفوظ نہیں ہے اور حدیث عقبہ بن سوید عن ابیہ عن النبی ﷺ نیز حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ میں ہے کہ ایک سال تک اعلان کرے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت زید بن خالدؓ کی حدیث کا پانچواں طریق ہے، اس میں حضرت زید بن خالدؓ سے نقل کرنے والے تو یزید مولی المنبعث ہی ہیں، لیکن یزید سے نقل کرنے والے دو حضرات ہیں ایک ربیعہ اور دوسرے یحییٰ بن سعید، پھر ان دونوں سے نقل کرتے ہیں حماد بن سلمہ، حماد بن سلمہ کی روایت الفاظ اور معنی کے لحاظ سے قتیبہ بن

۱۷۰۸- انظر الحدیث: رقم/ ۱۷۰۴۔

سعید کی روایت کی طرح ہے، قتیبہ بن سعید کی روایت نمبر ۱۷۰۴ پر گزری ہے۔

البتہ حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ زیادتی ہے: ''فإن جاء باغیها فعرف عفاصها وعددها فادفعها إليه'' یعنی اگر اس مالِ لقطہ کا مالک آجائے اور لقطہ کی تھیلی اور تعداد کی صحیح پہچان بتائے تو اس کو دے دے یعنی مزید شہادت کی ضرورت نہیں ہے جب کہ یہ زیادتی قتیبہ کی روایت میں نہیں تھی۔

قوله: وقال حماد أيضًا: عن عبيد الله بن عمر الخ: مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ حماد بن سلمہ نے جس طرح اس روایت کو زید بن خالدؓ سے نقل کیا ہے اسی طرح عمرو بن شعیب کے طریق سے بھی نقل کیا ہے؛ عمرو بن شعیب والی روایت میں بھی تلاش کنندہ کے پہچان بتانے اور تعداد ذکر کرنے اور پھر لاقط کو اس کے حوالہ کرنے کا بیان ہے۔

قوله: ''قال أبوداؤد: وهٰذه الزيادة التي زاد حماد بن سلمة الخ'' اس قال ابوداؤد میں دو باتوں کا بیان ہے، پہلی بات یہ ہے کہ حماد بن سلمہ کا بیان کردہ اضافہ: ''فعرف عفاصها ووكاء ها فادفعها إليه'' محفوظ نہیں ہے، دوسری یہ کہ بعض روایات میں اعلان کی مدت تین سال آئی ہے، مگر ایک سال کے اعلان کی روایت زیادہ قوی ہے۔

لیکن امام منذریؒ نے مصنفؒ کے قول پر رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ حماد بن سلمہ کا یہ اضافہ صحیح مسلم میں بھی ہے، سنن ترمذی، سنن نسائی میں سفیان ثوری سے، اور صحیح مسلم میں سفیان ثوری و زید بن ابی انیسہ سے بھی یہ اضافہ منقول ہے، اس سے واضح ہے کہ حماد بن سلمہ اس کے بیان میں منفرد نہیں ہیں، لہٰذا یہ غیر محفوظ بھی نہیں۔ (دیکھئے الجوہر النقی: ۱۹۷/۶)

قوله: فعرف عفاصها ووكائها: یہ اس زیادتی کا بیان ہے جس کے بارے میں مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے۔

قوله: ''وحديث عقبة بن سويد عن أبيه الخ'' یہاں سے مصنفؒ اپنی دوسری بات کی تائید کررہے ہیں کہ اعلان کی مدت ایک سال ہی ہے نہ کہ تین سال، جیسا کہ عقبہ بن سوید جہنی کی اپنے والد سے نقل کردہ روایت میں اور حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت میں بھی ''عرفها سنة'' یعنی ایک سال تک اعلان کرنے کی صراحت ہے۔

حضرت سوید جہنیؓ کی اس معلق روایت کو امام حمیدی، امام بغوی اور امام طبرانی نے نقل کیا ہے، اور حضرت عمرؓ کی معلق روایت کو امام طحاویؒ نے موصولاً نقل فرمایا ہے۔

۱۷۰۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي الطَّحَّانَ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ الْمَعْنَى، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ مُطَرِّفٍ يَعْنِي ابْنَ

۱۷۰۹- اخرجه احمد في مسنده (۱۶۱/۴)، انظر تحفة الأشراف (۱۱۰۱۳/۸)

عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وجدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوِي عَدْلٍ، وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ، وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لقطہ پائے تو اس کو چاہیے کہ ایک یا دو مرتبہ آدمیوں کو اس پر گواہ بنالے اور نہ تو چھپائے اور نہ غائب کرے اگر اس کا مالک مل جائے تو وہ اس کو دیدے نہیں تو وہ مال اللہ کا ہے جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

تشریح حدیث: یہ باب میں دوسرے صحابی حضرت عیاض بن حمارؓ کی حدیث ہے، مفہوم تو اس کا یہ ہے کہ جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہیے کہ وہ کسی عادل شخص کو گواہ بنالے اور اس کی تشہیر و اعلان نہ کر کے اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے کسی دوسری جگہ بھیج کر غائب کرے، تاکہ دوسرا کوئی آدمی مثلاً مالک ہی نہ تو اس اٹھانے والے پر چوری وغیرہ کی تہمت لگائے اور نہ کمی بیشی کا دعویٰ کر سکے، نیز گواہ بنا لینے میں ایک مصلحت اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس حرص و طمع میں مبتلا نہیں ہوگا، کیوں کہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہو جائے، اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کے بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں، جب کہ گواہ بنا لینے سے نہ صرف یہ کہ یہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

قولہ: "فهو مال الله يؤتيه من يشاء" وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے یعنی حلال ہے، کہ مالک نہ آنے کی صورت میں وہ اس کا استعمال کر سکتا ہے، جسے خدا نے غیب سے دیا ہے، ہاں اگر بعد میں مالک آجائے تو پھر اس کا بدل دینا ہوگا۔

لقطہ پر گواہ بنانا:

حضرات ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سنت ہے کہ جب کوئی آدمی مالِ لقطہ کو اٹھائے تو کم از کم ایک یا دو عادل شخص کو گواہ بنالے، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اشہاد واجب ہے، احناف نے "فلیشهد" صیغہ امر کو وجوب پر محمول کیا ہے، اور اشہاد کا طریقہ یہ ہوگا کہ میں نے فلاں چیز اٹھائی ہے اگر کوئی مالک کو اعلان کرتے دیکھے تو اس کو بتادے کہ اس کا مال میرے پاس ہے، لیکن مالک سے جب وہ آئے تو اس لقطہ کی علامات معلوم کر کے ہی دیا جائے گا، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ شہادت رکھنے میں توسط اختیار کیا جائے کہ اٹھانے والا بعض صفات

بتائے اور بعض کا اخفاء کرے تاکہ کوئی جھوٹ بول کر اس کو حاصل نہ کرے۔

علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے: ويكفيه في الإشهاد أن يقول: ''من سمعتموه ينشد لقطةً فدلّوه عليّ'' (فتح القدیر: ۶/ ۱۱۳)

۱۷۱۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ؟ فَقَالَ: مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ، وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِي ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَهُ غَيْرُهُ، قَالَ: وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: مَا كَانَ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمِيتَاءِ أَوِ الْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَأْتِ فَهِيَ لَكَ، وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ يَعْنِي فَفِيهَا وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں (یعنی ان کے کھانے یا نہ کھانے کے بارے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھائے وہ حاجت مند ہونا چاہیے مگر چھپا کر نہ لے جائے تو کوئی حرج نہیں اور جو شخص چھپا کر کچھ لے جائے اس پر دوگنا جرمانہ ہے اور سزا ہے اور جب میوہ یا پھل پکنے کے بعد سوکھنے کے لیے کھلیان میں ڈالا جائے اور وہاں سے چرا کر کوئی لے جائے اور اس کی قیمت اتنی بیٹھتی ہو جتنی کہ ایک ڈھال کی ہوتی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا پھر گم شدہ بکری اور اونٹ کا حال بیان کیا جیسا کہ دوسروں نے کیا ہے اس کے بعد لقطہ کے بارے میں سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لقطہ عام گذرگاہ یا آبادبستی میں ہے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دیدے اگر نہ آئے تو وہ تیرا ہے اور جو لقطہ کسی ویرانہ یا غیر آبادبستی میں ملے یا کسی کان سے پائے تو اس میں سے پانچواں حصہ حکومت کو دینا ہوگا۔

لغات حدیث: الثمر المعلّق: صیغۂ اسم مفعول ہے، وہ پھل جو درختوں پر لگے ہوں، توڑے نہ گئے ہوں۔

أصاب بفيه: أصاب بالضم إصابةً بمعنی کھانا۔ ہمارے بعض نسخوں میں اس کلمہ کے ضبط میں تحریف ہوگئی ہے،

۱۷۱۰- أخرجه الترمذي رقم (۱۲۸۹) في البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمرة للمار بها، وأبو داؤد رقم (۴۳۹۰) في الحدود، باب مالا قطع فيه، والنسائي: ۸/ ۸۴، و۸۵ و۸۶ في السارق، باب الثمر المعلق يسرق، وباب الثمر يسرق بعد أن يؤويه الجرين، وإسناده حسن.

کہ ”بفيه“ کو ”بقية“ لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔

غير متخذ: یہ کلمہ منصوب اور مجرور دونوں طرح درست ہے، منصوب تو ”اصاب“ کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے ہے، اور مجرور اس صورت میں ہے کہ یہ ”ذي حاجة“ کی صفت ہے۔

”خُبْنَة“، بضم الخاء وسکون الباء وفتح النون: کپڑے یا پائجامہ کا موڑ کر سلا ہوا حصہ، دامن، نیفہ، ہر وہ چیز جو انسان گود میں یا بغل میں دبا کر لے جائے، اس کی جمع ”خُبَن“ آتی ہے۔

غرامة: بفتح الغين بمعنی حرجانہ، بدل نقصان، بطور سزا عائد کیا ہوا جرمانہ۔

يُؤْوِيَه: آوي يؤوي ايواءً بمعنی جگہ دینا۔

الجرين: بفتح الجيم وکسر الراء بمعنی وہ جگہ جہاں پھلوں کو خشک کیا جاتا ہے، کھلیان، جمع ”أجرِنة وجرُنٌ“ آتی ہے۔

المِجَن: جمع مَجَان آتی ہے، بمعنی ڈھال۔

طريق الميتاء: مشکوۃ میں ”الطريق الميتاء“ موصوف صفت کے طور پر ہے لیکن جامع الاصول اور ابوداؤد میں اضافت کے ساتھ ہی ہے، اور ”الميتاء“ بکسر المیم وسکون الیاء ہے، اور یہ اتیان سے ماخوذ ہے، مفعال کے وزن پر، اور اس میں تعلیل ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ”میتاء“ کی ”یاء“ اصل میں ہمزہ تھی، جس کو یاء سے بدلا گیا ہے، بمعنی عام راستہ، جس پر لوگ آتے جاتے ہوں، چالو راستہ۔

القرية الجامعة: آباد بستی۔

تشریح حدیث: ترجمۃ الباب سے متعلق تو حدیث شریف کا آخری حصہ ”ماكان منها في طريق الميتاء الخ“ ہے، شروع میں چوری کی حد کا بیان ہے، اور بالکل اخیر کا ٹکڑا زکوۃ کے تعلق سے ہے، گویا یہ حدیث تین ابواب سے متعلق ہے: ایک حدود سے، دوسرے لقطہ سے تیسرے زکوۃ سے۔

قوله: سئل عن الثمر المعلق: پیغمبر علیہ السلام سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے باغ میں سے درخت پر لگے پھلوں کو توڑ کر کھالے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر کوئی ضرورت مند یعنی حالت اضطرار میں ضرورت کی بقدر پھل توڑ کر کھالے، مگر وہ اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اب یہاں ”فلاشیئ علیه“ کے دو مطلب ہیں۔

ایک تو یہ کہ ایسا شخص گنہ گار تو نہیں ہوتا لیکن اس پر تاوان یعنی اتنے پھل کی قیمت دینا واجب ہے، جتنے پھل اس نے کھائے ہیں۔

اور دوسرا مطلب جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس پر نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی ان کھائے ہوئے پھلوں کی قیمت یعنی ضمان اور تاوان ہے، لیکن یہ حکم شروع زمانہ اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا، کیوں کہ اب تو از روئے دلائل شرع اس پر ضمان آئے گا۔ (بذل المجہود ۶/ ۵۹۷)

قوله: "فعليه غرامة مثليه" یعنی جو شخص پھل توڑ کر کھائے بھی اور اپنی جھولی بھر کر بھی لی جائے تو اس سے ان پھلوں کی دوگنی قیمت لی جائے گی جن کو وہ جھولی میں بھر کر لے گیا ہے، یہاں کھائے ہوئے پھلوں کی دوگنی قیمت لینا مراد نہیں ہے، کیوں کہ وہ تو ضرورتِ شدیدہ اور اضطرار کی وجہ سے کھائے تھے، جن کا حکم پہلے والے جملہ میں مذکور ہوا۔

جھولی میں بھر کر لے جائے ہوئے پھلوں کی دوگنی قیمت کے تعلق سے علامہ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطور تنبیہ ہے، ورنہ اصل مسئلہ کی رو سے صرف اصل قیمت لی جائے گی، حضرات ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے دوگنی قیمت ہی کے وجوب کے قائل تھے؛ لیکن حضراتِ ائمہ ثلاثہ اس حدیث کو زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں، یا پھر کہتے ہیں کہ یہ حکم شروع زمانہ میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

قوله: "والعقوبة" یہاں عقوبۃ سے مراد وہ سزا ہے جو تعزیر کے طور پر دی جائے، حد شرعی مراد نہیں ہے؛ اور مراد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سرقہ کی تعریف صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ سرقہ (چوری) کی تعریف یہ ہے کہ مالِ محفوظ کو مکان محفوظ سے مالک کی غفلت میں چوری کرلے، جب باغات مکانِ محفوظ نہیں ہیں۔

قوله: بعد أن يؤويه الجرين: اس کا لفظی ترجمہ ہوگا "جو کوئی پھل چرائے بعد اس کے کہ جگہ دے دی تھی اس پھل کو کھلیان نے" یعنی کھلیان میں رکھے ہوئے پھل اگر اتنی مقدار میں چرائے جو ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر ہوں تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری ہوگی اور اس کا ایک ہاتھ کاٹا جائے گا۔

قوله: "ثمن المجن" اب ایک ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے کہ اس زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت کیا ہوا کرتی تھی، حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت دس درہم ہوا کرتی تھی لہٰذا دس درہم سے کم کی مالیت کی چوری میں قطع ید نہ ہوگا، جب کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ڈھال کی قیمت اس زمانہ میں چار درہم ہوا کرتی تھی لہٰذا چار درہم کی چوری میں قطع ید ہوگا، اس سے کم کی چوری میں قطع ید نہ ہوگا، مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک بھی اسی کے قریب قریب ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ہے: "انه صلى الله عليه وسلم قطع في مجن ثمنه ثلاثة دراهم" (صحیح بخاری کتاب الحدود، حدیث/ ۶۷۹۵)

جب کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت دس درہم ہوتی تھی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹے جاتے تھے اور اس وقت اس ڈھال کی قیمت دس درہم ہوا کرتی تھی، سنن ابوداؤد میں ہے۔

''عن ابن عباس قال: قطع رسول الله صلى الله عليه وسلم يد رجل في مجن قيمته دينار أو عشرة دراهم'' (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود، حدیث/۴۳۸۷)

اسی طرح سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے: ''لايقطع السارق إلاّ في عشرة دراهم''۔ (سنن دارقطنی: ۳/۱۹۳، طبع دارالمحاسن)

الموسوعۃ الفقہیہ میں لکھا ہے کہ: ''فوجب الأخذ بالأكثر يعني أنه عشرة دراهم. درءًا للحدود'' یعنی حدود میں احتیاطاً دس درہم کی روایت کو لینا بہتر ہے۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۳/۱۷۷)

قوله: ''كما ذكر غيره'' یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اونٹ اور بکری کے لقطہ کے بارے میں حضرت زید بن خالدؓ کی طرح روایت نقل کی۔

قوله: ''وما كان منها في طريق الميتاء والقرية الجامعة'' یعنی جو لقطہ کسی ایسے راستہ میں پایا جائے جو آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے گزرگاہ عام وخاص ہو تو اس کی تشہیر واعلان واجب ہے، کیوں کہ یہاں اس بات کا غالب گمان ہے کہ وہ کسی مسلمان کی ملک ہو۔

قوله: ''وما كان في الخراب الخ'' یعنی جو لقطہ کسی ایسے ویران گاؤں اور غیر آباد زمین پر پایا جائے جہاں مسلمانوں کی عمارات نہ ہوں اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ یعنی صدقہ وخیرات کر دیا جائے اور بقیہ اپنے استعمال میں لے آیا جائے، جیسا کہ کسی ویرانہ قدیم سے کوئی زمین میں مدفون مال ملے تو اس کا حکم ہے، اسی کو رکاز کہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ اگر آبادی میں کوئی مدفون خزانہ ملے تو اس میں بھی خمس ہوگا، اسی طرح اگر ویرانہ جنگل میں کوئی سامان پڑا ہوا ملے جس کے بارے میں ظن غالب ہو کہ یہ کسی کا آندھی وغیرہ میں اڑ کر یہاں آ گیا ہے تو اس کا حکم لقطہ کا ہوگا۔ (بذل المجہود: ۶/۵۹۹)

۱۷۱۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي

۱۷۱۱- أخرجه الترمذي رقم (۱۲۸۹) في البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمرة للمار بها، وأبو داؤد رقم (۴۳۹۰) في الحدود، باب مالا قطع فيه، ''نسائي: ۸/۸۴، و۸۵ و۸۶ في السارق، باب الثمر المعلق يسرق، وباب الثمر يسرق بعد أن يؤويه الجرين، وإسناده حسن.

عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ، بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا، قَالَ فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ: قَالَ: فَاجْمَعْهَا

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ حدیث اسی سند کے ساتھ مروی ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھولی بھٹکی بکری اگر پائے تو اس کو پکڑ لے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو مصنف رحمہ اللہ نے چار سندوں سے نقل فرمایا ہے، پہلی سند میں عمرو بن شعیب سے نقل کرنے والے محمد بن عجلان، دوسری میں ولید بن کثیر، تیسری میں عبیداللہ بن اخنس، چوتھی میں محمد بن اسحاق ہیں۔
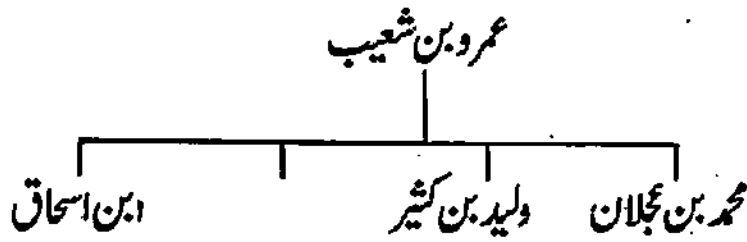
پھر مصنف رحمہ اللہ نے ان چاروں کی روایت کے الفاظ میں جو فرق ہے اس کو واضح فرمایا ہے، چناں چہ اس دوسرے طریق میں فرمایا کہ اگر بکری کا لقطہ پاؤ تو اس کو جمع کر لو یعنی حفاظت کی غرض سے روک لو تا کہ اس کے مالک تک پہنچا سکو، جب کہ ابن عجلان نے اختصار سے کام لیا تھا کہ صرف یہ کہا "کما ذکر غیرہ" واللہ اعلم

۱۷۱۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَخْنَسِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، بِهٰذَا بِإِسْنَادِهِ قَالَ فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ: لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، خُذْهَا قَطُّ. وَكَذَا قَالَ فِيهِ أَيُّوبُ، وَيَعْقُوبُ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَخُذْهَا

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ ہے کہ بھولی بھٹکی بکری تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے نہیں تو پھر بھیڑیے کی ہے لہذا اس کو پکڑ لے اور اس میں بس اتنا ہی ہے۔ اور اسی طرح ایوب نے بواسطہ یعقوب بن عطاء بسند عمرو بن شعیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت ہے یعنی اس میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پکڑ لے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ تیسرا طریق ہے، اس میں بکری کے لقطہ کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو کہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تھی، کہ اس کو پکڑ لو اور حفاظت کرو ورنہ بھیڑیا اس کو پکڑ لے گا۔

قولہ: "خذها قط" یہاں "قط" فقط کے معنی میں ہے، یعنی ان کی روایت میں بس یہی الفاظ ہیں، اس سے

۱۷۱۲- اخرجه النسائي: رقم/ ۲۲۹۴۔

زیادہ نہیں، پھر اسی کی تائید مصنفؒ نے ایوب سختیانی اور یعقوب بن عطاء کی روایت سے کی ہے۔

۱۷۱۳- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ الْعلاءِ، حَدَّثَنا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا، قَالَ فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ: فَاجْمَعْهَا حَتَّى يَأْتِيَهَا بَاغِيهَا

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب بسند والد، بواسطہ دادا نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے بھولی بھٹکی بکری کے بارے میں فرمایا اس کو پکڑ لے اور رکھ چھوڑ، تاوقت کہ اس کا مالک آ جائے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث کا چوتھا طریق ہے، اس میں محمد بن اسحاق راوی نقل کر رہے ہیں عمرو بن شعیب سے، انھوں نے ابن کثیر، عبید اللہ بن اخنس ایوب سختیانی اور یعقوب بن عطاء کی روایت کے مقابلہ میں ''حتّٰی یاتیھا باغیھا'' کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عمرو بن شعیب کی یہ روایت چار سندوں سے ہے، البتہ تیسری روایت کے ذیل میں ایوب اور یعقوب کی معلق روایت کی طرف بھی مصنفؒ نے اشارہ فرمایا ہے، اس لیے کل ملا کر عمرو بن شعیب کے چھ شاگرد ہو گئے، (۱) محمد بن عجلان، (۲) ولید بن کثیر (۳) عبید اللہ بن اخنس (۴) ایوب سختیانی (۵) یعقوب بن عطاء (۶) محمد بن اسحاق، سبھی کی روایت قریب المعنی ہے۔

۱۷۱۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ، حَدَّثَهُ عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَجَدَ دِينَارًا فَأَتَى بِهِ فَاطِمَةَ فَسَأَلَتْ عَنْهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هُوَ رِزْقُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ، فَأَكَلَ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَكَلَ عَلِيٌّ، وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ تَنْشُدُ الدِّينَارَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ أَدِّ الدِّينَارَ

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کو ایک دینار پڑا ہوا ملا۔ وہ اس دینار کو لے کر حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے پس حضرت فاطمہؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا

۱۷۱۳- أخرجه أحمد في مسنده (۲/ ۱۸۰)

۱۷۱۴- أخرجه البيهقي: ۶/ ۱۹۴، كتاب اللقطة: باب التعريف باللقطة.

یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے پس آپ ﷺ نے اور حضرت علی و فاطمہ ؓ نے اس کو صرف کیا اس کے بعد ایک عورت دینار تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: علی! دینار اس کو ادا کرو۔

تشریح حدیث: اس واقعہ کو مصنف ؒ نے تین سندوں سے بیان فرمایا ہے، ایک سند میں تو اس کو حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان فرما رہے ہیں، لیکن اس سند میں ایک راوی مجہول ہیں، دوسری سند میں بلال بن یحییٰ عبسی نقل کر رہے ہیں، اور تیسری سند میں اس کو نقل کرنے والے سہل بن سعد ہیں، مجموعی اعتبار سے روایت حسن درجہ کی ہے۔

قبل اس کے کہ حدیث میں مذکورہ کلمات اور اجزاء کی تشریح کی جائے مناسب ہے کہ پہلے اس کے مضمون کو بیان کردیا جائے پھر اجزاء کی تشریح، اس کے بعد اس پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا جواب یا قابل قبول توجیہ پیش کی جائے۔

مضمون حدیث:

حدیث میں مذکور واقعہ کا مضمون یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے یہاں فاقہ کی نوبت پیش آگئی، یہاں تک کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ بے چین اور رو رہے ہیں، اہل خانہ کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضرت علی ؓ گھر سے باہر نکلے تو راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا ملا، انھوں نے اس کو اٹھایا اور لے کر حضرت فاطمہ ؓ کے پاس گئے، ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو آپ ﷺ نے اس کی تعریف کرائی، پھر گھر لائے تو حضرت فاطمہ ؓ نے کہا کہ اس ایک دینار سے راشن لے آیئے، چناں چہ حضرت علی ؓ گئے اور ایک یہودی دوکاندار سے آٹا خریدا لیکن اس یہودی نے احسان کا معاملہ فرمایا کہ آٹے کا ثمن نہیں لیا، پھر حضرت قصاب کے پاس گئے اور گوشت خریدا، گوشت چوں کہ ایک درہم کا تھا اور قصاب کے پاس کھلے ہوئے دینار نہ تھے، چناں چہ حضرت علی ؓ نے وہ ایک دینار اس کے پاس رہن رکھ دیا۔

حضرت فاطمہ ؓ نے کھانا تیار کیا، حضرت علی ؓ سے کہا کہ کھانے پر رسول اللہ ﷺ کو بھی بلا لیجیے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے اور سب نے مل کر کھانا کھایا، اسی اثناء میں ایک غلام کی آواز آئی کہ وہ اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر سوال کر رہا ہے کہ اگر کسی نے میرا دینار اٹھایا ہو تو وہ دے دے، حضور اکرم ﷺ نے اس کو بلا کر گمشدہ دینار کے سلسلے میں معلوم کیا کہ تو اطمینان ہوا کہ اسی کا وہ دینار ہے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: اے علی! قصاب سے جا کر کہو کہ وہ دینار جو آپ کے پاس رہن ہے دے دیجیے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہم اس کو ادا کردیں گے، چناں چہ حضرت علی ؓ نے ایسا ہی کیا اور قصاب سے دینار لا کر اس غلام کو دے دیا۔

یہ اس واقعہ کا خلاصہ ہے جس کو مصنف ؒ نے تین سندوں سے بیان فرمایا ہے۔

حدیث باب پر اعتراض اور جوابات:

حدیث میں مذکور حضرت علیؓ کے واقعہ پر دو اشکالات لازم آتے ہیں:

(۱) حضرت علیؓ نے لقطہ کی تعریف نہیں کی، حالاں کہ ماقبل میں متعدد روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ لاقط کے لیے تعریف باللقطہ ضروری ہے؟

(۲) دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور فاطمہؓ تو ان لوگوں میں ہے جن کے لیے مالِ صدقہ حرام ہے، جب کہ لقطہ کا تصدق ہے، ہاشمی کے لیے اس سے تمتع درست نہیں، پھر حضرت علیؓ، فاطمہ اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس سے کیسے تناول فرمایا؟

ان دونوں اشکالات کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجہود میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس کا خلاصہ نقل فرمایا ہے، ہم بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی تلخیص کو نقل کر دینا ہی کافی ہے۔

(۱) حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر اس دینار کے بارے میں آپ ﷺ کی مجلس میں بتایا تھا جو فی الجملہ تعریف ہی تھی۔

(۲) یہ روایت مصنف عبدالرزاقؒ (۱۰ / ۱۴۲، حدیث نمبر ۱۸۶۳۷) میں بھی موجود ہے، اس میں ہے: "فأتي النبيَّ ﷺ فقال: عَرِّفْهُ ثلاثة أيامٍ، قال: فعرفه ثلاثة أيام فلم يجد مَنْ يعرفه، فرجع إلى النبي ﷺ فأخبره، فقال: شأنك به" اس روایت میں تعریف مذکور ہے، لہٰذا کوئی اشکال ہی نہیں۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ لقطہ کا التقاط کبھی للتحفظ ہوتا ہے اور کبھی للانفاق اگر للتحفظ ہو تو پھر اس کی تعریف ضروری ہوا کرتی ہے، کیوں کہ وہ لاقط کے ہاتھ میں امانت ہے، جس میں تصرف درست نہیں، اور اگر التقاط للانفاق ہو، مثلاً آدمی حالت اضطرار میں ہو تو وہاں لقطہ پر اٹھانے والے کا قبضہ قبض ضمان ہوتا ہے، یعنی ناشد کے آنے پر اس کا ضمان ضروری ہوتا ہے، اور چوں کہ حالت اضطرار کی ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال کرنا درست ہوتا ہے، یہاں پر یہی صورت مراد ہے، میرے خیال میں حضرت گنگوہیؒ کی یہ توجیہ عمدہ اور درست ہے۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ شروع زمانہ کا ہے جب کہ لقطہ کی تعریف کا حکم نہیں تھا، لہٰذا تعریف تو اس لیے نہیں ہوا اور رہا اشکال یہ کہ ہاشمی خاندان کے لیے اس کا استعمال کیوں کر درست ہو تو اس کا جواب بھی حضرت گنگوہی کی توجیہ سے سمجھا جا سکتا ہے، کہ یہ حالت اضطرار کی حالت کی تھی اس لیے ایسا ہوا۔

ان چار قسم کی توجیہات کے علاوہ بھی بذل میں دیگر توجیہات ہیں لیکن ہم نے طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں۔
اس تفصیل کے بعد اب حدیث کے بعض اجزاء کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

قوله: "عن رجل" یہ رجل مبہم ہیں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس سند میں رجل مجہول کا واسطہ ہے۔ (نیل: ۴/ ۵۱)

قوله: فلما كان بعد ذلك: یعنی اس دینار کے استعمال کر لینے کے بعد ایک عورت گمشدہ دینار کا اعلان کرتے ہوئے آئیں، آپ ﷺ نے اس دینار کی ادائیگی کا حکم فرمادیا، ایک روایت میں عورت کی جگہ غلام یعنی لڑکے کا ذکر ہے کہ ایک لڑکا اعلان کر رہا تھا ہو سکتا ہے کہ عورت کے ساتھ یہ لڑکا بھی ہو۔

۱۷۱۵- حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ بِلَالِ بْنِ يَحْيَى الْعَبْسِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ الْتَقَطَ دِينَارًا فَاشْتَرَى بِهِ دَقِيقًا، فَعَرَفَهُ صَاحِبُ الدَّقِيقِ فَرَدَّ عَلَيْهِ الدِّينَارَ فَأَخَذَهُ عَلِيٌّ وَقَطَعَ مِنْهُ قِيرَاطَيْنِ فَاشْتَرَى بِهِ لَحْمًا

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دینار پڑا ہوا ملا اور اس دینار سے انہوں نے آٹا خریدا۔ آٹے والے نے ان کو پہچان کر دینار واپس کر دیا پس انہوں نے وہ لے لیا اور اس میں سے دو قیراط کاٹ کر ان کا گوشت خریدا۔

تشریح حدیث: یہ حضرت علیؓ کے واقعہ کا دوسرا طریق ہے اس میں نقل کرنے والے بلال بن یحییٰ عبسی ہیں اس میں یہ اضافہ ہے کہ جس شخص سے حضرت علیؓ نے آٹا خریدا تو اس نے پہچان لیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے داماد ہیں، اس لیے اس نے مفت ہی آٹا دے دیا، البتہ اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ گوشت والے کے پاس دینار کو رہن رکھا تھا جب کہ دوسری روایت میں ہے۔

۱۷۱۶- حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ التِّنِّيسِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ يَعْقُوبَ الزَّمْعِيُّ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَخَلَ عَلَى فَاطِمَةَ وَحَسَنٌ وَحُسَيْنٌ يَبْكِيَانِ فَقَالَ: مَا يُبْكِيهِمَا، قَالَتْ: الْجُوعُ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَوَجَدَ دِينَارًا بِالسُّوقِ فَجَاءَ إِلَى فَاطِمَةَ فَأَخْبَرَهَا فَقَالَتْ: اذْهَبْ إِلَى فُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَخُذْ لَنَا دَقِيقًا، فَجَاءَ الْيَهُودِيَّ فَاشْتَرَى بِهِ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: أَنْتَ خَتَنُ هَذَا الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَخُذْ دِينَارَكَ وَلَكَ الدَّقِيقُ، فَخَرَجَ عَلِيٌّ حَتَّى جَاءَ بِهِ فَاطِمَةَ فَأَخْبَرَهَا، فَقَالَتْ: اذْهَبْ إِلَى فُلَانٍ الْجَزَّارِ فَخُذْ

۱۷۱۵- أخرجه البيهقي: ۶/ ۱۹۴، كتاب اللقطة: باب التعريف باللقطة.
۱۷۱۶- أخرجه البيهقي: ۶/ ۱۹۴، كتاب اللقطة: باب التعريف باللقطة.

لَنَا بِدِرْهَمٍ لَحْمًا، فَذَهَبَ فَرَهَنَ الدِّينَارَ بِدِرْهَمٍ لَحْمٍ فَجَاءَ بِهِ فَعَجَنَتْ وَنَصَبَتْ وَخَبَزَتْ، وَأَرْسَلَتْ إِلَى أَبِيهَا فَجَاءَهُمْ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَذْكُرُ لَكَ فَإِنْ رَأَيْتَهُ لَنَا حَلَالًا أَكَلْنَاهُ، وَأَكَلْتَ مَعَنَا مِنْ شَأْنِهِ كَذَا، وَكَذَا، فَقَالَ: كُلُوا بِاسْمِ اللَّهِ، فَأَكَلُوا فَبَيْنَمَا هُمْ مَكَانَهُمْ، إِذَا غُلَامٌ يَنْشُدُ اللَّهَ وَالْإِسْلَامَ الدِّينَارَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُعِيَ لَهُ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: سَقَطَ مِنِّي فِي السُّوقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ اذْهَبْ إِلَى الْجَزَّارِ، فَقُلْ لَهُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَكَ، أَرْسِلْ إِلَيَّ بِالدِّينَارِ، وَدِرْهَمُكَ عَلَيَّ فَأَرْسَلَ بِهِ فَدَفَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ

ترجمه: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ حسن اور حسین رو رہے ہیں۔ پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ بولیں بھوک کی وجہ سے پس حضرت علیؓ باہر نکلے تو انہوں نے بازار میں ایک دینار پڑا پایا پس وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور ان سے ماجرا بیان کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا جائیے اسے یہودی کے پاس لے جائیے اور اس سے آٹا خرید لیجئے۔ پس حضرت علیؓ یہودی کے پاس آئے اور اس سے آٹا خریدا یہودی بولا کیا تم اس شخص کے داماد ہو جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ فرمایا ہاں! تو یہودی نے کہا اپنا دینار واپس لے لو اور آٹا بھی رکھ لو۔ وہاں سے حضرت علیؓ آٹا لے کر حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور یہودی والا قصہ بیان کیا۔ حضرت فاطمہؓ بولیں، اب آپ قصائی کے پاس جائیے اور اس سے ایک درہم کا گوشت خرید لیجئے۔ تو حضرت علیؓ قصائی کے پاس گئے اور اس کے پاس دینار گروی رکھ کر ایک درہم کا گوشت لے آئے پس حضرت فاطمہؓ نے آٹا گوندھا اور کھانا تیار کیا اور اپنے والد محترم (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا بھیجا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو بولیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سارا واقعہ بیان کئے دیتی ہوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے حلال سمجھیں تو ہم بھی کھائیں اور آپ بھی ہمارے ساتھ تناول فرمائیں پھر آپؓ نے پورا قصہ تفصیل سے بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، اللہ کا نام لے کر ابھی سب لوگ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک لڑکے نے اللہ اور دین کی قسم دے کر پکارا کہ میرا دینار گم ہو گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو بلایا اور پوچھا کہاں گم ہوا تھا؟ وہ بولا بازار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ قصائی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار منگوایا ہے اور کہا ہے کہ تیرا دینار مجھ پر ہے میں دوں گا قصائی نے وہ دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو دیدیا۔

تشریح حدیث: یہ تیسرا طریق ہے لیکن اس کی سند میں موسیٰ بن یعقوب راوی متکلم فیہ ہیں، علی بن المدینی لکھتے ہیں، ضعیف الحدیث، منکر الحدیث، امام نسائی فرماتے ہیں: لیس بالقوی، البتہ یحییٰ بن معین اور ابن القطان نے ثقہ لکھا ہے۔

قولہ: "فرھن الدینار بدرھم لحم" سابقہ طریق میں تھا کہ حضرت علیؓ نے دینار میں سے دو قیراط کاٹ کر اس قصاب کو دے دیئے تھے، روایات کے اسی اختلاف کی وجہ سے امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قولہ: "ینشد اللہ والإسلامَ الدینار:: نَشَدَ فلانٌ فُلانًا الشيَ وبالشيءِ" کسی کو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ طلب کرنا، یہاں پر یہ غلام اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر سوال کر رہا تھا، "ینشد" کے بعد تینوں کلمات منصوب ہیں۔

نوٹ: امام بیہقیؒ اس حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ کیوں کہ ایک تو اس میں رواۃ بھی متکلم فیہ ہیں، دوسرے اس میں اضطراب بھی ہے کہ کسی روایت میں تلاش کرنے والا غلام ہے کسی میں عورت، پھر کسی میں ہے کہ یہ اعلان کرنے والا اسی دن آیا تھا اور کسی میں ہے کہ چند روز کے بعد آیا تھا، کسی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ دینار اس یہودی قصاب کے پاس رہن رکھ دیا تھا اور کسی میں ہے کہ اس دینار میں سے دو قیراط کاٹ کر دے دیئے تھے، واللہ اعلم

۱۷۱۷- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهِ . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ النُّعْمَانُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ أَبِي سَلَمَةَ، بِإِسْنَادِهِ، وَرَوَاهُ شَبَابَةُ، عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانُوا لَمْ يَذْكُرُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے کہ اگر لکڑی، کوڑا یا رسی یا اس کے مثل کوئی چیز پڑی پاؤ تو اس سے فائدہ اٹھاؤ (یعنی اس کو کام میں لاؤ، مالک کا انتظار نہ کرو)

ابوداؤدؒ کہ اس کو نعمان بن عبد السلام نے مغیرہ ابوسلمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور شبابہ نے اس کو بطریق مغیرہ بن مسلم بواسطہ ابوالزبیر حضرت جابر سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشائخ نبی کو ذکر نہیں کرتے۔

رجال حدیث: اس حدیث کے چار راوی: سلیمان، محمد بن شعیب، مغیرہ اور ابوالزبیر مکی، صدوق درجہ کے ہیں، بلکہ صدوق کے ساتھ ساتھ دوسری صفت "یخطی، له أوهام" وغیرہ بھی لگی ہے، جس کی وجہ سے رواۃ کے پانچویں مرتبہ میں ہیں، بایں وجہ روایت کا درجہ ضعف کا ہے۔

۱۷۱۷-اخرجہ البیہقي في السنن الکبری: ۱۲۰۹۸/۳۲۲/٦، والطبراني في المعجم الأوسط: ۹۲٦۲/۱۰۷/۹

تشریح حدیث: پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام طور پر کمتر سمجھی جانے والی چیزوں، مثلاً لاٹھی، کوڑا، رسی وغیرہ کے بارے میں یہ اجازت دے دی کہ اگر ان میں سے کسی چیز کا لقطہ ہو تو اسے اٹھانے والا جب کہ وہ خود مالدار نہ ہو بغیر تشہیر و اعلان کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لقطہ کسی کمتر مال کی صورت میں ہو تو اس کی تشہیر کی ضرورت نہیں۔

رہا یہ سوال کہ کمتر مال کی حد کیا ہے؟ تو بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ لقطہ دس درہم سے کم کی مالیت کا ہو وہ کمتر مال ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو لقطہ ایک دینار یا ایک دینار سے کم کی مالیت کا ہو وہ کمتر ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کی سابقہ حدیث سے اشارہ ملتا ہے۔

علامہ سرخسی نے المبسوط میں لکھا ہے کہ لقطہ کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس کے بارے میں یہ ظن غالب ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا، دوسرے وہ کہ جس کے بارے میں یہ ظن غالب ہو کہ اس کو اس کا مالک تلاش کرے گا، نوع اوّل کا حکم ہے کہ بغیر تعریف و اعلان کے استعمال کی اجازت ہے لیکن پھر بھی اگر مالک اس کو دیکھ لے اور مطالبہ کرے تو دینا ضروری ہوگا، اس لیے کہ اس لاقط کے لیے صرف انتفاع کی اباحت تھی نہ کہ تملیک کی، کیوں کہ تملیک مجہول تو درست نہیں ہوتی۔ اور مُبیح کی ملک اباحت سے زائل اور ختم نہیں ہوتی، البتہ جب تک مالک نہیں آیا تھا اور اس نے مطالبہ نہیں کیا تھا اس وقت تک اس لاقط کے لیے انتفاع کی اجازت تھی، مگر جب مالک آگیا تو پھر دوسری حدیث: "مَنْ وَجَدَ عينَ مالِهِ فهو أحق به" کی وجہ سے اصل اس کو لے لے گا۔

اور نوع ثانی کا حکم یہ ہے کہ تعریف و اعلان بھی کیا جائے گا اور ایک سال تک انتظار بھی ہوگا، اور فی الوقت اس کا استعمال بھی درست نہ ہوگا۔ (ملخص از بذل المجہود: ۶/۶۱۱)

قوله: "قال أبوداؤد رواه النعمان" مؤلفؒ کی غرض اس سند میں رواۃ کے اختلاف کو بیان کرنا ہے اور یہ اختلاف دو جگہ ہے، ایک تو راوی کے نام کے سلسلے میں اور دوسرے روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں، راوی کے نام کے بارے میں تو یہ اختلاف ہے کہ محمد بن شعیب نے ابوالزبیر سے نقل کرنے والے راوی کا نام مغیرہ بن زیاد بیان کیا، جب کہ نعمان بن عبدالسلام نے ابوالزبیر سے نقل کرنے والے راوی کا نام مغیرہ بن مسلم ابوسلمہ بیان کیا۔

دوسرا اختلاف روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ہے وہ یہ کہ محمد بن شعیب اور نعمان بن عبدالسلام نے اس کو حضرت جابرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور شبابہ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ پر موقوف رکھا ہے، جیسا کہ اخیر "قال: كانوا لم يذكروا النبي ﷺ" سے شبابہ بیان کر رہے ہیں کہ مشائخ حضرت جابرؓ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔

۱۷۱۸- حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، أَحْسَبُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ضَالَّةُ الْإِبِلِ الْمَكْتُومَةُ غَرَامَتُهَا وَمِثْلُهَا مَعَهَا

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی بھولے بھٹکے اونٹ کو چھپادے اور مالک کو پتہ نہ دے تو اس کو دو چند جرمانہ ادا کرے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں اس گمشدہ اونٹ کا حکم بیان کیا گیا ہے جس کو لاقط پکڑ کر چھپالیتا ہے تعریف نہیں کرتا، اور حکم یہ بیان کیا کہ اس پر دو چند جرمانہ ہوگا، فقہاء میں سے امام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں، جمہور کے نزدیک یہ حدیث زجر وتوبیخ پر محمول ہے یا اس بات پر کہ یہ حکم شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ (عون المعبود: ۵/ ۹۷)

۱۷۱۹- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ . قَالَ أَحْمَدُ: قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِي فِي لُقَطَةِ الْحَاجِّ يَتْرُكُهَا حَتَّى يَجِدَهَا صَاحِبُهَا، قَالَ ابْنُ مَوْهَبٍ، عَنْ عَمْرٍو

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن عثمان التیمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاجیوں کو گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا ہے احمد بن صالح نے ابن وہب سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ وہ اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے اور ابن وہب نے کہا عن عمرو (بخلاف احمد بن صالح کے کہ انہوں نے کہا، اخبرنی عمرو)

تشریح حدیث: رسول اللہ ﷺ نے حاجیوں کے لقطہ سے منع فرمایا ہے، اس کی حکمت کے تعلق سے حضرات شراح نے لکھا ہے کہ اس لقطہ کو اس کے مالک تک پہنچانا بہت مشکل ہے، خبر نہیں کس مسافر کا ہوگا، دنیا بھر کے لوگ وہاں آتے ہیں، آدمی اس کے مالک کو وہاں کس طرح تلاش کرے گا، ممکن ہے کہ آدمی یہاں کے لقطہ کو بغیر تعریف ہی کے اپنے پاس رکھ لے، اس لیے آپ ﷺ نے یہاں کے لقطہ سے منع فرمایا۔

ورنہ جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے تو پھر لقطۃ الحل والحرم میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں قسم کے لقطہ کی تعریف ایک سال تک ضروری ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں وضاحت کے ساتھ ہے: "ولا تحل لقطتها إلا لمعرِّفٍ" کہ لقطہ

۱۷۱۸- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ٦/ ٣١٦/ ١٢٠٧٧، والطبراني في المعجم الأوسط: ١/ ٦٨/ ١٩٠.

۱۷۱۹- أخرجه مسلم: رقم/ ١٧٢٤، في اللقطة، باب في لقطة الحاج.

حرم بھی تعریف کرنے والے کے لیے اٹھانا جائز ہے۔

البتہ علامہ کاسانیؒ نے بدائع میں لکھا ہے کہ حضرات شوافع کے یہاں لقطۃ الحاج یعنی لقطۃ الحرم کی تعریف ایک سال تک نہ ہوگی، بلکہ ہمیشہ اس کی تعریف کی جائے گی اور کبھی بھی لاقط کے لیے اس سے انتفاع درست نہ ہوگا۔ اور حضرات شوافع کا استدلال حدیث باب سے ہے، لیکن احناف یہی فرماتے ہیں کہ حل وحرم کے لقطہ میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ شروع باب کی تمام روایات میں حل وحرم کا کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ کہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حرم کے لقطہ کے بارے میں مذکورہ ارشاد محض اس لیے فرمایا تھا کہ عامۃ آدمی یہ سوچ کر تعریف نہیں کر پائے گا کہ یہاں تو ساری دنیا کے لوگ ہیں، مالک کو اطلاع دینا مشکل ہے، خود ہی بغیر تعریف کے استعمال کرلوں، حالاں کہ یہ درست نہیں ہے، تعریف تو ہر حال میں ضروری ہے۔ (ملخص بذل المجهود: ٦/ ٦١٥)

قوله: "قال أحمد: قال ابن وهب الخ" مصنفؒ کے اس سند میں دو استاذ ہیں، ایک یزید بن خالد بن موہب، دوسرے احمد بن صالح، اب مصنفؒ ان دونوں اساتذہ کے اختلاف کو بیان کر رہے ہیں، اور اختلاف دو جگہ ہے، ایک متن میں دوسرے سند میں متن کا اختلاف یہ ہے کہ احمد بن صالح نے اپنے استاذ ابن وہب سے جب یہ متن نقل کیا ہے تو الفاظ اس طرح نقل کیے: "أن رسول الله ﷺ نهي عن لقطة الحاج يتركها حتى يجدها صاحبها" جب کہ یزید بن خالد بن موہب کی روایت میں صرف: "نهى عن لقطة الحاج" ہے۔

اور سند کا اختلاف یہ ہے کہ احمد بن صالح نے اپنے استاذ ابن وہب سے نقل کرتے ہوئے: "أخبرني عمرو" کہا اور یزید بن خالد نے بصیغۂ عن نقل کیا اور کہا "عن عمرو" یعنی احمد بن صالح کی سند میں بصیغۂ اخبار ہے اور یزید بن خالد کی روایت میں بصیغۂ عن ہے؛ غایت اہتمام کی بناء پر مصنفؒ اس طرح کے فرق کو بیان فرما دیتے ہیں۔ (ملخص بذل المجهود: ٦/ ٦١٤)

۱۷۲۰- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ جَرِيرٍ بِالْبَوَازِيجِ فَجَاءَ الرَّاعِي بِالْبَقَرِ وَفِيهَا بَقَرَةٌ لَيْسَتْ مِنْهَا فَقَالَ لَهُ جَرِيرٌ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: لَحِقَتْ بِالْبَقَرِ لا نَدْرِي لِمَنْ هِيَ، فَقَالَ جَرِيرٌ: أَخْرِجُوهَا، فَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَأْوِي الضَّالَّةَ إِلَّا ضَالٌّ

ترجمه: حضرت منذر بن جریرؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت جریر بن عبداللہ کے ساتھ بوازیج میں تھا اتنے میں چرواہا گائیں لے کر آیا ان میں ایک گائے اور تھی جو ان میں کی نہ تھی حضرت جریرؓ نے چرواہا سے پوچھا یہ گائے کس کی ہے؟ چرواہے نے کہا مجھے نہیں معلوم کس کی ہے یہ ہماری گایوں کے ساتھ چلی آئی ہے حضرت جریر نے کہا اس کو نکالو میں

۱۷۲۰- تخريجه أحمد (٤/ ٣٦٠) وابن ماجة (٢٥٠٣)، والنسائي في الكبرى تحفة الأشراف (٣٢٢٣)

نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے بھولے بھٹکے جانور کو وہی اپنے پاس رکھتا ہے جو خود گم کردہ راہ ہو۔

رجال حدیث: ابوحیان: یہ یحییٰ بن سعید بن حیان تیمی کوفی ہیں، اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں لیکن ہمارے ہندوستانی نسخہ میں یہاں "عن ابن أبي حيان" لکھا ہے، بظاہر یہ کسی ناسخ کی غلطی ہے، صحیح ابوحیان ہی ہے، کیوں کہ خالد الطحان کے شیوخ میں ابن ابی حیان کا کوئی ذکر نہیں ہے؛ بلکہ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس کی سند میں بھی "ابوحیان" ہی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "البوازيج": بفتح الباء والواو، وكسر الراء وسكون الياء اور اخیر میں جیم ہے، یہ تکریت کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ١/ ٥٠٣)

قوله: "لا يأوي الضالة إلاّ ضالّ" یعنی گم شدہ اونٹ کو بغیر تعریف کے اپنے مال میں وہی ملا کر رکھتا ہے جو خود راہ سے بھٹکا ہوا ہو، اس لیے اس کو ہمارے جانوروں (اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) سے الگ کردو، یہ حضرت جریرؓ کی غایت احتیاط کی بات ہے کہ انھوں نے گم شدہ اونٹ کو اپنے جانوروں کے ساتھ رکھنا بھی پسند نہیں کیا۔

اس حدیث کے تحت مسلم شریف میں "مالم يعرفها" کی قید بھی مذکور ہے، اونٹ کے لقطہ کے شرعی حکم ماقبل میں گزر چکا ہے۔

خلاصة الباب:

اس باب میں مصنفؒ نے گیارہ صحابہ کرامؓ کی روایات کو کل بیس سندوں سے بیان فرمایا ہے، اور ان تمام روایات کا تعلق مالِ لقطہ کے حکم سے ہے، جنکی تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کردی گئی، ہمارے ہندوستانی نسخہ میں ایک جگہ "آخر كتاب الزكاة" لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ کا حکم اپنے انجام کے اعتبار سے وہی ہے جو کہ مالِ زکوٰۃ کا ہے، اسی وجہ سے مصنفؒ نے یہاں پر اس کو نقل فرمایا ہے۔

الحمدللہ آج مورخہ ١٩/ ربیع الثانی ١٤٣٩ھ مطابق ٧/ جنوری ٢٠١٨ء بروز اتوار بعد نماز مغرب کتاب الزکوۃ کی تشریح کا کام مکمل ہوا اور یہ السمح المحمود في حل سنن أبي داود کی ساتویں جلد چل رہی ہے، اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے اس شرح کی تکمیل فرمائے اور میرے اور میرے والدین کے لیے ذریعہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العلمین

عبد الرزاق امروہوی
استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

١٩/ ربیع الثانی ١٤٣٩ھ

۱۱۔ كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

ماقبل میں مصنفؒ نے مسائل زکوٰۃ کوتفصیل کے ساتھ قلم بند فرمایا تھا، اب مسائل حج کو بیان فرمارہے ہیں، کتاب الزکوٰۃ کے بعد کتاب الحج کولانے میں حکمت یہ ہے کہ چوں کہ عبادات تین قسم کی ہیں:

(۱) عبادات بدنیہ محضہ جیسے نماز

(۲) عباداتِ مالیہ محضہ جیسے زکوٰۃ

(۳) عبادات مشترکہ جیسے حج

پس حضرت امام ابوداوٗدؒ نے اولاً عبادات بدنیہ کو، پھر عباداتِ مالیہ کو اور اب عباداتِ مشترکہ یعنی حج کو بیان فرمارہے ہیں، اور صوم بھی اگر چہ عبادات بدنیہ محضہ میں سے ہے، اس لیے اس کو زکوٰۃ سے بھی مقدم ہونا چاہیے تھا، لیکن چوں کہ صوم کا تعلق تروک سے ہے یعنی اس کی تعریف چند اشیاء کے چھوڑنے پر مشتمل ہے اس لیے اس کو مؤخر کردیا ہے، جب کہ صلاۃ، زکوٰۃ اور حج سب کا تعلق وجود اور فعل سے ہے اس لیے ان کو صوم پر مقدم کردیا ہے۔

اس کتاب المناسک کے تحت حضرت مصنفؒ نے کل (۹۸) اٹھانوے ابواب قائم کیے ہیں، ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ ان ابواب اور ان کے تحت مذکور روایات کی تشریح پیش کرنے سے پہلے حج سے متعلق ضروری اور بنیادی باتیں نقل کردیں تاکہ مسائل حج کے سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوسکیں۔

تمہید:

مسلمان ہر سال اسلامی مہینے ذوالحجہ کی ۸ سے ۱۳ تاریخ کو سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر وہاں جو مخصوص عبادت انجام دیتے ہیں، اس مجموعہ عبادات کو اسلامی اصطلاح میں حج اور ان انجام دی جانے والی عبادات کو مناسک حج کہتے ہیں۔

دین اسلام میں حج ہر صاحب استطاعت بالغ مسلمان پر زندگی بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے، جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے: "وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾" [الحج:۲۷]۔ حج اسلام کے 5 ارکان میں سب سے آخری رکن ہے، جیسا کہ محمد ﷺ کی حدیث ہے: اسلام کی بنیاد پانچ

ستونوں پر ہے، لا اله الا الله محمد رسول الله کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔ [صحیح بخاری، حدیث/ ٨]

مناسک حج کی ابتدا ہر سال ٨ ذوالحجہ سے ہوتی ہے، حاجی متعین میقات حج سے احرام باندھ کر کعبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوتے ہیں، وہاں پہونچ کر طواف قدوم کرتے ہیں، پھر منی روانہ ہوتے ہیں اور وہاں یوم الترویہ گزار کر عرفات آتے ہیں، اور یہاں ایک دن کا وقوف ہوتا ہے، اسی دن کو یوم عرفہ، یوم سعی، عید قربانی، یوم حلق وقصر وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حجاج رمی جمار (کنکریاں پھینکنے) کے لیے جمرہ عقبہ جاتے ہیں، بعدازاں مکہ واپس آ کر طواف افاضہ کرتے ہیں اور پھر واپس منی جا کر ایام تشریق گذارتے ہیں۔ اس کے بعد حجاج دوبارہ مکہ واپس آ کر طواف وداع کرتے ہیں، اور یوں حج کے جملہ مناسک مکمل ہوتے ہیں، حج کی عبادت اسلام سے قبل بھی موجود تھی، [فرضیت حج مناسک حج قدم بقدم، اخذ کردہ بتاریخ ٢٨ / ستمبر ٢٠٠٩ء]۔

مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ حج گذشتہ امتوں پر بھی فرض تھا، جیسے ملت حنیفیہ (حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے پیروکاروں) کے متعلق قرآن میں ذکر ہے: " وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾ " [الحج: ٢٦]۔ حضرت ابراہیم اور ان کے بعد بھی لوگ حج کیا کرتے تھے، البتہ جب جزیرہ نما عرب میں عمرو بن لحی کے ذریعہ بت پرستی کا آغاز ہوا تو لوگوں نے مناسک حج میں حذف واضافہ کر لیا تھا۔ [عمرو بن لحی کے حالات اور عرب کے بتوں کا ذکر وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد السعودية، اخذ کردہ بتاریخ ٢٨ ستمبر ٢٠٠٩ء]

ہجرت کے نویں سال حج فرض ہوا، حضرت محمد ﷺ نے سنہ ١٠ھ میں واحد حج کیا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس حج میں حج کے تمام مناسک کو درست طور پر کر کے دکھایا اور اعلان کیا کہ: خذوا عني مناسككم ترجمہ: اپنے مناسک حج مجھ سے لے لو۔ نیز اسی حج کے دوران اپنا مشہور خطبہ حجۃ الوداع بھی دیا اور اس میں دین اسلام کی جملہ اساسیات وقواعد اور اس کی تکمیل کا اعلان کیا۔

زندگی میں ایک بار صاحب استطاعت پر حج فرض ہے، اور اس کے بعد جتنے بھی حج کیے جائیں گے ان کا شمار نفل حج میں ہوگا: ابوہریرہ نے محمد ﷺ سے نقل کیا ہے: لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، چناں چہ حج ادا کرو، صحابہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا ہر مسلمان پر ہر سال حج فرض ہے؟ تو محمد ﷺ خاموش ہو گئے، دوبارہ سہ بارہ یہی سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واقعی فرض ہو جاتا، اور ایسا تم لوگ نہیں کر پاتے، پھر کہا جتنا میں کہوں اتنا سنو، اس سے آگے نہ پوچھو۔

تاریخ حج:

آغاز حج کی تاریخ بعثت محمدی سے ہزاروں سال قبل ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ملتی ہے۔ اسلامی روایات کے مطابق، جب ابراہیم علیہ السلام صحراء شام میں آئے تو ان کے ہاں باندی ہاجرہ سے ایک لڑکا اسماعیل ہوا، یہ دیکھ کر ان کی بیوی سارہ انتہائی غمزدہ ہوگئیں، کیونکہ ان کے یہاں کوئی اولاد نرینہ موجود نہیں تھی، اور سارہ حضرت ابراہیم کو ان کی باندی کے حوالہ سے تنگ کرنے لگیں۔ [تفسیر مجمع البیان، دار المعرفۃ بیروت-لبنان، جلد اول، ص ۳۹۰۰]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ معاملہ بارگاہ الٰہی میں پیش کیا، وہاں سے حکم ہوا کہ ہاجرہ اور اسماعیل کو دوسرے مقام پر منتقل کردیں، حضرت ابراہیم نے دریافت کیا: انہیں کس جگہ لے کر جاؤں؟ ارشاد ہوا: مکہ! میرا حرم، جسے میں نے زمین میں سب سے پہلے تخلیق کیا تھا۔ بعد ازاں حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر حاضر ہوئے، اور اس پر تینوں (ابراہیم، ہاجرہ و اسماعیل) کو سوار کر کے روانہ ہوگئے۔ حضرت ابراہیم جس سرسبز و شاداب خطہ سے گذرتے تو کہتے، جبریل! یہی جگہ ہے، لیکن جبریل کہتے، نہیں! ابھی اور آگے چلیں۔ مقام کعبہ پر پہونچ کر ہاجرہ اور اسماعیل کو اتار دیا، وہاں اترنے کے بعد ان لوگوں کو ایک درخت نظر آیا، جس پر ہاجرہ علیہا السلام نے ایک چادر ڈال کر سائبان سا بنالیا۔ چونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی زوجہ سارہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ محض ان لوگوں کو چھوڑ کر واپس آجائیں گے، لہذا انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو ہاجرہ نے کہا: آپ ہمیں ایسی جگہ چھوڑ کر کیوں جارہے ہیں جہاں کوئی مونس ہے، نہ پانی اور کھیتی؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ میرے رب کا حکم ہے، اور روانہ ہوتے ہوئے جب ذی طوی کے ایک پہاڑ پر پہونچے تو ان کی طرف منہ کر کے دعا کی: رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ، ابراہیم واپس چلے گئے اور ہاجرہ و اسماعیل علیہما السلام اس بے آب و گیاہ زمین میں ٹھہر گئے۔

جب دوپہر ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی، چناں چہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں نکلیں۔ اور مقام سعی پر پہونچ کر آواز لگائی: اس وادی میں کوئی مونس ہے؟ اسی وقت اسماعیل ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تو وہ فوراً صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں، تو انھیں وادی کے اندر پانی کا سراب نظر آیا، چناں چہ وہ دوڑتی ہوئی وادی میں اتریں، اور مروہ تک پہونچ گئیں لیکن پانی نہیں ملا اور اسماعیل بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ پھر انھیں صفا پہاڑی کی جانب سراب نظر آیا، تو پانی کی تلاش میں پھر وادی میں اتریں، لیکن جب اسماعیل نظر نہ آئے تو واپس صفا پہاڑ پر چڑھیں؛ اس طرح ہاجرہ علیہا

السلام نے سات چکر لگائے، ساتویں چکر میں جب وہ مروہ پہاڑی پر تھیں تو انھیں اسماعیل کے قدموں کے نیچے پانی بہتا ہوا نظر آیا، وہ واپس ہوئیں اور چشمہ آب کے اردگرد مٹی جمع کر کے بہتے پانی کو روکا، اسی لیے اس پانی کا نام زمزم پڑ گیا۔[17] اس وقت قبیلہ جرہم ذوالحجاز اور عرفات میں فروکش تھا، مکہ میں پانی نکلنے کے بعد یہاں چرند پرند آنے جانے لگے، چناں چہ جرہم نے ان پرندوں کا تعاقب کیا اور بالآخر وہ ایک عورت اور بچے کے پاس پہونچے جو ایک درخت کے نیچے فروکش تھے اور پانی ان کے پاس سے بہہ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر قبیلہ جرہم کے سردار نے کہا: تم کون ہو؟ اور یہاں اس بچے کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟، حضرت ہاجرہ نے کہا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند کی ماں ہوں، یہ انہی کا بیٹا ہے، اور اللہ نے ہمیں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہم لوگ آپ کے قریب یہاں پڑاؤ کر سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں ابراہیم سے پوچھ لیتی ہوں۔ تیسرے دن جب ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو ہاجرہ نے واقعہ سنایا، حضرت ابراہیم نے قبیلہ جرہم کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔[17] چناں چہ پورا قبیلہ یہیں فروکش ہوگیا، ہاجرہ اور اسماعیل ان لوگوں سے خوب مانوس ہو گئے۔ جب ابراہیم دوسری بار آئے اور اتنے سارے افراد کو دیکھا تو انتہائی خوش ہوئے۔

حضرات ہاجرہ و اسماعیل علیہما السلام قبیلہ جرہم کے ساتھ ہی گذر بسر کرتے رہے، جب اسماعیل سِن شعور کو پہونچ گئے۔ تو اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا، کعبہ کی تعمیر اسی جگہ کرنا تھا جہاں آدم علیہ السلام پر قبہ نازل ہوا تھا، لیکن حضرت ابراہیم کو یہ علم نہیں تھا کہ کعبہ کس جگہ تعمیر کرنا ہے، کیونکہ مذکورہ قبہ طوفان نوح کے وقت اللہ نے اٹھالیا تھا۔

لہذا اللہ تعالی نے جبریل کو بھیجا، وہ آئے اور حضرت ابراہیم کو مطلوبہ جگہ کی نشاندہی کی۔ بنیادیں جنت سے اتاری گئیں، اور ان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا، تعمیر کے لیے حضرت اسماعیل ذی طوی سے پتھر لاتے تھے۔[۲۰] اس کے بعد مقام حجر اسود کی نشاندہی کی گئی، چناں چہ وہاں سے حجر اسود کو نکال کر اسے اصل جگہ پر رکھا، اس تعمیر میں کعبہ کے دو دروازے رکھے گئے، ایک مشرق کی سمت اور دوسرا مغرب کی جانب، اس مغربی دروازہ کا نام مستجار رکھا۔ پھر اس پر اذخر کی پتیاں وغیرہ ڈالیں، اور ہاجرہ علیہا السلام نے کعبہ کے دروازہ پر ایک چادر لٹکادی۔ کعبہ کی تعمیر سے فراغت پر حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے حج کیا، آٹھ ذوالحجہ یوم الترویہ کو جبریل ان کے پاس آئے اور کہا: ابراہیم! پانی یہاں سے بھر لو، چونکہ منیٰ اور عرفات میں پانی نہیں تھا اس لیے پانی یہیں سے لے جاتے تھے، اور اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم الترویہ پڑ گیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے مکمل فارغ ہو گئے تو دعا کی: اے اللہ! اس شہر کو پرامن بنادے اور یہاں کے باشندگان میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں، انھیں پھلوں سے روزی دے۔

چناں چہ ابراہیم و اسماعیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اہل ایمان ہر سال کعبہ کا حج کرتے

تھے، اور حج کی یہ عبادت اس وقت تک جاری رہی جب تک اہل عرب میں بت پرستی نہیں پھیلی تھی۔ پھر سردار مکہ عمرو بن لحی خزاعی کے زمانے میں جب بت پرستی کا رواج ہونے لگا، تو مناسک حج میں حذف و اضافہ ہونے لگا اور عبادت حج حنفی طرز پر نہیں رہی۔[تاریخ العرب قبل الإسلام بیروت لبنان: دار النفائس، صفحہ ۲۳۶]

بعد ازاں عرب معاشرہ میں بت پرستی کے اثرات گہرے ہونے لگے تو وہ لوگ کعبہ کے اردگرد خود تراشیدہ بتوں اور اپنے معبودوں کے مجسمے نصب کرنے لگے، اور مکہ کے بعض قبائل موسم حج میں تجارت بھی کرنے لگے، نیز بلا لحاظ مسلک و مذہب تمام قبائل کو حج بیت اللہ کی پوری اجازت دے دی گئی۔ تاہم بت پرستی پھیل جانے کے بعد بھی بعض افراد دین حنیف اور مسیحیت پر قائم تھے، ایسے افراد بھی حج کے لیے آیا کرتے تھے،[Jerusalem,Armstrong : One City, Three Faiths, p. 221.]

پھر بعثت محمدی کے ۹ یا ۱۰ سال بعد مسلمانوں پر بھی حج فرض ہو گیا، جیسا کہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے: اور جنھیں استطاعت میسر ہے، ان پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے تاہم مسلمانوں نے ۶۳۱ھ تک حج نہیں کیا، ۶۳۱ھ میں جب محمد ﷺ نے مکہ فتح کیا تو مسجد حرام میں موجود تمام بتوں اور مجسموں کو ہٹا دیا اور اس کے بعد تمام مسلمانوں نے حج کے جملہ مناسک ادا کیے، اس دن سے حج کی یہ عبادت مستقل جاری ہے۔

فضیلت و اہمیت

حج کی فضیلت میں سے پہلے اسے اسلام کے پانچ ستونوں (ارکان) میں سے ایک قرار دینا ہے، نیز محمد ﷺ سے حج کی فضیلت و اہمیت پر بہت سی احادیث مروی ہیں، جن میں مناسک حج ادا کرنے کے فضائل اور حاجی کو ملنے والے ثواب و انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو کہا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر دریافت کیا گیا کہ: اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو کہا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر دریافت کیا گیا کہ: اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو کہا: مقبول حج۔[صحیح بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور: ۱/ ۵۱۲]

بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور فسق اور فحش کلام سے بچا تو وہ ایسا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔[صحیح بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث/۱۵۲۱ جلد اوّل، صفحہ ۵۱۲]

صحیح مسلم میں ابن خزیمہ اور عمرو بن العاص سے روایات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حج ان گناہوں کو دفع کر دیتا ہے جو اس سے قبل ہو چکے ہوں۔ [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم فیہ... حدیث/ ۲۱۲، جلد اوّل صفحہ ۷۴]

فرضیت حج:

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن حج بھی ہے، ان ارکان کو اسلام کے پانچ ستون بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن و سنت اور تاریخ اور مسلمانوں کا ہمیشہ سے حج پر عمل کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نماز، روزہ اور زکوۃ کے جیسی اہم عبادت ہے۔ قرآن میں "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط" (قرآن: سورۃ آل عمران: ۹۷)
ترجمہ: خدا کے لیے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہے۔

فرضیت کی شرائط:

حج فرض ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں جب تک وہ سب نا پائی جائیں حج فرض نہیں ہوتا۔ [مفتی محمد امجد علی اعظمی، بہار شریعت، جلد اوّل، حصہ ۲، صفحہ ۱۰۳۶ المکتبۃ المدینہ، کراچی]

اسلام:

حج صرف مسلمان ہی کر سکتا ہے، اگر استطاعت تھی مگر مسلمان نے حج نا کیا، پھر فقیر ہو گیا، تب بھی اس پر حج کا فرض باقی رہے گا۔ [اللدرالمختارو رد المختار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام، جلد سوم، صفحہ ۵۱۲]

دارالحرب:

اگر دارالحرب میں ہو، اور باقی شرائط پوری ہوں اور اسے اس بات کا علم ہو کہ حج اسلام میں ایک فرض ہے، تو اس پر تب ہی حج فرض ہوگا، اگر اس تک اسلام کی یہ تعلیم نا پہنچ سکی تھی، تو حج فرض نہیں۔ [فتاوی ہندیہ، کتاب المناسک باب اول، تفسیر الحج وفرضیہ، جلد اوّل، صفحہ ۲۱۷]

بلوغت:

حج صرف بالغ پر فرض ہوتا ہے، نابالغ اگر صاحب مال ہے تب بھی بالغ ہونے پر ہی حج فرض ہوگا، اگر بلوغت سے قبل حج کر بھی لیا تو اس کا حج صحیح ہے مگر یہ نفلی حج گنا جائے گا، لیکن بالغ ہونے کے بعد اسے فرض حج ادا کرنا ہوتا ہے۔

عقل: صرف عاقل پر ہی حج فرض ہوتا ہے، مجنون پر نہیں۔

آزاد: غلام یا باندی پر حج فرض نہیں، اور اگر وہ حج کرے تو اسے نفلی حج گنا جائے گا، اگر مالک نے آزاد کر دیا اب اگر اس کے پاس حج کی جملہ شرائط پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہو جائے گا (کیونکہ اب وہ آزاد ہے)۔[الدر المختار ورد المحتار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام، جلد سوم، صفحہ ۵۲۱]

بدنی استطاعت:

بدن سلامت ہو، نابینا، اپاہج، فالج زدہ یا ایسا بوڑھا جو خود سے چل نا سکتا ہو، سواری پر خود سے بیٹھ نا سکتا ہو، اس پر حج فرض نہیں۔ اگر تندرستی کی حالت میں حج فرض تھا، مگر ادا نا کیا، بعد میں بدنی استطاعت ختم ہوئی، تب بھی حج کا فرض باقی ہے، اب اس کی طرف سے حج بدل کیا جائے گا۔

مالی استطاعت:

ذاتی طور پر اتنا مال دار ہو کہ آنے اور جانے کے اخراجات پورے کر سکے، اور یہ مال اس کی عام ضرورت سے زائد ہو۔[الدرالمختار و رد المختار، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام، جلد سوم، صفحہ ۵۲۱]

وقت: اوپر مندرج شرائط حج کے مہینوں میں پوری ہوں تب ہی حج فرض ہوگا۔ اگر حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے غریب ہو گیا، مر گیا، اپاہج ہو گیا تو اس پر حج فرض نا رہا۔

اگر مرنے سے پہلے مرتد ہوا، پھر اسلام قبول کیا، تو شرائط پوری ہونے پر حج فرض ہو جائے گا، دوران حج ایسی غلطی کی، جس سے حج فاسد ہو گیا، تو اب بھی حج فرض ہے۔ دوبارہ درست طریقہ سے ادا کرنا ہوگا۔

اقسام حج

حج کی تین اقسام ہیں: (۱) حج تمتع (۲) حج قران (۳) حج افراد۔

(۱) حج قران:

حج قِران (قاف کے نیچے زیر) میں لبیک بحج و عمرۃ کہہ کر عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے، پھر مکہ پہونچ کر طواف قدوم کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد حلق یا قصر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حجاج کو بدستور احرام ہی میں رہنا ہوگا، پھر دسویں، گیارہویں یا بارہویں ذوالحجہ کو قربانی کرنے کے بعد حلق یا قصر کر کے احرام کھول سکتے ہیں۔ نیز حج قران کرنے

والے حجاج عمرہ کے لیے دوبارہ طواف وسعی نہیں کریں گے بلکہ حج کا طواف وسعی کافی ہوگی، جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ محمد ﷺ نے عائشہ بنت ابی بکر سے کہا: تمہارا کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی حج وعمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔احناف کے نزدیک حج قِران سب سے افضل حج ہے۔قران کرنے والا حاجی قارِن کہلاتا ہے۔

(۲) حج تمتع:

یہ حج محض آفاقی (حدود میقات سے باہر رہنے والے) ادا کر سکتے ہیں۔اس میں حجاج ماہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں عمرہ کی نیت کرتے ہیں، پھر میقات سے لبیک بعمرہ کہہ کر احرام باندھ لیتے ہیں اور مکہ روانہ ہوجاتے ہیں۔پھر ایام حج یعنی ۸ ذوالحجہ (یا اس سے قبل) احرام پہنتے ہیں، پھر حج کے تمام مناسک وقوف عرفہ، طواف افاضہ اور سعی وغیرہ مکمل کرتے ہیں۔جو یہ حج کرے وہ حاجی متمتع کہلاتا ہے۔حج تمتع حنابلہ اور شیعہ کے نزدیک سب سے افضل حج ہے، حج تمتع درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک ہی سال کے ماہ حج نیز ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج ادا کرے۔

(۳) حج افراد:

اس حج میں عمرہ شامل نہیں ہے، عازمین حج اس میں لبیک بحج کہہ کر صرف حج کا احرام باندھتے ہیں، پھر مکہ پہونچ کر طواف قدوم کیا جاتا ہے اور حج کے وقت تک حجاج حالت اِحرام ہی میں رہتے ہیں، پھر وہ حج کے جملہ مناسک مکمل کرنے کے بعد ہی احرام کھولتے ہیں۔اہل مکہ اور حل یعنی میقات اور حدود حرم کے درمیان رہنے والے باشندے (حلی) عموماً حج اِفراد کرتے ہیں (دوسرے ملک سے آنے والے عازمین (آفاقی) بھی حج افراد کر سکتے ہیں)۔حج افراد شافعیہ اور مالکیہ کے یہاں سب سے افضل حج شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اِفراد ہی کیا تھا۔حج افراد کرنے والے حاجی کو مُفرِد کہتے ہیں۔

مواقیت حج

مواقیت حج کی دو اقسام ہیں: زمانی اور مکانی،

زمانی میں حج کے مہینے شامل ہیں، حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ، مناسک حج ذوالحجہ کی 8 سے 12 تاریخوں تک ہی ادا کیے جاتے ہیں۔

مواقیت مکانی جنہیں محمد ﷺ نے حج وعمرہ کرنے والوں کو احرام پہننے کے لیے متعین کیا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

ذوالحلیفہ:

مدینہ سے آنے والوں حاجیوں کے لیے، یہ اب بئرعلی یا آبارعلی کہلاتا ہے۔ یہ میقات مکہ مکرمہ سے سب سے زیادہ دور واقع ہے۔ [تفسیر آیت کتاب احکام القرآن ابن العربی]

جحفہ:

شام، مصر اور افریقہ کو چک سے آنے والوں کے لیے۔ آج کل یہ مقام ختم ہو چکا ہے، چناں چہ اس مقام سے قریب شہر رابغ واقع ہے اور اب یہی شہر اس میقات کا متبادل ہے۔

قرن المنازل:

نجد اور خلیج فارس کے ممالک سے آنے والوں کے لیے۔ یہ مکہ سے تقریباً 74 کلومیٹر دور ہے۔

یلملم:

یمن سے آنے والوں کے لیے، اس میقات کا نام تہامہ میں واقع یلملم نامی پہاڑ کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ [مواقیت احرام موقع الشیخ عبدالعزیز بن باز، اخذ کردہ بتاریخ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۹ء]

ذات عرق:

عراق سے آنے والوں کے لیے۔ اس میقات کی تعیین دورِ نبوی کے بجائے عمر بن خطاب کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

میقات اہل مکہ:

اہل مکہ اپنے گھر یا مسجد حرام ہی سے احرام باندھ سکتے ہیں، البتہ عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے انھیں حدود حرم سے باہر تنعیم یا عرفہ جانا ہوگا۔

وادی محرم:

وہ میقات جہاں سے ان حجاج یا معتمرین کو احرام باندھنا ہوتا ہے جو طائف اور ہدا کے مشرق سے گذرتے ہیں۔ یہ عموماً اہل نجد ہوتے ہیں، جو جبل کرا سے مکہ مکرمہ آتے ہیں۔ [مرکز الفتوی - حکم من أتی من مطار القاهرة إلی الطائف وأحرم من میقات وادی محرم بطریق الهدی - إسلام ویب - الفتوی رقم: ۱۸۸۶۶۳]

تنعیم: مکہ کی ایک مسجد جو اہل مکہ کے لیے میقات سمجھی جاتی ہے۔

مسجد جعرانہ:

مکہ کی ایک مسجد جو جعرانہ میں واقع ہے، یہاں سے اہل مکہ عمرہ کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے شمال مشرقی جانب سے یہ حرم مکی کی حد ہے۔

ابراھیم مرسیا: بھارت و پاکستان وغیرہ سے سمندری راستے سے آنے والوں کے لیے۔

احرام:

احرام (الف کے نیچے زیر) ارکان حج میں سب سے پہلا رکن ہے، حج یا عمرہ کی نیت سے حدود میقات میں داخل ہونے سے قبل یا مقام میقات پر صرف دو چادروں سے جسم کو ڈھانپ لینا احرام اور احرام باندھنے والے افراد مُحرِم کہلاتے ہیں۔ احرام کے بغیر میقات کی حد پار کرنے پر دم واجب ہو جاتا ہے۔ دم سے مراد ایک بکری ذبح کرنا، یا تین دن کے روزے رکھنا یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ مقام میقات پر احرام پہننے سے قبل ناخن تراشنا، زیر ناف بال کاٹنا اور غسل کرنا مستحب ہے۔
خواتین کے لیے عام شرعی لباس ہی احرام ہوگا، البتہ وہ دستانے اور نقاب نہیں استعمال کر سکتیں، [۴۸] مرد و عورت دونوں پر دوران حج چہرہ کھلا رکھنا واجب ہے۔ احرام باندھ لینے کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حج و عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔

ممنوعات احرام

احرام باندھ لینے کے بعد مُحرم پر کئی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، جیسے سلا ہوا کپڑا (مرد) نہیں پہن سکتا، سر پر ٹوپی، عمامہ، یا رومال نہیں رکھ سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا۔ اپنی بیوی کو بوسہ دینا یا جماع کرنا، جنگلی جانور کا شکار کرنا، اس میں مدد کرنا یا جنگلی جانور کا گوشت یا انڈے خرید کر کھانا۔ اپنے یا کسی دوسرے کے ناخن یا سر کے بال کاٹنا، اپنے زیر ناف بال کاٹنا، مہندی یا خضاب لگانا وغیرہ، یہ سارے کام محرم پر حرام ہو جاتے ہیں۔ [مفتی امجد علی اعظمی، بہار شریعت ۱/ ۱۰۷۸، ۱۰۷۹]

مباحات احرام:

مِسواک کرنا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو اور سُرمہ لگانا اور بغیر میل چھڑائے غسل کرنا یا کپڑے دھونا، ٹوٹے ہوئے ناخن جدا کرنا، حجامہ، ختنہ، موذی جانور کو مارنا، سر یا منہ کے علاوہ دوسرے کسی زخمی حصہ پر پٹی باندھنا، پالتو جانور ذبح کرنا یا پکا کر کھانا جائز ہے۔

یوم الترویہ

یوم الترویہ یعنی 8 ذوالحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذوالحجہ کی فجر تک پانچوں نمازیں حاجی کو منیٰ میں ادا کرنا ہوتی ہیں کیونکہ محمد ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔ حاجی ۸ ذوالحجہ کو مکہ یا حرم کے قریب سے احرام باندھتے ہیں اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ احرام باندھنے کے بعد حاجی تلبیہ پڑھتے ہیں۔

یوم عرفہ:

یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ کا سورج طلوع ہونے کے بعد حاجی عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں، وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع تقدیم (یعنی ظہر کے وقت میں) اور قصر کر کے ادا کرتے ہیں، مگر اس کی بعض شرائط ہیں۔ اس کی بھی اجازت ہے کہ حجاج اپنے اپنے خیموں میں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کے وقت میں عصر کی نماز با جماعت ادا کریں۔ پھر غروب آفتاب تک ذکر اللہ اور دعاء و استغفار کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جاتی ہے۔ اس دن عرفات کے میدان میں ٹھہرنے کو وقوف عرفات کہا جاتا ہے اور اصل حج کا دن یہی ہوتا ہے، یعنی جو شخص وقوف عرفات کے علاوہ تمام مناسک ادا کرلے تب بھی اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔

غروب آفتاب کے بعد حجاج مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ پہنچ کر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں، پھر نماز فجر تک وہیں رات بسر کرتے اور طلوع آفتاب تک ذکر اللہ اور دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔ حاجی کو نماز مغرب میدان عرفات میں نہیں پڑھنی ہوتی بلکہ عشاء کے وقت میں، مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر پڑھی جاتی ہیں۔ مغرب کا وقت ہوتے ہی حاجی کو مزدلفہ کی طرف جانا ہوتا ہے، جہاں وہ ایک ہی اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب و عشاء کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حجاج کے لیے مزدلفہ میں رات گزارنا سنت موکدہ اور وقوف کرنا واجب ہے۔ وقوف کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے اس کے درمیان اگر ایک لحہ بھی مزدلفہ میں گزار لیا تو واجب ادا ہو جاتا ہے۔

یوم عید الاضحیٰ:

عید الاضحیٰ یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے، اور یہ کنکری تقریباً کھجور کی گھٹلی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد حاجی قربان گاہ جا کر قربانی کرتے ہیں۔ قربانی حج کے شکرانے میں قارن اور متمتع پر واجب ہے چاہے وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں۔ مفرد کے لیے یہ قربانی مستحب ہے، چاہے

وہ غنی ہو، قربانی سے فارغ ہوکر حلق وقصر کروایا جاتا ہے۔
حاجی کو ان تین اُمور میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے۔
سب سے پہلے رمی
اس کے بعد قربانی
پھر حلق یا قصر
مفرد پر قربانی واجب نہیں لہذا یہ رمی کے بعد حلق یا قصر کرواسکتا ہے۔

۱۱، ۱۲ ذوالحجہ:

پھر منی میں گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کی راتیں بسر کی جاتی ہیں، اور دونوں دن زوال شمس کے بعد تینوں جمرات پر شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، ہر جمرہ پر شیطان کو سات کنکریاں مارتے ہیں اور چھوٹے شیطان سے کنکریاں مارنی شروع کی جاتی ہیں جو مکہ سے دور ہے، پھر درمیانے کو مارتے ہیں جس کے بعد دعا کی جاتی ہے، آخر میں جمرہ عقبہ پر بڑے شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں مگر دعا نہیں مانگی جاتی۔

حاجی اگر ۱۲ تاریخ کی کنکریاں مارلے اور وہ جلدی کرنا چاہے تو غروب آفتاب سے قبل منی سے نکل جائے، اور اگر چاہے تو اس میں تاخیر کرتے ہوئے ۱۳ تاریخ کی رات منی میں بسر کرے اور زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے، تیرہ تاریخ تک تاخیر کرنا افضل ہے، واجب نہیں۔ اگر بارہ تاریخ کا سورج غروب ہوجائے اور وہ منی سے نہ نکل سکے تو اس صورت میں اسے تیرہ تاریخ کی رات بھی منی ہی میں بسر کرنا ہوگا اور نزول کے بعد رمی جمرات کر کے منی سے آنا ہوگا۔ اس کے بعد حجاج پر طواف وداع لازم ہے، تاہم کسی عورت کو حیض یا نفاس ہو تو اس پر واجب نہیں۔

ان ضروری اور تمہیدی مسائل کے بعد کتاب الحج کی روایات کی تشریح ذیل میں پیش کی جاتی ہیں، مصنفؒ نے کتاب الحج کے تعلق سے جو سب سے پہلا باب قائم کیا ہے جو حج کی شرائط کے تعلق سے ہے۔

أول كتاب المناسك

اموریج کا بیان

مناسک جمع ہے مَنسَك بفتح السین وکسرہا کی، اور یہ مصدر میمی ہے یا ظرف مکان ہے، اگر مصدر میمی ہے تو عبادت کے

معنی میں ہے، اور اگر ظرف مکان ہے تو افعال حج ادا کرنے کی جگہ کے معنی میں ہے، افعال حج میں سے ایک خاص عمل قربانی ہے اس کو بھی منسک اور نُسک کہا جاتا ہے، ہمارے مصنفؒ نے یہاں پر مناسک کو افعال حج اور اعمال حج کے معنی میں لیا ہے۔

حضرات محدثین کے یہاں دونوں تعبیریں ملتی ہیں، بعض "کتاب الحج" کا عنوان قائم کرتے ہیں اور بعض "کتاب المناسک" کے ساتھ عنوان قائم کرتے ہیں، حج کے اصل معنی ہیں بیت اللہ الحرام کی طرف اعمالِ مخصوصہ کے ساتھ قصد کرنا۔

بَابُ فَرْضِ الْحَجِّ

حج کی فرضیت کا بیان

۱۷۲۱- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْحَجُّ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً؟ قَالَ: بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ أَبُو سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ، كَذَا قَالَ عَبْدُ الْجَلِيلِ بْنُ حُمَيْدٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ، جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ عُقَيْلٌ: عَنْ سِنَانٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت اقرع بن حابس نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! حج ہر سال فرض ہے یا زندگی میں ایک بار؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صرف ایک بار پھر جو زیادہ کرے تو وہ نفل ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ ابوسنان سے مراد ابوسنان دُولی ہے، عبدالجلیل بن حمید اور سلیمان بن کثیر نے زہری سے اسی طرح نقل کیا ہے اور عقیل نے صرف سنان کہا ہے۔

مقصد ترجمہ: سنن ابوداود کے اکثر ہندوستانی نسخوں میں یہ ترجمۃ الباب نہیں ہے؛ لیکن بیروت وغیرہ کے جتنے بھی نسخے ہیں ان سب میں یہ ترجمۃ الباب موجود ہے، اور یہاں اس کا ہونا ہی قرین قیاس اور مناسب ہے۔

اس باب میں مصنفؒ نے حج کی فرضیت کو ثابت فرمایا ہے، اگرچہ حج کی فرضیت کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے؛ لیکن

۱۷۲۱-أخرجه أحمد: ۱/ ۲۵۵، ۲۹۰، والنسائي (۵/ ۱۱۱)، كتاب مناسك الحج: باب وجوب الحج، حديث (۲۶۲۰)، وابن ماجه (۲/ ۹۶۳)، كتاب المناسك: باب فرض الحج: حديث (۲۸۸۶)، والدارمي (۲/ ۲۹) كتاب المناسك: باب كيف وجوب الحج، وعبد بن حميد ص (۲۲۶، ۲۲۷)، رقم (۶۷۷)، والبيهقي (۴/ ۳۲۶)، كتاب الحج: باب وجوب الحج مرة واحدة.

مصنفؒ کا مقصد احادیث سے ثابت کرنا ہے، پھر باب میں فرضیت کے تعلق سے دو باتیں مذکور ہیں۔

ایک تو یہ کہ حج فرض ہے۔

دوسری یہ کہ صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے، زکوۃ اور روزے کی طرح ہر سال فرض نہیں ہے۔

رہی تیسری بات کہ حج کون سے سن میں فرض ہوا ہے مصنفؒ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، لیکن ہم مقدمۂ کتاب المناسک میں لکھ چکے ہیں کہ مشہور قول کے اعتبار سے حج کی فرضیت ٦ ھ یا ٩ ھ میں ہوئی ہے۔

تشریح حدیث: یہاں سنن ابوداؤد میں یہ روایت کچھ مختصر ہے، صحیح مسلم میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا حکم نازل فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے اعلان فرمایا: ''لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کرو''۔

جب آپ ﷺ لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرما رہے تھے، تو ایک صحابی حضرت اقرع بن حابسؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ حج ہر سال ادا کیا جائے گا وہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادتیں نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ ہر سال ادا کی جاتی ہیں اسی طرح یہ حج بھی ہر سال جب اس کا زمانہ شروع ہو تو ادا کرنا ہوگا؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سوال پر خاموش رہے، جب انھوں نے کئی بار پوچھا تو آخر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میں اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، کیوں کہ میرا یہ جواب اللہ کے حکم کے بموجب دیتا، بغیر اس کے حکم کے میری زبان سے کوئی تشریعی بات نہیں نکلتی، اور اگر حج ہر سال فرض ہو جاتا تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال اس کی ادائیگی پر قدرت ہو سکے۔

پھر آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو، جب میں کسی فعل کا حکم دوں تو تم مجھ سے یہ نہ سوال کرو کہ یہ فعل کتنا ہے اور کیسا ہے؟ جب تک میں خود بیان نہ کروں کہ یہ فعل کتنا کیا جائے اور کس طرح کیا جائے تو اس وقت تک تم زیادہ سوالات نہ کیا کرو، اگر کسی فعل کے بارے میں بلا قید اور تعیین اعداد کے مطلق حکم کر دوں تو اس حکم کی اسی طرح بجا آوری کرو، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں دنیا میں اسی لیے آیا ہوں کہ تم تک اسلام کے احکام پوری وضاحت کے ساتھ پہنچادوں، جو بات جس طرح ہوتی ہے میں اسی طرح بیان کر دیتا ہوں، تمہارے سوال کی ضرورت نہیں ہے۔

اس تربیتی گفتگو کے بعد فرمایا: کہ حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے جو مسلمان ایک مرتبہ سے زائد حج کرے گا وہ نفلی حج ہوگا۔

فقہ الحدیث: حدیث باب سے حج کی فرضیت کے ساتھ ساتھ یہ ثابت ہوا کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے

اور ایک بار کی فرضیت کی بھی شرائط ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ ہم تمہیدی گفتگو میں لکھ چکے ہیں۔

اگر حج کی ادائیگی کے بعد آدمی مرتد ہو جائے؟:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی ادائیگی کے بعد نعوذ باللہ اسلام سے مرتد ہو جائے، پھر دوبارہ اسلام لے آئے تو اس پر دوبارہ حج ادا کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے لیے دوبارہ حج کرنا ضروری نہ ہوگا، کیوں کہ حج تو زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتا ہے وہ یہ ادا کر چکا ہے؟

لیکن حضرات فقہاء ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے لیے دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ حج کا وقت عمر بھر ہے، جب ارتداد سے اس کے اعمال ضائع ہو گئے تو حج کا عمل بھی ضائع ہو گیا، لیکن اس کا وقت اس نے دوبارہ پالیا ہے اس لیے دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا، جیسا کہ کوئی آدمی دن کے بارہ بجے ظہر کی نماز پڑھ کر مرتد ہوا پھر دو بجے دوبارہ اسلام لے آیا تو چوں کہ ظہر کا وقت ابھی باقی ہے اس لیے اس نماز ظہر کو دوبارہ ادا کرے گا۔

قال أبوداؤد: ''هو أبوسنان الدولي'' یہاں سے حضرت امام ابوداؤدؒ زہری کے تلامذہ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں کہ اس روایت کو امام زہری سے نقل کرنے والے چار حضرات ہیں:

(۱) سفیان بن حسین، جو سند میں مذکور ہیں۔ (۲) عبدالجلیل بن حمید۔ (۳) سلیمان بن کثیر۔

ان تینوں حضرات نے زہری کے استاذ کا نام ''ابوسنان'' نقل کیا ہے۔

(۴) عقیل بن خالد یہ چوتھے شاگرد ہیں، انھوں نے زہری کے استاذ کا نام ''سنان'' نقل کیا ہے، یعنی لفظ ''ابو'' نقل نہیں کیا۔

اب امام ابوداؤدؒ نے ''هو أبو سنان الدؤلي'' کہہ کر اس بات کو ترجیح دے دی کہ زہری کے پہلے تین تلامذہ جو نقل کر رہے ہیں وہی زیادہ صحیح ہے۔

عبدالجلیل بن حمید کی روایت سنن دارقطنی میں ہے اور سلیمان بن کثیر کی روایت سنن بیہقی اور دارقطنی میں ہے، لیکن عقیل بن خالد کی روایت ہمیں نہیں ملی۔ واللہ اعلم

۱۷۲۲- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

۱۷۲۲- أخرجه أحمد في المسند: ۲۱۸/۵ فقال: عن واقد بن أبي واقد الليثي عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:... وذكر الحديث، وإسناده صحيح، قال الحافظ في التهذيب: وكذا سماه البخاري في تاريخه وصحح إسناده في الفتح ۵۶۲/۴.

لِأَزْوَاجِهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: هَذِهِ ثُمَّ ظُهُورَ الْحُصْرِ.

ترجمہ: ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنی ازواج سے فرمایا: یہی حج ہے، پھر گھروں میں بیٹھ جانا ہے۔

رجال حدیث: ابن لأبي واقد: ابوواقد تو صحابی ہیں، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں، اور ان کے یہ بیٹے واقد ہیں، مسند احمد کی روایت میں ان کے نام کی تصریح موجود ہے۔ ابن القطان نے کہا ہے: "لا یعرف حاله" اور تقریب میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: "یقال: إن له صحبة، وقیل: بل هو من الثالثة"۔

تشریح حدیث: "هذه" کا مشار الیہ وہ حج ہے جو ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کیا ہے، اور "ظهور" جمع ہے "ظهر" کی بمعنی پشت اور "حصر" جمع ہے "حصیر" کی بمعنی بوریہ۔

اب اس ارشاد گرامی کے دو مفہوم ہیں:

ایک یہ کہ میری معیت میں تمہارا یہی حج ہے، اس کے بعد میری معیت نصیب نہ ہوگی، اس مفہوم کو مراد لینے میں کسی قسم کی نہ تاویل کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی اشکال لازم آتا ہے۔

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس حج کے بعد تمہارا حج کے لیے نکلنا جائز نہ ہوگا، بلکہ گھر میں قیام وقرار ضروری ہوگا۔

لیکن اس مفہوم کے پیش نظر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن حج کے لیے تشریف لے گئی ہیں، ان دیگر ازواج مطہرات نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا؟

اس اشکال کے جواب کے تعلق سے دو باتیں ہیں ایک تو یہ ان ازواج مطہرات نے حدیث کے پہلے مفہوم کو مراد لیا ہو اور یہ سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کے بعد ہم پر حج کرنا فرض تو نہیں ہے البتہ مستحب ہو سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان ازواج مطہرات کے سامنے حج کے فضائل کی دیگر روایات موجود تھیں، مثلاً حضور ﷺ کا ارشاد گرامی: "لکن أفضل الجهاد حج مبرور" کہ عورتوں کے حج کرنا بہترین جہاد ہے، اس مضمون کی متعدد روایات ان کے سامنے تھیں، جن سے انھوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی حج کی مشروعیت کو درست سمجھا، شروع میں حضرت عمرؓ کو بھی ازواج مطہرات کے حج کے سلسلہ میں توقف تھا، لیکن جب ان کے سامنے اس بات کی قوت دلیل واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کا منشاء ازواج مطہرات کو اپنی وفات کے بعد حج سے منع کرنا نہیں تھا بلکہ صرف یہ مقصد تھا کہ میری معیت میں یہ فریضۂ حج ادا ہوگیا اس کے بعد اگر گھروں میں بیٹھی رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، تو پھر انھوں نے حضرت عثمان

غنیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی نگرانی میں ازواج مطہرات کو حج کے لیے روانہ فرمایا تھا۔

فقه الحديث: ہمارے مصنفؒ کو تو اس حدیث سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عورتوں پر بھی حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے جیسا کہ مردوں پر ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصد بھی ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَحُجُّ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ

عورت کے لیے محرم کے بغیر حج کرنا جائز نہیں

۱۷۲۳- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ لَيْلَةٍ، إِلَّا وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُو حُرْمَةٍ مِنْهَا».

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

مقصدِ ترجمه: حج کی فرضیت کی شرائط میں سے ایک شرط استطاعت بھی ہے اور استطاعت کی ایک قسم عورت کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ ہے کہ عورت پر حج اسی وقت فرض ہوگا جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم یا شوہر موجود ہو، اور محرم سے مراد ہر وہ عاقل بالغ مرد ہے جس سے اس کا نکاح دائمی طور پر حرام ہو خواہ یہ حرمت قرابت کی ہو یا رضاعت، یا مصاہرت کی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مکۃ المکرمۃ تین دنوں کی مسافت یعنی ۴۸ میل کی دوری پر ہو، اس سے کم مسافت ہو تو محرم کے بغیر بھی سفر حج کر سکتی ہے، تاہم زیادہ صحیح یہی ہے کہ حج کی ادائیگی کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چند عورتوں کی معیت سے بھی حج فرض ہو جاتا ہے، مالکیہ کے یہاں اور توسع ہے، چند ثقہ عورتیں ہوں یا مرد ہوں یا مرد و عورت دونوں ہوں کیوں کہ اس طرح سفر میں فتنہ کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۱۷/ ۳۶)

احادیث الباب حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں کہ ان میں عورت کو بغیر محرم یا شوہر کے سفر کرنے سے منع

۱۷۲۳- أخرجه البخاري (۲/ ۴۶۸/ رقم: ۱۰۸۸) في تقصير الصلاة، باب في كم يقصر الصلاة، ومسلم رقم (۱۳۳۹) في الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، والموطأ: ۲/ ۹۷۹ في الاستئذان، باب ما جاء في الوحدة في السفر، والترمذي رقم (۱۱۷۰) في الرضاع، باب في كراهية أن تسافر المرأة وحدها.

کیا گیا ہے جب کہ مالکیہ اور شوافع نے احادیث الباب کو نفلی حج پر محمول کیا ہے کہ نفلی حج کا سفر جب ہی کر سکتی ہے جب کہ اس کا محرم یا شوہر ساتھ ہو۔

باب میں مصنفؒ نے کل چھ روایتیں نقل کی ہیں تین روایتیں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ کی اور دو روایتیں حضرت ابن عمرؓ کی جن میں سے حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت مرفوع ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو مصنفؒ نے تین سندوں سے بیان فرمایا ہے، اور ان کی تینوں روایتوں میں عورت کو ایک دن رات کے سفر سے بغیر محرم کے منع کیا گیا ہے، کہ کوئی عورت بھی ایک دن وایک رات کی مسافت کے بقدر بھی سفر نہ کرے، الا یہ کہ اس کے ساتھ محرم ہو اور محرم سے مراد وہ عاقل بالغ مسلمان ہے جس سے دائمی طور پر نکاح حرام ہو۔

روایت مختلفہ کی توجیہ

اس روایت ابوہریرہؓ کے بعد حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات میں تین یوم کی مسافت سفر سے منع کیا گیا ہے، بظاہر روایات میں تعارض ہوا اب ان روایاتِ متعارضہ میں تطبیق درج ذیل وجوہ سے دی جا سکتی ہے:

(۱) جن احادیث میں دو دن یا ایک دن کی مسافت کے بقدر سفر سے بھی منع کیا گیا ہے، تو اس کو فتنہ اور فساد پر محمول کیا جائے گا کہ اگر سفر تین دن کی مسافت سے بھی کم ہو اور کسی فتنہ وفساد مثلاً: عورت کی عزت وآبرو پر حرف آنے کا گمان ہو تو اس صورت میں بھی عورت کے لیے تنہا سفر کرنا ممنوع ہوگا۔

اور جن روایات میں تین دن تین رات کا ذکر ہے وہ اصل حقیقت پر محمول ہیں؛ اس لیے کہ وہ روایات متیقن بھی ہیں۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ روایات کا یہ اختلاف سوال کرنے والوں کے اختلاف پر محمول ہے، رسول اللہ ﷺ سے جس نے جیسا سوال کیا آپ ﷺ نے ویسا ہی جواب دے دیا، ایک شخص نے ایک دن کے سفر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمادیا کہ ہاں ایک دن کا سفر بھی نہیں کر سکتی، کسی نے دو دن کے بارے میں سوال کیا کہ عورت دو دن کا سفر بغیر محرم کے کر سکتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمادیا نہیں، اسی طرح کسی نے تین دن کے سفر کے بارے میں معلوم کیا تو تین دن کے بارے میں فرمادیا اور درحقیقت آپ ﷺ کا مقصد تحدید کرنا نہ تھا، یہ توجیہ شافعیہ سے منقول ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس روایت میں تین دن کی مسافت کے بقدر سفر کی ممانعت منقول ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ ہر منزل یعنی ۱۶/ میل، ایک دن کے اکثر حصہ میں طے ہوتی ہو تو اس طرح تین منزلیں تین دنوں میں طے

ہوں گی، اور جہاں دو دن کے سفر کی ممانعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ تمام دن چلے یعنی ایک دن میں ڈیڑھ منزل (۲۴/ میل) طے ہو اس طرح دو دن میں تین منزلیں طے ہوں گی اور جہاں ایک دن ورات کے سفر کی ممانعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ شب و روز چلے، یعنی ڈیڑھ منزل پورے دن میں طے ہو اور ڈیڑھ منزل پوری رات میں اس طرح ایک دن و رات میں تین منزلیں طے ہوں گی اس طرح تمام روایت میں تطبیق ہوتی ہے۔

۱۷۲۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، وَالنُّفَيْلِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ الْحَسَنُ: فِي حَدِيثِهِ عَنْ أَبِيهِ، ثُمَّ اتَّفَقُوا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ، تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً» . فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَمْ يَذْكُرِ الْقَعْنَبِيُّ، وَالنُّفَيْلِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، رَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مَالِكٍ، كَمَا قَالَ الْقَعْنَبِيُّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر کرے (بغیر محرم کے) نفیلی نے "حدثنا مالك" کہا، امام ابوداؤد نے کہا کہ قعنبی اور نفیلی نے "عن أبيه" ذکر کیا، عبداللہ بن وہب اور عثمان بن عمر نے مالک سے حدیثِ سابق قعنبی کی طرح بغیر لفظ "عن أبيه" کے روایت کیا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا یہ طریق ثانی ہے، پہلے طریق میں سعید بن ابی سعید سے نقل کرنے والے لیث بن سعد تھے، اور اس طریق میں امام مالک ہیں، نیز پہلی حدیث میں صرف رات کا ذکر تھا کہ عورت کے لیے ایک رات کا سفر بغیر محرم کے حلال نہیں اور اس روایت میں یوم ولیلہ کا ذکر ہے، پس پہلی روایت کے بارے میں کہا جائے گا کہ مراد وہاں بھی یوم ولیلہ تھا۔

قوله: "قال الحسن في حديثه: "عن أبيه" مصنفؒ کے اس سند میں تین استاذ ہیں، اب مصنف کہہ رہے ہیں کہ میرے ایک استاذ حسن بن علی نے سعید بن ابی سعید اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان "عن أبيه" کا اضافہ نقل کیا ہے، جب کہ دو استاذ عبداللہ بن مسلمہ اور عبداللہ بن محمد نفیلی نے "عن أبيه" کا اضافہ نقل نہیں کیا ہے، صاحب منہل اور صاحب بذل دونوں حضرات نے لکھا ہے کہ روایت دونوں صورتوں میں متصل ہے کیوں کہ حضرت

۱۷۲۴- أخرجه أحمد في المسند (۲/ ۲۳۶) وابن خزيمة (۲۵۲۳)

ابوہریرہؓ سے دونوں کا سماع ثابت ہے سعید کا بھی اور ان کے والد ابوسعید کا بھی، ممکن ہے کہ سعید نے پہلے روایت اپنے والد کے واسطہ سے سنی ہو، بعد میں براہِ راست حضرت ابوہریرہؓ سے سن لی ہو۔ (بذل المجہود: ۷/ ۱۸)

قوله: "قال النفيلي: حدثنا مالك" یعنی مصنفؒ کے استاذ عبداللہ بن محمد نفیلی نے اپنی سند میں بصیغۂ تحدیث "حدثنا مالك" کہا، جب کہ عبداللہ بن مسلمہ نے بصیغۂ "عن مالك" کہا، راقم عرض کرتا ہے کہ حسن بن علی جو مصنفؒ کے تیسرے استاذ ہیں نے بھی بصیغۂ تحدیث "حدثني مالك" ہی کہا ہے، یہ مصنفؒ کی غایت احتیاط کی بات ہے کہ سند میں تعبیر کے معمولی فرق کو بھی واضح فرما رہے ہیں۔

قوله: "قال أبوداؤد: ولم يذكر القعنبي الخ: اس کی وضاحت ہم "قال الحسن في حديث عن أبيه" کے تحت کر چکے ہیں۔

قوله: "رواه ابن وهب وعثمان بن عمر عن مالك كما قال القعنبي" اس سے مصنفؒ سند میں امام مالکؒ کے تلامذہ کے اختلاف کو بیان فرما رہے ہیں کہ ان کے تلامذہ میں سے بعض تو ابوہریرہؓ سے پہلے "عن أبيه" نقل کرتے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے، چناں چہ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، عبداللہ بن محمد نفیلی، عبداللہ بن وہب اور عثمان بن عمر نے ابوہریرہؓ سے پہلے "عن أبيه" نقل نہیں کیا، جب کہ بشر بن عمر نے نقل کیا ہے۔

۱۷۲۵- حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «بَرِيدًا»

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے حسب سابق روایت مروی ہے اس میں لفظ "برید" کا اضافہ ہے۔

تشريح حديث: یہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا تیسرا طریق ہے، اس میں سعید بن ابی سعید سے نقل کرنے والے سہیل بن ابی صالح ہیں، انھوں نے بھی مالک اور لیث کی طرح روایت کی ہے، مگر تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے کہ انھوں نے متن کے الفاظ یہ استعمال کیے "لاتسافر المرآة بريدًا" جب کہ سابقہ روایت میں "يوم وليلة" تھا، ایک برید کی مقدار (۶۷-۲۳) تقریباً ساڑھے تیئس کلومیٹر ہے، گویا اتنے مختصر سفر سے بھی عورت کو بغیر محرم کے منع کیا گیا ہے۔

۱۷۲۶ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَهَنَّادٌ، أَنَّ أَبَا مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعًا، حَدَّثَاهُمْ عَنِ

۱۷۲۵- أخرجه ابن خزيمة رقم (۲۵۲۶) والحاكم في المستدرك (۱/ ۴۴۲)

۱۷۲۶- أخرجه البخاري: ۴/ ۶۴ - ۶۶ في الحج، باب حج النساء، وفي التطوع، باب مسجد بيت المقدس، وفي الصوم، باب الصوم يوم النحر، ومسلم رقم (۸۲۷) في الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، والترمذي رقم (۱۱۶۹) في الرضاع، باب ماجاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها.

الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا»

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زائد کا سفر کرے؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا بھائی ہو یا شوہر ہو یا بیٹا ہو یا کوئی ایسا رشتہ دار ہو جو اس کا محرم ہو۔

تشریح حدیث: عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کا سفر کرنا بغیر محرم کے درست نہیں ہے، خواہ محرم نسبی ہو یا رضاعی یا مصاہرت کے ذریعہ کیوں کہ عورت کے تنہا سفر کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

۱۷۲۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ، قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت تین دن کا سفر نہ کرے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو۔

تشریح حدیث: یہ حدیث بہت واضح اور صریح ہے کہ عورت کو بغیر محرم کے تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر نہیں کرنا چاہیے، جہاں تک تین دن سے کم کی مسافت کا تعلق ہے تو اگر عورت کو فتنہ کا خوف اور اندیشہ نہیں ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر طرح سے مامون اور محفوظ سمجھتی ہے تو مفتی بہ قول کے اعتبار سے وہ بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے، یاد رہے کہ تین دن کے سفر سے مراد سفر شرعی ہے، ورنہ تو آج کل کے زمانہ میں تین دن جہاز وغیرہ سے بہت لمبا سفر ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۷۲۸- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ «يُرْدِفُ مَوْلَاةً لَهُ يُقَالُ لَهَا صَفِيَّةُ تُسَافِرُ مَعَهُ إِلَى مَكَّةَ»

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صفیہ کو جو ان کی آزاد کردہ باندی تھی اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر مکہ لے جاتے تھے۔

۱۷۲۷- أخرجه البخاري: ۲/ ۳۶۸ في تقصير الصلاة، باب كم يقصر الصلاة، ومسلم رقم (۱۳۳۸) في الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

۱۷۲۸- أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۵/ ۲۲۰/ رقم: ۱۰۱۳۲)

تشریح حدیث: یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقوف اثر ہے اور اس میں ان کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی باندی صفیہ کو اپنی سواری پر بٹھا کر مکہ لے جایا کرتے تھے، ہمارے مصنفؒ اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمارہے ہیں کہ باندی کا مولیٰ اس کے حق میں بمنزلہ شوہر کے ہے، اس لیے وہ اپنے مولی کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ماقبل میں ذکر کی گئی احادیث میں زوج کا ذکر علی سبیل التحدید نہیں تھا، بلکہ مولی بھی زوج ہی کے قائم مقام ہے۔

بَابُ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ

اسلام میں صرورۃ نہیں ہے

۱۷۲۹- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ»

ترجمہ: عطاء حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں صرورۃ (صرورۃ کے معنی حج نہ کرنا اور نکاح نہ کرنا ہے، جسے رہبانیت کہتے ہیں) کی گنجائش نہیں ہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے فریضۂ حج کی اہمیت کو بیان کرنا ہے کہ جو آدمی استطاعت کے باوجود اس فریضہ کو ادا نہیں کرتا گویا اس کا اسلام میں حصہ ہی نہیں، اسلام میں فریضۂ حج کے ترک کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

تشریح حدیث: "صرورۃ" مبالغہ کا صیغہ ہے، "تا" اس میں مبالغہ ہی کے لیے ہے، تاء تانیث نہیں ہے، اور یہ ماخوذ ہے "صَرَّ يَصُرُّ صرًّا (ن) وصرورًا" سے، جس کے اصل معنی ہیں روکنا منع کرنا، پس جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ اپنے کو خیر سے روکتا ہے، پھر "صرورۃ" کا لفظ واحد تثنیہ اور جمع وغیرہ سب کے لیے بولا جاتا ہے، اسی طرح مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے اس کا استعمال عام ہے، چناں چہ بولا جاتا ہے: "رجلٌ صرورةٌ، وامرأة صرورة" اور اس میں ایک لغت "صارورۃ" بھی ہے۔

۱۷۲۹-أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (۵/ ۲۶۹/ رقم: ۹۸۶۸)، والحاكم في المستدرك على الصحيحين (۲/ ۷۳/ ۱/ ۲۶۷۳) وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاري، ولم يخرجاه.

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ محدثین اور شراح حدیث نے حضور ﷺ کے اس ارشاد: ''لا صرورة في الإسلام'' کے تین مطلب بیان کیے ہیں، ایک مطلب کا تعلق کتاب الحج سے ہے دوسرے کا کتاب النکاح سے اور تیسرے کا کتاب الحدود سے۔

(۱) ''صرورة'' بمعنى الذي لم يحج یعنی وہ آدمی جس نے حج نہیں کیا، اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کوئی صاحبِ استطاعت غیر حاجی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہر صاحب استطاعت کو اس فریضہ کی ادائیگی ضروری ہے، جس نے بھی حج کو ترک کیا اس نے اپنے آپ کو خیر کثیر سے محروم رکھا، ہمارے مصنفؒ اسی معنی کے لحاظ سے اس حدیث کو یہاں لائے ہیں۔

(۲) ''رجل صرورة'' وہ شخص جس نے استطاعت کے باوجود بطریق تبتل نکاح نہ کیا ہو، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں کوئی شخص تارکِ نکاح نہ ہونا چاہیے، بلکہ انبیاء کی اس سنت کو ہر ایک مسلمان اختیار کرے ترک نکاح رہبانیت ہے اور اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) ''رجل صرورة'' وہ شخص جس نے اب تک حج نہیں کیا لیکن وہ حرم میں داخل ہو کر پناہ طلب کرے، اس مفہوم کی تفصیل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ اگر کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا تو وہ مجرم قاتل حرم میں جا کر پناہ لے لیا کرتا تھا اور اگر اولیاء مقتول میں سے کوئی آ کر اس سے تعرض کرتا اور انتقام کا ارادہ کرتا تو لوگ یوں کہہ دیتے کہ یہ شخص تو ''صرورة'' ہے، یعنی اس نے ابھی تک حج بھی نہیں کیا ہے، لہٰذا اس کو چھوڑ دو اور حج کرنے دو، اس کے بعد دیکھا جائے گا، اب اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کی اس رسم کی تردید کی گئی ہے کہ ''صرورة'' یعنی حج نہ کرنا اسلام میں معتبر نہیں ہے، اس کی وجہ سے حدود و قصاص ساقط نہ ہوں گے۔

ہمارے مصنفؒ کو تو اس حدیث سے فریضۂ حج کی اہمیت کو بیان کرنا ہے کہ صاحب استطاعت کے لیے اس کا ترک مناسب نہیں ہے۔

بَابُ التَّزَوُّدِ فِي الْحَجِّ

حج میں توشہ لینے کا بیان

۱۷۳۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ يَعْنِي أَبَا مَسْعُودٍ الرَّازِيَّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمَخْرَمِيُّ، وَهَذَا لَفْظُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانُوا يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ، قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: "كَانَ

۱۷۳۰- أخرجه البخاري (۳/ ۳۰۴/ رقم: ۱۵۲۳) في الحج، باب قول الله تعالى: {وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى}.

أَهْلُ الْيَمَنِ أَوْ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ وَيَقُولُونَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ {وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى} (البقرة:۱۹۷) الْآيَةَ

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بعض لوگ حج کرتے تھے؛ مگر سفر خرچ ساتھ نہ رکھتے تھے، ابو مسعودؓ نے کہا: یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور سامان سفر ساتھ نہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''سامان سفر ساتھ لو اور سب سے بہتر سامان سفر پرہیزگاری ہے''۔

مقصد ترجمه: سنن ابوداود کے بعض نسخوں میں یہ باب ہے اور بعض میں نہیں ہے، لیکن ہماری نظر میں اس کا یہاں ہونا ہی بہتر ہے اور مقصد امام ابوداودؒ کا یہ ہے کہ عازم حج کو سفر حج شروع کرنے سے قبل زادِراہ یعنی اپنے سفر کے جملہ اخراجات کا بندوبست کر لینا چاہیے، تاکہ اس مبارک سفر میں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی نوبت نہ آئے، مقصد کے ثبوت کے لیے حضرت امام ابوداودؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث پیش کی ہے، جس میں درحقیقت سورۂ بقرہ کی ایک آیت {وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى} کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کا شانِ نزول بیان فرما رہے ہیں کہ یمن کے لوگ سفر کا بندوبست کیے بغیر حج کے لیے جاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں، اللہ کے گھر کا حج کرنے کے لیے جا رہے ہیں وہ اللہ ہمیں کھلائے گا، لیکن وہ اپنے دعوے میں پورے نہیں اترتے تھے، اور مکۃ المکرمہ میں لوگوں سے سوال کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: {وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى} (سورۂ بقرہ آیت:۱۹۷) یعنی زادِراہ ساتھ لے کر چلو، سوال سے خود کو بچانا یہ سب سے بہتر زادِراہ ہے، اور سوال سے دامن بچانا اسی وقت آسان ہوگا، جب کہ زادِراہ ساتھ ہو، ثابت ہوا کہ زادِراہ کا انتظام کرنے کے بعد سفر کرنا چاہیے۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْحَجِّ

حج میں تجارت کرنا

۱۷۳۱ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ} أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا

۱۷۳۱- أخرجه البخاري (۳/ ۴۷۳/ ۴۷۴/ رقم: ۱۷۷۰) في الحج، باب التجارة أيام الموسم والبيع في أسواق الجاهلية، وفي البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى (فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ) وباب الأسواق التي كانت في الجاهلية، وفي التفسير، باب {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ}

مِنْ رَبِّكُمْ قَالَ: «كَانُوا لَا يَتَّجِرُونَ بِمِنًى فَأُمِرُوا بِالتِّجَارَةِ إِذَا أَفَاضُوا مِنْ عَرَفَاتٍ»

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ الخ} (سورۂ بقرہ: ۱۹۸) یعنی اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ منیٰ میں تجارت نہیں کرتے تھے (یعنی حج میں تجارت کو برا سمجھتے تھے) پس اجازت دی گئی ان کو تجارت کی جب عرفات سے (منیٰ کو لوٹ کو) آئیں (یعنی حج میں تجارت کی اجازت دی گئی)

مقصد ترجمه: ترجمۃ الباب کا مقصد حج کے موسم میں خالی ایام میں تجارت کے حکم بیان کرنا ہے کہ اگر مقصد اصلی حج ہو اور خرید وفروخت ضمنی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مقصد کے ثبوت کے لیے مصنفؒ حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث لائے ہیں جس میں انھوں نے آیتِ قرآنی کا شانِ نزول بھی بیان فرمایا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۸، کا شانِ نزول بیان فرمارہے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے حج جیسی عظیم الشان عبادت کو بھی خالص تجارت کی منڈی بنا رکھا تھا، منیٰ کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، اسلام آیا اور مسلمانوں پر حج کو فرض کردیا گیا تو ان رسموں کا بھی قلع قمع ہونے لگا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت یا مزدوری کر کے کچھ کما لینا بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، شاید اسلام میں اس کی اجازت نہ ہو، اس وقت یہ آیت: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ الخ} نازل ہوئی۔ جس نے یہ واضح کردیا کہ اگر کوئی شخص دورانِ حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کوئی نفع ہوجائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

باب

یہ بلاترجمہ ہے

۱۷۳۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مِهْرَانَ أَبِي صَفْوَانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ»

۱۷۳۲-أخرجه أحمد في المسند رقم (۱۹۷۳) و (۱۹۷۴) والحاكم في المستدرك: ۱/ ۴۴۸، والبيهقي في سننه: ۴/ ۳۴۰، ووافقه الذهبي علي ذلك، وصححه احمد شاكر في المسند. ويشهد له ما رواه أحمد في المسند رقم (۱۸۳۳) و (۱۸۳۴) وابن ماجة رقم (۲۸۸۳) والبيهقي: ۴/ ۳۴۰، بسند ضعيف بلفظ من أراد الحج فليتعجل فإنه قد يمرض المريض، وتضل الضالة، وتعرض الحاجة وله شواهد أخري بهذا المعني يرتقي بها إلي درجة الحسن.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ حج کرنے میں جلدی کرے، (یعنی تاخیر نہ کرے ہوسکتا ہے بعد میں موقع نہ ملے)

مقصد ترجمہ: یہ بات بلا ترجمہ ہے اور باب کے تحت جو روایت لائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمہ کا مقصد فریضہ حج کی ادائیگی میں تعجیل کو بیان کرنا ہے کہ آدمی کے پاس جب وسعت ہو تو پہلے حج ہی ادا کرنا چاہیے۔

تشریح حدیث: حدیث شریف کا مضمون واضح ہے کہ جب آدمی صاحب استطاعت ہو تو اس کو فوراً حج کرنا چاہیے اس لیے کہ معلوم نہیں کہ مستقبل میں اس کو بیماری لاحق ہو جائے یا سواری کا انتظام نہ رہے یا اور کوئی حاجت اور ضرورت پیش آجائے اور یہ حج کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے، اس لیے جب اسباب ہوں تو فوراً حج کی ادائیگی کرلے۔

حج کی فرضیت علی الفور ہے یا علی التراخی؟

حج کی استطاعت پیدا ہونے کے بعد فوراً ہی حج کرلینا فرض ہوگا یا تاخیر کے ساتھ کبھی بھی کرسکتا ہے؟ مشہور حنفی فقیہ امام ابوالحسن کرخی نے حج کے علی الفور واجب ہونے کو ترجیح دی ہے، یہی رائے امام ابو یوسفؒ اور صحیح تر روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے، ابن شجاع نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس سامانِ حج موجود ہو تو پہلے حج کرلینا چاہیے، چناں چہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کی تو گنہ گار ہوگا یہی رائے امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کی ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲/ ۴۳۸)

حضرت امام شافعی اور امام محمد بن حسنؒ شیبانی کے نزدیک حج علی التراخی واجب ہوتا ہے، چناں چہ استطاعت کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر کی تو محض تاخیر کی وجہ سے گنہ گار نہ ہوگا، تاہم زندگی میں کبھی بھی حج کرلے تو بالاتفاق یہ حج ادا ہوگا، قضا شمار نہ ہوگا۔ (قاموس الفقہ: ۳/ ۱۹۰)

بَابُ الْكَرِيِّ

دورانِ حج جانور کو کرایہ پر چلانا

۱۷۳۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُمَامَةَ التَّيْمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَكَانَ نَاسٌ يَقُولُونَ لِي إِنَّهُ

۱۷۳۳- أخرجه أحمد في المسند رقم (۶۴۳۵) وابن خزيمة في صحيحه (۳۰۵۱) والحاكم في المستدرك على الصحيحين (۱/ ۶۱۸/ رقم: ۱۶۴۷) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه.

لَيْسَ لَكَ حَجٌّ فَلَقِيتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنِّي رَجُلٌ أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَإِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ لِي: إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَلَيْسَ تُحْرِمُ وَتُلَبِّي وَتَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَتُفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَتَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ لَكَ حَجًّا، جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ مِثْلِ مَا سَأَلْتَنِي عَنْهُ، فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [البقرة:۱۹۸] فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَأَ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ وَقَالَ: «لَكَ حَجٌّ»

ترجمہ: حضرت ابوامامہ التیمی سے روایت ہے کہ میں دورانِ حج جانوروں کو کرایہ پر چلاتا تھا لوگ کہتے تھے کہ اس طرح تیرا حج نہیں ہوتا، پس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملا اور کہا: اے ابوعبدالرحمن! میں ایک ایسا شخص ہوں جو حج کے سفر میں لوگوں کو جانور کرایہ پر دے دیا کرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ تیرا حج درست نہیں ہے، پس حضرت ابن عمرؓ نے کہا: کہ کیا تو احرام نہیں باندھتا، تلبیہ نہیں پڑھتا، بیت اللہ کا طواف نہیں کرتا، عرفات سے نہیں لوٹتا اور کنکریاں نہیں مارتا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (میں یہ سب کام کرتا ہوں) ابن عمر نے کہا: تو پھر تیرا حج درست ہے، اسی طرح ایک شخص حضور ﷺ کے پاس بھی آیا تھا اور اس نے بھی یہی سوال کیا تھا جیسا کہ تو نے مجھ سے کیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ اس وقت خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا، کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی: تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، آپ ﷺ نے اس شخص کو جس نے یہ سوال کیا تھا بلا بھیجا اور اس کو یہ آیت سنادی اور فرمایا: تیرا حج درست ہے۔

مقصد ترجمہ: مصنفؒ کا مقصد سفر حج کے دوران تجارت اور صنعت کے جواز کو بیان کرنا ہے اپنی سواری کو کرایہ پر دینا اور پھر اس کے ذریعہ مال حاصل کرنا سفر حج میں جائز اور درست ہے۔

كَرِيٌّ، غَنِيٌّ کے وزن پر ہے، صیغہ صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے بمعنی اپنی سواری کو کرائے پر دینے والا، جمع: **أكريا اغنياء** کے وزن پر آتی ہے۔ **أَكْرَيَ فلانٌ دابته او داره [كراءً** (افعال) چوپایہ یا مکان کو کرایہ پر دینا یہی معنیٰ "**كاراه مكاراة وكراءً**" کے بھی ہیں، اور "**اكترىَ**" کے معنیٰ ہیں جانوروں کو کرایہ پر لینا۔

رجال حدیث: ابو أمامة التيمي: یہ کوفہ کے رہنے والے تھے، اپنی کنیت سے معروف ہیں، نام کا پتہ نہیں، یحییٰ بن معین نے "ثقہ" اور ابوزرعہ نے "لاباس به" کہا ہے، تقریب التہذیب میں لکھا ہے: "**مجهول من الرابعة**" کتب ستہ میں سے صرف ابوداؤد میں ہی ان کی روایت ہے۔

تشریح حدیث: قوله "أكري في هذا الوجه" یعنی میں سفرِ حج میں اپنی سواری کو کرایہ پر دیتا تھا، اور لوگ میرے اوپر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تمہارا حج ادا نہیں ہوگا؛ کیوں کہ تمہارا سفر کرایہ داری کے لیے ہے نہ کہ اعمالِ حج کی ادائیگی کے لیے۔

قوله: أليس تحرم؟: یعنی کیا تم اپنی سواری کو کرایہ پر دینے کے ساتھ ساتھ اعمالِ حج احرام باندھنا، تلبیہ پڑھنا، طواف کرنا، عرفات جانا اور منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا نہیں کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ اعمال تو میں ادا کرتا ہوں، اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: پھر تو تمہارا حج ادا ہو جائے گا۔

اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اپنے اس جواب پر استدلال کے طور پر آیت قرآنی: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} کے شانِ نزول کو بیان فرمایا، اس آیت کریمہ میں سفرِ حج کے دوران طلب رزق کی اجازت کا بیان ہے اور طلب رزق عام ہے خواہ بطریق تجارت ہو یا بطریق کرایہ ہو جس طرح بیع وشراء کے ذریعہ مال کمانا درست ہے اسی طرح کرایہ کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا بھی درست ہے۔

صاحب منہل نے موسم حج میں کرایہ کے حصول کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

۱۷۳۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ الْحَجِّ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِمِنًى وَعَرَفَةَ وَسُوقِ ذِي الْمَجَازِ وَمَوَاسِمِ الْحَجِّ فَخَافُوا الْبَيْعَ وَهُمْ حُرُمٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ} [البقرة:١٩٨] أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ . قَالَ: فَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقْرَؤُهَا فِي الْمُصْحَفِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ ابتداء میں منیٰ، عرفہ اور ذی المجاز کے بازار اور حج کے ایام میں خرید وفروخت کرتے تھے، لیکن بعد میں حالت احرام میں خرید وفروخت سے لوگ تامل کرنے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ الخ}، ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ

۱۷۳۴- أخرجه البخاري: ۳/ ۴۷۳، ۴۷۴ في الحج، باب التجارة أيام الموسم والبيع في أسواق الجاهلية، و في البيوع، باب ماجاء في قول الله تعالى: (فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ) وباب الأسواق التي كانت في الجاهلية، وفي التفسير، باب {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ}

عبید بن عمیر نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ اپنے مصحف میں ''في مواسم الحج'' پڑھتے تھے۔

تشریح حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کو مصنفؒ نے دوسندوں سے پیش کیا ہے۔

قوله: '' إن الناس في أوّل الحج'': یعنی حج کی مشروعیت کی ابتداء میں لوگ موسم حج میں منعقد ہونے والے بازاروں سے خرید وفروخت کیا کرتے تھے، یہ بازار منیٰ، عرفات اور ذوالمجاز میں لگا کرتے تھے؛ مگر حضرات صحابہ کرام نے مواقع مذکورہ میں دورانِ سفرحج خرید وفروخت کو ناپسند کیا اور یہ سمجھا کہ محرم ہونے کی حالت میں ان بازاروں میں جانا اور ان سے خرید وفروخت کرنا صحیح نہ ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ کو نازل فرمایا، جس میں یہ اجازت دے دی گئی کہ ان میں تجارت کرنا کوئی حرج کی بات نہیں۔

اب ہمارے مصنفؒ نے اس سے یہ ثابت کیا کہ جب خرید وفروخت درست ہے تو پھر کرایہ پر سواری دینا بھی درست ہوگا۔

قوله: ''قال حدثني عبيد بن عمير: إنه كان يقرؤها في المصحف'': اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ابن ابی ذئب نے ایک مرتبہ تو یہ روایت عطاء بن ابی رباح کے واسطہ سے عبید بن عمیر سے نقل کی اور بعد میں براہِ راست عبید بن عمیر سے سن لی، اب فرق دونوں میں یہ ہے کہ جو روایت، عطا بن ابی رباح کے واسطہ سے سنی اس میں یہ جملہ نہیں تھا کہ حضرت ابن عباسؓ ''في مواسم الحج'' کے کلمہ میں اپنے مصحف میں پڑھا کرتے تھے؛ لیکن جب ابن ابی ذئب نے یہ روایت براہِ راست عبید بن عمیر سے سنی تو اس میں یہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ ''في مواسم الحج'' کو اپنے مصحف میں پڑھا کرتے تھے۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابن عباسؓ کا اس کلمہ کو اپنے مصحف میں پڑھنا کس حیثیت سے تھا؟ تو اس میں دو رائیں ہیں، ایک تو یہ کہ ''في مواسم الحج'' کو وہ بطور تفسیر کے پڑھا کرتے تھے نہ کہ بطور قراءت کے، دوسری رائے یہ ہے کہ بطور قراءت کے پڑھتے تھے لیکن یہ قراءت قراءتِ شاذہ تھی؛ قراءت مشہورہ میں یہ لفظ نہیں ہے۔ (بذل المجہود: ۷/ ۲۸)

۱۷۳۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، كَلَامًا مَعْنَاهُ أَنَّهُ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ مَا كَانَ الْحَجُّ كَانُوا يَبِيعُونَ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ إِلَى قَوْلِهِ

۱۷۳۵- أخرجه البخاري (۳/ ۴۷۳، ۴۷۴/ رقم: ۱۷۷۰) في الحج، باب التجارة أيام الموسم والبيع في أسواق الجاهلية، و في البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: (فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ)، وباب الأسواق التي كانت في الجاهلية، وفي التفسير، باب {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ}

مَوَاسِمِ الْحَجِّ

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگ دوران حج خرید وفروخت کیا کرتے تھے (اس کے بعد راوی نے) ان کے قول فی مواسم الحج تک ذکر کیا۔

تشریح حدیث: اس طریق کو لاکر مصنفؒ یہ بیان فرمار ہے کہ ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس کو عبید بن عمیر سے براہِ راست بھی سنا ہے اور بطریق عطا ابن ابی رباح کے واسطہ سے بھی سنا ہے؛ اس دوسرے طریق میں بغیر واسطہ کے ہی ہے۔

قوله: ''قال أحمد بن صالح كلاماً معناه الخ: یہ مصنف کا مقولہ ہے، فرمار ہے ہیں کہ میرے استاذ احمد بن صالح نے حدیث کے جو الفاظ بیان کئے وہ تو مجھے محفوظ نہیں ہیں البتہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عبید بن عمیر حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ عبید بن عمیر لیثی نہیں ہیں کیوں کہ ابن ابی ذئب نے عبید بن عمیر لیثی کو نہیں پایا ہے۔

قوله: ''فذكر معناه'' یعنی احمد بن صالح نے حدیث سابق کے ہم معنی روایت ذکر کی۔

بَابٌ فِي الصَّبِيِّ يَحُجُّ

نابالغ بچہ کے حج کا بیان

۱۷۳۶- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّوْحَاءِ فَلَقِيَ رَكْبًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: مَنِ الْقَوْمُ؟، فَقَالُوا: الْمُسْلِمُونَ، فَقَالُوا: فَمَنْ أَنْتُمْ؟، قَالُوا: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَزِعَتِ امْرَأَةٌ فَأَخَذَتْ بِعَضُدِ صَبِيٍّ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ مِحَفَّتِهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ لِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ مقام روحاء میں تھے اتنے میں کچھ سوار ملے آپ ﷺ نے انکو سلام کیا اور پوچھا کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ مسلمان ہیں۔ پھر ان سواروں نے پوچھا تم کون ہو؟ صحابہ نے کہا کہ رسول ﷺ ہیں۔ یہ سن کر ایک عورت گھبرا گئی اور اپنے بچے کا بازو پکڑ کر محافہ سے باہر نکالا اور پوچھا یا رسول ﷺ اسکا بھی حج ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور تجھے ثواب ملے گا۔

۱۷۳۶- أخرجه مسلم في كتاب الحج: باب صحة حج الصبي، وأجر من حج به، حديث/ ۱۳۳۶، ومالك في كتاب الحج: باب جامع الحج، حديث/ ۲۴۴.

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداؤدؒ کا مقصد حج صبی یعنی نابالغ بچہ کے حج کی شرعی حیثیت کو بیان کرنا ہے، حج کی فرضیت کے لیے بالغ ہونا اگرچہ شرط ہے؛ لیکن اگر نابالغ بچے نے حج کرلیا تو اس کا حج درست ہوگا، البتہ اس کا یہ حج نفلی ہوگا، اس کا مفاد یہ ہوا کہ جب یہ بچہ بالغ ہوگا تو اس پر اگر استطاعت ہو تو فرض حج کرنا واجب ہوگا؛ اس لیے کہ اس نے حالتِ صغر میں جو حج ادا کیا ہے وہ نفلی تھا، جو چیز اس پر واجب نہ تھی وہ ادا کی تھی، اس لیے بلوغ کے بعد فرض حج کے لیے اس کا وہ حج کافی نہ ہوگا، جیسا کہ مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نابالغ بچہ حج کرلے تو اس کا حج معتبر ہوگا، پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس پر دوسرا حج واجب ہوگا، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا حَجَّ الصَّبِيُّ فَهِيَ لَهُ حَجَّةٌ حَتَّى يَعْقِلَ، وَإِذَا عَقَلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى، وَإِذَا حَجَّ الْأَعْرَابِيُّ فَهِيَ لَهُ حَجَّةٌ لَه فَإِذَا هَاجَرَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى» (صححہ الذہبی) (مستدرک حاکم: ۱/۴۸۱، طبع دار المعارف عثمانیہ)

تشریح حدیث: قولہ: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم بالروحاء: ''روحاء'' بفتح الراء وسکون الواؤ وحاء ممدودہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک قریہ ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

قولہ: فلقي ركبا: اس مقام روحاء میں حضور ﷺ کی ملاقات ایک جماعت سے ہوئی، مقام روحاء کے لوگوں سے یہ ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ آپ ﷺ حج سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے، جیسا کہ سنن نسائی (حدیث/ ۲۶۴۸) میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ''قال : صدر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كان بالروحاء...'' اسی طرح علامہ ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد میں نقل کیا ہے: ''ثم ارتحل رسول الله صلى الله عليه وسلم راجعًا إلى المدينة ، فلما كان بالروحاء لقي ركبًا...'' (زاد المعاد: ۲/۲۹۹)

اس تفصیل پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ مکہ سے واپسی کا ہے تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیوں نہیں پہچانا؟ یقیناً انھوں نے دورانِ حج آپ ﷺ کو دیکھا ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت ان کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو وہ وقت رات کا ہو یا اگر دن کا ہے تو ہوسکتا ہے کہ حج میں مجمع کثیر تھا براہ راست ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہ کی ہو، نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ ان لوگوں نے ابھی تک حج ہی ادا نہ کیا ہو، آئندہ کے بارے میں یہ سوال کرلیا ہو۔

قولہ: ففزعت امرأة: ایک عورت جن کا نام روایات میں مذکور نہیں گھبرا کر جلدی سے حضور ﷺ کی طرف لپکی کہ مبادا حضور ﷺ چل نہ دیں اور میں مسئلہ کے معلوم کرنے سے محروم رہ جاؤں، یہ خاتون اپنی سواری پر ہودج میں سوار

تھیں، انھوں نے ہودج سے بچے کا بازو پکڑ کر باہر نکالا اور معلوم کیا کہ کیا اس کا حج ادا ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں ہو جائے گا اور تم کو اس کا ثواب ملے گا، یعنی اس کو اٹھانے کا، طواف کرانے کا اور حج کے دیگر ارکان کے ادا کرانے کا۔

قوله: ''محفتها'' بکسر المیم وتشدید الفاء بمعنی عورتوں کی سواری، جس کو ہودج بھی کہتے ہیں۔

فقه الحديث: حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے جمہور نے لکھا ہے کہ حج الصبی معتبر ہے، البتہ اگر یہ صبی ممیز ہے تو افعال حج خود ادا کرے گا اور اگر غیر ممیز ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے تمام کام کرے گا، جمہور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے، احناف سے یہ جو منقول ہے کہ حج الصبی غیر معتبر ہے تو یہ غیر مفتی بہ ہے، علامی شامی نے ردالمحتار میں یہی لکھا ہے کہ حج الصبی معتبر ہے۔

البتہ جمہور اور حنفیہ کے مسلک میں ایک فرق ہے کہ محظورات احرام کے ارتکاب سے حنفیہ کے نزدیک کفارہ اور فدیہ واجب نہ ہوگا، جب کہ جمہور کے نزدیک واجب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي الْمَوَاقِيتِ

میقات کا بیان

۱۷۳۷- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ وَبَلَغَنِي أَنَّهُ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن اور اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔

مقصد ترجمه: مواقیت جمع ہے میقات کی، اور میقات وقت سے ماخوذ ہے، مصدر میمی ہے دو معنی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک تو وقت پر یعنی کسی کام کے لیے متعین کیا گیا وقت دوسرے جگہ پر یعنی وہ جگہ جو کسی کام کے لیے مقرر

۱۷۳۷- أخرجه البخاري (۳/ ۳۰۷/ رقم: ۱۵۲۵) في الحج، باب ميقات أهل المدينة ولا يهلون قبل ذي الحليفة، باب فرض مواقيت الحج والعمرة، وباب مهل أهل نجد، وفي العلم، باب ذكر العلم والفتيا في المسجد، و في الاعتصام، باب ماذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم، ومسلم رقم (۱۱۸۲) في الحج، باب مواقيت الحج والعمرة والموطا: ۱/ ۳۳۰، في الحج، باب مواقيت الإهلال، والترمذي رقم (۸۳۱) في الحج، باب ما جاء في مواقيت الإحرام لأهل الآفاق، والنسائي: ۵/ ۱۲۲ في الحج، باب ميقات أهل المدينة، وباب ميقات أهل الشام، وباب ميقات أهل نجد.

اور متعین کی جائے، پہلی کو میقات زمانی اور دوسری کو میقات مکانی کہتے ہیں، ہمارے مصنفؒ یہاں میقات میکانی کو بیان فرمارہے ہیں اولاً میقات زمانی اور مکانی کی قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

میقات زمانی:

حج کے ارکان کی ادائیگی کے لیے شرعاً ایک وقت مقرر ہے جس کو "میقات زمانی" کہتے ہیں، یہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، اس وقت سے پہلے حج کا کوئی عمل مثلاً طواف زیارت یا سعی وغیرہ ادا کرنا معتبر نہیں اور حج کا احرام باندھنا بھی ان مہینوں سے پہلے مکروہ تحریمی ہے، اس لیے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی حج کے اعمال کا آغاز کرنا چاہیے۔

وأما الميقات الزماني فأشهر الحج، وهي شوال وذوالعقدة وعشر من ذي الحجة كما روي عن العبادلة الثلاثة (درمختار، زکریا: ۳/ ۴۷۴)

وفائدة التوقيت بها أنه لو فعل شيئًا من أفعال الحج قبلها لايجزيه (الفتاوی التاتارخانیة: ۳/ ۴۸۶)

وحتى لو أحرم قبلها يكره تحريمًا مطلقًا (درمختار زکریا: ۳/ ۴۷۴)

میقات مکانی:

جس طرح مناسک حج کی ادائیگی کے لیے وقت متعین ہے اسی طرح جگہیں بھی متعین ہیں، جن کو "میقات مکانی" کہا جاتا ہے، ان مواقیت سے بغیر احرام کے گزرنا اس شخص کے لیے ممنوع ہے جس کا قصد حرم مکہ میں دخول کا ہو، اس اعتبا (میقات مکانی کے لحاظ) سے پوری دنیا تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱- حرم:

یہ بیت اللہ شریف کے اردگرد کا مخصوص علاقہ ہے، جس کی تعیین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم الٰہی حضرت جبریلؑ کی نشان دہی پر کی تھی اور اس کے نشانات حکومت کی طرف سے نصب ہیں، اس حرم کی مشہور حدود درج ذیل ہیں:

(۱) **تنعیم**: یہ مدینہ منورہ کے راستہ پر واقع ہے، جہاں پر اس وقت ایک عالی شان مسجد "مسجد عائشہ" بنی ہوئی ہے یہ جگہ مسجد حرام سے ساڑھے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۲) **نخلہ**: یہ طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان مسجد حرام سے ۱۳/ کلومیٹر دوری پر ہے۔

(۳) **اضاۃ لبن**: اسے "عکیشیہ" بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ مسجد حرام سے ۱۶/ کلومیٹر ہے۔

(۴) **جعرانه:** یہ بھی طائف کی جانب واقع ہے اور مسجد حرام سے ۲۲ / کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔
(۵) **حدیبیه:** اس کو "شمیسیہ" بھی کہا جاتا ہے، یہ جدہ کی جانب مسجد حرام سے ۲۲ /کلومیٹر دور ہے۔
(۶) **جبل عرفات:** اس کو "ذات السلیم" بھی کہتے ہیں، اس جانب کا فاصلہ بھی ۲۲ /کلومیٹر ہے (اطلس السیرة النبویه، شوقي ابوخلیل / ۲۵۳)

وعلى الحرم علامات منصوبة في جميع جوانبه، نصبها ابراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام، وكان جبرئيل عليه السلام يريه مواضعها (شامی: ۳/ ۴۸۵)

حرم مکی کی حدود کا نقشہ درج ذیل ہے:
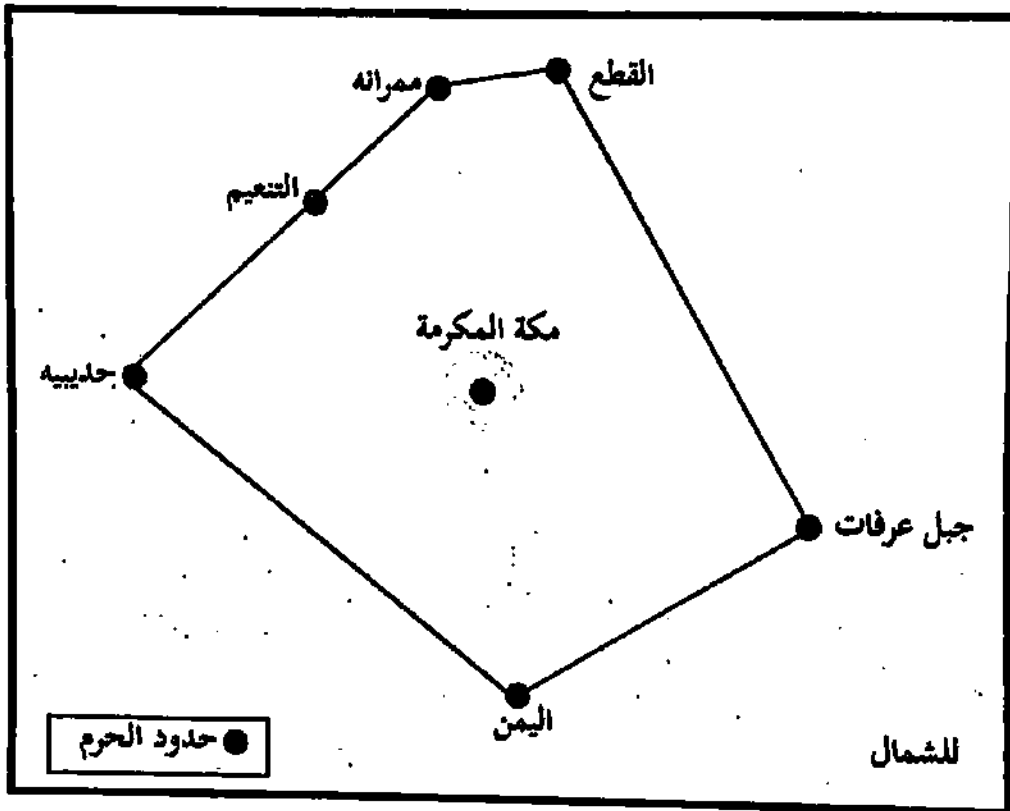
(۲) **حِل:** یہ حرم اور خارجی میقات کا درمیانی حصہ ہے یہاں کے رہنے والوں کو اہل حل یا حلی کہا جاتا ہے، اور ان کے لیے بلا احرام حدود میں جانے کی فی الجملہ اجازت ہے جب کہ حج یا عمرہ کا قصد نہ ہو۔

وهم أهل داخل المواقيت إلي الحرم والمراد بالداخل غير الخارج، وحلّ لهم دخول مكة بلا إحرام مالم يردوا نسكًا (غنیۃ الناسک: ۵۵)

نقشہ حسب ذیل ہے:
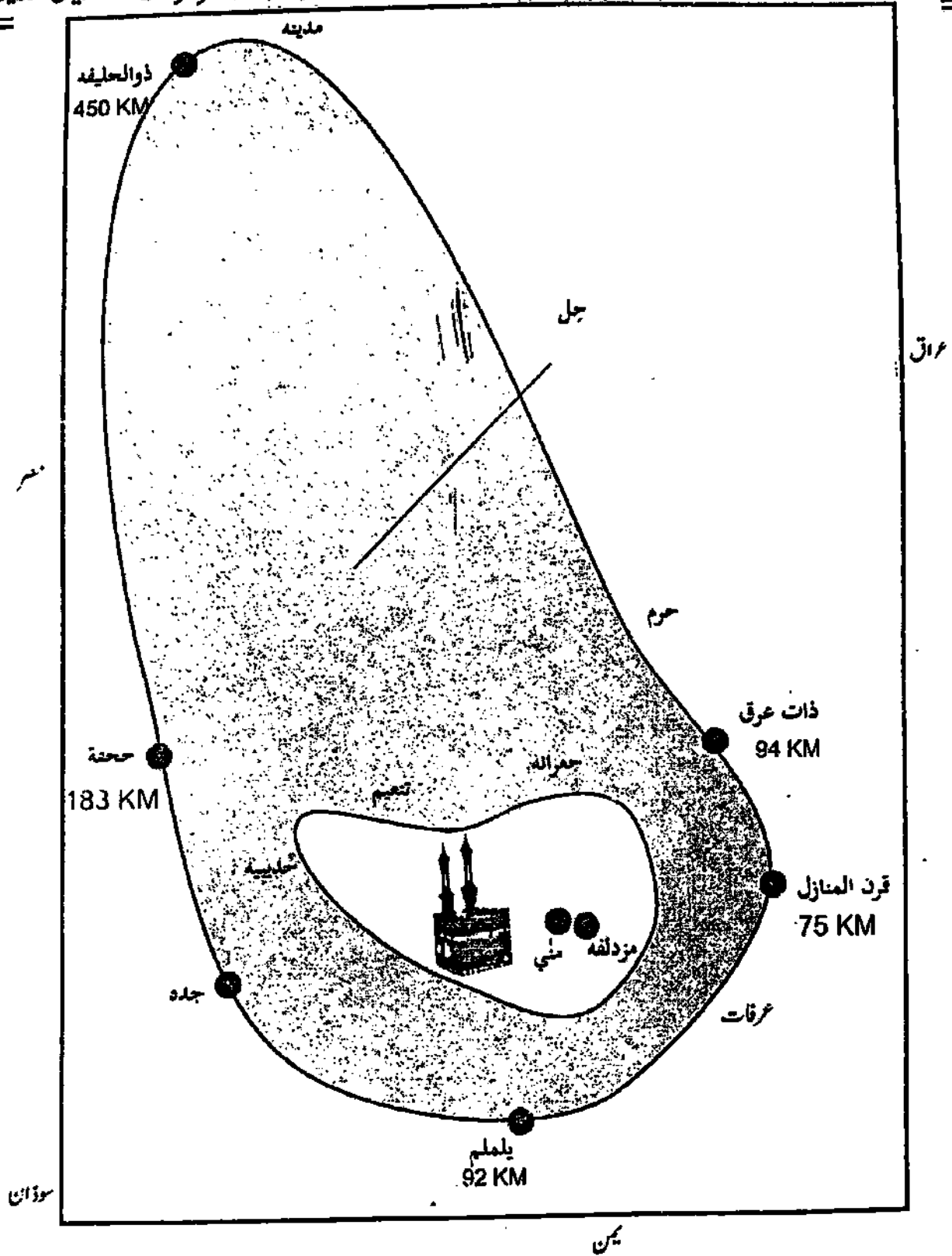
(۳) **أفاق:** یہ دنیا کا وہ تمام علاقہ ہے جو میقات سے باہر ہے، یہاں کے رہنے والوں کو آفاقی کہا جاتا ہے، اوران کے لیے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا ممنوع ہے، جب کہ ان کا حدود حرم میں جانے کا ارادہ ہو۔

ولا يجوز للافاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوي النسك أولا (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/ ۲۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ میقاتوں کا تعین ثابت ہے:

(۱) **ذوالحلیفه:** یہ اہل مدینہ اور وہاں سے گزرنے والوں کی میقات ہے، یہ مدینہ منورہ سے طریق ہجرت پر

گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں مسجد میقات کے نام سے ایک شاندار مسجد بنی ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج کا احرام یہیں سے باندھا تھا، اس مقام سے مکہ مکرمہ تقریباً ۴۵۰/کلومیٹر کی دوری پر ہے۔

(۲) **جحفہ**: جو لوگ مصر و شام سے تبوک ہوتے ہوئے مکہ کا سفر کریں "جحفہ" میقات ہے، آج کل یہ جگہ متعین نہیں ہے؛ بلکہ اس کے قریب "رابغ" نامی ساحلی قصبہ سے احرام باندھا جاتا ہے جو طریق بدر پر واقع ہے اس جگہ سے مکہ معظمہ ۱۸۷/ کلومیٹر ہے۔

(۳) **قرن المنازل**: نجد سے آنے والے لوگوں کے لیے "قرن المنازل" میقات ہے، اس مقام کو آج کل "السیل" کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظمہ کا فاصلہ ۷۵/ کلومیٹر ہے۔

(۴) **یلملم**: اہل یمن اور اس کے راستہ سے آنے والوں (مثلاً: ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ) کے لیے یلملم میقات ہے، اس کو آج کل "سعدیہ" کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظمہ کا فاصلہ ۱۲۰/کلومیٹر ہے۔

(۵) **ذات العرق**: عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے، یہ مکہ مکرمہ سے ۹۴/ کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔

نیز بعض روایات میں "وادی عقیق" نام کی میقات کا بھی ذکر ہے جو مدائن کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات قرار دی گئی ہے یہ جگہ ذات عرق کے قریب ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ جس جانب سے بھی حرم کے لیے آئیں گے ان کو مذکورہ مواقیت کی سیدھ سے گزرنے سے پہلے احرام باندھنا لازم ہوگا، خواہ وہ خشکی پر سفر کر رہے ہوں یا ہوائی جہاز سے سفر کر رہے ہوں۔

میقات کی حکمت:

شاہی دربار میں حاضری کے کچھ آداب اور ضوابط ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری کے بھی آداب مقرر ہیں، میقات کی پابندیاں اسی قبیل سے ہیں، کہ جو شخص باہر سے دربار خداوندی میں حاضری کے ارادے سے اندر آئے اس کے لیے میقات پر پہنچتے ہی احرام کی پابندی لازم ہے، اور احرام کی حالت کمال عاجزی کی حالت ہے جس میں امیر غریب، بادشاہ اور رعایا میں کوئی فرق نہیں، اس عالی دربار میں سب کو یکساں انداز میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۴۵)

ہمارے مصنفؒ کا مقصد مواقیت کی اسی مذکورہ تفصیل کو بیان کرنا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت میں چار مواقیت: ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم کا ذکر ہے، ذات العرق کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے، ان چاروں مواقیت کی تفصیل ابھی ہم اختصار کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

صاحب منہل نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یلملم سب یمن والوں کے لیے میقات ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اہل یمن کے دو راستے ہیں، ایک تہامہ والوں کا۔ یہ تو یلملم سے ہی گزرتے ہیں، دوسرے یمن کے پہاڑی لوگوں کا یہ قرن المنازل کی طرف سے گزرتے ہیں۔ (المنہل: ۱۰/۲۸۰)

۱۷۳۸- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَا وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَقَالَ أَحَدُهُمَا وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ وَقَالَ أَحَدُهُمَا أَلَمْلَمَ قَالَ فَهُنَّ لَهُمْ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ قَالَ ابْنُ طَاوُسٍ مِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ قَالَ وَكَذَلِكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا

ترجمہ: عمرو بن دینار، بواسطہ طاؤسؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن طاؤسؒ اپنے والد حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میقات مقرر فرمائے ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے کہا کہ اہل یمن کے لیے یلملم مقرر فرمایا اور ان میں سے کسی ایک نے (بجائے یلملم کے) الملم کہا، نیز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ مواقیت مذکورہ مقامات کے باشندوں کے لیے ہیں اور جو شخص کسی دوسری جگہ کا رہنے والا ان مواقیت میں آئے تو یہی میقات اسکے لیے بھی ہوگا جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں گے اور جو اسکے علاوہ ہو (یعنی مواقیت کا رہنے والا ہو تو) ابن طاؤس کہتے ہیں کہ وہ جہاں سے چاہے احرام باندھے اور اسی طرح اہل مکہ، مکہ سے احرام باندھیں گے۔

تشریح حدیث: باب کی یہ دوسری حدیث ہے اس کا ایک طریق مسنداً ہے اور ایک مرسلاً جب اس کو عمرو بن دینار نے طاؤس سے نقل کیا تو بہ واسطہ حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا یہ تو مسنداً ہوا، اور جب عبداللہ بن طاؤس نے اپنے والد طاؤس سے نقل کیا تو حضرت ابن عباسؓ کا واسطہ چھوڑ دیا اس لیے روایت مرسل ہوگئی۔

قوله: قال أحدهما: أَلَمْلَم: بفتح الہمزہ ہی اصل ہے؛ لیکن اکثر لوگ "یلملم" بفتح الیاء پڑھتے ہیں، یعنی ہمزہ کو یاء سے بدل کر، یہ اصل میں مکہ مکرمہ کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے۔

۱۷۳۸- أخرجه البخاري (۳/ ۳۰۷/ رقم: ۱۵۲۶) في الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، وباب مهل أهل الشام، وباب مهل من كان دون المواقيت، وباب مهل أهل اليمن، وباب دخول الحرم ومكة بغير إحرام، ومسلم رقم (۱۱۸۱) في الحج، باب مواقيت الحج والعمرة، والنسائي: ۵/ ۱۲۳، و۱۲۴، و۱۲۵ في الحج، باب ميقات أهل اليمن، وباب من كان أهله دون الميقات.

قوله: فهن لهن ولمن أتي عليهن: ''هُنَّ'' کا مرجع مواقیت ہے اور''لَهُنَّ'' کا مرجع جماعت مذکورہ ہے جو سابق میں آئے ہوئے الفاظ''أهل الشام'' وغیرہ سے مفہوم ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ مواقیت مذکورہ مقامات کے رہنے والوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ان مذکورہ جگہوں کے رہنے والے نہیں ہیں، اگر وہ بھی ان میقاتوں سے گزریں تو ان کے لیے بھی بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں ہے اس حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جس کی ایک میقات ہے مگر وہ سیدھا مکہ مکرمہ جانے کی بجائے ایسے مقام میں داخل ہو گیا جس کی مستقل میقات ہے اب وہ مکہ مکرمہ جاتا ہے تو اولاً اس دوسرے مقام کی میقات ملتی ہے اور بعد میں اس کے وطن کی میقات ملتی ہے۔

آفاقی شخص کا بغیر احرام کے میقات سے گزرنا:

حدیث شریف میں''ممن كان يريد الحج والعمرة'' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مواقیت سے احرام باندھنے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کی نیت سے داخل ہونا چاہتا ہے، لہٰذا اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر کسی شخص کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو اور وہ میقات سے گزرنا چاہتا ہے یا مکہ مکرمہ کسی تجارتی غرض سے جا رہا ہے تو وہ بغیر احرام کے میقات سے گزر سکتا ہے۔

درحقیقت اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول تو یہی ہے کہ جس کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو بلکہ وہ تجارت، سیاحت یا کسی اور مقصد سے مکہ جا رہا ہے تو میقات پر اس کے لیے احرام باندھنا ضروری نہیں، خواہ مکہ مکرمہ جانے کی حاجت متکررہ ہو یا غیر متکررہ ہو۔

حضرات مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس آفاقی کی حاجت متکررہ ہو جس کی وجہ سے اس کو بار بار مکہ مکرمہ جانے کی ضرورت پیش آتی ہو تو بغیر احرام کے میقات سے گزر سکتا ہے اور اگر حاجت غیر متکررہ ہو تو پھر بغیر احرام کے میقات سے نہیں گزر سکتا۔

ولا يجوز له تعدّي الميقات بلا إحرام إلّا أن يكون من المترددين... (الشرح الصغير:۲/۲۴)

أو حاجة متكررة كحطّابٍ وفيج. وهو رسول السلطان. وناقل الميرة ولصيد واحتشاشٍ ونحو ذٰلك... (كشف القناع:۲/۴۰۲)

ان تینوں حضرات ائمہ کا استدلال حدیث باب سے ہے البتہ حرج اور تنگی کی وجہ سے ان حضرات نے اس شخص کا استثناء کر دیا ہے جس کو مکہ مکرمہ جانے کی حاجت بار بار پیش آتی رہے، جیسے ڈرائیور، ڈاکیہ یا حاکم کا قاصد وغیرہ۔

جب کہ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ آفاقی آدمی کسی بھی غرض کے لیے مکہ مکرمہ جائے اس پر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ حاجت متکررہ ہو یا غیر متکررہ ہو، البتہ جو لوگ داخل مواقیت رہتے ہیں ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہو جائیں، جیسا کہ خود اہل مکہ اگر ضرورت سے مکہ مکرمہ سے باہر آئیں تو ان کو مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام کی ضرورت نہیں ہے۔

احناف کا استدلال درج ذیل دلائل سے ہے:

(۱) حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ میقات سے بغیر احرام کے نہ گزرو۔

عن ابن عباس أن النبي صلي الله عليه وسلم قال: ''لاَ تَجوزُوا الوَقتَ إلّا بإحرام'' (المعجم الكبير للطبراني: ۱۱/ ۴۳۵، حدیث نمبر: ۱۲۲۳۶)

(۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ سے بھی اسی مضمون کی موقوف روایت منقول ہے فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل نہ ہو۔

عن عليّ قال: ''لا يدخلها إلاّ بإحرام'' يعني مكة (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۲۰۹، حدیث/ ۱۳۵۱۸)

(۳) جلیل القدر تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ مکہ مکرمہ بغیر احرام کے داخل ہونا کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے۔

عن عطاءٍ قال: ليس لأحد أن يدخل مكة إلاّ بإحرام (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/ ۲۰۹، حدیث/ ۱۳۵۲۱)

(۴) حضرت ابن عباسؓ اس شخص کو واپس کر دیا کرتے تھے جو بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے۔

عن أبي الشعثاء أنه رأى ابن عباس يَرُدُّ مَنْ جاوز الميقات غَيْرَ مُحرِمٍ (معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۷/ ۱۰۰، حدیث/ ۹۴۳۲)

رہا مسئلہ حدیث باب کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بالمفہوم ہے یعنی یہ قید غالبی ہے کہ اکثر مکہ میں داخل حج یا عمرہ کی غرض سے ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کو ذکر کر دیا گیا ہے، اور ہمارا استدلال منطوق سے ہے، پھر یہ کہ احرام اس مقدس ومحترم مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی غرض سے باندھا جاتا ہے، حج وعمرہ کیا جائے یا نہ کیا جائے لہٰذا اس حکم کا تعلق جس طرح حج وعمرہ کرنے والے سے ہے اسی طرح یہ حکم تاجر وسیاح وغیرہ سے بھی متعلق ہوگا۔

نیز حدیث باب میں یہ تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ ''ممن أراد الحج والعمرة'' میں مضاف مقدر ہے ای: ممن أراد مكان الحج والعمرة اور اس تعبیر کے اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں

داخل ہوا اور حج وعمرہ کی فضیلت سے محروم رہے۔(فتح الملہم: ۲/۲۱۲)

قوله: "ومن كان دون ذلك": یعنی جو میقات کے اندر ہو اس طور پر کہ اس کا مسکن مکہ مکرمہ اور ان مذکورہ مواقیت میں سے کسی میقات کے درمیان یعنی حل میں ہو تو اس کا احرام اپنے گھر سے باندھنا ہوگا، اگرچہ اس کا گھر میقات کے قریب ہو، تب بھی میقات کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب منہل نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو وہ حج کا احرام تو اپنے گھر ہی سے باندھے گا البتہ عمرہ کے احرام کے لیے حرم کی حدود سے نکل کر حل تک جائے گا اور حل پہنچ کر ہی احرام باندھے گا، تاکہ اس کا احرام حل وحرم دونوں کو جامع ہو جائے۔

قوله: قال ابن طاؤس : من حيث أنشأ: یہ عبداللہ بن طاؤس اور عمرو بن دینار کے الفاظ کا اختلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن طاؤس نے اپنی روایت میں یہ نقل کیا: "ومن كان دون ذلك من حيث أنشأ" کہ جو آدمی داخل میقات کا ہو وہ اسی جگہ سے احرام باندھے گا جہاں سے اس نے سفر شروع کیا ہے، اسی طرح ابن طاؤس نے اپنی روایت میں یہ بھی کہا کہ یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے ہی حج کا احرام باندھیں گے۔

امام ابوداؤد نے یہاں عمرو بن دینار کے الفاظ بیان نہیں کیے، صحیح بخاری میں ان کے الفاظ یہ ہیں: "فمن كان دونهن فمهمله من أهله وكذلك حتي أهل مكه يهلون منها" (صحیح بخاری حدیث/۱۵۳۰)

۱۷۳۹- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ بَهْرَامَ الْمَدَائِنِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعَافِيُّ بْنُ عِمْرَانَ عَنْ أَفْلَحَ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

تشريح حديث: یہ اس باب کی تیسری حدیث ہے، باب کی پہلی حدیث حضرت ابن عمرؓ کی تھی اور دوسری حضرت ابن عباسؓ کی، پہلی اور دوسری حدیث میں چار میقاتوں کا بیان تھا، ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم کا، اس حدیث عائشہ میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بیان ہے کہ ذات عرق اہل عراق کی میقات ہے، جیسا کہ ہم نے شروع

۱۷۳۹- أخرجه النسائي: ۵/ ۱۲۵، في الحج، باب ميقات أهل العراق من حديث المعافي بن عمران عن أفلح بن حميد عن القاسم بن محمد عن عائشة رضى الله عنها، وإسناده صحيح قال الحافظ في "التهذيب" وقال ابن صاعد: كان الإمام أحمد ينكر على أفلح قوله: ولأهل العراق ذات عرق قال ابن عدي: ولم ينكر أحمد سوي هذه اللفظة، وقد تفرد بها عن أفلح معافي، وهو عندي صالح، وأحاديثه أرجو ان تكون مستقيمة.

باب میں لکھا ہے۔

ذاتِ عرق:

عرق بکسر العین چھوٹی پہاڑی کو کہتے ہیں تو ذاتِ عرق کے معنی ہوئے، چھوٹی پہاڑی والی جگہ، قدیم زمانہ میں عراق کی طرف سے آنے والے عازمین یہیں سے احرام باندھتے تھے، لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ لوگوں کا اس میقات سے احرام باندھنا اس لیے منقطع ہوگیا کہ اس کے قریب دوسری میقات قرن المنازل موجود تھی، چناں چہ لوگ قرن المنازل ہی سے احرام باندھتے تھے، پھر ماہ صفر ۱۴۴۲ھ کو سعودی فرماں رواں ملک عبداللہ بن عبدالعزیز نے قرن المنازل کی میقات پر حجاج کے رش اور بھیڑ کو کم کرنے کے لیے ذاتِ عرق کو اسی طرح شروع کردیا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شروع فرمایا تھا، اور اب یہاں ایک عالی شان مسجد تعمیر ہوگئی ہے، آج کل اس مقام کو ضربیہ کہا جاتا ہے۔

اہل عراق کی میقات ''ذاتِ عرق'' میں اختلاف کا بیان:

چار میقاتوں: ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم کی تعیین میں کوئی اختلاف نہیں ہے صحیحین کی روایات میں ان کا ذکر موجود ہے، لیکن اہل عراق کی میقات ''ذاتِ عرق'' میں اختلاف ہے، سفیان ثوریؒ اور بعض شافعیہ کا کہنا ہے کہ اہل عراق کی کوئی میقات مقرر نہیں ہے، اور ذاتِ عرق میقات منصوص نہیں ہے بلکہ اجتہاد پر مبنی ہے، حضرت عمرؓ نے قرن المنازل کی محاذات میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کو مقرر فرمایا تھا۔

جب کہ جمہور یعنی حنفیہ مالکیہ حنابلہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اہل عراق کی میقات بھی مقرر ہے، چار مواقیت کی طرح اس ''ذاتِ عرق'' کی تعیین بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، گو اس کی تعیین کی روایات پر کلام کیا گیا ہے، لیکن مجموعی اعتبار سے روایات قابل استدلال ہیں، چناں چہ اس سلسلہ میں درج ذیل روایات میں جن سے اہل عراق کے لیے ذاتِ عرق کا میقات ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) پہلی روایت تو حدیث باب ہی ہے اس میں حضرت عائشہؓ بیان فرما رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات قرار دیا ہے، اس روایت پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے جو اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔

(۲) أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يُسْأَلُ عَنِ الْمُهَلِّ فَقَالَ: سَمِعْتُ - أَحْسَبُهُ رَفَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَالَ: «مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ،

وَالطَّرِيقُ الْآخَرُ الْجُحْفَةُ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ» (صحیح مسلم: ۲/۸۴۱، رقم/۱۱۸۳)

(۳) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْبَصْرَةِ ذَاتَ عِرْقٍ، وَلِأَهْلِ الْمَدَائِنِ الْعَقِيقَ مَوْضِعٌ قُرْبَ ذَاتِ عِرْقٍ (شرح معانی الآثار: ۲/۱۱۹، رقم/۳۶۲۸)

ان روایتوں کا درجہ حسن لذاتہ سے کم نہیں ہے اس لیے قابل حجت ہیں، لہٰذا جن حضرات نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات غیر منصوص کہا ہے ان کی بات درست نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ ان تک یہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔

پھر حضرت عمرؓ کے سامنے بھی یہ روایات رہی ہوں گی اسی لیے انھوں نے بھی ذات عرق کو اہل عراق کی میقات مقرر فرمایا تھا، خلیفۂ راشد کا عمل مذکورہ بالا روایات کو اور مستحکم کر دیتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ چار مواقیت کی طرح پانچویں میقات ''ذات عرق'' بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ واللہ اعلم

۱۷۴۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ.

ترجمہ: احمد بن محمد بن حنبل، وکیع، سفیان، یزید بن ابی زیاد، محمد بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اہل مشرق (یعنی اہل عراق) کے لیے عقیق کو میقات قرار دیا ہے۔

تشریح حدیث: روایت میں اہل مشرق سے مراد اہل عراق ہیں، اور ''عقیق'' ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو سیلاب نے وسیع کر دیا ہو جمع ''أَعِقَّة'' آتی ہے اس کو وادی بھی کہا جاتا ہے، بلادِ عرب میں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جن کو عقیق کہا جاتا ہے۔ یہاں پر جس وادی کو عقیق کہا گیا ہے یہ ''ذات عرق'' کے قریب ہی ہے، جب عراق سے مکہ مکرمہ کی طرف آئیں گے تو پہلے یہ وادی عقیق شروع ہوتی ہے، پھر تقریباً دو کلومیٹر کے بعد ذات عرق آتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل عراق کی میقات ''عقیق'' نامی وادی ہے یا ''ذات عرق'' ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ دونوں

۱۷۴۰- أخرجه الترمذي: ۳/۱۹۴، كتاب الحج: باب ما جاء في مواقيت الإحرام لأهل الآفاق، حديث (۸۳۲) وأحمد (۱/۳۴۴) والبيهقي: ۵/۲۸، كتاب الحج: باب ميقات أهل العراق كلهم من رواية سفيان عن يزيد بن أبي زياد، عن محمد بن علي، عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم: وقت لأهل المشرق العقيق، وقال الترمذي: حديث حسن.

باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ اصل میقات تو ذاتِ عرق ہے، لیکن اس سے پہلے وادی عقیق میں کوئی احرام باندھ لے تو مستحب ہے، یا یہ کہا جائے کہ ذاتِ عرق درحقیقت وادی عقیق ہی کا حصہ ہے، کیوں کہ وادی پھیلی ہوئی ہوتی ہے، جب کہ تیسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ ذاتِ عرق عراق کے اہل بصرہ کی میقات ہے اور عقیق عراقی اہل مدائن کی میقات ہے۔

۱۷۴۱-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يُحَنَّسَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْأَخْنَسِيِّ عَنْ جَدَّتِهِ حُكَيْمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ أَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ شَكَّ عَبْدُ اللَّهِ أَيَّتُهُمَا قَالَ قَالَ أَبُودَاوُد: يَرْحَمُ اللَّهُ وَكِيعًا أَحْرَمَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ يَعْنِي إِلَى مَكَّةَ

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے حج یا عمرہ کی نیت سے مسجد اقصی سے مسجد حرام تک کا احرام باندھا تو اسکے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اسکے لیے جنت واجب ہوگئی یہ شک عبداللہ کا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ۔

تشریح حدیث: جب کوئی شخص بیت المقدس سے مکہ کے لیے چلتا ہے تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرتا ہے، اس طرح وہ شخص اپنے راستہ میں تینوں افضل ترین مقامات سے گزرتا ہے، ابتداء بیت المقدس سے، درمیان میں مدینہ منورہ اور آخر میں مکہ مکرمہ، اس لیے یہ شخص یقینا خوش بخت ہے جو کہ اپنے مبارک سفر حج یا سفر عمرہ کی ابتداء بیت المقدس سے کررہا ہے، حدیث شریف میں اسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، یا اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے۔

قوله: "أو وجبت له الجنة": یہ عبداللہ بن عبدالرحمن کا شک ہے کہ میرے استاذ یحییٰ بن ابی سفیان نے یا تو یہ کہا: "غفر له ما تقدم من ذنبه وماتأخر" یا پھر یہ کہا "وجبت له الجنة"۔

قوله: "قال ابوداؤد:يرحم الله وكيعًا أحرم من بيب المقدس يعني إلى مكة": یہ جملہ سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے، اس جملہ میں حضرت امام ابوداؤدؒ امام وکیعؒ کو دعا دے رہے ہیں کہ وہ

۱۷۴۱-اخرجه احمد في المسند: ۶/ ۲۹۹، وابن ماجة: ۲/ ۹۹۹، كتاب الحج، باب من أهل بعمرة حديث: ۳۰۰۱، وابن حبان في صحيحه ۳۸۰۱، الإحسان، والدارقطني: ۲/ ۲۸۴، كتاب الحج، والبيهقي: ۵/ ۳۰، كتاب الحج من طريق حكيمة عن أم سلمة مرفوعًا.

زیادتی ثواب کے لیے بیت المقدس سے مکہ مکرمہ تک احرام باندھ کر آئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

میقات سے پہلے احرام باندھنے کا حکم:

حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ مواقیت سے احرام کی تقدیم افضل ہے، بشرطیکہ ممنوعات احرام سے بچ سکے، ورنہ اگر یہ خطرہ ہو کہ مواقیت سے پہلے ہی احرام باندھنے کی صورت میں ممنوعات احرام سے اجتناب مشکل ہے تو پھر میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہوگا۔

مالکیہ، حنابلہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک میقات سے ہی احرام باندھنا افضل ہے، ان حضرات کا استدلال اس سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابۂ کرامؓ نے ذوالحلیفہ پر آ کر ہی احرام باندھا، اگر اس سے پہلے احرام باندھنا افضل ہوتا تو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ اسی کو اختیار کرتے۔

ہماری طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ذوالحلیفہ سے احرام اس لیے نہیں باندھا کہ وہاں سے احرام باندھنا افضل ہے، بلکہ آپ نے ذوالحلیفہ سے احرام لوگوں کی آسانی کی خاطر باندھا تھا، اگر آپ ﷺ مدینہ منورہ سے احرام باندھ لیتے تو صحابہ کرامؓ بھی آپ کی اتباع میں ایسا ہی کرتے، تو آپ نے لوگوں کے ساتھ تخفیف کا معاملہ کرنے کے لیے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔

جب کہ حنفیہ کے مسلک کی تائید حدیث باب کے علاوہ حضرت کی اس تفسیر سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے آیت قرآنی ''وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' کی فرمائی ہے، فرماتے ہیں: ''وأتموا الحج: أنْ تحرِمَ من دُوَيْرَةِ أهلك'' (مستدرک حاکم: ۲/ ۳۰۳، حدیث/ ۳۰۹۰، صحیح علی شرط الشیخین)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی قبل از میقات احرام باندھنا منقول ہے۔

(ایضاح البخاری: ۷/ ۲۸۶)

۱۷۴۲- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنِي زُرَارَةُ بْنُ كُرَيْمٍ أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ عَمْرٍو السَّهْمِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِمِنًى أَوْ بِعَرَفَاتٍ

۱۷۴۲- أخرجه "البخاري" في الأدب المفرد (۱۱۴۸) وفي (خلق أفعال العباد) (۵۲) وفي سنده عتبة بن عبد الملك السهمي، وهو مجهول، وفيه أيضا زرارة بن كريم السهمي، لم يوثقه غير ابن حبان، ولكن يشهد له هذا الحديث حديث عائشة الذي قبله، فالحديث لا ينزل عن درجة الحسن.

وَقَدْ أَطَافَ بِهِ النَّاسُ قَالَ فَتَجِيئُ الْأَعْرَابُ فَإِذَا رَأَوْا وَجْهَهُ قَالُوا هَذَا وَجْهٌ مُبَارَكٌ قَالَ وَوَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ.

ترجمہ: حضرت حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت منیٰ میں تھے یا یہ کہا کہ عرفات میں تھے اور لوگوں نے آپ ﷺ کو گھیر رکھا تھا پس عرب کے دیہاتی آئے اور آپ ﷺ کے روئے مبارک دیکھ کر کہتے یہ بابرکت چہرہ ہے حارث کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

تشریح حدیث: راویٔ حدیث حضرت حارث بن عمروؓ حضور ﷺ کے سفرحج کی منظر کشی فرمارہے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ عرفات یا منیٰ میں تھے تو حضرات صحابۂ کرامؓ نے آپ ﷺ کی زیارت کے اشتیاق میں آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، دور دراز سے لوگ آتے اور آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے، ہر ایک کی زبان پر یہی نغمہ تھا کہ کیسا بار برکت چہرہ ہے۔

اسی منظر کشی کے ساتھ ساتھ راوی نے یہ بھی بیان کیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا، یہاں پر اس حدیث کو لانے کا یہی مقصد بھی ہے۔

اہل عراق کے لیے "ذاتِ عرق" کے میقات ہونے کے تعلق سے جو تفصیلات تھیں ان کو ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ الْحَائِضِ تُهِلُّ بِالْحَجِّ

حائضہ عورت حج (یا عمرہ) کا احرام باندھے

۱۷۴۳- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: نُفِسَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ بِمُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بِالشَّجَرَةِ «فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ تَغْتَسِلَ فَتُهِلَّ»

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مقام شجرہ پر اسماء بنت عمیس کے، محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی تو رسول ﷺ نے (انکے شوہر) حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ (اسماء سے کہو کہ) غسل کرے اور احرام باندھے۔

۱۷۴۳- أخرجه مسلم رقم (۱۲۰۹) في الحج، باب إحرام النفساء، وابن ماجة رقم/ ۲۹۱۱، في المناسك، باب النفساء والحائض تهل بالحج.

مقصد ترجمہ: یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ احرام کے لیے طہارت شرط نہیں ہے، خواہ یہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا اور طہارت حدث اکبر سے ہو، یا حدث اصغر سے، البتہ طہارت کے ساتھ احرام باندھنا اعمالِ مسنونہ یا مستحبہ میں سے ہے، چناں چہ اگر کوئی عورت حائضہ ہو یا نفیسہ ہو، تو وہ اسی حالت میں احرام باندھ سکتی ہے، البتہ نظافت کی غرض سے حائضہ کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ بھی احرام کے وقت غسل کرلے، باب کی دونوں احادیث میں اسی کا بیان ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''نُفِسَتْ أسماء'': نَفِسَتِ المرأة (س) نَفَسًا وَنِفَاسًا: بچہ جننا، زچہ ہونا، اس طرح بھی کہتے ہیں: نُفِسَتْ وَلَدًا وَنُفِسَت به، یعنی بصیغہ مجہول، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ محمد بن ابی بکر کو جننے کی وجہ سے دم نفاس والی ہوگئیں، اور ولادت کا یہ واقعہ مقام ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے پاس پیش آیا، جب رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ یہ غسل کریں اور احرام باندھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ بیان فرمانا تھا کہ نفاس والی عورت حج کا احرام باندھ سکتی ہے، کیوں کہ ولادت کے بعد فوراً غسل کرنا محض نظافت کی وجہ سے تھا، غسل کرنے کی وجہ سے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کوئی پاک تو ہو نہیں گئی تھیں، اسی سے حضرات فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حیض ونفاس وغیرہ صحت احرام کے لیے مانع نہیں ہیں، طہارت صرف طواف کے لیے شرط ہے۔

ترجمة الباب: مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں عنوان قائم کیا تھا کہ حائضہ عورت احرام باندھ سکتی ہے، جب کہ حدیث میں حائضہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ نفاس کا ذکر ہے، اس لیے بظاہر حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ثابت نہیں ہوتی؟ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے مناسبت ہے کہ حیض ونفاس دونوں کے احکام مشترک ہیں، اس لیے مصنفؒ نے نفاس کی حدیث کو حیض پر منطبق کیا ہے۔

۱۷۴۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، وَمُجَاهِدٍ، وَعَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَا أَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ تَغْتَسِلَانِ، وَتُحْرِمَانِ وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ» قَالَ أَبُو مَعْمَرٍ، فِي

۱۷۴۴- أخرجه أحمد في مسنده (۵/ ۴۰۲/ رقم: ۳۴۳۵)، والترمذي رقم (۹۴۵) في الحج، باب ما جاء في ما تقضي الحائض من المناسك، وفي إسناده خصيف بن عبدالرحمن المزني أبو عون، وهو صدوق سيء الحفظ خلط بآخره، كما قال الحافظ في "التقريب" وقال المنذري: ضعفه غير واحد، أقول: ولكن يشهد له الحديث الذي قبله، ولذلك قال الترمذي: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه.

حَدِيثِهِ حَتَّى تَطْهُرَ وَلَمْ يَذْكُرْ ابْنُ عِيسَى، عِكْرِمَةَ وَمُجَاهِدًا، قَالَ: عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَقُلْ ابْنُ عِيسَى، كُلَّهَا قَالَ: «الْمَنَاسِكَ إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیض و نفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو غسل کر کے احرام باندھ لیں اور حج کے تمام ارکان ادا کریں سوائے طواف کعبہ کے۔ ابومعمر نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ نقل کیا ہے حتی تطهر یعنی یہاں تک کہ پاک صاف ہو جائیں اور ابن عیسیٰ نے عکرمہ اور مجاہد کو ذکر نہیں کیا بلکہ یوں کہا عن عطاء عن ابن عباس، نیز ابن عیسیٰ نے لفظ کلھا بھی ذکر نہیں کیا: وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ.

تشریح حدیث: کلمہ "وقت" میقات کے معنی میں ہے، حدیث شریف کا مطلب واضح ہے کہ حیض ونفاس والی عورتیں جب میقات پر آئیں تو بطور استحباب غسل نظافت کر لیا کریں، پھر احرام باندھ کر حج کے تمام افعال ادا کرتی رہیں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ کا قیام اور رمی جمرات وغیرہ تمام ارکان وواجبات ادا کریں، البتہ اس حالت میں بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی؛ کیوں کہ بیت اللہ کے طواف کے لیے طہارت شرط ہے۔ جب کہ دیگر ارکان وواجبات کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔

قولہ: قال أبومعمر الخ: یہاں سے مصنفؒ اپنے دو اساتذہ محمد بن عیسیٰ اور ابو معمر ابراہیم بن اسماعیل کے اختلاف کو بیان فرما رہے ہیں، یہ اختلاف سند میں بھی ہے اور متن میں بھی سند کا اختلاف تو یہ ہے کہ مصنفؒ کے استاذ محمد بن عیسیٰ نے حضرت ابن عباسؓ کے ایک شاگرد عطا نام ذکر کیا ہے، جب کہ مصنفؒ کے دوسرے استاذ ابو معمر نے حضرت ابن عباسؓ کے تین شاگردوں عکرمہ، مجاہد اور عطاء کا نام ذکر کیا ہے۔

اور متن کا اختلاف یہ ہے کہ ایک تو ابو معمر نے حدیث کے آخر میں "غير الطواف بالبيت" کے بعد "حتي تطهر" کا کلمہ بڑھایا ہے جب کہ "حتي تطهر" کا کلمہ محمد بن عیسیٰ کی روایت میں نہیں ہے، نیز حدیث میں "تقضيان المناسك" کے بعد کلمہ "كلها" بھی ابو معمر کی روایت میں ہے، محمد بن عیسیٰ کی روایت میں نہیں ہے، بلکہ محمد بن عیسیٰ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: تَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ.

فقہ الحدیث: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کا احرام صحیح ہے البتہ بطورِ نظافت کے ان کے لیے بھی غسل کر لینا افضل ہے، تاکہ مکان ووقت کی فضیلت ان کو حاصل ہو جائے۔

حائضہ اور نفاس والی عورت طواف بیت اللہ کے علاوہ تمام افعالِ حج ادا کرے گی، لیکن بعض روایات مثلاً مصنفؒ ابن ابی شیبہ میں یہ سعی کا استثناء بھی ہے کہ بغیر طہارت کے سعی بھی نہیں کی جائے گی، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ سعی چوں

کہ طواف کے بعد ہوتی ہے اس لیے اس کا بھی استثناء کردیا گیا ہے، ورنہ سعی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے، چناں چہ اگر کوئی عورت طواف کرنے کے بعد سعی سے پہلے حائضہ ہوگئی تو اس کے لیے اسی حالت میں سعی کرنا درست ہوگی۔

بَابُ الطِّيبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ

احرام کے وقت خوشبو لگانا

۱۷۴۵- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ، قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِإِحْلَالِهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے خوشبو لگایا کرتی تھی احرام باندھنے سے پہلے اور احرام کھولنے کے بعد طواف سے پہلے۔

مقصد ترجمہ: اس باب میں مصنفؒ احرام سے قبل عین احرام کے وقت خوشبو لگانے کے مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں، خوشبو جس طرح بدن پر لگائی جاتی ہے، اسی طرح کپڑوں پر بھی لگائی جاتی ہے، اور ان دونوں کے حکم میں فرق ہے، جس کی تفصیل انشاء اللہ باب کی دونوں روایتوں کے ترجمہ اور تشریح کے بعد بیان کی جائے گی۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت بھی خوشبو لگاتی تھی اور طواف سے قبل احرام کھولنے کے وقت بھی یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے، اور طواف سے قبل حلال ہونے کا مطلب ہے جماع کے علاوہ دیگر محرمات کے سلسلہ میں حلال ہونا؛ کیوں کہ دس ذی الحجہ یوم النحر کو تین کاموں (رمی، قربانی اور حلق) کے بعد محرم کے لیے جماع کے علاوہ وہ تمام چیزیں حلال ہوجاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھیں، پس اسی کے پیش نظر حضرت عائشہؓ نے طواف زیارت سے قبل احرام کھولنے اور حلال ہونے کا لفظ اختیار فرمایا لہٰذا اس حدیث سے مصنفؒ کا مقصد ثابت ہوگیا کہ محرم کے لیے احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا جائز ہے بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی سنت ہے۔

۱۷۴۵- أخرجه البخاري: ۳/ ۳۹۶، كتاب الحج: باب الطيب عند الإحرام، وما يلبس إذا أراد أن يحرم ويترجل ويدهن، حديث ۱۵۳۹، ومسلم: ۲/ ۸۴۶، كتاب الحج باب الطيب للمحرم عند الإحرام، حديث ۳۳/ ۱۱۸۹، والترمذي: ۳/ ۲۵۹، كتاب الحج، باب ماجاء في الطيب عند الإحلال قبل الزيارة، حديث ۹۱۷، والنسائي: ۵/ ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، كتاب الحج، باب الطيب عند الإحرام، وابن ماجه: ۲/ ۹۷۶، كتاب المناسك: باب الطيب عند الإحرام، حديث ۲۹۲، ومالك: ۱/ ۳۲۸، كتاب الحج: باب ماجاء في الطيب في الحج، حديث ۱۷، وقال الترمذي: حسن صحيح.

۱۷۴۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الْمِسْكِ، فِي مَفْرِقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اب بھی (چشم تصور میں) گویا کہ آپ کو دیکھ رہی ہوں اور آپ ﷺ کی مانگ میں لگی ہوں مشک کی خوشبو محسوس کررہی ہوں، جب آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے (لیکن یہ خوشبو احرام باندھنے سے قبل لگائی گئی تھی)

تشریح حدیث: یہ باب کی دوسری حدیث ہے اس میں حضرت عائشہؓ یہ بھی بیان فرمارہی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور احرام سے نکلنے کے لیے طواف زیارت سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا جس کی چمک رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی مانگ میں دورانِ احرام بھی نظر آتی تھی۔

وبیص: بروزن فعیل بمعنی چمک مشک کی یہ خاصیت ہے کہ اگر بدن کے کسی حصہ پر وہ لگائی جاتی ہے تو اس کی چمک نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کا مذکورہ بالا بیان اس وقت کا ہے جب وہ حدیث کو بیان کررہی ہیں، گویا وہ یہ کہہ رہی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آج بھی شدت استحضار کی وجہ سے آپ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک میری آنکھوں میں پھرتی ہے۔

احرام باندھتے وقت کپڑوں پر خوشبو لگانا:

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں ایک تو احرام باندھتے وقت احرام کے کپڑوں پر خوشبو لگانا، تو اس سلسلہ میں جمہور کا اتفاق ہے کہ احرام باندھتے وقت احرام کے کپڑوں پر خوشبو لگانا جائز نہیں ہے، البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد سے منقول ہے کہ اگر کوئی کپڑا ایسا ہو جس میں احرام سے قبل خوشبو لگی ہوئی ہو تو محرم آدمی اس کو استعمال کرسکتا ہے چناں چہ الموسوعۃ الفقہیہ میں لکھا ہے:

أَمَّا الثَّوْبُ الَّذِي فِيهِ طِيبٌ قَبْلَ الْإِحْرَامِ فَلاَ يَجُوزُ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ لُبْسُهُ. وَيَجُوزُ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ تَطْيِيبُ ثَوْبِ الْإِحْرَامِ عِنْدَ إِرَادَةِ الْإِحْرَامِ. وَلاَ يَضُرُّ بَقَاءُ الرَّائِحَةِ فِي الثَّوْبِ بَعْدَ الْإِحْرَامِ، (الموسوعة: ۲ / ۷۸)

۱۷۴۶- أخرجه البخاري: ۳/ ۳۹۶، ومسلم: ۲/ ۸۴۷، كتاب الحج: باب الطيب للمحرم عند الإحرام: ۳۹/ ۱۱۹۰، والنسائي: ۵/ ۱۴۰، وابن ماجه: ۲/ ۹۷۷، كتاب المناسك: باب الطيب عند الإحرام: ۲۹۲۸، وابن خزيمة: ۴/ ۱۵۷، والطحاوي في شرح معاني الآثار: ۲/ ۱۲۹، ۱۳۰۔

احرام باندھتے وقت بدن پر خوشبو لگانا:

دوسرا مسئلہ احرام باندھتے وقت بدن پر خوشبو لگانے کا ہے، تو اس سلسلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک احرام سے متصل پہلے بدن پر ہر قسم کی خوشبو لگانا جائز ہے، خواہ وہ خوشبو احرام پر باقی رہ جیسے مشک، یا اس کا اثر باقی رہے جیسے عود اور عرقِ گلاب وغیرہ اور خواہ باقی نہ رہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام مالکؒ کے نزدیک احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے امام محمد بن حسن شیبانی اور امام طحاویؒ کا بھی یہی مسلک ہے، صحابہ کرام میں سے حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔

نیز جمہور کے نزدیک حلق کے بعد طواف زیارت سے پہلے بھی ہر قسم کی خوشبو لگانا جائز ہے جب کہ امام مالکؒ کا مسلک یہاں بھی یہ ہے کہ جس طرح طواف زیارت سے پہلے جماع کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح خوشبو کا استعمال بھی جائز نہیں۔

جمہور کا استدلال:

حضرات ائمہ ثلاثہ: حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور جمہور کا استدلال حدیث باب سے ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ احرام باندھتے وقت میں حضور ﷺ کے خوشبو لگایا کرتی تھی جس کا اثر احرام کی حالت میں نظر آتا تھا، اسی طرح حلق کرانے کے بعد یوم النحر میں طواف سے قبل میں حضور ﷺ کے بدن مبارک میں خوشبو لگا دیا کرتی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث باب میں مالکیہ کی تاویل:

ہماری طرف سے باب کی دونوں حدیثیں جو پیش کی گئی ہیں مالکیہ حضرات نے ان میں یہ تاویل کی کہ یہ خوشبو لگانے کا جواز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، عام اجازت نہیں ہے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ کئی وجوہات کی وجہ سے احادیث باب کو تخصیص پر محمول کرنا درست نہیں۔

(۱) تخصیص کی کوئی واضح دلیل نہیں۔

(۲) حضرات صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے سامنے احرام کے وقت خوشبو لگاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان پر نکیر نہیں فرماتے تھے، اگر یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہوتی تو آپ ﷺ صحابی کو منع فرما دیتے، سنن ابوداؤد میں حضرات ازواج مطہرات کا عمل ان الفاظ میں منقول ہے:

كُنَّا نَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى مَكَّةَ فَنُضَمِّدُ جِبَاهَنَا بِالْمِسْكِ الْمُطَيَّبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ، فَإِذَا عَرِقَتْ

إِحْدَانَا سَالَ عَلَى وَجْهِهَا فَيَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْهَانَا. (سنن ابوداود: حدیث/۱۸۳۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے وقت خوشبو لگانے کا جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیوں کہ احرام کے وقت جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگاتے تھے اسی طرح ازواج مطہرات اور حضرات صحابہ کرام بھی لگاتے تھے۔

حضرات مالکیہ کا استدلال:

(۱)عَنْ عُرْوَةَ , عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ , قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ وَآخَرُ فِي مِنًى مَسَاءَ يَوْمِ الْأَضْحَى فَنَزَعَا ثِيَابَهُمَا , وَتَرَكَا الطِّيبَ. فَقُلْتُ: مَالَكُمَا؟ فَقَالَا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا: مَنْ لَمْ يُفِضْ إِلَى الْبَيْتِ مِنْ عَشِيَّةِ هَذِهِ , فَلْيَدَعِ الثِّيَابَ وَالطِّيبَ (شرح معانی الآثار: ۲/۲۲۸/۴۰۲۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ راوی ضعیف ہیں۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِعَرَفَةَ فَعَلَّمَهُمْ أَمْرَ الْحَجِّ، وَقَالَ لَهُمْ فِيمَا قَالَ: ثُمَّ جِئْتُمْ مِنًى، فَمَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَيْهِ إِلا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ، لا يَمَسَّ أَحَدٌ نِسَاءً، وَلا طِيبًا حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ(موطأ مالك رواية محمد بن الحسن الشيباني: (ص/۱۶۶، رقم/۴۹۱)

حضرت عمر بن خطاب ؓ کا یہ اثر اس پر محمول ہے کہ ان کو حضرت عائشہ ؓ کی یہ مرفوع روایت نہیں پہنچی ہوگی، امام بخاریؒ نے بھی صحیح بخاری میں ابراہیم نخعی کے قول کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے، حضرت ابراہیم نخعی نے حضرت ابن عمر ؓ کے عمل کو حضرت عائشہ ؓ کی مرفوع حدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔(ایضاح البخاری: ۷/۳۱۹)

(۳)عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: «مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُصَلِّيَ الْإِمَامُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى، ثُمَّ يَغْدُوَ إِلَى عَرَفَةَ فَيُقْبِلَ حَيْثُ قُضِيَ لَهُ، حَتَّى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ، ثُمَّ يُفِيضَ فَيُصَلِّيَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، أَوْ حَيْثُ قَضَى اللَّهُ، ثُمَّ يَقِفَ بِجَمْعٍ حَتَّى يُسْفِرَ، وَيَدْفَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، فَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ الْكُبْرَى حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ حَتَّى يَزُورَ الْبَيْتَ» هَذَا حَدِيثٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (المستدرك علي الصحيحين للحاكم(۱/۶۳۲/رقم:۱۶۹۵)

اس روایت کو حضرت عائشہ ؓ کی مذکورہ حدیث کے خلاف قرار دے کر مرجوح قرار دیا جاسکتا ہے۔

بَابُ التَّلْبِيدِ

سر کے بال جمانا

۱۷۴۷- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يُهِلُّ مُلَبِّدًا»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور آپ ﷺ کے سر کے بال جمے ہوئے تھے۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب سے مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ احرام کی حالت میں سر کو گرد و غبار سے بچانے اور بالوں کو منتشر ہونے سے روکنے کے لیے، بالوں کو گوند، خطمی یا کسی اور چپکنے والی چیز سے جمالینا شرعاً درست ہے، کیوں کہ احرام کی حالت میں بالوں کو سنوارنا یا ٹوپی لگانا تو درست ہے نہیں، اسی عمل سے بالوں کو ٹوٹنے سے بچالیا جاتا ہے احادیث میں بالوں کو اس طرح سر پر جمالینے کو تلبید کہا جاتا ہے۔

تشریح حدیث: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث باب کو مصنفؒ نے دو سندوں سے بیان فرمایا ہے جن میں مجموعی طور سے حضرت ابن عمرؓ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس حال میں تلبیہ پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے بالوں میں تلبید کر رکھی تھی، تا کہ احرام کی حالت میں بال منتشر نہ ہوں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تلبید مطلقاً جائز ہے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ایسی ہلکی تلبید جائز ہے جس سے تغطیۂ رأس لازم نہ آئے، ورنہ جائز نہیں۔

۱۷۴۸- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْعَسَلِ»

۱۷۴۷- أخرجه النسائي: ۵/ ۱۳۶، في الحج، باب التلبيد عند الإحرام، وإسناده صحيح، ورواه أيضا بهذه الرواية البخاري (۳/ ۳۱۷/ رقم: ۵۹۱۵) في الحج، باب من أهل ملبدا، ومسلم رقم (۱۱۸۴) في الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، وابن ماجة رقم (۳۰۴۷) في المناسك، باب من لبد رأسه، وأحمد في المسند: ۲/ ۱۲۱)

۱۷۴۸- أخرجه أحمد في مسنده (۲/ ۱۳۱/ رقم: ۶۱۳۶) قال الحافظ في الفتح: قال ابن عبد السلام: يحتمل أنه بفتح المهملتين، ويحتمل أنه بكسر المعجمة وسكون المهملة، وهو ما يغسل بها لرأس من خطمي أو غيره. قلت. القائل ابن حجر. ضبطناه في روايتنا في سنن أبي داؤد بالمهملتين.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بال شہد سے جمائے۔

تشریح حدیث: اس حدیث میں عسل سے مراد کیا ہے، معروف شہد یا کوئی اور چیز؟ نیز یہ کلمہ بالعین المہملہ ہے یا بالغین المعجمہ؟

اگر یہ بالعین المہملہ "عسل" ہے تو پھر اس کے معنی میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس کے معنی "ضَمغُ العُرفُط" کے ہیں، اور یہ بھی ایک قسم کا گوند ہوتا ہے، دوسرے یہ اپنے مشہور معنی شہد کے معنی ہی میں ہے، مگر اس صورت میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ شہد میں تولزوجت اور چپکاہٹ ہوتی ہے، بلکہ وہ تو کپڑوں اور بدن پر بھی ٹپک جاتا ہے، نیز اگر شہد کو سر کو لگایا جائے گا تو سر پر مکھیاں بھی آجاتی ہیں اور یہ نظافت کے بھی خلاف ہے۔

اور اگر یہ بالغین المعجمہ "غسل" ہے جیسا کہ بعض محدثین نے ضبط کیا ہے، اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں، کیوں کہ غسل کے معنی خطمی کے ہیں، اور خطمی سے پانی میں ڈال کر لیپ بھی کیا جاتا ہے اور بالوں کو دھویا بھی جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ باب کی دونوں روایتوں سے محرم کے لیے تلبید کے عمل کی اجازت ثابت ہوتی ہے، بالخصوص ایسے آدمی کے لیے جس کو احرام کی حالت میں زیادہ دن گزارنے پڑیں۔

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس نے احرام کی حالت میں سر پر تلبید کر رکھی ہو اس کے لیے سر کو مُڈانا (حلق کرانا) ہی ضروری ہے یا قصر بھی کافی ہو جائے گا؟ تو اس سلسلہ میں ابن بطال نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ حلق کرانا ہی ضروری ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قصر بھی کافی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: "من لبد رأسه أو عقص أو ضفر، فإن كان نوي الحلق فليحلق، وإن لم ينوه فإن شاء حلق وإن شاء قصر" (اعلاء السنن: ۱۰)

بَابٌ فِي الْهَدْيِ

ہدی کا بیان

۱۷۴۹- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ الْمَعْنَى، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي نَجِيحٍ: حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

۱۷۴۹-أخرجه أحمد في مسنده رقم (۲۰۷۹) ورقم (۲۴۲۸) و(۲۳۶۶) وأخرجه أيضا ابن ماجة رقم (۳۱۰۰) وفيه محمد بن إسحاق ولكنه صرح بالتحديث عند أحمد في المسند رقم (۲۳۶۲) فهو حسن.

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَهْدَى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي هَدَايَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِأَبِي جَهْلٍ، فِي رَأْسِهِ بُرَةُ فِضَّةٍ» . قَالَ ابْنُ مِنْهَالٍ، بُرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ، زَادَ النُّفَيْلِيُّ يَغِيظُ بِذَلِكَ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ والے سال میں حضور ﷺ کئی اونٹ ہدی کے لیے لے گئے، جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا، جس کی ناک میں چاندی کا چھلا پڑا ہوا تھا، ابن منہال کا بیان ہے کہ (اس کی ناک میں) ایک سونے کا چھلا تھا، نفیلی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل مشرکین کو جلانے کے لیے تھا۔

مقصد ترجمہ: ''ہدی'' بفتح الہاء وسکون الدال المخففہ یا بفتح الہاء وکسر الدال وتشدید الیاء یعنی بروزن ''ظَبْيٌ''، و''صَبِيٌّ'' لغت اور اصطلاح شرع میں اس جانور (اونٹ، گائے، بکری) کو ہدی کہتے ہیں جس کو حرم میں قربانی کے لیے بھیجا جائے، پھر یہ ہدی محرم بالحج کے لیے بھی ہے اور محرم بالعمرۃ کے لیے بھی مشروع ہے، ہمارے مصنفؒ یہاں پر محرم بالعمرہ کے لیے ہی اس کی مشروعیت کو بیان فرما رہے ہیں۔

تشریح حدیث: جب رسول اللہ ﷺ ۶ھ میں عمرہ کرنے آئے تو مکہ مکرمہ سے پندرہ کلومیٹر دور شمال مغرب میں مقام حدیبیہ پر کفار مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا اور پھر اسی مقام پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال ۷ھ میں عمرہ کر سکتے ہیں، چناں چہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اسی جگہ احرام کھول دیا، اور مدینہ منورہ سے جو قربانی کے جانور لائے تھے وہ بھی اسی جگہ قربان کر دیئے، اب حضرت ابن عباسؓ فرما رہے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ ہدی کے طور پر جو اونٹ اپنے ساتھ لائے تھے وہ وہ اونٹ تھا جو پہلے ابوجہل کا تھا، لیکن جب وہ غزوۂ بدر میں مقتول ہوگیا تو اس کا اونٹ غنیمت میں رسول اللہ ﷺ کو ملا، آپ ﷺ اسی اونٹ کو ہدی بنا کر مکہ لائے تھے، اس اونٹ کی ناک میں چاندی یا سونے کا چھلا پڑا ہوا تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدی کے لیے اسی اونٹ کو کیوں لے کر آئے؟

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے مالک تھے، اور مالک کو اختیار ہے وہ اپنی مملوکہ چیز کو راہ خدا میں خرچ کرے اور دوسرا جواب راوی حدیث نفیلی نے یہ بھی دیا کہ اس اونٹ کو لا کر آپ ﷺ کا مقصد مشرکین مکہ کو کڑھانا اور جلانا تھا تاکہ ان کو اس کے ذریعہ غزوۂ بدر میں اپنی ہزیمت یاد آئے جس میں ستر رؤساء کفار مارے گئے تھے اور ان کے لیے یہ نشان عبرت بنے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمان خدا کو رنج پہنچانا اور جلانا بھی مصلحت سے خالی نہیں ہے۔

فقہ الحدیث: مذکر اونٹ کی ہدی بھی جائز ہے کیوں کہ ابوجہل کا یہ اونٹ مذکر ہی تھا، البتہ حضرت ابن عمرؓ سے یہ

مروی ہے کہ ہدی میں مؤنث اونٹنی ہی ہونی چاہیے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ کی نکیل میں تھوڑا بہت سونا چاندی استعمال کرنا بھی جائز ہے اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس اونٹ پر قبضہ کرتے ہی اس سونے یا چاندی کے چھلے کو نکال دیتے۔ (تکملۃ المنھل العذب المورود: ۱/ ۵)

بَابٌ فِي هَدْيِ الْبَقَرِ

گائے بیل کے ہدی ہونے کا بیان

۱۷۵۰- حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَاحِدَةً»

ترجمہ: زوجہ رسول ﷺ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آل (یعنی اپنی ازواج) کی طرف سے حجۃ الوداع میں ایک گائے ذبح کی تھی۔

مقصد ترجمہ: ہدی عامۃً تین جانوروں کی ہوتی ہے، ایک اونٹ، دوسرے گائے بیل وغیرہ، تیسرے بھیڑ بکری وغیرہ، اب مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ جس طرح اونٹ کی ہدی میں سات افراد کی شرکت ہو سکتی ہے اسی طرح گائے کی ہدی میں بھی سات افراد کی شرکت ہو سکتی ہے۔

تشریح حدیث: روایت میں ''آل'' سے مراد ازواج مطہرات ہیں، چناں چہ صحیح مسلم کی روایت میں ''عَنْ نِسَائِهِ بقرةً في حجته'' کے الفاظ ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی سات ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی، کیوں کہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں آپ کی کل آٹھ زوجات تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے چوں کہ اس وقت تک عمرہ نہیں کیا تھا اس لیے حضرت عائشہؓ اس قربانی میں شریک نہیں تھیں جن سات زوجات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی گئی تھی وہ یہ ہیں۔

(۱) میمونہ بنت حارثؓ — (۲) حفصہ بنت عمر

(۳) ام سلمہ ہند بنت ابی امیہؓ — (۴) زینب بنت جحشؓ

۱۷۵۰- أخرجه ابن ماجة رقم (۳۱۳۵) في الأضاحي، باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة، وفي سنده يونس بن يزيد بن أبي النجاد الأيلي، وهو ثقة إلا أن في روايته عن الزهري وهما قليلا، فهو حديث حسن.

(۵) ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ (۶) جویریہ بنت حارثؓ

(۷) صفیہ بنت حیی

رہا مسئلہ حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کی طرف سے قربانی کرنے کا تو دیگر مجموعی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گائے اور ذبح کی تھی اس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کو شریک کرلیا ہوگا۔

حضرات ازواج مطہرات کی طرف سے یہ جو قربانی کی گئی یہ دم تمتع کی تھی، کیوں کہ آپ ﷺ کی تمام ہی ازواج مطہرات متمتعات تھیں سب پر ہدی متعہ واجب تھی گو حضرت عائشہؓ حیض آنے کی وجہ سے حج سے قبل عمرہ نہیں کرسکیں مگر دم ان کا بھی فسخ عمرہ کی وجہ سے واجب تھا۔

ہماری مذکورہ بالا تقریر سے ان حضرات کا رد ہوجاتا ہے کہ بقرہ واحدہ دس افراد کی طرف سے کافی ہے اور دلیل حدیث باب ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے قربانی کی اور ازواج مطہرات کی تعداد اس وقت نو تھی، اس لیے کہ روایات کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دو گائیں قربانی کی تھیں، چناں چہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ: ''ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عائشة بقرةً'' اس سے دوسری بقرہ کا ذبح ہونا ثابت ہوگیا۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۱۳۱۹)

اور اگر سنن نسائی کی روایت کو اختیار کریں تو اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایک زوجہ کی طرف سے ایک گائے قربانی کی، اس طرح نو ازواج کی طرف سے نو گائیں ہوگئیں، الفاظ یہ ہیں: ''ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عنّا يوم حججنا بَقَرَةً بقرةً'' اور جن روایات میں بقرہ واحدہ کی تصریح ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ جملہ ازوج کی طرف سے ایک ہی بقرہ کی بلکہ تعدد کی طرف اشارہ ہے کہ ایک گائے چند کی طرف سے کی تھی۔

۱۷۵۱- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «ذَبَحَ عَمَّنِ اعْتَمَرَ مِنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً بَيْنَهُنَّ»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ان ازواج کی طرف سے جنھوں نے عمرہ کیا تھا ایک گائے ذبح کی تھی۔

۱۷۵۱- أخرجه ابن ماجة (۳۱۳۳) والنسائي في الكبرى تحفة الأشراف (۱۱/ ۱۵۳۸۶) وابن خزيمة (۲۹۰۳) قلت: في إسناده الوليد بن مسلم، ويحي بن أبي كثير وهما ثقتان ولكنهما يدلسان ولكن للحديث شواهد.

تشریح حدیث: یہ باب کی دوسری حدیث ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ قربانی ان ازواج مطہرات کی طرف سے کی تھی جنھوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج کی ادائیگی سے پہلے عمرہ ادا کرلیا تھا لہٰذا یہ دم دم تمتع ہوا۔

فقہ الحدیث: حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ متمتع کے ذمہ دم تمتع واجب ہے، قرآن کی آیت بھی اس کی دلیل ہے: ''فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ '' (سورۂ بقرہ: آیت/ ۱۹۶)
مرد کے لیے بیوی کا دم تمتع ادا کرنا درست ہے۔

بَابٌ فِي الْإِشْعَارِ

اشعار کا بیان

۱۷۵۲- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ " أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَسَّانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِبَدَنَةٍ فَأَشْعَرَهَا مِنْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْأَيْمَنِ، ثُمَّ سَلَتَ عَنْهَا الدَّمَ وَقَلَّدَهَا بِنَعْلَيْنِ، ثُمَّ أُتِيَ بِرَاحِلَتِهِ فَلَمَّا قَعَدَ عَلَيْهَا وَاسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالْحَجِّ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی، پھر ایک اونٹ منگایا اور اس کا اشعار کیا یعنی کوہان کے داہنی طرف سے چیر دیا، پھر دبا کر خون نکالا اور دو جوتے اس کے گلے میں لٹکا دیئے (ہدی کی پہچان کے لیے) اس کے بعد اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیداء پہنچ کر حج کا تلبیہ کہا۔

مقصد ترجمہ: اشعار باب افعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں خون لگانا، اور اصطلاح میں ہدی کے اونٹ کی داہنی کروٹ میں ایک ہلکا سا زخم لگا کر اس کے خون سے کوہان کو رنگین کر دینا تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے، اس کا دستور زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا کیوں کہ اہل عرب میں ویسے تو قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا تھا، لیکن جس جانور کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی حرم ہے اس کو چور اور ڈاکو بھی ہاتھ نہیں لگاتے تھے، بعض اوقات ہدی کا جانور راستہ میں ہلاک ہونے لگتا ہے تو اس کو نحر کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر اس پر کوئی علامت ہوگی تو

۱۷۵۲- أخرجه مسلم رقم (۱۲۴۳) في الحج، باب تقليد الهدي وإشعاره والترمذي رقم (۹۰۶) في الحج، باب ماجاء في إشعار البدن، والنسائي: ۵/ ۱۷۰، و۱۷۲، في الحج، باب أي الشقين يشعر، وابن ماجه رقم (۳۰۹۷) في المناسك، باب إشعار البدن.

مساکین اس کو پہچان لیں گے، اور اس کا گوشت استعمال کر لیں گے۔

اسی مقصد سے دوسرا عمل قلادہ ڈالنے کا بھی ہوتا تھا، یہ دونوں چیزیں یعنی اشعار اور تقلید پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہیں، اسی بات کو واضح کرنے کے لیے امام ابوداوُدؒ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

تشریح حدیث: ''قوله: صلى الظهر بذي الحليفة'': پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھ کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے، عصر سے پہلے مدینہ منورہ سے گیارہ کلومیٹر دوری پر مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ گئے اور پانچ نمازیں یہیں ادا فرمائیں، جب اگلے دن کی ظہر کی نماز پڑھی تو آپ نے اپنی ہدی کا اشعار کیا اور اس کے گلے میں قلادہ بھی ڈالا، اس سے معلوم ہوا کہ تقلید یا اشعار میقات پر کر لینا چاہیے، امام شافعیؒ اسی کو افضل فرماتے ہیں۔

قوله: ''ثم دعا ببدنة'' بفتح الباء والدال، وہ اونٹ یا گائے جس کو حرم میں قربان کرنے کے لیے لایا جائے، جمع بُدْنٌ وبُدُنٌ آتی ہے، بُدْنَ بدانۃً کے اصل معنیٰ موٹا ہونے کے آتے ہیں اس جانور کو بدنہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عامۃ اس کو لوگ موٹا اور فربہ کرتے ہیں۔

قوله: فأشعرها من صفحة سنامها الأيمن: صفحة کے معنیٰ جانب کے ہیں اور ''سنام'' سحاب کے وزن پر ہے جس کی جمع ''اسنمة'' آتی ہے، بمعنی کوہان، حدیث کے اس جملے سے معلوم ہوا کہ اشعار بدنہ کی دائیں جانب میں ہوگا، حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ اسی کو افضل قرار دیتے ہیں، جب کہ مالکیہ اور حنفیہ جانب ایسر میں افضل قرار دیتے ہیں، چناں چہ مسند ابویعلی موصلی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانب ایسر میں اشعار کیا فرماتے ہیں: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أتى ذا الحليفة أشعر بدنته في شقها الأيسر، ثم سلت الدم بأصبعه (نصب الرایہ: ۳/ ۱۱۶)، اسی طرح موطا امام مالک میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل جانب ایسر میں اشعار کرنے کا ہے۔ (موطا مالک: ۲/ ۲۲۶)

صاحبِ منہل نے لکھا ہے کہ اقرب الی الصواب یہی ہے کہ اشعار جانب ایسر میں ہو، کیوں کہ جب ہدی کے اونٹوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ کے سامنے سے پیش کیا گیا، پس آپ ﷺ ان کے سر کی جانب سے آگے بڑھے اور نیزہ آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ میں تھا ایسی صورت میں جانب یسار ہی میں نشتر لگانا زیادہ موضوع اور مناسب ہوگا۔

قوله: ثم سَلَت عنه الدم: سَلَتَ کے معنیٰ ہیں صاف کرنا، رگڑنا، یہاں پر رگڑنا اور ملنا ہی مراد ہے، تاکہ نشتر سے نکلا ہوا خون اچھی طرح بدن پر لگ جائے۔

قوله: قلدها بنعلين: یعنی ہدی کی گردن میں دو جوتیوں کو ہار بنا کر ڈال دیا، تاکہ پہچان ہو جائے کہ یہ ہدی کا

اونٹ ہے، سواری کا نہیں ہے، یادرہے کہ دو جوتیوں کا قلادہ ڈالنا ہی افضل ہے، اگر چہ ایک جوتی بھی گلے میں ڈال دی جائے تو کافی ہے، نیز بہتر یہ ہے کہ یہ نعلین جن کا قلادہ ڈالا جارہا ہے قیمتی ہوں تاکہ ذبح کے بعد ان کا صدقہ کیا جاسکے۔

قوله: استوت به علی البيداء أهل بالحج: یعنی سواری پر سوار ہونے کے بعد جب آپ ﷺ بیداء پہاڑی پر پہنچے تو حج کا احرام باندھا احرام کا تحقق تلبیہ پڑھنے سے ہوتا ہے اس بارے میں احادیث میں اختلاف ہے کہ احرام کس وقت باندھا جائے، مصنفؒ نے اس سلسلہ میں مستقل باب قائم کیا ہے، حضرات فقہاء کرام کے مابین اختلاف کو بھی وہیں بیان کیا جائے گا۔

اشعار کا شرعی حکم:

جس اشعار کی تفصیل ماقبل میں پیش کی گئی وہ حضرات ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مسنون ہے۔(بدایۃ المجتہد: ۱/ ۳۷۷)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ ان کے نزدیک اشعار مکروہ ہے، چناں چہ صاحب ہدایہؒ مختصر القدوری کی اس عبارت: ''ولايشعر عند أبي حنيفة'' کے تحت لکھتے ہیں ''ویکرہ'' (ہدایہ: ۱/ ۲۶۲) اور دلیل امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ دی گئی ہے کہ اشعار مثلہ ہے اور مثلہ ممنوع ہے؛ لہٰذا اشعار بھی ممنوع ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ علی الاطلاق اشعار کو مکروہ نہیں کہتے اور نہ ہی سنت ہونے کا انکار کرتے ہیں بلکہ اشعار کی ایک خاص صورت کو انھوں نے مکروہ فرمایا ہے جس کی تفصیل حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں بعض لوگ اشعار کرنے میں بہت مبالغہ کرنے لگے تھے اس طرح کہ کھال کے ساتھ ساتھ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے اور گہرے زخم لگادیتے تھے، جس سے جانوروں کو ناقابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اور اس جانور کے مرنے کا خطرہ ہوجاتا تھا اس لیے انھوں نے سد اللباب اشعار سے روکا، ورنہ ان کا مقصود نفس اشعار سے روکنا نہ تھا بلکہ مبالغہ فی الاشعار سے روکنا تھا، امام طحاویؒ کی مذکورہ بالا تفصیل بہت معتمد ہے؛ کیوں کہ وہ اعلم الناس بمذہب ابی حنیفہ ہیں۔(از عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۵)

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابن نجیم نے البحر الرائق میں امام طحاویؒ کی بیان کردہ تفصیل کو اختیار کیا ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ یہ بات امام ابو حنیفہؒ سے بعید ہے کہ حدیث صحیح کے باوجود اشعار سے انکار کریں۔(فتح القدیر: ۳/ ۸، البحر الرائق: ۲/ ۳۹۱)

تقلید ابل و بقر:

یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ ابل اور بقر کے گلے میں نعلین کا قلادہ ڈالنا مسنون ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: وهو سنة بالإجماع، وهو تعليق نعل أو جلد ليكون علامة الهدي (عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۶)

البتہ تقلید غنم کے بارے میں اختلاف ہے جس کو ہم آگے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے تحت نقل کریں گے۔

۱۷۵۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ بِمَعْنَى أَبِي الْوَلِيدِ، قَالَ: ثُمَّ سَلَتَ الدَّمَ بِيَدِهِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ هَمَّامٌ، قَالَ: سَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا بِأُصْبُعِهِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا مِنْ سُنَنِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ الَّذِي تَفَرَّدُوا بِهِ

ترجمه: یحییٰ نے بطریق شعبہ اس حدیث کو ابوالید کی روایت کے ہم معنی روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پھر آپ ﷺ نے ہاتھ سے دبا کر خون نکالا ابوداؤد نے کہا کہ ہمام کی روایت میں ہے انگلی سے دبا کر خون نکالا۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث اہل بصرہ کی ان سنن میں سے ہے جس کی نقل کرنے میں وہ منفرد ہیں۔

تشریح حدیث: یہ اس باب کی دوسری حدیث ہے لیکن درحقیقت یہ پہلی حدیث ہی کا طریق ثانی ہے، اور امام ابوداؤد کا مقصد ایک جملہ کے الفاظ میں رواۃ کے اختلاف کو بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا تھا: ''ثم سلت عنها الدم'' اب مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ اس جملہ کو نقل کرنے والے کل چار راوی ہیں، ابوالولید، حفص بن عمر، یحییٰ بن سعید قطان اور ہمام بن یحییٰ۔

ان میں سے ابوالولید اور حفص بن عمر نے نقل کیا: ''ثم سلت عنها الدم'' یحییٰ بن سعید قطان نے نقل کیا: ''ثم سلت الدم بيده'' یعنی ''بيده'' کا اضافہ کیا اور ''عنها'' کے لفظ کو نقل نہیں کیا۔

جب کہ ہمام بن یحییٰ نے نقل کیا: ''ثم سلت عنها الدم باصبعه'' یعنی لفظ ''باصبعه'' کا اضافہ کیا، اور لفظ ''باصبعه'' قلت خون کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشعار اس طرح کیا کہ زخم بہت معمولی لگایا کہ اس کا خون بھی صرف ایک انگلی سے رگڑ دیا لیکن اشعار کی عام روایات میں انگلی سے رگڑنے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

ہمام کی جس روایت کا حوالہ مصنفؒ نے دیا ہے ہمیں ان کی روایت تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔

قوله: ''هٰذا من سُنَنِ أهل البصرة الذين تفردوا به'' یہاں سے مصنفؒ لطیفۂ سند کو بیان فرما رہے ہیں

۱۷۵۳- أخرجه مسلم رقم (۱۲۴۳) في الحج، باب تقليد الهدي وإشعاره، والترمذي رقم (۹۰۶) في الحج، باب ما جاء في إشعار البدن، والنسائي: ۵/ ۱۷۰ و ۱۷۱ في الحج، باب أي الشقين يشعر، وابن ماجة رقم (۳۰۹۷) في المناسك، باب إشعار البدن.

وہ یہ کہ حدیث اشعار کو نقل کرنے والے تمام رواۃ بصری ہیں، کیوں ابوحسان مسلم بن عبداللہ الاعرج جو مدار سند ہیں بصری ہیں، اسی طرح ان سے نقل کرنے والے قتادہ ہیں وہ بھی بصری ہیں، قتادہ کے شاگرد شعبہ اور ہمام بن یحیٰی بھی بصری ہیں، کسی حدیث کی سند میں اگر ایک جگہ کے تمام رواۃ جمع ہوجائیں تو اسی کو لطیفہ سند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۷۵۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، وَمَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، أَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَلَمَّا كَانَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے سال نکلے، جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ہدی کے گلے میں کچھ لٹکادیا اور اس کا اشعار کیا، پھر احرام باندھا۔

رجال حدیث: "مروان بن حکم" یہ کبار تابعین میں سے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، لہٰذا ان کے اعتبار سے تو روایت مرسل ہوگی؛ لیکن مسور بن مخرمہ صحابی ہیں اس لیے ان کے اعتبار سے روایت متصل ہوگی۔

تشریح حدیث: اس روایت میں ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے سال کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کی میقات ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ہدی کا اشعار کیا، اس کے گلے میں نعلین کا قلادہ ڈالا اور یہیں سے احرام باندھا۔

۱۷۵۵- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، وَالْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْدَى غَنَمًا مُقَلَّدَةً

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی بکریاں تقلید کر کے ہدی کیں۔

تشریح حدیث: ماقبل کی روایت میں اونٹ اور گائے کے گلے میں نعلین کا قلادہ ڈالنے کا ذکر تھا، اس روایت میں تقلید غنم کا ذکر ہے، کیوں کہ بکری میں ضعیف ہونے کی وجہ سے اشعار تو ہوتا نہیں، صرف قلادہ ڈالا جاسکتا ہے، لیکن قلادہ بھی ایسا ہو کہ بکری کے لیے ثقل نہ بنے، یعنی نعلین کے بغیر اون وغیرہ کا قلادہ ڈال دیا جائے۔

۱۷۵۴- أخرجه أحمد (۴/ ۳۲۳) وفي (۴/ ۳۲۳) وفي (۴/ ۳۲۷، ۳۲۸) وفي (۴/ ۳۳۱) والبخاري (۲/ ۲۰۶) وفي (۳/ ۲۵۲) وفي (۵/ ۱۵۷) وفي (۵/ ۱۶۱) وفي (۵/ ۱۶۱) وأبو داؤد رقم (۲۷۶۶) و (۴۶۵۵) وابن خزيمة رقم (۲۹۰۶) و (۲۹۰۷) مختصرًا ومطولاً۔

۱۷۵۵- أخرجه البخاري، كتاب الحج: باب تقليد الغنم، حديث /۱۷۰۱، ومسلم كتاب الحج: باب نحر البدن قياما مقيدة، حديث / ۱۳۳۱، والنسائي، كتاب الحج: باب تقليد الغنم، وابن ماجة كتاب المناسك: باب تقليد الغنم، حديث/ ۳۰۹۶۔

تقلید غنم میں اختلاف ہے:

عامۂ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تقلید غنم مشروع نہیں ہے اور شوافع وحنابلہ کے یہاں مسنون ہے، ہماری رائے میں یہ اختلاف محض لفظی ہے حقیقی نہیں کیوں کہ جو لوگ بکری کے گلے میں قلادہ ڈالنے کے قائل ہیں وہ بھی نعلین کے قلادہ کے قائل نہیں؛ بلکہ اس قلادہ ڈالنے کے قائل ہیں جو زینت کے قبیل سے ہے یعنی اون کے پھندنے بنا کر بکری کے گلے میں ڈالنا، اور جو لوگ بکری میں تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ معروف تقلید یعنی نعلین کا قلادہ ڈالنے کا انکار کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ اختلاف محض لفظی ہے۔

صاحب منہل نے لکھا ہے: ''ولا تقلد الغنم بالنعل؛ لأنه يثقل عليها حملها فتضعف'' (فتح الملک المعبود: ۱/۱۱)

بَابُ تَبْدِيلِ الْهَدْيِ

ہدی کا بدلنا

۱۷۵۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو عَبْدِ الرَّحِيمِ خَالِدُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، خَالُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، رَوَى عَنْهُ حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ جَهْمِ بْنِ الْجَارُودِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَهْدَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بُخْتِيًّا فَأُعْطِيَ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَهْدَيْتُ بُخْتِيًّا فَأُعْطِيتُ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ، أَفَأَبِيعُهَا وَأَشْتَرِي بِثَمَنِهَا بُدْنًا، قَالَ: «لَا انْحَرْهَا إِيَّاهَا» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا لِأَنَّهُ كَانَ أَشْعَرَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک بختی اونٹ ہدی کیا، پھر اس کی قیمت دو سو دینار لگ گئی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک بختی اونٹ ہدی کیا ہے اور مجھے اس کی قیمت میں سو دینار مل رہے ہیں، تو کیا میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کوئی اور اونٹ خرید لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اسی کو ذبح کرو۔

۱۷۵۶- اخرجه احمد (۲/۱۴۵، برقم: ۶۳۲۵) وابن خزيمة في صحيحه (۴/۲۹۲/برقم: ۱۹۱۱)

امام ابوداؤدؒ نے کہا: کہ یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا تھا کہ وہ یعنی حضرت عمرؓ اس کا اشعار کر چکے تھے۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداؤدؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب آدمی کسی جانور کو ہدی بنالے تو پھر اس کو تبدیل نہ کرے؛ کیوں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کردی اس کو بدلنے میں خود اس چیز کا بھی نقصان کرنا ہے جس کو وہ ہدی بناچکا ہے، اس لیے کہ کسی بھی جانور کا ہدی بن جانا خود اس جانور کے لیے بھی باعث فخر ہے۔ مسئلہ میں اگرچہ تفصیل ہے کہ ہدی کے جانور کی تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟ لیکن نہ بدلنے کے افضل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

تشریح سند: قوله: ''قال أبوداؤد: أبو عبدالرحيم الخ'' یہاں سے امام ابوداؤدؒ نے ابوعبدالرحیم کا تعارف کرایا ہے کہ ان کا نام خالد بن ابی یزید ہے، رشتہ میں محدث کبیر محمد بن سلمہ کے ماموں ہوتے ہیں اور ان کے تلامذہ میں حجاج بن محمد نمایاں ہیں، غالباً مصنفؒ نے یہ تعارف اس لیے کرایا ہے کہ انکے نام میں اختلاف ہے؛ چناں چہ بعض حضرات نے ان کا نام سَمّال بھی نقل کیا ہے۔ ثقہ راوی ہیں۔

''جهم بن جارود'' یہ ابوعبدالرحیم کے استاذ ہیں اور سالم بن عبداللہ بن عمر کے تلمیذ ہیں؛ لیکن امام بخاری فرماتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمر سے ان کا سماع غیر معروف ہے، امام ذہبیؒ نے لکھا ہے: ''فيه جهالة'' اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے: ''مقبول من الثالثة'' امام ابوداؤدؒ نے ان کی صرف یہی ایک حدیث نقل کی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: ''أهدى عمر بختيًا'' بضم الباء وسکون الخاء وکسر التاء، بمعنی لمبی گردن کا اونٹ جو عامۃً عربی اور عجمی سے پیدا ہو، یہ بخت نصر بادشاہ کی طرف منسوب ہے، جمع بخاتٍ آتی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ خراسانی اونٹ کو بختی کہتے ہیں اور یہ عمدہ قسم کا اونٹ ہوتا ہے۔

سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہ لفظ ''نَجِيبًا'' بفتح النون وکسر الجیم ہے، جو نجابت سے ماخوذ ہے بمعنی عمدہ اور نفیس اونٹ۔

قوله: ''فاعطي بها ثلاث مائة دينار'' بصیغہ مجہول، مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ اس خراسانی بختی اونٹ کو ہدی بنا کر حرم بھیج رہے تھے، لوگوں نے اس کو دیکھا کہ یہ تو بہت شاندار اونٹ ہے تو اس کو خریدنے کے لیے کسی نے تین سو دینار دام لگادیئے؛ حالاں کہ ایک اونٹ اس زمانہ میں تقریباً ۱۲ یا پندرہ دینار کا ہوتا تھا، اب حضرت عمرؓ نے سوچا ہوگا کہ اس ایک اونٹ کو فروخت کر کے پچیس تیس اونٹ خریدلوں گا اور ان کو ہدی بنادوں گا تو شاید زیادہ ثواب مل جائے گا؛ اس لیے پیغمبر علیہ السلام سے مشورہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے اسی بختی اونٹ کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔

قوله: ''هٰذا لأنه كان أشعرها'' یہ حضرت امام ابوداؤدؒ کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ہدی کے بدلنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ انھوں نے ہدی کا اشعار کرلیا تھا، اور جب ہدی کا اشعار کرلیا جاتا ہے تو پھر وہ متعین

ہوجاتی ہے۔اس کا بدلنا جائز نہیں ہے۔

ہدی کی تبدیلی اور اس میں تفصیل:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق تفصیل بیان کی ہے۔

فقہاء احناف یہ فرماتے ہیں کہ نفلی ہدی ہو تو اس کی تبدیلی درست نہیں کیوں کہ نفلی ہدی متعین کرنے سے متعین ہوجاتی ہے اور اگر ہدی واجب ہو مثلاً نذر کی ہو یا دم قران ہو، یا دم تمتع ہو، یا دم جنایت ہو تو پھر اس کا بدلنا جائز ہے اس لیے کہ یہ واجب فی الذمہ ہے جو شراء سے متعین نہیں ہوتی البتہ افضل اس میں بھی تبدیلی نہ کرنا ہے، اس تفصیل کے مطابق اگر حضرت عمرؓ کی ہدی نفلی تھی تو حدیث میں نہی عدم جواز پر محمول ہے، اور اگر یہ ہدی واجب تھی تو نہی خلاف اولیٰ پر محمول ہوگی۔

جب کہ مالکیہ کی رائے وہی ہے جو امام ابوداؤدؒ کی ہے کہ اگر ہدی کا اشعار کردیا یا قلادہ ڈال دیا یا ہدی نذر کی ہو تو اس کا بدلنا جائز نہیں ہے، ورنہ بدل سکتے ہیں اور شافعیہ وحنابلہ مطلقاً تبدیلی کے جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بھی حدیث باب خلاف افضل پر محمول ہوگی۔ (ملخص از فتح الملک المعبود: ۱/ ۱۳)

بَابُ مَنْ بَعَثَ بِهَدْيِهِ وَأَقَامَ

جوشخص اپنی ہدی بھیج دے اور خود نہ جائے

۱۷۵۷- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي، ثُمَّ أَشْعَرَهَا، وَقَلَّدَهَا، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلًّا»

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے قلادے بٹے، پھر آپ ﷺ نے ان کا اشعار کیا اور وہ قلادے ان کے گلے میں ڈال دیئے، اور ان کو بیت اللہ کی طرف روانہ کردیا اور آپ ﷺ خود مدینہ میں تشریف فرما رہے اور کوئی چیز جو حلال تھی آپ ﷺ پر حرام نہیں ہوئی۔

۱۷۵۷- اخرجه البخاري في الحج، باب تقليد الغنم، و في الأضاحي، باب إذا بعث بهديه ليذبح، برقم (۱۶۹۶، و ۱۶۹۹، و ۱۷۰۰، و ۱۷۰۴) ومسلم رقم (۱۳۲۱) في الحج، باب استحباب بعث الهدي إلى الحرم، والترمذي رقم (۹۰۹) في الحج، باب ما جاء في تقليد الغنم، والنسائي: ۵/ ۱۷۳، و ۱۷۴، في الحج، باب تقليد الغنم، واخرجه أيضاً ابن ماجه رقم (۳۰۹۶) في المناسك، باب تقليد الغنم.

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداودؒ اس ترجمۃ الباب سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حصولِ فضیلت کی غرض سے کوئی شخص حرم جانے والوں کے ساتھ حرم میں قربانی کرانے کے لیے کوئی ہدی بھیج دے اور خود نہ جائے تو محض ہدی کو حرم میں روانہ کرنے کی وجہ سے وہ محرم نہیں بنتا ہے، نہ ہی اس پر محرم کے احکام جاری ہوتے ہیں اس مقصد کے ثبوت کے لیے امام ابوداودؒ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تین سندوں سے بیان کیا ہے، جن میں حضرت عائشہؓ وضاحت فرما رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے ہدی کے اونٹوں کو روانہ کر دیتے تھے لیکن آپ ﷺ پر احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوتی تھیں، جو چیزیں ہدی کے جانور بھیجنے سے پہلے آپ کے لیے حلال تھیں وہ ہدی کے بھیجنے کے بعد بھی حلال رہتی تھیں۔

تشریح حدیث: اس روایت میں حضرت عائشہؓ ۹ھ کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا، اس موقع پر آپ ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے تھے، مگر آپ ﷺ نے اپنی طرف سے منیٰ میں ذبح کرانے کے لیے ہدی کے اونٹ بھیجے تھے، حضرت عائشہؓ انھیں اونٹوں کا ذکر کر رہی ہیں۔

فرما رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے ہار میں نے اپنے ہاتھ سے بٹے، آپ ﷺ نے پہلے ان کے گلے میں ہار ڈالے، اشعار کیا اور پھر ان کو روانہ کیا؛ مگر اس سب کے باوجود آپ ﷺ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جو آپ کے لیے حلال تھی، یعنی آپ ﷺ محض اشعار کرنے اور ہدی کو حرم روانہ کرنے سے محرم نہیں ہوئے اور احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوئیں۔

حضرات ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہی ہے کہ محض اشعار و تقلید اور ہدی کے حرم بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ باب میں حضرت ابن عباسؓ کی رائے:

زیر بحث مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہدی بھیجنے والا محرم کے حکم میں ہو جائے گا، اور جب تک ہدی حرم میں پہنچ کر ذبح نہ کر دی جائے اس وقت تک محظوراتِ احرام سے بچنا اس کے لیے ضروری ہوگا اور ان کا استدلال حضرت جابرؓ سے مروی اس روایت سے ہے جس کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: ''كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَقَدَّ قَمِيصَهُ مِنْ جَيْبِهِ حَتَّى أَخْرَجَهُ مِنْ رِجْلَيْهِ فَنَظَرَ الْقَوْمُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي أُمِرْتُ بِبُدْنِي الَّتِي بَعَثْتُ بِهَا أَنْ تُقَلَّدَ الْيَوْمَ وَتُشْعَرَ عَلَى مَاءِ كَذَا وَكَذَا فَلَبِسْتُ قَمِيصِي وَنَسِيتُ فَلَمْ أَكُنْ لِأُخْرِجَ قَمِيصِي مِنْ رَأْسِي وَكَانَ قَدْ بَعَثَ بِبُدْنِهِ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ'' (شرح معانی الآثار: ۱/۴۳۹)

لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ابن ابی لہیعہ راوی ہیں جو قابل حجت نہیں ہیں، جب

کہ حضرت عائشہؓ کی رویت اصح ترین روایت ہے، اصحاب صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اس لیے حضرت جابرؓ والی یہ روایت مرجوح ہوگی۔

فقہ الحدیث: (۱) جو شخص خود حج کو نہ جا رہا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ حرم میں قربانی کے لیے ہدی بھیجے۔

(۲) اشعار اور تقلید ہدی مستحب ہے۔

(۳) اشعار اور تقلید میقات پر پہنچ کر کرے اگر خود حج یا عمرہ کے لیے جا رہا ہے۔

(۴) اون وغیرہ کا ہار بنا کر بھی قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالنا بہتر ہے۔

(۵) حرم کے لیے ہدی بھیجنے کی وجہ سے آدمی اس وقت تک محرم نہ ہوگا جب تک خود حج کی نیت نہ کرے۔

(۶) جو جانور حدود حرم میں ذبح کیا جاتا ہے اس کا ثواب حدود حرم سے باہر ذبح کیے جانے والے جانور سے زیادہ ہے۔ واللہ اعلم

۱۷۵۸- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ الْهَمَدَانِيُّ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَنَّ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ، حَدَّثَهُمْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ، ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے ہدی کے جانور روانہ فرماتے تو ان میں ان کے قلادے بنا کرتی تھی، اور آپ ﷺ ان چیزوں سے پرہیز نہ کرتے جن سے احرام والا پرہیز کرتا ہے۔

تشریح حدیث: یہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کا طریق ثانی ہے، اس میں حضرت عائشہؓ سے نقل کرنے والے دو حضرات ہیں، ایک عروہ بن زبیر اور دوسرے عمرہ بنت عبدالرحمن، مضمون ان کی روایت کا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدی کے اونٹ روانہ فرماتے اور خود مدینہ میں ہی رہتے اور جن چیزوں سے محرم اجتناب کرتا ہے ان چیزوں سے آپ ﷺ پرہیز نہیں کرتے تھے کیوں کہ ہدی کے حرم بھیجنے سے آدمی محرم نہیں بن جاتا۔

۱۷۵۸-أخرجه البخاري: ۳/۴۳۷، في الحج، باب تقليد الغنم رقم (۱۶۹۶) وفي الأضاحي، باب إذا بعث بهديه ليذبح لم يحرم عليه شيء رقم (۵۵۶۶) ومسلم في الحج، باب استحباب بعث الهدي إلى الحرم، رقم (۱۳۲۱)، والترمذي في الحج، باب ما جاء في تقليد الهدي للمقيم، رقم (۹۰۸) والنسائي: ۵/ ۱۷۱، في الحج، باب فتل القلائد، وباب ما يفتل من القلائد، و باب تقليد الهدي، وباب تقليد الإبل، وباب تقليد الغنم، وباب هل يوجب تقليد الهدي حرامًا، وأخرجه أيضًا ابن ماجة رقم (۳۰۹۴) في المناسك، باب تقليد البدن.

۱۷۵۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ، زَعَمَ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَلَمْ يَحْفَظْ حَدِيثَ هَذَا مِنْ حَدِيثِ هَذَا، وَلَا حَدِيثَ هَذَا مِنْ حَدِيثِ هَذَا، قَالَا: قَالَتْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَدْيِ فَأَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا بِيَدِي، مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدَنَا، ثُمَّ أَصْبَحَ فِينَا حَلَالًا يَأْتِي مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ»

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدی کے جانور روانہ فرمائے اور میں نے ان کے قلادے اپنے ہاتھ سے اس روئی کے بٹے تھے جو ہمارے پاس موجود تھی، پھر صبح کو آپ ﷺ حلال اٹھے وہ کام کر کے جو حلال اپنی بیوی سے کرتا ہے (یعنی آپ ﷺ نے صحبت کی اور ہدی کے بھیجنے سے آپ ﷺ محرم نہیں ہوئے)

تشریح حدیث: قوله: زعم أنه سمعه منها: اس کے قائل عبداللہ بن عون ہیں، یعنی عبداللہ بن عون نے کہا کہ میں نے یہ حدیث اپنے دو استاذوں قاسم بن محمد اور ابراہیم نخعی سے سنی ہے؛ لیکن دونوں کے بیان کردہ الفاظ میں مجھے امتیاز نہیں ہوسکا کہ قاسم بن محمد نے حدیث کے کیا الفاظ نقل کیے تھے اور ابراہیم نخعی نے کیا نقل کیے، بذل المجہود میں لکھا ہے کہ قاسم بن محمد کی روایت تو متصل ہے اور ابراہیم نخعی والی روایت منقطع ہے، کیوں کہ ابراہیم نخعی کی لقاء حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

قوله: "عهن" بکسر العین وسکون الہاء بمعنی رنگی ہوئی اون۔

قوله: "ياتي ماياتي الرجل من أهله" یہ جماع اور مقدماتِ جماع سے کنایہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہدی کے حرم بھیجنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ محرم نہیں ہوتے تھے، بلکہ حلال ہی رہتے، یہاں تک کہ اپنی ازواج مطہرات سے صحبت بھی کرلیا کرتے تھے، اگر آدمی محض ہدی کے حرم بھیجنے کی وجہ سے محرم ہوجاتا تو پھر رسول اللہ ﷺ ایسا نہ کیا کرتے۔

یہ حضرت عائشہؓ کی حدیث تھی جس کو امام ابوداودؒ نے تین سندوں سے بیان فرمایا ہے جب کہ امام طحاوی نے اس کو دس سندوں سے بیان کیا ہے، اور یہ حدیث جمہور اور ائمہ اربعہ کی دلیل ہے۔ (فتح الملک المعبود: ۱۶/۱)

☆

۱۷۵۹ - انظر تخريج الحديث السابق.

بَابٌ فِي رُكُوبِ الْبُدْنِ

ہدی کے جانور پر سواری کرنے کا بیان

۱۷۶۰- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ: «ارْكَبْهَا» ، قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ: «ارْكَبْهَا وَيْلَكَ» - فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ -

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو ہدی کا اونٹ ہانک رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جا، اس نے کہا: یہ تو ہدی کا اونٹ ہے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: سوار ہو جا، افسوس ہے تجھ پر، آپ ﷺ نے یہ (ارْكَبْهَا وَيْلَكَ) دوسری بار فرمایا یا تیسری بار۔

مقصد ترجمہ: حضرت امام ابوداودؒ اس باب میں بدنہ (حرم کے لیے بھیجے جانے والے قربانی کے اونٹ) پر سوار ہونے کے حکم کو بیان کرنا ہے کہ اس پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، مصنفؒ نے دو احادیث باب میں نقل کی ہیں، جن سے مجموعی طور پر ممانعت ثابت ہوتی ہے باب کی دونوں احادیث کے ترجمہ اور مطلب کے بعد فقہاء کرام کے اختلاف کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

تشریح حدیث: حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہدی کو لے جا رہا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے، آپ ﷺ نے اس سے ہدی پر سوار ہونے کے لیے فرمایا اس نے یہ عذر کیا کہ یہ ہدی ہے، اس نے یہ سمجھا کہ ہدی کے جانور پر تو سوار ہونا صحیح نہیں ہے، آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا کہ سوار ہو جاؤ، اس نے پھر یہی عذر کیا کہ یہ ہدی ہے آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اور اس مرتبہ میں ناگواری کا اظہار بھی فرمایا۔

بعض شراح حدیث نے اس امر بالرکوب کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں اہل جاہلیت کی مخالفت ہے، کیوں کہ مشرکین سائبہ، وصیلہ اور حام سے منتفع نہیں ہوتے تھے؛ لیکن جمہور شراح نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر کم از کم یہ امر استحباب کے لیے ہوتا جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

۱۷۶۰- أخرجه البخاري: ۳/ ۴۲۹ و ۴۳۰ في الحج، باب ركوب البدن، وباب تقليد النعل، وفي الوصايا، باب هل ينتفع الواقف بوقفه، وفي الأدب، باب ماجاء في قول: ويلك، ومسلم رقم (۱۳۲۲) في الحج، باب جواز ركوع البدنة المهداة لمن احتاج إليها، والموطا: ۱/ ۳۸۷ في الحج، باب مايجوز من الهدي، والنسائي: ۵/ ۱۷۶ في الحج، باب ركوب البدنة، وأخرجه أيضًا ابن ماجة رقم (۳۱۰۳) في المناسك، باب ركوب البدن.

۱۷۶۱- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ رُكُوبِ الْهَدْيِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوفِ، إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا حَتَّى تَجِدَ ظَهْرًا

ترجمہ: ابوزبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا کہ ہدی کے جانور پر سوار ہونا کیسا ہے؟ انھوں نے کہا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کہ آہستگی سے سوار ہو جا اگر تو مجبور ہو، یہاں تک کہ دوسری سواری پالے''۔

تشریح حدیث: ''أُلْجِئْتَ'' مجہول کا صیغہ ہے، ''أَلْجَأَ فُلَانًا إِلَى كَذَا'' از باب افعال: کسی چیز پر مجبور کرنا، اور مجہول ہونے کی صورت میں ترجمہ کریں گے کسی چیز پر مجبور ہونا، کسی کام کو مجبور ہو کر اختیار کرنا۔

روایت کا مفہوم واضح ہے کہ اگر سواری دستیاب نہ ہو اور آدمی کے سامنے ایسی مجبوری ہو کہ ہدی پر سوار ہونے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو تو پھر ہدی کے اونٹ پر بھی سوار ہو سکتا ہے لیکن کوشش جاری رکھے گا کہ کوئی سواری خواہ کرایہ کی ہی ہو مل جائے اب اگر درمیان راستہ میں ہی کوئی سواری مل جاتی ہے تو اس پر سوار ہو جائے گا اور ہدی سے اتر جائے گا۔

ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف:

رکوب علی الہدی کے بارے میں حضراتِ فقہاء کے تین مذہب ہیں:

حنابلہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

شوافع کے نزدیک رکوب علی الہدی عند الحاجہ جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک عند الاضطرار جائز ہے۔

سبھی حضرات نے احادیث باب سے استدلال کیا ہے، البتہ احناف نے ان احادیث کو حالتِ اضطرار پر محمول کیا ہے، کیوں کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ مذکورہ شخص تھک چکا تھا پیدل چلنے سے عاجز تھا، اس کی حالت کو دیکھ کر حضور ﷺ نے سوار ہونے کے لیے فرمایا تھا، چناں چہ طحاوی میں الفاظ ہیں: ''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأي رجلاً يسوق بدنة وقدجهد، قال : اركبها...''۔

اسی طرح باب کی دوسری حدیث میں ''الجئت إليها'' بھی اس معنی میں واضح ہے کہ سخت مجبوری ہی میں ہدی

۱۷۶۱-أخرجه مسلم رقم (۱۳۲۴) في الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة، والنسائي: ۵/ ۱۷۷ في الحج، باب ركوب البدنة بالمعروف.

پر سواری کی اجازت ہے۔

ہدی پر سوار ہونے کا مسئلہ عام ہے خواہ ہدی واجب ہو یا نفلی ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے۔ (فتح الملک المعبود: ۱/ ۱۷)

بَابٌ فِي الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ

ہدی اپنے مقام پر پہنچنے سے پہلے ہلاک ہوجائے تو کیا کرے؟

۱۷۶۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِهَدْيٍ فَقَالَ: «إِنْ عَطِبَ مِنْهَا شَيْءٌ فَانْحَرْهُ، ثُمَّ اصْبُغْ نَعْلَهُ فِي دَمِهِ، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ»

ترجمہ: حضرت ناجیہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ہدی کے جانور روانہ فرمائے تو فرمایا: اگر ان میں سے کوئی مرنے لگے تو پھر اس کو ذبح کر ڈال، پھر (وہ جوتے جو قلادہ کے طور پر اس کے گلے میں لٹکے ہوئے ہیں اُن) جوتوں کو اس کے خون سے رنگ دے، پھر اس کو لوگوں کے واسطے چھوڑ دے۔

مقصد ترجمہ: اس ترجمۃ الباب سے مصنف رحمہ اللہ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ اگر ہدی کا جانور حرم پہنچنے سے قبل ہلاک ہونے لگے تو اس کا کیا کیا جائے؟ آیا اس کو ذبح کر کے خود کھالیا جائے یا عام لوگوں کو کھلا دیا جائے؟ یا پھر صرف فقراء اور مساکین ہی کو کھلایا جائے؟ اس مقصد کے لیے امام ابوداؤد رحمہ اللہ باب میں کل پانچ روایات لائے ہیں؛ لیکن ان پانچ روایات میں سے صرف دو روایتیں تو ترجمۃ الباب سے متعلق ہیں، بقیہ تین کا ترجمۃ الباب سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ دو روایتوں کے بعد سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں الگ ترجمۃ الباب لکھا ہوا ہے، اور وہ یہ: "باب من نحر الهدي بيده واستعان بغيره" اور مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

تشریح حدیث: قوله: "بعث معه بهدي" حضرت ناجیہ اسلمی (ان کا اصل نام ذکوان بن کعب بن جندب تھا، لیکن قریش کے ظلم سے نجات پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ناجیہ رکھ دیا) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدی کے ستر اونٹ لے کر مکۃ المکرمہ بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ منورہ میں مقیم رہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہدایا لے کر بھیج رہے تھے تو انھوں نے یہ سوال کیا کہ اگر ان میں سے کوئی ہدی راستہ میں حرم پہنچنے سے پہلے بیمار پڑ جائے، چلنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کا کیا کروں؟

۱۷۶۲ - أخرجه الترمذي: ۳/ ۲۵۳، كتاب الحج: باب ماجاء إذا عطب الهدي، حديث (۹۱۰) والنسائي في الكبرى (۲/ ۴۵۴)، وابن ماجه (۲/ ۱۰۳۶، ۱۰۳۷) كتاب المناسك: باب في الهدي إذا عطب، حديث (۳۱۰۶)

قوله: "إن عطب منه شئ": عطب البعر (سمع) عَطَبًا: اونٹ کا تھکنا، چلنے سے عاجز ہوجانا، بیکار اور ہلاک ہوجانا، مطلب یہ ہے کہ کوئی اونٹ چلنے سے عاجز ہوجائے، یہاں تک کہ اس کی ہلاکت کا خوب ہونے لگے تو پھر اس کا کیا کروں؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اس کو اسی جگہ ذبح کردو اور اس کے گلے کے چپل کو خون میں تر کرکے کوہان پر چھاپ ماردو تا کہ گذرنے والے لوگوں کو اس کے ہدی کا اونٹ ہونے کا علم ہوجائے، اور اس سے وہی غرباء اور فقراء کھائیں جو مستحق ہیں اور ان کے لیے اس سے کھانا حلال ہے۔

فقه الحديث: یہاں دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ یہ ہدی واجب ہوگی، مثلاً نذر کی ہو، دوسری یہ کہ وہ نفلی ہدی ہو، دونوں کی تفصیل الگ الگ ہے۔

اگر واجب ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اس قریب المرگ ہدی کو اسی جگہ ذبح کردے اور اس کی جگہ دوسری ہدی قربان کرے اور یہ ہدی اس کی ملک ہوگئی، خواہ اس مذبوحہ ہدی کو خود کھائے یا اغنیاء اور فقراء کو کھلائے، ہر قسم کے تصرف کا اس کو اس میں اختیار ہے؛ کیوں کہ وہ جانور ہدی سے نکل گیا، حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ میں سے ابن القاسم کا یہی مسلک ہے۔

اور اگر وہ ہدی نفلی ہے تو وہ صرف غرباء کا حق ہے اس کو ذبح کردے اور گوشت غرباء کو بانٹ دے، خود مالک اور اغنیاء اس میں سے نہ کھائیں اور اگر وہاں کوئی غریب نہ ہو تو پھر اس کے قلادے کو خون آلود کرکے اس کی کوہان پر لگادے نفلی ہدی میں سے کھانا اس لیے ممنوع ہے کہ احناف کے نزدیک نفلی ہدی خریدنے سے ذبح کے لیے متعین ہوجاتی ہے، لہٰذا اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور قربت حرم میں اہراقِ دم ہے اور حرم کے علاوہ میں فقراء کو کھلانا ہے، اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، پس اگر مالک نے یا غنی نے اس ہدی میں سے کھالیا تو گوشت کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا اور واجب ہدی خریدنے سے متعین نہیں ہوتی، اس لیے اس کی جگہ دوسرا جانور کرنا ضروری ہے، پس اس کا تصدق بھی ضروری نہیں۔

جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حکم اس کے برعکس ہے، کہ اگر ہدی نفلی ہے تو اس کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا حق ہے، اور اگر وہ نذر کی ہدی ہے تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے؛ لہٰذا نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے جانور کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے۔

رہی حدیث باب تو چوں کہ اس میں ہدی کے نفلی یا واجبی ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی غنی اور فقیر کی کوئی وضاحت ہے، اس لیے یہ کسی کے مذہب پر صریح نہیں ہے، بلکہ اس میں دونوں مذاہب کی گنجائش ہے۔ (درس ترمذی: ۳/ ۱۷۹)

۱۷۶۳ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ مُوسَى بْنِ سَلَمَةَ،

۱۷۶۳ - أخرجه مسلم رقم (۱۳۲۵) و (۱۳۲۶) في الحج، باب مايفعل بالهدي إذا عطب في الطريق.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُلَانًا الْأَسْلَمِيَّ، وَبَعَثَ مَعَهُ بِثَمَانِ عَشْرَةَ بَدَنَةً، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ أُزْحِفَ عَلَيَّ مِنْهَا شَيْءٌ قَالَ: «تَنْحَرُهَا، ثُمَّ تَصْبُغُ نَعْلَهَا فِي دَمِهَا، ثُمَّ اضْرِبْهَا عَلَى صَفْحَتِهَا، وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِكَ - أَوْ قَالَ - مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِكَ» .

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الَّذِي تَفَرَّدَ بِهِ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهُ «وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ رُفْقَتِكَ» وَقَالَ: فِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ، «ثُمَّ اجْعَلْهُ عَلَى صَفْحَتِهَا» مَكَانَ «اضْرِبْهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْت أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: إِذَا أَقَمْتَ الْإِسْنَادَ وَالْمَعْنَى كَفَاكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی اسلمی کو بھیجا اٹھارہ اونٹ ہدی کے دے کر، وہ بولا: اگر ان میں سے کوئی چلنے سے عاجز ہوجائے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ذبح کردینا اور قلادہ کے جوتا کو اس کے خون میں رنگ کر گردن پر چھاپا ماردینا۔ (تاکہ نشانی ہو کہ یہ ہدی کا اونٹ ہے) لیکن نہ تو تو خود اس کا گوشت کھانا اور نہ ہی تیرے ساتھی اس کا گوشت کھائیں۔

امام ابوداودؒ نے کہا کہ اس حدیث کا یہ جملہ "وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ رُفْقَتِكَ" منفرد ہے، اور کہا کہ عبدالوارث کی روایت میں "اضْرِبْهَا" کی بجائے "ثُمَّ اجْعَلْهُ عَلَى صَفْحَتِهَا" امام ابوداودؒ نے کہا: کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ سند اور معنی کا درست کرلینا تمہارے لیے کافی ہے۔

تشریح حدیث: قوله: فلاناً الأسلمي: یہ ناجیہ اسلمیؓ ہی ہیں جیسا کہ پہلی حدیث میں تھے۔

قوله: بثمانَ عَشْرَة بدنة: "ثمان" یاء کے حذف اور نون مفتوحہ کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے اور یاء مفتوحہ کے اثبات کے ساتھ بھی ہے، ویسے "ثماني" کے اعراب کا قاعدہ ہے: اگر "ثماني" بغیر تاء کے مفرد ہے تو اس کا اعراب قاضی کی طرح ہوگا جیسے: "هٰذه ثَمَانٍ، مررت بِثمانٍ، رَأيت ثمانيًا"

اور اگر مضاف ہے تو تمام حالتوں میں "یاء" باقی رہے گی، قاضی کی طرح حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری ہوگا اور حالت نصبی میں فتح لفظی ہوگا، جیسے: قرأت القرأن في ثماني ليالٍ، سهرت ثماني ليالٍ، وبقيت ثماني ليالٍ.

اور اگر "ثماني" مرکب ہو "عشرة" کے ساتھ، جیسا کہ یہاں پر ہے تو اکثر عرب "ثَمَانِيَ عَشَرَة" پڑھتے ہیں اور بعض عرب "ثَمَانَ عشرة" "ثَلاثَ عشرةَ" کی طرح پڑھتے ہیں.

پھر روایات میں اونٹوں کی تعداد میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ناجیہ اسلمیؓ کے ساتھ کتنے اونٹ بھیجے تھے، اس روایت میں اٹھارہ کی تعداد منقول ہے، صحیح مسلم کی روایت میں سولہ کی تعداد ہے اور واقدی کی روایت میں ستر کی تعداد مذکور ہے، صاحب فتح الملک المعبود فرماتے ہیں کہ تعدد قصہ کے امکان کی وجہ سے ان روایات میں کوئی منافات نہیں ہے۔

قوله: ''إنْ أزْحِفَ عَلَيَّ'' أزْحَفَ البعيرُ وَزَحَفَ (ف، افعال) اونٹ کا تھکنا، چلنے کے قابل نہ رہنا۔

قوله: ''ثم تصبغ نعلها'' صبغ (ن، ض، ف) صبغًا، رنگنا، اور نعل سے مراد اونٹ کی گردن میں پڑا ہوا قلادہ ہے، جس میں ایک یا دو جوتی بطور ہار کے ڈال دی جاتی تھیں، جوتی کو خون آلود کر کے اونٹ کی کوہان پر چھاپ مارنے کا حکم اس لیے تھا کہ گزرنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے۔

قوله: ''من أهل رفقتك'' رفقہ کی مراد میں دو احتمال ہیں: ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ رفقاء اور ساتھی ہیں جو کھانے میں شریک ہوں، خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر، سب قافلہ والے مراد نہیں ہیں دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد اس صاحب ہدی کے سب رفقاء ہیں امام نوویؒ نے اسی دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ (شرح صحیح مسلم نووی: ۵/ ۸۸)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ناجیہ اور ان کے ساتھیوں کو اس ہدی کا گوشت کھانے سے منع اس لیے کیا کہ کہیں یہ لوگ اپنی ماندگی کا کوئی بہانہ کر کے اپنے کھانے کے لیے اونٹ ذبح نہ کر ڈالیں۔

کیا اس میں اضاعت مال ہے؟

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ راستہ میں قریب المرگ ہوجانے والی ہدی کا گوشت نہ تو خود محافظ اور مُہدی کھائے گا اور نہ ہی اس کے رفقاء سفر کھائیں گے تو اس گوشت کا مصرف کیا ہوگا؟ اس طرح چھوڑ دینے میں تو اس کا ضائع کرنا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گوشت ضائع نہیں ہوگا بلکہ جہاں اونٹ ذبح ہوگا وہاں آس پاس کے رہنے والے اسے اپنے استعمال میں لے آئیں گے، یا قافلے تو آتے ہی رہتے ہیں، ان کے بعد جو قافلہ وہاں سے گزرے گا وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔

حدود حرم میں ذبح ہونے والی ہدی کا گوشت:

جو ہدی منزل مقصود پر پہنچ کر ذبح ہو اس کا حکم یہ ہے کہ نفل، تمتع اور قران کی ہدی کے گوشت میں سے خود مالک کا کھانا مستحب ہے ان کے علاوہ دوسرے قسم کی ہدی کے گوشت میں سے مالک کو کھانا درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵/ ۵۲۴)

قوله: ''قال أبوداؤد: الذي تفرد به من هٰذا الحديث'' مصنفؒ کا یہ کلام سنن ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے، جس کا مقصد راوی حدیث عبدالوارث کے تفرد کو بیان کرنا ہے کہ حدیث میں ''ولا تأكل منها أنت ولا أحد من أهل رفقتك'' جملہ نقل کرنے میں عبدالوارث متفرد ہیں، ابوالتیاح کے دیگر تلامذہ اس جملہ کو نقل نہیں کرتے۔

لیکن صاحب منہل نے لکھا ہے کہ عبدالوارث راوی اس کے نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں کیوں کہ صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں یہ جملہ ثابت ہے۔

قولہ: "قال أبوداؤد: سمعت أبا سلمة يقول: إذا أقمت الإسناد والمعني كفاك": امام ابوداؤدؒ نے یہ ایک اصول حدیث کا مسئلہ بیان کردیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی روایت بالمعنی کرے تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے، ایک استقامتِ اسناد اور دوسرے استقامتِ معنی، اگر یہ دو شرطیں موجود ہوں تو روایت بالمعنی درست ہے۔

اب یہاں یہ اصول مصنفؒ نے کیوں بیان فرمایا ہے؟ تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ابھی مصنفؒ نے عبدالوارث کے تفرد کا جو دعویٰ کیا تھا اس کے بارے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ تفرد مضر نہیں ہے، اس سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا، اس لیے کہ رواۃ حدیث ثقہ میں سند مستقیم ہے اور معنی میں کوئی تغیر بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ: امام خطیب بغدادیؒ نے سنن ابوداؤد کے بتیس اجزاء مقرر کئے ہیں جس طرح صحیح بخاری تیس پاروں میں منقسم ہے اسی طرح خطیب بغدادی نے سنن ابوداؤد کو بتیس پاروں میں تقسیم کیا ہے، یہاں تک الحمدللہ دس پاروں کی شرح مکمل ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بقیہ بائیس سپاروں کی تکمیل کی راہ کو آسان فرمائے۔

ہمارا ارادہ تو "اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے السمح المحمود فی حل سنن أبي داود" کی اس جلد میں اور چند احادیث کی شرح کرنے کا تھا لیکن چوں کہ یہاں دس پارے مکمل ہورہے ہیں اور سنن ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں یہاں "بسم الله الرحمن الرحيم" بھی لکھی ہے، اس لیے ہم اس جلد کو اسی جگہ ختم کررہے ہیں؛ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شرح کو شرف قبولیت عطا فرمائے، اور میرے اور میرے والدین کے لیے ذریعہ نجات بنائے، آمین یا رب العالمین

کتبہ

عبدالرزاق امروہوی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

۱۸/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

بروز جمعرات

فهرست المجلد السابع